

کلیاتِ پریم چند

24

متفرقات

مرتبہ
مدن گوپال



قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)

ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110 066

Kulliyat-e-Premchand-24

Edited by : Madan Gopal

Project Assistant : Dr. Raheel Siddiqui

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی	
سنہ اشاعت	: اپریل، جون 2004 تک 1926
پہلا ایڈیشن	: 1100
قیمت	: 168/-
سلسلہ مطبوعات	: 1147

ISBN. 81-7587-050-8

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک -1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066
طابع : لاہوتی پرنٹ اینڈس، جامع مسجد، دہلی-110006

پیش لفظ

ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ پریم چند کی تمام تصانیف کے مستند اڈیشن منظر عام پر آئیں۔ قومی اردو کونسل پریم چند کی تمام تحریروں کو ”کلیات پریم چند“ کے عنوان سے 24 جلدوں میں ایک مکمل سیٹ کی صورت میں شائع کر رہی ہے۔ ان میں ان کے ناول، افسانے، ڈرامے، خطوط، تراجم، مضامین اور ادارے بہ اعتبار اصناف یکجا کیے جا رہے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ناول : جلد 1 سے جلد 8 تک، افسانے : جلد 9 سے جلد 14 تک،

ڈرامے : جلد 15 و جلد 16، خطوط : جلد 17،

تراجم : جلد 18 و جلد 19، متفرقات (مضامین اور ادارے) :

جلد 20 سے جلد 24 تک

”کلیات پریم چند“ میں متون کے استناد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مواد کی فراہمی کے لیے اہم کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حسب ضرورت پریم چند کے ماہرین سے بھی ملاقات کر کے مدد لی گئی ہے۔

کلیات کو زمانی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ سن اشاعت اور اشاعتی ادارے کا نام شائع کرنے کا التزام بھی رکھا گیا ہے۔

”کلیات پریم چند“ کی یہ جلدیں قومی اردو کونسل کے ایک بڑے منصوبے کا نقش اول ہیں۔ اس پروجیکٹ کے تحت اردو ادب کے ان ادبا و شعرا کی کلیات شائع کی جائیں گی جو کلاسیکی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے کی اس پہلی کاوش میں کچھ خامیاں اور کوتاہیاں ضرور راہ پا گئی ہوں گی۔ اس

سلسلے میں قارئین کے مفید مشوروں کا خیر مقدم ہے۔

آئندہ اگر پریم چند کی کوئی تحریر/تحریریں دریافت ہوتی ہیں، آئندہ ایڈیشنوں میں ان کو شامل کیا جائے گا۔

اردو کے اہم کلاسیکی ادبی سرمایے کو شائع کرنے کا منصوبہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ ان ادبی متون کے انتخاب اور ان کی اشاعت کا فیصلہ قومی اردو کونسل کے ادبی مینل نے پروفیسر شمس الرحمن فاروقی کی سربراہی میں کیا۔ ادبی مینل نے اس پروجیکٹ سے متعلق تمام بنیادی امور پر غور کر کے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے میں ہماری رہنمائی کی۔ قومی اردو کونسل ادبی مینل کے تمام ارکان کی شکرگزار ہے۔ ”کلیات پریم چند“ کے مرتب مدن گوپال اور پروجیکٹ اسسٹنٹ ڈاکٹر رحیل صدیقی بھی شکرے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے اور انھیں ترتیب دینے میں بنیادی رول ادا کیا۔

امید ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی دیگر مطبوعات کی طرح ”کلیات پریم چند“ کی بھی پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند،

نئی دہلی

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
vi	دیباچہ	
	پریم چند کے تین مضامین	1.
3	آلیور کروم دیل	(الف)
19	سودیٹی تحریک	(ب)
22	بنارس	(ج)
27	اہنکار	2.
197	شرشی کا آرمہ	3.
237	خطوط ہنام پریم چند	4.
477	انٹرویوز	5.
501	حرف آخر	6.
533	کتابیات	

دیباچہ

کلیات پریم چند کی آٹھ جلدوں میں (جلد 1 سے جلد 8 تک) کھٹنا کے علاوہ پریم چند کے تمام ناول شامل ہیں۔ چھ جلدوں میں (جلد 9 سے جلد 14 تک) ان کے تمام افسانے (ہندی اور اردو میں لکھے ہوئے) شامل ہیں۔ دو جلدوں میں (جلد 15 اور 16) ان کے تمام ڈراموں (اور دوسری زبانوں کے ڈرامے جو ترجمے کیے گئے تھے) کو شامل کیا گیا ہے۔ ایک جلد میں (جلد 17) پریم چند کے تمام خطوط تاریخ وار پیش ہیں۔ دو جلدوں میں (جلد 18 اور 19) آزاد کھٹا اور بچوں کے لیے لکھی گئی تمام تحریریں پیش ہیں، اور دو جلدوں (جلد 20 اور 21) میں پریم چند کے تمام اردو میں لکھے تبصرے اور مضامین شامل ہیں۔ پریم چند کی دو کتابیں جو انھوں نے ہندی میں ترجمہ کی تھیں، جلد (24) میں شامل ہیں۔ پہلی کتاب اتاتول فرانس کی مشہور تصنیف تھائیس کا ترجمہ ہندی میں اہنکار کے نام سے اور جارج برناڈشا کا شرطی کا آرمہ ہے۔ دوسری کتاب پریم چند کی ادبی خدمات کے ابتدائی دور میں جو مضامین آلیور کرم ویل (1903) (جو ان کی ہی تخلیق تھی) اور شودیشی تحریک (1905) جو بنارس کے آوازہ غلط میں شائع ہوئے تھے جلد 20 میں اس لیے شامل نہیں کیا گیا کیونکہ ان کا متن دستیاب نہیں ہو سکا۔ ان کو اس جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ اس جلد میں وہ خطوط بھی شامل ہیں جو پریم چند کو مختلف ادیبوں نے لکھے تھے۔ اس جلد میں گجراتی کے رسالہ چترپٹ میں اور مراٹھی کے رسالے پرجمہا کے دو شماروں میں پریم چند کا انٹرویو بین آن کے مدیر اور شری ٹلیک نے پریم چند سے ممبئی میں ملاقات کے بعد لکھا تھا ان کو بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے میں ڈاکٹر گوونکا کا شکر گزار ہوں۔ آخر میں کتابوں کی فہرست شامل ہے۔

اردو کے تمام قارئین اور محققین پریم چند سے گزارش ہے کہ اگر پریم چند کی کوئی تحریر دستیاب ہوتی ہے اور کلیات پریم چند کے متعلق کوئی مفید جانکاری ہے تو ہم اس کا استقبال کریں گے اور آئندہ ایڈیشن میں اس کی حظانی کی جائے گی۔

حرف آخر میں پریم چند کی تمام تصانیف کے بارے میں ضروری تفصیلات دی گئی ہے۔

یہ بھی تلا یا گیا ہے کہ کن کن Sources سے ان کا متن حاصل کیا گیا ہے۔ سو یہ بھی کہ ان کی تصانیف کے سودے کہاں ہیں۔

آخر میں قومی کونسل کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، پرنسپل جلی کیشن آفیسر روپ کرشن بھٹ اور دیگر کارکنان خاص طور پر ڈاکٹر رحیل صدیقی کا ممنون ہوں کہ یہ کام یا پے تکمیل تک پہنچانے میں میری معاونت کی۔ شکریہ

مدن گوپال

پریم چند کے تین مضامین

آلیور کروم ویل

یہ دنیا ایک تھیز ہے جہاں ایکٹ کرنے والے تو بہت کم اور تماشائیوں کی بھیڑ بہت زیادہ ہے۔ مگر اس تھیز کی دلچسپیاں، اس کی کشش انھیں تھوڑے سے ایکٹروں کے جادو بھرے کارناموں اور جادو بھری باتوں پر منحصر ہے۔ یہ چند ایکٹرز اپنے جادو بھری تقریروں اور موٹی اداؤں سے ہمارے دلوں پر قبضہ کیے ہوئے ہیں اور ہم خوشیوں کی ایک عجیب کیفیت سے ان کی کوششوں کی داد دیتے ہیں۔ چمک انگلستان کے مشہور شاعر اور فلسفی کارلائل کا یہ کہنا صحیح ہے کہ دنیا کا صحیح تعارف صرف ان بڑے لوگوں کے کارنامے ہیں جو دنیا فوجاً دنیا میں پیدا ہوئے۔ ہماری تفریح کی چیزیں اور وہ تمام چیزیں جو ہماری تحسین اور احترام کی مستحق ہیں، انہی بڑے آدمیوں کی محنتوں اور غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہ انھیں بیدار لوگوں کی اہم کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ ہماری روٹیں، جن سے ہماری زندگی ہے وہ انھیں کے اشاروں پر چلتی ہیں۔ ہمارے خیالات، ہماری تہذیبی شکل، ہمارے طور طریقے بھی اسی سانچے میں ڈھلتے ہیں، جو وہ شخص ہمارے نظروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جب ہماری اندرونی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، ہمارے خیالات گندے ہو جاتے ہیں، ہمارے بُرے کام بڑھ جاتے ہیں، ہماری خوشحالی ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، ہمارا مذہب پرانا ہو جاتا ہے اور وقت کی طولانی اس میں بہت سی تبدیلیاں کر کے اسے بناوٹی رسم و رواج کا مجموعہ بنا دیتی ہیں۔ ہمارے علم کا دائرہ سکڑ جاتا ہے اور ہم گمراہی کے سمندر میں ڈکیاں کھانے لگتے ہیں تو ہم کا ایک چاہتے ہیں کہ کوئی گوتم بدھ، کوئی شکر اچاریہ، کوئی ارسطو، کوئی محمدؐ، کوئی نیوٹن پیدا ہو، جو اپنی روحانی صلاحیت سے ہماری سوسائٹی کو فائدہ پہنچائے۔ جتنے مہلک عناصر اکٹھے ہو گئے ہیں ان کو دور کر دے۔ نئے خیالات کے دریا بہا کر ہماری پیاس کو بجھائے اور ہمارے دماغ کے بجھتے ہوئے چراغ کو پھر سے روشن کر دے۔ جب ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور کوئی ایسا شخص سامنے آتا ہے تو ہم اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جیسے ایک ہوشیار جادوگر اپنے جادو کے زور سے کچھ چلیوں کو نچاتا ہے، جس طرف چاہتا ہے، بٹھاتا ہے۔ اسی طرح یہ ہیرو بھی ہم

کو عجیب و غریب طلسم دکھا کر ہماری روح کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے اس کے کردار میں کون سی طاقت ہوتی ہے جو ہمارے دلوں پر اس کی عظمت کا سلسلہ بٹھاتی ہے۔ اس کی باتوں میں خدا جانے کیا اثر ہوتا ہے جو ہم پر جادو کرتا ہے۔ وہ بڑا زبردست مسرنازر ہوتا ہے اور محض اس کی آنکھیں ہی نہیں بلکہ اس کی ہر بات اور ہر کام ہم پر مسرنازم کا اثر ڈالتے ہیں۔

خدا نے انسان کو بہت سی خوبیاں دی ہیں لیکن ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں جنہیں اس نے ایہاد کرنے کی طاقت بخشی ہو۔ اگر عوام کو پیروی کرنے کے بجائے ایہاد کرنے کی طاقت ملی ہوتی تو آج دنیا کا کچھ اور ہی ڈھنگ ہوتا۔ ہر ایک انسان اپنے زعم میں خود ہی بہلول بنا بیٹھا ہوتا۔ یہ سب پیروی کرنے کی طاقت کا نتیجہ ہے کہ ہم ایک بڑے ہیرو کے پیچھے چلتے ہیں اور اس کے غیر مرئی قوتوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ سمجھنا غلامی سے خالی نہ ہوگا کہ خدا نے ہماری گھٹی میں ہیرو ورشپ کا مادہ ڈالا تو ہم میں یہ قابلیت بھی پیدا کر دی کہ ہم ایک سچے ہیرو کو رنگے ہوئے سیاروں سے الگ کر کے پہچان کر سکیں۔ بہت بار ایسا ہوا کہ معمولی رگ اور پٹھے کے لوگ دنیاوی خواہشات اور ہوش کے قابو میں آ کر ہیرو بن بیٹھے۔ عوام نے ان پر بھروسہ کیا، انہیں اپنا ہیرو مانا اور ان کے اشاروں پر چلے۔ مگر جب دانشوروں نے ان بناوٹی ہیروؤں کی باتوں اور کارناموں کو عقل کی کسوٹی پر کسا تو ان کی ساری قلبی کھل گئی۔ اگر ایسا ہیرو اس وقت تک زندہ رہا تو جیتے، جو اور مرا تو مرنے کے بعد لعنتوں کا شکار بنایا گیا۔ یہ نقلی ہیرو دنیا میں اتنے زیادہ ہوئے اور اتنی بار ان کے بھاڑے پھولے کہ ہمیں ایک سچے ہیرو کی پیروی کرتے ہوئے بھٹک جانے کا خطرہ لگا رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی سچے ہیرو نمودار ہوئے، ہماری بری حالت کو سدھارنے کے لیے ماتھا چٹکی کرتے رہے۔ ہماری بھلائی کے لیے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلائے، ہم کو بھٹکا ہوا پا کر سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کی مگر ہمارے کان پر جوں تک نہ رہتی۔ ہم ان کو بھی نقلی ہیرو سمجھا کیے۔ برابر ناکامیوں نے ان کے دل توڑ دیے اور اپنے مضبوط ارادوں اور بلند ارمانوں کو لیے ہوئے اس دنیا سے سدھار گئے۔ اگر ان کا سچا حال ان کی موت کے بعد عوام کو پتہ چلا تو ہم نے انہوں کے ساتھ ہاتھ ملے اور جن سے زندگی بھر دور دور رہے تھے، ان کے مرنے کے بعد ان کی سادھی کی پوجا کی اور مجتھے بنائے تاکہ ان کا نام قائم رہے۔ جو یس سیزر جب تک زندہ رہا لوگ اس پر یہ الزام

لگاتے رہے کہ وہ اپنے حقوق کا ناجائز استعمال کر رہا ہے اور روم کی جمہوریت کو دھول میں ملا کر خود بادشاہی چاہتا ہے۔ آخر بے رحم لوگوں نے اس کو قتل کیا مگر اس کی وفات کے بعد جب اس کی باتیں اور اس کے کارنامے جانچے گئے تو ان میں سچائی اور نیکی کوٹ کوٹ کر بھری پائی گئی اور لوگ اسے ہیرو ماننے لگے۔

کردم ویل، جس کے حالات ہم آگے چل کر مختصر طور پر بتلائیں گے، جب تک زندہ رہا غلط فہمیوں کی بوجھاریں سہتا رہا۔ مرنے کے بعد اس کے دشمنوں نے اس کی مٹی پلید کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آخر کار انیسویں صدی میں کارلائل نے اس کی عزت کی۔ اس کے خیالات اور کارناموں اور اصولوں کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور اس کی محنتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کردم ویل کا نام عزت سے لیا جاتا ہے اور اب اتنی ہی بات کہی نہیں ہے کہ وہ سچا (واقعی) ہیرو تھا بلکہ سچے ہیروؤں میں اس کو خاص مقام حاصل ہے۔ بازاروں میں کبھی کبھی کھوٹے سکے بھی چالو سکوں کے پردے میں چھپے رہتے ہیں مگر ان کی اصلیت پرکھ لی جاتی ہے اور بڑی بے دردی سے پینک دئے جاتے ہیں۔ کاش بھگوان ہمیں کوئی ایسی تیز قوت دیتا کہ ہم اس صورت میں بھی کھوٹے کھرے کو پرکھ لیا کرتے۔ کیا خوب کہا ہے ذوق نے۔

گوہر کو جوہری اور صراف زر کو پرکھے

ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

کردم ویل کی پیدائش، بچپن اور تعلیم

آلیور کردم ویل 25 مارچ 1599 کو ہینکلڈن میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام رابرٹ کردم ویل تھا اور اس کی ماں کا نام الزبتھ سنوارٹ۔ کردم ویل اور سنوارٹ دونوں خاندان کے نوٹن کے بعد ترقی کی سیڑھی پر چڑھے تھے اور قدامت و اعلیٰ نسب کی نظر سے انگلستان کے اونچے سے اونچے خاندانوں کی برابری کر سکتے تھے۔

کردم ویل کا چچا سر آلیور کردم ویل جو اس نووارد کردم ویل کا دھرم پتا بھی تھا ہینن بروک کا مشہور معزز زمیندار تھا اور امیروں کی طرح بڑے ٹھاٹھ بانٹھ سے رہتا تھا۔ وہ اپنے پاس پڑوس میں ہی معزز نہیں گنا جاتا تھا بلکہ شاہی خاندانوں میں بھی اس کی آؤ بھگت تھی۔ مہارانی الزابتھ نے کئی بار اس قصبے کو اپنے قدم مبارک سے عزت بخشی تھی، اور اس کی وفات

کے بعد جیس بھی کبھار یہ عزت اس قصبہ کو دیتا رہا۔ جس وقت کروم ویل پانچ سال کا تھا۔ جیس بڑی شان و شوکت سے وہاں پہنچا تھا اور کئی دن تک محفلیں خوب گرم رہیں۔ شیشہ و شراب کا دور چلا۔

کروم ویل کا باپ اوسط درجے کا آدمی تھا۔ اس کے پاس ہنگلڈن کی چھوٹی سی کاشتکاری تھی، جس سے ایک ہزار پاؤنڈ سالانہ کا فائدہ ہوتا تھا۔ کروم ویل کے ماں کے قبضے میں ۲۵۰ پاؤنڈ سالانہ کے منافع کی زمین تھی جو وہ اپنے میکے سے جھیز میں لائی تھی۔ گو موجودہ زمانے کی مالی حیثیت کے لحاظ سے اس آمدنی کا شمار اوسط آمدنیوں کے آخری درجے میں ہوگا، مگر اس زمانہ میں روز کی ضرورتیں اتنی زیادہ نہ تھیں اور یہ آمدنی ایک شریف خاندان کے گزر بسر کے لیے کافی تھی۔

رابرٹ کروم ویل ایک سلجھا ہوا متین اور سمجھدار انسان تھا۔ وہ تنہائی پسند تھا اور اس عادت نے اسے عام لوگوں کی نگاہ میں منور بنا دیا تھا۔ اسے بہت سے علوم میں کافی دخل تھا۔ اور گو آج کے زمانے میں علمی قابلیت کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے مگر اس زمانے میں یہ بے شک غیر معمولی بات تھی۔ امیروں اور اونچے گھروالوں کا رجحان علم حاصل کرنے کی طرف نہیں تھا بلکہ اکثر امیر لوگ اس کو نیچی نظر سے دیکھتے تھے۔ اگر انھیں ہابیل پڑھنا آ گیا تو بس پنڈت ہو گئے۔ پھر انھیں کچھ اور جاننے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ملٹری ٹریننگ ان کو خوب دی جاتی تھی اور جانوروں کا شکار کرنا ان کا پیارا شغل تھا۔

الزابتھ سنورٹ کروم ویل کی ماں، سر تھامس سنورٹ کی بہن تھی۔ کیوں کہ سر تھامس کے کوئی اولاد نہیں تھی اس نے آلیور کو گود لے کر اسے اپنا جانشین ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ الزابتھ کی شادی ولیم بن سے ہوئی تھی۔ مگر وہ کچھ ہی دنوں بعد پر لوک سدھار گئے۔ تب اس ودھوانے رابرٹ کروم ویل سے شادی کی۔ اور خدا نے ان کو دس بچے دیے مگر کئی لڑکے ایک کے بعد ایک اپنے والدین کو داغ مفارقت دے کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بیٹوں میں صرف کروم ویل جو پانچواں لڑکا تھا۔ جیتا جاگتا بچا تھا، کروم ویل کی ماں بہت نیک حتمین نیک سیرت اور سادہ زندگی پسند کرنے والی عورت تھی۔ یہ آخری صفت اس زمانے کی عورتوں میں مشکل سے ہی پائی جاتی تھی۔ چاروں طرف نیم ٹام کا زور تھا، اور بناوٹ اور دکھاوا عام بیماری تھی۔

راہٹ اور الزبتھ دونوں بھلڈن کے دیہاتی مکان میں بہت اطمینان سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی سمجھداری کفایت شعاری اور سادگی سے ایک لمبے چوڑے خاندان کی جس میں دس بچے تھے، بخوبی پرورش کرتے تھے۔ یہ ان کے خوش اسلوبی کی خوبی تھی کہ انھیں غربت یا اجتماعی کی تکلیفیں نہ اٹھانی پڑتی تھیں۔ یہ نیک بیوی اپنے پیارے شوہر کی موت کے بعد ۷۳ سال زندہ رہی اور اپنی لڑکیوں کی شادیاں اچھے خاندانوں میں کیں۔ بہت کم مائیں ایسے بچے جنتی ہیں جو اپنے مضبوط ارادوں سے ان کی بے انتہا تکلیفیں دور کرتے ہیں۔ جب اس کی زندگی کے دن پورے ہونے کو آئے تو اس نے کروم دیل سے درخواست کی کہ مجھے میرے خاندان کے قبرستان میں دفن کرنا، مگر کروم دیل کو یہ کب گوارہ ہو سکتا تھا کہ اسے ایک گناہم جگہ پر دفن کرے۔ چنانچہ بادشاہوں سی آن بان سے اس کی اتم کریا کی گئی۔ اور وہ بیٹ مسٹر میں ہی دفن ہوئی۔ جب شای طاقت ایک بار پھر نئے سرے سے واپس آئی تو دشمنوں اور جاسوسوں سے یہ بھی نہ دیکھا گیا کہ اسے اس کی زمین کے ایک کونے میں خاموش پڑا رہنے دیں۔ بچاری کی ہڈیاں کھدوا کر بڑی ذلت کے ساتھ ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں۔

کروم ویل اپنے ماں باپ کا ہونہار بچہ تھا۔ اس کے بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ ہاں اس زمانے کی کچھ عوامی باتیں البتہ مشہور ہو گئی ہیں۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مشہور لوگوں کے بارے میں کچھ باتیں عوام میں مشہور ہو جایا کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بچپن ہی سے مستقبل میں عظمت کے نشان دکھائی پڑنے لگتے ہیں یا تب سمجھ عوام ان کی عجیب و غریب معجزاتی کارنامے کو دیکھ کر بھوپک رہ جاتی ہے اور ان کے بارے میں کچھ انواہیں گڑھ کر اپنی تسکین کر لیا کرتی ہیں۔ ہم بڑے لوگوں کے کرداروں میں معجزاتی باتوں کے دیکھنے کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ہماری آنکھیں شروع سے ہی ان کی تلاش کرنے لگتی ہیں۔ یہ شاید انسان کے نہر میں شامل ہے کہ وہ ہر ایک عظیم کارنامے کو غیر معمولی باتوں سے جوڑ لیتا ہے۔ اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے کیوں کہ کوئی عظیم کارنامہ غیر معمولی قابلیت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

کہتے ہیں کہ ایک بار آلیور کروم دیل کو خواب میں یہ پکار سنائی پڑی کہ تو انگلستان کا سے بڑا آدمی ہوگا۔ جب اس نے اپنے والد سے یہ قصہ کہا تو اس نے اس کا خوب

کان گرم کیے۔

دوسری بات یوں ہے کہ جب شہزادہ چارلس اپنے شاعر باپ جیمس کے ساتھ نارٹھ بروک آیا تھا تو اس کی اور کرم ویل کی کسی بات پر ان بن ہو گئی۔ تو بات ہاتھ پائی تک پہنچی اور آخر کار کرم ویل میر رہا۔ ایک اور بات یوں مشہور ہے کہ وہ آس پاس کے انگریزوں پر بڑی آزادی سے حملے کیا کرتا تھا، اور باغ بانوں نے اس کی لوٹ پائٹ سے بچ کر اسے سیبوں کا شیطان کہہ کر پکارنا شروع کر دیا تھا۔

کرم ویل کی ابتدائی تعلیم ہنگڈن کے فری سکول میں ہوئی۔ اس وقت اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر ٹامس بیرڈ تھے اور اس نے طالب علم کی پیدائشی خصوصیات کو دیکھ کر اس کا دوست ہو گئے۔ بیرڈ اپنے آخری وقت تک اس اسکول کا پرنسپل رہا اور ہنگڈن میں لیکچر دیتا رہا۔ کرم ویل بھی اس کو عزت دینے میں اپنی طرف سے کچھ کسر نہ اٹھا رکھتا تھا۔ فری اسکول کا کورس ختم کرنے کے بعد کرم ویل ہنگڈن کے گرامر اسکول میں بھیجا گیا اور یہاں اس نے اپنی تعلیمی دور کا بڑا حصہ ختم کیا۔ سترہویں سال میں اس نے یہاں اپنی تعلیم پوری کی اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ کتنے دن وہاں پڑھتا رہا مگر یہ معلوم ہے کہ اس نے کوئی بڑی سند حاصل نہیں کی۔ اس کی تقریر اور اس کے خطوط سے البتہ پتہ چلتا ہے کہ وہ انگریزی اور لاطینی زبانوں کا ماہر تھا۔ کچھ مورخ کہتے ہیں کہ وہ یونان اور روم کی تاریخ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ کرم ویل کے کالج کے زمانے کی زندگی کے حالات بھی مشکوک ہیں۔ مورخوں کے بیانات بھی ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ آزاد اور اڑیل طالب علم تھا اور اپنا وقت کھیل اور تماشوں میں کاٹتا تھا۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ وہ بہت محنتی طالب علم تھا۔ کرم ویل کا من چاہے تعلیم کی طرف رہتا تھا۔ بجائے اس ہو، مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ قدرت کے صفات کو جی لگا کر پڑھتا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ شیسپیر کے تخلیقی کرداروں کا مطالعہ کرے وہ قدرت کے جیتے جاگتے کرداروں کو مطالعہ کرتا تھا۔ زمانے کی تبدیلی کو بڑے غور سے دیکھتا تھا اور انسانی دل و دماغ کے الٹ پھیر کو خوب جانتا تھا۔ اس کے زمانے میں ایسے حادثات ہوئے جو کسی عظیم خیالات والے دل و دماغ پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ سولہویں صدی کے ساتھ شاعر ٹیڈور خامنہ کا خاتمہ ہوا اور سنوٹ خامنہ کے ظالم بادشاہ ان سے جا نشین ہوئے۔ جب کرم ویل چھ

سال کا تھا۔ مگن پاؤڈر پلاٹ نے تمام ملک میں ہلچل مچادی تھی۔ گیارہ ہی سال کا ہوا تھا کہ فرانس کے بادشاہ ہنری چہارم کو اپنی رعایا کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا۔ مذہبی لڑائیاں بھی بڑی سرگرمی سے لڑی جا رہی تھیں۔ پچھڑن دہائی کے لوگوں نے جن کا پارلیمنٹ میں اس وقت بڑا زور تھا، جیسے کو مذہبی معاملوں میں یہاں تک تک کیا کہ آخر کار اس کو ہیمڈن کورٹ میں ایک اجلاس بلانا پڑا۔ جیسے دینی معاملات کو کافی حد تک سمجھتا تھا اور تعلیم بھی اعلیٰ درجے کی پائی تھی۔ اس نے اس اجلاس میں پیورٹن دہائی کے مضبوط دلائل کو ایسے منہ توڑ جواب دے۔ مگر نتیجہ اتنا ہوا کہ بائبل کا ترجمہ عبرانی سے انگریزی زبان میں کیا جانے لگا۔ وہ انیسویں سال میں تھا جب سروالٹر ریلے 13 سال لندن ٹاور (جیل خانہ) میں قید رہنے کے بعد پھانسی پر چڑھایا گیا اور اسی زمانے میں تیس سالہ جنگ کی شروعات آسٹریا میں ہوا جس نے تمام یورپ میں تہلکہ مچا دیا۔

کروم ویل مشکل سے کیسبرج میں ایک سال رہا ہوگا کہ یتیم ہو گیا۔ مجبور ہو کر اپنے تعلیم کو خدا حافظ کہا، کیونکہ اس کی موروثی جائیداد کا انتظام کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ ہنگلڈن واپس آیا اور بڑی محنت سے اپنی جائیداد کا انتظام کرنا شروع کیا۔

کروم ویل کی شادی

ٹھیک جوانی کے وقت والد کا سایہ سر سے اٹھ جانا اکثر گھر کی بربادی کی وجہ ہوتی ہے۔ اور خوشحال طبقہ کے آزاد نو جوانوں کے لیے تو ماں باپ کی وفات گمراہی اور عیاشی کی ابتدا ہوتی ہے۔ کروم ویل بھی اسی طبقہ کا نو جوان تھا اور چونکہ اس کو اپنے اعلیٰ کردار ہونے پر پورا بھروسہ نہ تھا۔ اس لیے اسے یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں بری داستانیں اس کو سیدھے راستے سے دور نہ کر دیں۔ اسے معلوم ہو گیا کہ ان خطروں کی بنیاد آزادی ہے۔ لہذا اس نے اپنی آزادی ہی پر ہاتھ صاف کرنے کا پکا ارادہ کیا۔ انگلستان میں عموماً مردوں کی شادیاں پچیسویں سال کے بعد ہوا کرتی تھیں مگر کروم ویل نے اپنے اکیسویں ہی سال میں یہ طوق اپنے گلے میں لا ڈالا۔ 22 اگست 1620 کو اس کی شادی الیزابتہ بورچر سے ہوئی۔ جو بہت سمجھدار، ارادے کی پکی دکھاوے سے دور اور پیاری عورت تھی۔ اپنے جیتے جی اس نے کروم ویل کے ساتھ محبت قائم رکھی، یہاں تک کہ شادی ہونے کے پچیس سال بعد جب اگر میاں بیوی میں ایک طرح

کی مایوسی آجایا کرتی ہے جو خطِ کرم و دل نے اپنی بیوی کو لکھا ہے وہ محبت کی انگلی میں لپٹے ہوئے الفاظ سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ جیسے کسی نوجوان خاوند کی قلم سے نکلا ہو۔

کرم و دل اپنی بیوی کو لے کر بھٹڈن آیا اور زور شور سے اپنی کھیتی باڑی میں لگ گیا۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ایک معمولی عام امن پسند کسان کے روزانہ حالات تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے مل سکتے ہوں یا ان میں قصوں کی سی دلچسپی اور عجیب انوکھی باتیں پائی جاتی ہوں۔ کرم و دل کی زندگی یہاں کچھ ایسی سادگی اور قنوطی سے بسر ہوتی تھی کہ اس کے بہت کم حالات معلوم ہوتے ہیں۔ یہ البتہ معلوم ہے کہ اسے اپنے خاندان کے ساتھ بچی اور بیٹے لوٹ محبت تھی اس کے خاندان کا ہر ایک ممبر (رکن) اس کی آنکھوں کو تار تھا، اور اس کے بدلے میں کرم و دل بھی تمام کنبے کی محبت اور عزت کے حرے لیتا تھا۔ اس آپسی میل محبت اور بے لوٹ رہن سہن نے بے شک اس کی زندگی کو پیار کے لائق بنا دیا ہے۔ وہ عوام سے بڑی بے تکلفی اور سادگی سے پیش آتا تھا اور آس پاس کے تمام لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ بھٹڈن میں وہ گیارہ سال رہا۔ اس دوران وہ صرف ایک بار 1628 میں اپنے قصبے سے چٹاؤ جیت کر پارلیمنٹ میں شریک ہوا تھا۔ جب وہ معین وقت یعنی ایک سال کے بعد لوٹا تو پھر وہی سادہوؤں جیسی زندگی بسر کرنے لگا۔

1632 میں اس نے بھٹڈن کو چھ دیا اور سینٹ آپولیس میں آکر رہنے لگا۔ یہاں بھی اس نے کاشتکاری کا نقشہ جمایا۔ مگر شاید اس کی طبیعت یہاں سے اچاٹ ہوگئی کیوں کہ اس نے چار ہی سال بعد اس کھیتی کو بھی چھ دیا اور اپنے ماموں کے گھر کو جو ایلائی نام کے قصبہ میں تھا، اپنا مسکن بنایا۔ اس قصبہ میں وہ امن چین سے 1642 تک رہا۔ کھیتی کرواتا تھا اور اس کی آمدنی سے اپنے بڑے خاندان کی پرورش کرتا تھا۔ کرم و دل کی فراخ دلی صرف اپنے خاندان تک ہی محدود نہ تھی وہ اکثر مصیبت کے مارے غریبوں کی تکلیف اور مصیبت میں شریک ہوتا تھا۔ جو کچھ وہ روز مرہ سے بچا سکتا تھا وہ مصیبت کے مارے لوگوں میں خرچ کرتا تھا۔ خدا نے اس کو بھردر اور نرم دل بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ دن بھر میں دو بار اپنے کھیتوں کے تمام مزدوروں کو اپنے چاروں طرف جمع کر کے بائبل سے دعا پڑھتا تھا گو مذہب پرستی اسے اس کو مالی نقصان پہنچتا تھا مگر وہ اپنے مذہب اور اس کے پرچار کے لیے جان و مال کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ کرم و دل پورٹن دھرم کا ماننے والا تھا۔ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں سبھی میں

اچھی اور بری دونوں باتیں پائی جاتی تھی۔ پورٹن بھی اس اصول سے الگ نہ تھے۔ ان کے مذہب میں نیک سیرت اور محبت آزادی ہمدردی اور نفس کو روکنے کی تعلیم، سب کچھ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی کثرت اور مذہبی جنون اکثر ان کی اور سب خوبیوں کو دبا لیتے تھے۔ پورٹنوں کو اگر لڑائی کے میدان میں دیکھیے تو مضبوط ارادے، حوصلہ اور بہادری کی زندہ تصویر پائیے گا اور اگر حکومت کے دربار میں دیکھیے تو سمجھداری دور اندیشی اور سچائی کا اعلیٰ نمونہ پائیے گا۔ مگر لڑائی کے میدان میں ان کا دل حد سے بڑھا ہوا ہے۔ مذہبی کڑپن ہزاروں گھروں کو بے چراغ کر دیتا ہے اور دربار حکومت میں پارلیمنٹ کے اقتدار اور قدیم حقوق پر سفاکانہ حملہ کرتا ہے۔

پورٹن دھرم واضح طور پر سبھی دکھاوے کی چیزوں سے نفرت کرتا تھا۔ اس کا مندر اس کا کلیسا جو کچھ تھا بائبل تھی۔ کہا جا چکا ہے کہ جیس کے دور حکومت میں اس مقدس کتاب کا ترجمہ عبرانی سے انگریزی زبان میں کیا گیا۔ اس کے مترجم اعلیٰ درجہ کے ذہین، پرہیزگار اور عالم لوگ تھے۔ کئی مہینے تک برابر محنت کرنے کے بعد یہ ترجمہ پورا ہوا تھا۔ ایک ایسے وقت میں جب تجارت کی دن دونی رات چوگنی ترقی نے سب کا دھیان روپیہ حاصل کرنے کی طرف کھینچ لیا تھا اور عیسائی دھرم وقت کے پھیر میں پڑ کر بتاؤٹی اور نمائش رسوں کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ اس کتاب کا شائع ہونا عوام کے لیے امرت کا کام کر گیا۔ ان کی مذہبیت روحانی محافظ بن گئی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عبرانی زبان پر اتنا عبور ہونا کہ انجیل سمجھنے کی قابلیت ہو جائے عوام کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے کل آبادی کا بڑا حصہ خدا کی پرستش کرنے سے مجبور تھا۔ پیسک و ملکف ترجمہ موجود تھا، مگر انگریزی زبان کی تبدیلیوں نے اسے عوام کی سمجھ کے قابل نہ رکھا تھا۔ جس جوش سے اس مذہبی کتاب کا خیر مقدم کیا گیا وہ اس بات کا گواہ ہے کہ لوگ اس کی امید لگائے تھے اور اس کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ کتاب بہت جلد عوام میں مقبول ہو گئی اور انگریزی خیالات کو جتنا اس کتاب نے سدھارا اتنا شاید ہی کسی دوسری کتاب نے نہ کیا ہو۔ اس وقت نہ کہیں شعر و شاعری کا ذکر تھا اور نہ ہی شاعروں اور نثر نگاری کا زور تھا۔ اگر خوبصورت نثر تھی تو یہی بائبل، اور اگر شاعری تھی تو یہی بائبل۔ پیسک شیکسپیر کی لاجواب تصانیف موجود تھی مگر اس وقت یہ عوام میں مقبول نہ تھیں۔ صرف حمیڑوں اور نمائش گاہوں میں ہی ان کا نام سنا جاتا تھا یا فینسبل شریفوں کے حلقوں میں۔ عوام تو عام

طور پر لکھنے پڑھنے سے محروم تھے۔ کروم ویل اس کتاب کا بہت بڑا عاشق تھا۔ اس نے اپنے دل، زبان اور عمل کو اسی کتاب کے سانچے میں ڈھالا تھا۔ اس کی زبان بھی بالکل بائبل کی زبان سے ملتی تھی۔

پیٹرسن دھرم کے لوگ بائبل پر اندھا اعتقاد رکھتے تھے۔ اس وقت تک ان بڑے لوگوں کا نام و نشان نہ تھا جنہوں نے انجیل کو دماغ اور عقل کی کسوٹی پر کسا ہو۔ ہر ایک پیٹرسن کا پورا اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انہیں خدا کی عدالت میں جانا پڑے گا اور وہاں اپنے کرموں کے لیے انعام ملے گا یا سزا بھگتنی پڑے گی۔ جب وہ کہتا تھا کہ ہے خدا میری مدد کر۔ تب وہ اپنے خدا کے تصور کو اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا پاتا تھا۔ جب اس کو کامیابی حاصل ہوتی تھی تو سمجھتا تھا کہ شیطان اس پر حاوی ہو گیا ہے۔ جتنے اچھے کام وہ کرتا تھا ان سب کی تحریک کا محرک خدا تھا، جتنے برے کام ہوتے تھے ان سب کا تحریک شیطان تھا۔ یہ ان کا اعتقاد تھا اور اس اعتقاد سے جتنی بھلائی یا برائی ہو سکتی تھی ان سبھوں کا عامل کروم ویل تھا۔ کیوں کہ وہ محض ایک پیٹرسن نہ تھا بلکہ یورپوں کا پیٹرسن تھا۔

الزبتھ سے کروم ویل کے جو بچے پیدا ہوئے، ان میں سے ایک تو بچپن میں ہی جاتا رہا، چار لڑکی اور چار لڑکیاں جوانی کی عمر تک پہنچے۔

کروم ویل کی زندگی کا سب سے بڑا اور یاد رکھنے کے قابل کارنامہ 1640 کی سول جنگ میں شریک ہونا تھا، اور صرف شریک ہونا ہی نہیں بلکہ اس کے نتیجوں کے حاصل کرنے میں دل و جان سے ڈوب جاتا تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس نے عوام کا ساتھ دیا، اور بادشاہ کی طاقت کے خلاف کربان دیا۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسے ذاتی طور پر شاہی حکومت سے کوئی شکایت یا نفرت تھی یا یہ کہ وہ اتنا مضبوط اور اونچے خیالات کا سیاست داں تھا کہ جمہوریت کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کے برعکس وہ شاہی حکومت کا حمایتی تھا اور جب اتفاقات اور واقعات نے حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھوں میں دے دی تو جس حکومت پر اس نے زور دیا، وہ عملاً شاہی حکومت تھی۔ ہاں، اس نام کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ کچھ نقادوں نے لکھا ہے کہ جنگ کے زمانے میں اس نے عوام کے لیے تلوار اٹھائی تھی مگر جب اس نے حالات کو پلٹتے دیکھا تو صرف اپنا ہی خیال کر کے شاہی حکومت قائم کرنا چاہا۔ اس بات کا اندازہ کرنا کہ یہ بات کہاں تک سچ ہے ناممکن ہے۔ مگر یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا پاک اور بے

لوٹ انسان تھا اور اس نے عوامی فلاح کو اپنے اقتدار کی بیڑی پر نہ چڑھایا ہوگا۔

اس نے شاہی حکومت کی مخالفت کیوں کی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اس زمانے میں رعایا پر بیجا ظلموں کی بھرمار تھی۔ بادشاہ چاروں طرف ظلم ڈھا رہا تھا۔ لہذا ہر فرد خاص و عام جھوٹا بڑا، برا بھلا گورنمنٹ کی سختیوں اور ظلم سے دہائی مانگ رہا تھا۔ صرف انھیں لوگ کو جھوٹ تھی جن پر بادشاہ کی نظر عنایت تھی۔ کروم ویل کا وطن سے محبت اور ہمدردی ان ظلموں کو نہ دیکھ سکتی تھی۔ قوم کے ہر ہمدرد کی طبیعت کا وہی تقاضہ ہونا چاہیے جو کروم ویل کا تھا۔ جب وہ غور کرتا تھا کہ اس بدانتظامی کی اصل وجہ کیا ہے تو اس کو عام طور پر یہی جواب ملتا تھا کہ چارلس کی سلطنت اور اس کا علاج۔ اس کی سمجھ میں یہ تھا کہ یا تو ظلم و ستم ایک سرے سے دور کر دیے جائیں۔ یا چارلس کی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکی جائے۔ پہلی صورت ضرور زیادہ اچھی تھی مگر چارلس غضب کی من مانی کرنے والا انسان تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اس کے پتھر دل پر کسی کے لبھانے کا کچھ بھی اثر پڑتا۔ لہذا مجبور ہو کر دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ جس طرح نڈرٹس نے کہا تھا کہ مجھے قیصر سے ضرور محبت تھی، مگر روم کی محبت اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اس طرح کروم ویل کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کو شاہی حکومت ضرور پسند تھی مگر عوام کی تکلیف اس کے دل پر ایک بھاری پتھر تھی۔

کارلائل کا کہنا ہے کہ یہ سول وار اصلیت میں نیکی اور بدی کی لڑائی تھی۔ اس زمانے میں عیسائی دھرم بگڑ کر لٹھانہ حدود تک پہنچ گیا تھا۔ پکے مذہبی بہت کم رہ گئے تھے، پیورٹن فرقہ اپنے اعتقاد پر قائم تھا اور کیوں کہ پیورٹنوں کے نزدیک جتنے برے کام ہوتے تھے ان سب کا محرک شیطان ہوا کرتا تھا۔ اس لیے ان کو انگلستان کی خستہ حالت دیکھ کر قدرتا یہ خیال ہو گیا تھا کہ یہاں شیطانیت کا زور ہے، اور وہ شیطان کو پچھاڑنے کے لیے دل و جان سے لڑے۔ دنیا کی تاریخ ایسی شاندار لڑائیوں سے بھری پڑی ہے۔ فرنج انقلاب تو ایک معمولی مثال ہے۔ جیمس کے بعد مارچ 1625 میں چارلس تخت نشین ہوا۔ اور مئی میں اس کی شادی ہنری چہارم کی لڑکی یعنی لوئی تیرھویں کی بہن ہنریٹا سے ہوئی۔ عوام نے اس کا خیر مقدم بڑے جوش کے ساتھ کیا۔ کئی دن تک خوشیاں منائی گئیں۔ کیوں کہ لوگ جیمس کی حکومت سے تنگ آ گئے تھے۔ اور ان کو امید تھی کہ نیا بادشاہ ضرور ان کی گردن کا بوجھ ہلکا کرے گا۔ اگر ان کو واقعی ایسی امید تھی تو وہ پوری نہ ہوئی کیوں کہ یہ بادشاہ ڈیوائن رائٹ اور بغیر کان پونچھ

ہلائے حکم منوانے کے معاملے میں اپنے باپ سے بھی آگے بڑھا ہوا تھا۔ اپنے جیتے جی وہ برابر کوشش کرتا رہا کہ ساری حکومت بے روک ٹوک اسی کے ہاتھوں میں رہے۔ اس کی بیوی جو اس کی صلاح کار تھی اس کی آنکھوں کے سامنے فرانس کے بادشاہ کے اقتدار کا نقشہ کھینچتی تھی اور چارلس کو بھی بادشاہت کا وہی طریقہ اپنانے پر زور دیتی تھی۔

چارلس کا دوسرا صلاح کار ویلیس ڈایوک آف بکنگھم تھا۔ اس آدمی سے چارلس کو بچپن سے ہی پیار تھا۔ چنانچہ اس وقت وہ اس کا جگری دوست بھی تھا اور صلاح کار بھی۔ مگر چارلس اور بکنگھم دونوں ضدی تھے، مغرور تھے۔ انتظامی امور میں دونوں کزور تھے۔ خدا نے ایک کو بھی نظر کی گہرائی، دور اندیشی اور ارادے کی پائیداری نہیں دی تھی جو کسی ملک کے انتظام کرنے والوں میں خاص طور سے پائی جاتی ہے۔ ایک کو بھی آنکھوں کی وہ تیزی حاصل نہ تھی جو عوام کے خیالات کی حرکت کو ٹھیک ٹھیک دیکھ سکتی، پرکھ سکتی۔ جس نے بہت سے ظلم کیے مگر اس کے نظام میں رعایا کے دلوں میں بغاوت نہیں بھڑکی۔ کیوں کہ جب وہ چاروں طرف سے گھر جاتا تھا تو ہمیشہ سچ کا راستہ اختیار کر کے اپنا کام نکال لیا کرتا تھا۔ مگر چارلس کی گرفت اونٹ کی گرفت سے بھی بڑی ہوئی تھی۔ وہ جس بات پر اڑ جاتا تھا اسے چھوڑنا سیکھا ہی نہ تھا۔

چارلس نے گلدی پر بیٹھنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد روپے کی ضرورت سے مجبور ہو کر پارلیمنٹ بلائی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ پارلیمنٹ نے اس وقت تک مالی امداد دینے سے انکار کیا جب تک نظام کی تمام گڑبڑی دور نہ کر دیں جائیں۔ اگر خاموش فرمانبرداری اور دیوی حقوق چارلس کا قانون تھا، تو جب تک حالات میں سدھار نہیں ہوتا تب تک مالی امداد نہیں رعایا کا۔ آخر مداخلت سے جسے وہ غیر ضروری سمجھتا تھا خفا ہو کر چارلس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا اور تقریباً ایک سال تک پارلیمنٹ کی مدد کے بغیر بادشاہی کی۔ مگر مالی امداد کے بغیر حکومت کیسے ممکن ہوتی، مجبور ہو کر 1626 میں دوسری پارلیمنٹ بیٹھی۔ ان دونوں پارلیمنٹوں میں ایسے ایسے عقلمند اور حوصلہ والے ہمدرد موجود تھے جن کا نام آج تک جگمگاتے ہوئے تاروں کی طرح روشن ہے۔ قوم کے ہمدردوں کا ایک جبرمٹ تھا جس میں ایلین، پیم، سلڈن، کوک، ہمبرون سٹورٹ، جیسے مشہور لوگ موجود تھے۔ اور ایسا ہمت ور جبرمٹ دوبارہ انگلستان میں نہ دکھائی دیا۔ اس پارلیمنٹ نے جمع ہوتے ہی انتظامی امور پر حملے کرنے شروع کیے۔ عوام کے سامنے بکنگھم کی مذمت کی، اور جب تک کہ ان کے تکالیف کی سنوائی نہیں ہوئی، مالی امداد

دینے سے انکار کیا۔ آخر چارلس نے غصے میں آکر اس پارلیمنٹ کو بھی برخاست کیا۔ تقریباً دو سال تک چارلس نے کوئی پارلیمنٹ نہیں بلائی۔ مالی ضرورتوں کو غیر واجب اور غیر منصفانہ طریقہ سے پورا کرتا رہا۔ زبردستی قرض لیے جاتے تھے جن کے ادا کرنے کا وعدہ کیا جاتا تھا مگر جھوٹا وعدہ کون پورا کرتا ہے۔ عدالتوں میں جتنے مجرم آتے تھے ان کو قید بامشقت کی بجائے جرمانے کی سزا دی جاتی تھی۔ ٹیکس بہت سی چیزوں پر بڑھا دیا تھا۔ لگ بھگ تمام روز مرہ کی ضرورتوں کا ٹھیکہ دے رکھا تھا اور یہ ٹھیکیدار ان چیزوں کو اناپ شاپ داموں پر دیتے تھے۔ کوئی پکا اور نکاؤ ڈھنگ تھا تو وہ پارلیمنٹ کی منظوری تھی۔ چارلس پارلیمنٹ بلانے سے پہلو بچاتا رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ پارلیمنٹ کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے بادشاہ کی جان مال سے مدد کرے مگر حکومت کے معاملوں میں دخل اندازی نہ کرے۔ مشکل سے دو سال بیتنے پائے تھے کہ ایک زبردست مشکل آڑے آئی۔

فرانس کے پروٹسٹنٹ فرقہ کے پیردکار جو ہیومگوں کہلاتے تھے، ہنسے کی کھاڑی پر لاروشیل میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ رشلونے جو بکنگھم کی طرح فرانس کے بادشاہ کا ناک کا بال بنا ہوا تھا۔ ایک زبردست فوج سے ان کو گھیر لیا۔ انگلستان نے دخل اندازی کی مگر کسی نے اس پر دھیان نہ دیا۔ آخر اس نے گھرے ہوئے لوگوں کا ساتھ دیا۔ اور بکنگھم ایک بڑی فوج لے کر لاروشیل کی طرف چلا مگر وہاں اسے زبردست ہار کھانی پڑی۔ جب بکنگھم اس طرح شکست کھا کر اپنے وطن کو واپس آیا تو یہاں اس کی بڑی ذلت ہوئی۔ رعایا نے شور مچانا شروع کیا کہ ان کے تمام مصیبتوں کی وجہ بکنگھم ہے۔ اور اس کی گردن اڑا دینی چاہئے۔ آخر 17 مارچ 1682 کو چارلس کی تیسری پارلیمنٹ جمع ہوئی اسی پارلیمنٹ میں ہمارا کردم ویل بھی بھگڈن کا نمائندہ ہو کر آیا۔

پہلا کام جو اس پارلیمنٹ نے کیا وہ یہ تھا کہ کئی جلسوں میں مذہبی، تجارتی، عدالتی معاملوں پر غور و خوض کیا اور بہت بحث مباحثہ اور زبانی لڑائی جھگڑے کے بعد ایک پیشین آف رائس تیار کیا گیا اور اس کی منظوری کے لیے چارلس پر زور ڈالا گیا۔ عہد نامہ یا معاہدہ انگریزی آزاد کی چھت کا دوسرا کھبا ہے۔ اس میں چار شرطیں شامل تھیں۔

- (۱) کوئی آدمی پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر کسی قسم کی مالی امداد دینے پر مجبور نہ کیا جائے۔
- (۲) کوئی آدمی عدالت کے سامنے پیش نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی گرفتاری کی کافی

وجہ عوام کے سامنے پیش نہ کر دی جائے۔

(۳) رعایا کی مرضی کے خلاف فوجوں کی تعداد نہ برعائی جائے

(۴) ملک میں امن کے وقت کسی کو فوجی قانون کے مطابق سزا نہ دی جائے۔

یہ دیکھنا آسان ہے اس پیشین آف رائٹس نے پارلیمنٹ کے حقوق کو بہت کر دئے۔ حکومت کے حقوق کا بڑا حصہ اس کی طرف آیا، بادشاہ کی طاقت محدود ہو گئی۔ چارلس بہت اذیل مزاج کا انسان تھا مگر اس وقت اس کو مجبوراً جھکنا پڑا۔ چنانچہ اس نے اس عہد نامہ کو منظور کیا تب پارلیمنٹ نے اس کو چار لاکھ پاؤنڈ دیے۔

وینٹورٹھ اور لارڈ جسٹس نے شروع میں بڑی سرگرمی دکھائی تھی اب پارلیمنٹ کی اونچی اڑانوں سے اتنا ڈرے کہ بادشاہ سے جا ملے اور ایلیٹ کو پارلیمنٹ کا باعزت خاص رکن اعلان کیا گیا۔ حالانکہ کروم ویل نے ان معاملوں میں شرکت کی تھی مگر ظاہری طور پر وہ اب کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اس پارلیمنٹ نے چارلس کو ایسا سبق سکھایا کہ اس کو پھر پارلیمنٹ بلانے کی ہمت نہ پڑی اور گیارہ سال تک وہ پارلیمنٹ کے بغیر حکومت کرتا رہا۔ جب روپے کی ضرورت محسوس ہوتی تو ناجائز طریقوں کو استعمال کرتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنے سے وہ Petition of Right کی شرطوں سے نافرمانی کرتا تھا مگر یہ تو اس کے بائیس ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ بڑا چالاک اور دھوکہ باز آدمی تھا۔ وعدہ کرنا جانتا تھا مگر اس کو پورا کرنا اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔ اس نے چارلس کے کسی یار دوست سے پیشکش کی کہ 'شپ منی' یعنی جہازی ٹیکس (جو پرانے زمانے میں ساحل کے کنارے رہنے والوں سے لڑائی کے وقت وصول کیا جاتا تھا) پھر سے جاری کیا جائے۔ یہ روپیہ سمندری قوت کے بڑھانے اور ساحل کی حفاظت کے لیے خرچ کیا جاتا تھا۔ گو اس وقت نہ تو کوئی سمندری لڑائی تھی اور نہ ہی زمینی مگر چارلس نے یہ ٹیکس لگا ہی دیا۔ اور اس طرح اپنی فضول خرچیوں کے بجٹے کے لیے ایجنہن جماعت کرتا رہا۔ کیوں کہ یہ ٹیکس سراسر ناجائز تھا۔ بہت لوگوں نے اسے دینے سے انکار کیا کروم ویل بھی اسی جماعت میں تھا۔ وینٹورٹھ اور لارڈ جو چارلس کے طرفدار ہوئے تھے بڑے سمجھ دار اور اچھی رائے دینے والے لوگ تھے۔ کہتے تھے کہ بیڑا ہرگز نہ پار گئے گا اگر وہ کفایت شعاری سے کام نہ لے گا۔ لہذا کفایت اور صلح گیارہ سال تک بادشاہ کا اصول رہا۔ مگر حالات کچھ ایسے ہوئے کہ اسے مجبوراً پارلیمنٹ دوبارہ بلانی پڑی۔ 1638 میں اسکاٹ لینڈ والوں نے گورنمنٹ

کی تختیوں اور بے جا خرچوں سے تنگ آ کر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ لہذا اس بغاوت کو کچلنے کے لیے روپے کی ضرورت ہوئی اور پارلیمنٹ کی رضامندی کے بغیر کوئی ڈھنگ کی مدد ملنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وینٹورقھ (جواب اول آف سینٹرز مشہور تھا) آئر لینڈ سے بلایا گیا اور چارلس کی چوتھی پارلیمنٹ جمع ہوئی۔ 13 اپریل 1640 کو باقاعدہ طور پر اس کے اجلاس شروع ہوئے۔ کروم ویل بھی کیمبرج سے تیار ہو کر آیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ نے مالی امداد دینے سے ٹھکی انکار کیا اور چارلس نے اسے صرف تھیس (23) دن کے بعد برخاست کر دیا۔

شاید بادشاہ کی قسمت میں لکھا ہوا تھا کہ وہ ایک پارلیمنٹ بلائے جو آخر میں اسی کی جان کی پھانسی ہو جائے۔ اسکاٹ لینڈ نے دوبارہ حملہ کیا۔ اور پارلیمنٹ پانچویں بار جمع ہوئی۔ کروم ویل بھی اس کے ممبروں میں تھا۔ پارلیمنٹ تیرہ (13) سال تک جاری رہی جب کہ کروم ویل ہی کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

یہ پارلیمنٹ شروع ہی سے سدھار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ لہذا ہر ایک ممبر نے اپنے اپنے صوبہ کی تکلیفوں کی ایک فہرست تیار کی اور وہ فہرست پارلیمنٹ میں پڑھی گئی۔ ان کا اثر یہ ہوا کہ پارلیمنٹ نے پچاس قابل آدمیوں کو تعینات کیا کہ وہ ہر ایک صوبہ میں جا کر اصل حالات کا جائزہ لیں، اور جو کچھ اپنی تحقیق سے حاصل کریں وہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کریں تاکہ انھیں کے مطابق سے سدھار کیے جائیں اس پیشکش نے سرکاری نوکروں کو حد سے زیادہ ڈرا دیا کیوں کہ سارے ملک میں ان کی زیادتیوں سے دہائی مچ رہی تھی۔

لائگ پارلیمنٹ

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اسکاٹ لینڈ نے بغاوت کی اور اس بغاوت کو دبانے کے لیے روپے کی ضرورت محسوس ہوئی اور چارلس کو مجبوراً پانچویں پارلیمنٹ بلانی پڑی۔ یہ پارلیمنٹ تمام انگریزی پارلیمنٹوں سے زیادہ مشہور ہے اور چونکہ وہ تیرہ سال جاری رہی اسے لائگ پارلیمنٹ کا نام ملا۔ اس نے بڑے بڑے کام کیے اور بادشاہی کا ورق پلٹ کر پارلیمنٹ کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ یہ آج جو ہم انگریزی حکومت دیکھتے ہیں وہ قریب قریب اسی نمونے پر بنائی گئی ہے جو اسی پارلیمنٹ نے قائم کیا۔ گو کچھ ہیر پھیر کر دیا گیا۔ اس پارلیمنٹ میں وہ نمائندے جمع ہوئے جو حکومت کا سدھار کرنے پر دل و جان سے تلے ہوئے تھے۔ کروم ویل

بھی اس جماعت میں تھا۔ ہر ایک ممبر اپنے ساتھ ایک ایسا کھریٹا لایا جس میں اس صوبہ کے آدمیوں کی تکلیفیں درج کی تھیں۔ اور یہ کھریٹے عام طور پر پڑھے گئے۔ وہ تمام ظلم جو شاہی ملازموں کے ہاتھ رعایا کو اٹھانے پڑتے تھے۔ وہ تمام قرض جو رعایا سے جبراً وصول کیے گئے تھے، وہ تمام ٹیکس جو رعایا پر لگائے گئے تھے۔ وہ تمام سزائیں جو شاہی عدالتوں کی بدولت رعایا کو سنی پڑی تھیں۔ اور ہزاروں طرح طرح کی شکایتیں ان کھریٹوں میں درج تھیں اور ان کے پرچار نے رعایا کے دلوں میں ایک بغاوت کا جوش پیدا کر دیا۔ پارلیمنٹ نے اتنے ہی پر بس نہ کیا، پچاس لائق آدمی کی ایک کمیٹی تیار کی گئی جس کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ ایک کے بعد دوسرے صوبہ کا دورہ کر کے پتہ لگائے کہ رعایا کے خیالات کیا ہیں اور سرکار کے ظلموں سے کس حد تک رعایا کو تکلیف پہنچتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جو کچھ زیادتیاں کی تھیں وہ سراسر اپنی ہی مرضی سے نہیں کی تھیں۔ کچھ تو ملکہ ہنریچا کی صلاح اور اشارے سے ہوئی تھیں اور کچھ خود غرض خوشامدی درباریوں کی امداد سے۔ لہذا عوام ان لوگوں کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی، پارلیمنٹ موقع ڈھونڈ رہی تھی کہ کب قوم کے ان برا چاہنے والوں کو ٹھکنے میں دھر سکے۔ چونکہ ارل آف اسٹورٹ چارلس کا خاص دوست اور صلاح کار تھا، پہلے اس کی گردن اڑانے کا فیصلہ کیا گیا۔ (ادھر لہ)

آوازہ خلق بنارس

(1 مئی 1903 سے 24 مئی 1903 تک)

سودیشی تحریک

ہندوستان کے لگ بھگ سارے اخبارات و رسائل نے اس حب الوطنی تحریک کی حمایت کی ہے۔ اور جو پہلے تھوڑا ہچکچا رہے تھے ان کا بھی یقین پختہ ہوتا جاتا ہے۔ مگر ابھی بھی اکثر خیر خواہوں کی زبان سے سننے میں آتا ہے کہ وہ ان مشکوک کا سامنا کرنے کے قابل نہیں ہیں جو تحریک کے راستے میں ضروری آئیں گی۔ مثلاً کپڑا جتنا ہندوستان میں بنتا ہے اس کا چوگنا ولایت سے آتا ہے۔ تب جا کر اس ملک کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ملک بغیر مسلسل اور جگر توڑ کوشش کے ودیشی کپڑا بالکل روک دے۔ ملیں جتنی درکار ہوں گی اس کی تحنید ایک صاحب نے چالیس کروڑ روپے بتلایا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کیونکہ ایک دوسرے پرچے میں یہ تحنید تیس بی کروڑ کیا گیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ملک اتنی پونجی لگانے کے لیے تیار ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ پونجی مل جائے گی تو پھر سوال ہوتا ہے کیا کیا جائے گا۔ روٹی یہاں اتنی پیدا ہوتی ہے، اس میں سے دو حصے تو جاپان لے لیتا ہے اور ایک حصہ ہندوستان کے ہاتھ لگتا ہے۔ ولایت یہاں کی روٹی بہت کم خریدتا ہے۔ اگر مان لیجیے سب روٹی جو اس وقت پیدا ہوتی ہے یہیں روک لی جائے تو بھی ہماری ضرورتیں زیادہ سے زیادہ آدمی پوری ہوں گی۔ یعنی 105 کروڑ گز کپڑوں کے لیے ہم پھر بھی ولایت کے محتاج رہیں گے۔ یہ امید کرنا کہ دو چار سال میں کسان روٹی کی کھیتی کو بڑھا کر یہ مشکل بھی آسان کر دیں گے۔ ایک حد تک خواب معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہاں کی روٹی سے کپڑا نہیں بنا جاسکتا اور ہندوستان میں شریف لوگ زیادہ تر مہین کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے پہناوے کے ڈھنگ میں ایک دم انقلاب پیدا کر دینا بھی مشکل ہے۔ یہ چند باتیں ایسی ہیں جو ابھی کچھ عرصے تک ہمارے ارادوں میں اڑ چنیں ڈالیں گی۔ مگر تصویر کا دوسرا پہلو زیادہ روشن ہے۔ مغربی ہندوستان میں زیادہ تر کپڑا وہی استعمال کیا جاتا ہے۔ ولایتی کپڑے کا خرچ بنگال اور ہمارے صوبہ میں سب سے زیادہ ہے۔ ہم مہین کپڑوں کے بہت زیادہ شوقین نہیں ہیں۔ ہاں بنگال والے کیا مرد کیا عورت ایسے کپڑوں پر جان دیتے ہیں۔ ان میں بھی خاص طور پر وہی

حضرات جو تعلیم یافتہ ہیں۔ مگر جب یہ طبقہ اپنے جوش میں ہر طرح کا بلیڈان کرنے کے لیے تیار ہے تو کیا مہین کی جگہ مونے کپڑے نہ پہنے گا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ شہر کے چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کے کپڑوں اور رہن سہن کی نقل کرتے ہیں۔ جب بنگال کے بڑے لوگ اپنا ڈھنگ بدل دیں گے تو ممکن نہیں کہ دوسرے لوگ بھی دیبا ہی کریں۔ ہمارے صوبہ میں تن زیب اور مل کا استعمال کچھ دنوں سے اٹھتا جاتا ہے اور اس کے قدردان یا تو کچھ پرانے زمانے کے شوقین مزاج بوڑھے ہیں یا بازاری بے فکری۔ ہاں شریفوں کی عورتیں ابھی انھیں پر جان دیتی ہیں مگر امید ہے کہ اپنے مردوں کے مقابلے میں بہت بچھری نہ رہیں گی۔ بالخصوص جب مردوں کی طرف سے اس کا تقاضہ ہوگا۔ اس طرح مہین کپڑے کا خرچ کم ہو جائے گا اور جب مونہ کپڑا استعمال میں آئے گا تو سال میں بجائے چار جوزوں کے دو سے ہی کام چلے گا۔ اگر شہروں میں بدیشی چیزوں کا رواج کم ہونے لگے تو دیہاتوں میں آپ سے آپ کم ہو جائے گا۔ ہم اپنے صوبہ کے تجربے سے کہہ سکتے ہیں کہ یہاں دیہاتی اکثر جولاہوں کا بنا ہوا کپڑا استعمال کرتے ہیں اور جاڑے میں گاڑھے کی دوہری چادریں۔ ان کو ودیشی کپڑوں کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوگی۔

گو اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ دنوں سے وہاں جا جا کر بدیشی چیزوں کا رواج بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ یہ موقع ہے کہ تعلیم یافتہ اصحاب جن میں اکثر دیہاتی ہوتے ہیں جب اپنے مکان کو جائیں تو اپنے پڑوسیوں کو بھلا برا سمجھا کر سیدھے راستے پر لے آئیں اور جیسی ضرورت دیکھیں روٹی کی کھیتی کو بڑھانے کے لیے کہیں۔

روٹی کے بعد چینی یا شکر دوسری جنس ہے جو ہم پانچ کروڑ روپے سالانہ کی باہر سے منگاتے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے۔ ہمارے ملک کے کارخانے ٹوٹتے جاتے ہیں مگر اس کا سبب صرف تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔ دیہاتی بیچارے تو دلائی شکر کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے اور اکثر لوگوں نے تو بازار کی مثالی کھانا چھوڑ دیا اور شکر ایسی چیز ہے جس کی پیداوار کو آسانی سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ ذرا بھی مانگ زیادہ ہو جائے تو دیکھیے ادھ کی کھیتی زیادہ ہونے لگتی ہے۔ کسان منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ یہی تو ایک چیز ہے جس سے وہ اپنی زمین کا لگان ادا کرتے ہیں۔ کپڑوں کے روکنے میں چاہے کتنی ہی دقتیں ہوں مگر شکر کا بند ہونا تو ذرا بھی مشکل نہیں۔ ہم ان لوگوں پر ہنسا کرتے تھے جو ہم لوگوں کو دلائی شکر کھاتے دیکھ کر منہ بناتے تھے۔ ہماری

نظروں میں وہ لوگ غیر مہذب معلوم ہوتے تھے۔ اب ہم کو تجربہ ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک راستے پر تھے اور ہم غلطی پر۔ بدیشی چیزوں کا رواج مہذب لوگوں کا ڈالا ہوا ہے اور اگر سودیشی تحریک کو کامیابی ہوگی تو انھیں کے لیے ہوگی۔

”آوازہ خلق“ 16 نومبر 1905

بنارس

بنارس جس کا دوسرا نام کاشی ہے، شمالی ہند کا وہ شہر ہے جو اپنی قدامت، عظمت اور تاریخی شکوہ کے اعتبار سے اپنی مثال نہیں رکھتا اور آج بھی اس کی پیچیدہ اور تنگ گلیوں میں، اس کے پختہ گھاٹوں پر، اس کی سر بلکل عمارتوں میں اور اس کے باشندوں کے وضع قطع طور و طریق میں وہ پرانی ہندو تہذیب جس کا روشن پہلو اس کا علمی اور مذہبی ذوق اور تجسس اور تاریک پہلو اُس کی تنگ نظری اور رسم پرستی ہے، جھلک رہا ہے۔ دہلی نے چولا بدلا، لکھنؤ کی کایا پلٹ ہو گئی، الہ آباد بھی تناخ کے دور سے گزر رہا ہے، پٹنہ نے بھی داستانِ ماضی کو فراموش کر دیا مگر کاشی آج بھی اپنی روایاتِ قدیمہ کو سینے میں چھپائے گنگا کی گود سے لپٹا ہوا ہے۔

کاشی دریائے گنگا کے کنارے پر ایک ہلال کی شکل میں آباد ہے۔ مغل سرائے سے جب ریل گاڑی دریائے گنگا کے پل پر پہنچتی ہے تو کاشی کا دلغریب منظر سامنے آتا ہے۔ مادھو داس کے دھریے کے سر بلکل مینار، مندروں کے سنہرے کلس اور دھجائیں، شاندار محلات، وسیع اور پختہ گھاٹ سب مل کر مناظر کے دل پر تقدس اور احترام کا جادو سا کر دیتے ہیں۔ سامنے گنگا اپنا غیر فانی نقد سنا رہی ہے۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں، ڈونگے، بجرے، دریائی طیور کی طرح اس کی متلاطم گود میں خوش فطلیاں کر رہے ہیں۔ ایک طرف ریت کی زرد گولٹ کے سبزہ زار کی وسیع چادر ہے اور دوسری طرف اونچے کراہوں پر کاشی کے مندر اور مینار عالمانہ سکوت کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔ اگر ہندو تہذیب کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنی ہو یا اُس کی قدامت کی، اس کی وسعت کی، اس کے عشق کی، اس کی فطرت پرستی کی تصویر دیکھنی ہو تو کاشی میں دریا کے کنارے جا کے دیکھو، موت سے ہم دوش بوڑھے اور بادۂ شباب میں معمور نوجوان، خاک آلود مادھو اور لباسِ فاخرہ میں لمبوس دنیا پرست، ضعیف کے کندھے پر سوار بوڑھیاں اور حسن و جوانی کے آغوش میں کھیلتی ہوئی دیویاں، سب شانہ بشانہ گنگا کے گھاٹوں پر اشانان، دھیان میں محو نظر آئیں گے اور آپ کے دل پر ایک ایسا غیر فانی اثر چھوڑ جائیں گے جو

تازیت قائم رہے گا۔

موجودہ شہر بہت قدیم نہیں کہا جاسکتا۔ قدیم کاشی تقریباً چار سو میل شمال کی جانب برہا ندی کے اس پار واقع تھی۔ وہاں اب سار ناتھ کا ایک موضع ہے اور بدھ زمانے کے دو یادگار ستون۔ ایک ستون خالص پتھر کا ہے جسے راجہ اشوک نے نصب کیا تھا۔ دوسرا اینٹ کا ہے۔ قرب و جوار میں کھدائی کرنے سے زمانہ قدیم کی اور بھی کتنی ہی مورتیں برآمد ہوئی ہیں جو وہاں محفوظ ہیں۔ اسی جگہ ایک درخت کے سائے میں بدھ نے نروان کا پہلا اپدیش دیا تھا۔

بنارس کے دو حصے کیے جاسکتے ہیں۔ ایک وہ جو گنگا کے کنارے آباد ہے۔ دوسرا وہ جو اس کے عقب میں ہے۔ ایک پختہ سڑک گویا ان دونوں حصوں میں خط فاضل ہے گنگا کے کنارے اصلی کاشی ہے جس کی خصوصیات میں اونچے سنگین مکانات، قدم قدم پر مندر، تاریک پیچیدہ اور دشوار گزار گلیاں، گلیوں میں عابدانہ شکوہ سے ٹپکتے ہوئے ساڑھ بڑی بڑی کوٹھیاں اور ایک کراہت خیز محض۔ دوسرے حصے میں کوئی خصوصیت نہیں وہ الہ آباد، کانپور یا آگرے کے کسی محلے سے مختلف نہیں۔

کاشی میں سب سے زیادہ قابل دید چیز وہاں کے پختہ گھاٹ ہیں۔ سب سے پرفضا و سہیدہ گھاٹ ہے۔ روایت ہے کہ یہاں کسی زمانے میں دس اسومیدہ گیگ کیے گئے تھے۔ منکران کا گھاٹ اس لیے بہت مقدس سمجھا جاتا ہے کہ یہاں اٹھان کرنے سے خاص طور پر ثواب ہوتا ہے۔ سندھیا گھاٹ، گائے گھاٹ، بیچ گنگا گھاٹ وغیرہ بھی مشہور ہیں۔ بعض بعض گھاٹ تو سطح آب سے اتنے اونچے ہیں کہ لب دریا سے اوپر تک جانے میں دم پھول جاتا ہے۔

کاشی کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا ہندو فرمازوا ہو جس نے یہاں اپنی قیام گاہ نہ تعمیر کی ہو۔ بے پور، اودے پور، گوالیار، بڑودہ، بیکانیر، کشمیر، دہلی، بکر، سبھی فرمازواؤں کے مکانات موجود ہیں۔ دہلی کو یہ امتیاز اُس کے دنیاوی اقتدار کے باعث ہے اور کاشی کو اس کے روحانی اقتدار کے باعث۔ یہی نہیں ہندو قوم کا ہر ایک فرد خواہ وہ بنگالی ہو یا نیپالی، پنجابی ہو یا مرہٹی، دکنی ہو یا بہاری، اپنی تہذیب اور معاشرت کی خصوصیات کے ساتھ علاحدہ علاحدہ محلوں میں آباد ہے۔ گویا ہندو دارالحکومت میں اُس کی باج

گزار ریاستوں نے سفارت خانے قائم کر دیے ہیں۔

کاشی میں کئی عمارتیں اور مندر قابل دید ہیں۔ ماضی دس کا دھریہ جو دراصل اورنگ زیب کی تعمیر کردہ ایک مسجد ہے گویا گردن اٹھائے سارے شہر کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس کے دونوں میناروں کی اونچائی فرش مسجد سے 147 فٹ ہے۔ حالانکہ اسے تعمیر ہوئے ڈیڑھ سو سال سے زائد ہوئے مگر ابھی عمارت میں کسی قسم کا ضعف نظر نہیں آتا۔ دھواتھ کا مندر کاشی کی خاصی پرستش گاہ ہے۔ دھواتھ کاشی کے روحانی راجا اور بھیرواتھ کوتوال ہیں۔ دھواتھ مندر کے گنبد پر سونے کا خول چڑھا ہوا ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فیاضی کی یادگار ہے۔ درگا کلندر، ان پورنا کا مندر، گیانی بابی وغیرہ یہاں کے مقدس مقامات ہیں۔ دھواتھ کے مندر سے ملحق ایک مسجد ہے۔ دھواتھ کا پرانا مندر پہلے یہیں تھا۔

کاشی نے بدھ مذہب کا نشان تو مٹا دیا مگر اس کی یادگاریں اب تک قائم ہیں۔ سارناتھ کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ راج گھاٹ کے قلعے میں ایک بدھ دھار اب تک موجود ہے جو نقاشی اور سنگ تراشی کے اعتبار سے کاشی میں بہترین تعمیر کہی جاسکتی ہے۔ بعض ستونوں کی نقاشی تو سانچی کے ستونوں سے لگا کھاتی ہے۔

مان مندر بھی کاشی کی ایک قابل یادگار چیز ہے۔ یہ اس راجہ کے علم و کمال کی یادگار ہے جس نے فرائض فرمانروائی کے ساتھ آستانہ علم کی جہ سائی بھی کی۔ اس راجہ کا نام جے سنگھ تھا۔ شہنشاہ دہلی کے ایما سے اس نے تقویم کی اصلاح کی بحیل کی اور دہلی، مہرا، اجمین، جے پور اور کاشی میں رصد گاہیں قائم کیں۔

جدید تعمیرات میں کوننس کالج، پرنس آف ولز کالج، شفاخانہ اور ٹاؤن ہال ہے۔ کوننس کالج اس صوبے کا سب سے پرانا ادارہ ہے جو انگریزی عہد میں قائم ہوا۔ پہلے اس کا نام سنسکرت کالج تھا بعد ازاں کوننس کالج رکھا گیا۔ اس کالج نے سنسکرت علوم کے نشوونما میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کے کتب خانے میں صد ہا نادر و نایاب سنسکرت قلمی نسخے محفوظ ہیں۔

کاشی کسی زمانے میں بہت دولت مند شہر تھا مگر اب ملک کے روز افزوں افلاس اور محروم مذاق تبدیل ہو جانے کے باعث یہاں کی تجارت مٹی چلی جاتی ہے۔ یہاں کھواب اور زلفیٹ کے تھان بہت اچھے بنتے ہیں۔ فرانسیسی ریشمی مصنوعات نے یہاں کی تجارت کو بہت نقصان

پہنچایا ہے۔ اور ٹین اور ربر کے کھلونے جو غیر ممالک سے آتے ہیں اب زیادہ مقبول ہوتے جاتے ہیں۔ شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہندو یونیورسٹی ہے۔ دس سال قبل یہاں ہرے ہرے کھیت لہراتے تھے۔ اب ہندو یونیورسٹی کی شاندار عمارتیں ہیں۔ اس یونیورسٹی میں قریب قریب ڈھائی ہزار طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ ادبیات اور نظریات کے علاوہ انجینئرنگ کا ایک اول درجہ کا کالج ہے۔ آپرویدک، فن علاج کے احیا کے لیے ایک آپرویدک کالج بھی کھول دیا گیا ہے اور لڑکیوں کے لیے بھی ایک کالج کی تعمیر ہوگئی ہے۔ کئی بڑے بڑے بورڈنگ ہاؤس ہیں جو تعلیم گاہ ہندوؤں کے نام سے موسوم ہو اس کے لیے کاشی سے زیادہ موزوں مقام نہیں ہو سکتا کیونکہ کاشی ہندو تہذیب اور علمی روایات کا مرکز ہے۔ سنسکرت کے کئی قدیم طرز کے پاٹ شالے بھی شہر میں ہیں۔

کاشی میں یوں تو بارہوں ماس جاتریوں کا آنا جانا ہوتا رہتا ہے مگر سورج یا چندر گرہن کے موقعوں پر یہاں اطراف و اکناف سے لاکھوں کی تعداد میں زائرین جمع ہو جاتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ تو سب کچھ ترک کر کے کاشی میں اپنی زندگی کے باقی ایام کاٹنے کے لیے چلے آتے ہیں۔ اس لیے یہاں ہمیشہ چہل پہل رہتی ہے۔

کاشی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ چاہے جس طرف سے شہر میں جائیے، آپ کو باغیچوں کے سلسلے نظر آئیں گے۔ اُن کی چہاردیواری پختہ اور بہت اونچی ہوتی ہے اور اس چہار دیواری کے ایک حصے کو اونچا کر کے شاہراہ کے مقابل اُس پر مکانات تعمیر کر دیے جاتے ہیں۔ انگریزی طرز کے بنگلوں کی طرح وسط میں مکانات نہیں ہوتے۔ یہاں شام کو رُوسا تفریح کے لیے اپنے اپنے باغیچوں میں آتے ہیں اور گھنٹے دو گھنٹے قیام کر کے واپس جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت کاشی کے سوا شالی ہند کے اور کسی شہر میں نظر نہیں آتی۔ مگر عام سیرگاہیں کاشی میں بہت کم ہیں۔ ابھی تک یہاں شہر کی توسیع کی کوشش نہیں کی گئی کیونکہ جہاں توسیع کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہاں آبادی اتنی محتجان ہے اور عمارتیں ایسی پختہ کہ وہاں گلیوں کو چوڑا کرنے یا سیرگاہیں قائم کرنے کی کوشش قبولیت کی نگاہ سے نہ دیکھی جائے گی۔

کاشی کی علمی اور ادبی زندگی کے ضمن میں ناگری پر چارنی سبھا کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ ادارہ ہندی زبان اور ناگری رسم خط کی ترویج اور اشاعت کے لیے بیس پچیس سال قبل قائم

کیا گیا تھا۔ مسلسل سعی اور تنظیم کی بدولت اب وہ صوبے کا ہندی مرکز بن گیا ہے۔ اس کی ایک فوج کی شاندار عمارت ہے۔ اس کا سب سے نمایاں کام وہ مبسوط اور جامع لغت ہے جو ابھی حال میں مکمل ہوا ہے اور جس کا نام ”سید ساگر“ ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ہزار ہا قلمی اور نایاب نسخوں کی تلاش کی ہے۔ اس کا ایک سہ ماہی رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔

(سہ ماہی ’روشن‘ بدایوں۔ جنوری تا مارچ 1984ء،

ج 71، شمارہ 1)

نوٹ : یہ مضمون پہلی بار ایک درسی کتاب نیرنگ ادب میں شائع ہوا تھا۔ پھر سہ ماہی ’روشن‘، بدایوں (فروری 1943ء) میں شائع ہوا۔ اس مضمون کے لیے میں شمس بدایونی کا شکر گزار ہوں۔

اهنكار

بھومیکا

یورپ میں فرانس کا سرس ساہیہ سرورغم ہے۔ فرنج ساہیہ میں انا تول فرانس کا نام اگر سرورچہ نہیں تو کسی سے کم بھی نہیں، اور تمائیں انھیں مہودے کی ایک ادھکت رچتا ہے۔ ہاں، ایسی دلکھن ساہیج کرتی کو یہاں ایسا انوہم سادیش ہو گیا ہے کہ ایک انگریز سالوچک کے شبدوں میں وہ ”ساہیج انک و نیاس“ کا آدرش ہے۔ کھتا بہت پرانی ہے عیسیٰ کی دوسری شتاہدی کی۔ گھٹنا اتھاسک ہے۔ پراچین سے کے ناموں سے کوئی پتک اتھاسک نہیں ہوتی۔ پرانے ہلا لیکھ اور نامہ پتر بھی اتھاس نہیں ہیں۔ اتھاس ہے کسی سے کی بھاشا اور دھار کو دیکھ کرنا اور اس وشے میں انا تول فرانس نے کمال کر دکھایا ہے۔ وہ 1800 ورش پہلے کی دنیا کی آپ کو سیر کرادیتا ہے۔ پتک کے پاتر پراچین دستروں میں درقان کال کے منجھ نہیں ہیں بلکہ اسی زمانے کے لوگ ہیں، ان کی بھاشا فیلی دی ہے، دھار بھی اتھے ہی پراچین۔ اس سے کی عیسائی دنیا کا آپ کو اتنا سپٹ اور جیو گیان ہو جاتا ہے جتنا سیکڑوں اتھاسوں کے پنے بھی اٹنے سے نہ ہو سکتا۔ عیسائی دھرم اپنی پراسمک دشا کی کشنائیوں میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے الویائی ادھکائش دین درمل پرانی تھے، جنھیں امیروں کے ہاتھوں عیہ کش پھنچا کرتا تھا۔ اُنہ شریں کے لوگ بھوگ دلاس میں ڈوبے ہوئے تھے۔ دارمیکا کی پردھانتا تھی بھانتی بھانتی کے وادوں کا زور شور تھا۔ کوئی پر کرتی وادی تھا، کوئی سکھ وادی، کوئی دکھ وادی، کوئی ویراگ وادی، کوئی ہنکا وادی، کوئی مایا وادی۔ عیسائی مت کو وڈوان تنجا گھمکت سمودائے تجھ سمجھتا تھا۔ عیسائی لوگ بھی بھوت پریت، ٹونا، نظر کے قائل تھے۔ آپ کو سبھی وادوں کے ماننے والے ملیں گے جن کا ایک ایک واکہ آپ کو گلدھ کر دے گا۔ بھاکیز، نیاس، کٹا، ہرموڈوس، جینا تھمیر، یوکرامیر، جھارتھ میں بھن بھن وادوں کے ہی نام ہیں۔ عیسائی مت سویم کلی سمر دایوں میں دھکت ہو گیا ہے۔ ان کے سدھانتوں میں بھید ہے، ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ لیکن کی کلا چاٹری اس میں ہے کہ ایک ہی ملاقات میں آپ اس کے چرتروں سے سدا کے لیے پرچھت ہو جاتے ہیں۔ پالم کی تصویر کبھی آپ کے چھت سے نہ نہیں اترے گی۔ کتنا سرل

پرسن کھ دیا لو پرانی ہے، اسے آپ اپنے بائیسے میں بیڑوں کو سینچتے ہوئے پائیں گے۔ انسا کا ایسا بھگت کہ اپنے کندھوں پر بیٹھے ہوئے کچھوں کو بھی نہیں اڑاتا۔ سنبھل سنبھل کر چلتا ہے کہ کہیں اس کے سر پر بیٹھا ہوا کبوتر چونک کر اڑ نہ جائے۔ میمالکیز کو دیکھیے ہڈکا داد کی بجموورتی ہے۔ پر اتنے دادوں کے ہوتے ہوئے بھی تاتوکتا میں ہوتے ہوئے بھی عیسائی مت سے کہیں بڑھے ہوئے تھے۔ عیسائی دھرم کو جو اتنی چھلکا پراپت ہوئی، اس کا پتہ وہ دلاساندھتا تھی جس کی ایک جھلک آپ ”بھوج“ کے پرکرن میں پائیں گے۔ واستو میں یہ بھوج ساہتیہ سنار میں ایک اونٹنی دستو ہے۔ دیکھیے، دودالوں اور دارشکوں کے آچرن کتنے بھرشت ہیں، یہاں تک کہ ساری سبائے میں مست ہو جاتی ہے، لوگ ویشیادوں سے گلے مل کر سونے میں لیش ماتر بھی سکوچ نہیں کرتے۔ اسی بھرھاچرن نے عیسائی مت کا بول بالا کیا۔ تھیوڈور ایک حبشی غلام ہے، لیکن اس کا چہرہ کتنا نقول ہے۔ سنت انٹونی کا چہرہ ہمارے یہاں کے رشیوں سے ملتا ہے۔ کتنا شانت، کتنا سومیہ روپ ہے۔ عیسائیوں کی یہی دھرم پرائتا اور پھر تاتھی جو اس کی وجہ کا مکعبہ کارن ہوئی۔

اس سے کے کھان پان، رہن سہن، آچار دیوہار کا بھی پتہ تک میں بہت ہی مارک اٹکھ کیا گیا ہے۔ پاپ ناشی نے جس ستمہ کے کھکر پر تپ کیا تھا اس کے نیچے جو مگر بس گیا تھا اور وہاں جو اتسو ہوتے تھے، ان کا درنانت اس کال کا۔ حمارت چتر ہے: دلش دلش کے یاتریوں کے بھمن بھمن دستروں کو دیکھیے۔ کہیں مداری کا تماشا ہے، کہیں سپیرا سانپ کو نچا رہا ہے، کہیں کوئی مہیلا گدھے پر سوار ملے میں سے نکل جاتی ہے، پھیری والے چلا رہے ہیں، فقیر گا گا کر بھیک مانگ رہے ہیں۔ سوچئے یہ وشد چرکھینچنے کے لیے لکھک کو اس سے کا کتنا گیان پراپت کرنا پڑا ہوگا۔

یہ تو پتہ تک کے اتھاسک مہتو کی چرچا ہوئی۔ اب مکعبہ کھرا پر آئیے۔ ایک سنت کے آہنکار اور اس کے چن کی ایسی مارک میمانسا سنار کے ساہتیہ میں نہ ملے گی۔ لکھک نے یہاں اپنی لکھمن کلپنا ہشتی کا پرہیچہ دیا ہے۔ درتھان کال کے ایک کرورپتی یا کسی ویشیا کے منوبھاؤں کی کلپنا کرنا بہت کٹھن نہیں ہے۔ ہم اسے عید دیکھتے ہیں۔ اس سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی باتیں سنتے ہیں۔ لیکن ایک تھوی کے ہرے میں بیٹھ جانا اور اس کے پٹھ بھاؤں اور آکٹھماؤں کو کھوج لگانا کسی آٹھکمانی ہی کا کام ہے۔ پاپ ناشی کے چن کا کارن اس

کی واسنا لپسا نہ تھی۔ اس کا آہنکار تھا۔ یہ آہنکار کتنے گہت بھاد سے اس پر اپنا آسن جماتا ہے کہ ایسا پرتیت ہوتا ہے یوگی کے پنن میں دیوی لہما کا بھی بھاگ تھا۔ پاپ ناشی تیاگ کی مورتی ہے۔ اتھیت سنہی، واسناؤں کو دمن کرنے والا، ایثور میں رت رہنے والا۔ پر اس کے ساتھ ہی دھارک سنکیرتا اور متھیانہتا بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جو اس کے مت کو نہیں مانتا، وہ لمپھ ہے، نارکیہ ہے، اومیلید ہے، اسپرشیہ ہے۔ اس میں سبیشونا چھو تک نہیں مگنی ہے۔ دیکھیے وہ ملہیا کلینز، نیاس کا کتنے اجتیا پورن شبدوں میں ترسکار کرتا ہے۔ دھرممانہتا نے اس کی دھارہتی سپورنت اپہرت کر لی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بنا کسی بدلے یا پھل کی آشا کے کوئی کیوں کر زوروتی مارگ گرہن کر سکتا ہے۔ وہ تھالیں کا اڈھار کرنے چلتا ہے۔ یہیں سے اس کے آہنکار کا ابھینے آرمہ ہوتا ہے۔ ہمارے دھرم گرتھوں میں بھی رشیوں کے گرد چن کی کھائیں ملتی ہیں، پر ان کا آرمہ رشی کی واسنا لپسا سے ہوتا ہے۔ رشی کو اپنی تپیا کا گزو ہو جاتا ہے۔ دشنو بھگوان اس کا گزو مردن کرنے کے لیے اسے مایا میں پھنسا دیتے ہیں، رشی کا ہوش ٹھکانے آ جاتا ہے۔ وہ آہنکار اڈھار کے بھاد سے آتھن ہوتا ہے۔ اڈھار کیوں؟ کسی کو اڈھار کرنے کا دعویٰ کرنا ہی گزو ہے۔ ہم اڈھک سے اڈھک سیوا کر سکتے ہیں، اڈھار کیا۔ پاپ ناشی کو پالم اس کام سے روکتا ہے۔ پر اس کی بات پاپ ناشی کے من میں نہیں بیٹھتی۔ وہاں سے لوہتی باریکھھیوں کے درشیہ دوارا پھراسے چتیاوئی ملتی ہے، پر وہ اس پر دھیان نہیں دیتا۔ وہ یاترا پر چل کھڑا ہوتا ہے، اسکندریا پہنچتا ہے، جو ان دنوں یونان اور انھیس کے بعد وڈیا اور دھار کا کیندر تھا۔ نیاس سے اس کی بھینٹ ہوتی ہے، تب تھالیں سے اس کا ساکشٹ ہوتا ہے۔ سبھی سے اس کا دیوہار دھارمکا کے گرد میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ تھالیں پہلے تو اس سے بھیجے بھیت ہوتی ہے۔ پھر اس کے اپدیشوں سے دھارمک بھاد کا پیدہ سنسکار ہوتا ہے۔ ”اھت جیون“ کی آشا سے پاپ ناشی کے ساتھ چلنے پر پرست کر دیتی ہے، پاپ ناشی اسے استریوں کے آشرم میں پردھہ کر کے پھر اپنے استھان کو لوٹ جاتا ہے پر اس کے چت کی شانتی لپت ہو گئی ہے۔ واسنا کی آگمیاں ہیڑا اس کے ہردے کو دھجت کرتی رہتی ہے۔ اس کا آتم دھواس اٹھ گیا ہے، اس کی ودیک ہڈمی مند ہو گئی۔ اسے دودھ سوہن دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اس مانسک آشنائی سے بچنے کے لیے ایکانت لواس کرنے کی ٹھانتا ہے اور جا کر ایک ستمہ پر آسن جماتا ہے۔ وہاں سے بھی دودھ سوہن کے

کارن وہ ایک قبر میں آشریہ لیتا ہے۔ وہیں اس کی جوزیس سے بھینٹ ہوتی ہے۔ اور وہ سنت اینٹونی کے درشنوں کو چلتا ہے۔ اسی استمان پر اسے تھالیں کے مرن آسن ہونے کی خبر ہوتی ہے وہ بھاگا بھاگا استریوں کے آشرم میں پہنچتا ہے۔ اس کے مانسک کھٹ کا وزن کرنے میں لیکھک نے آڈو تیر پر بھما دکھائی ہے۔ اتنی آڈویش پورن بھاشا کدا چت ہی کسی نے لکھی ہو۔ کیسا آگادھ پریم ہے، جس کی تھاد وہ اب تک سویم نہ پاسکا تھا۔ اس کا جیون سچت، اینٹور دثواس غائب ہو جاتا ہے۔ وہ اینٹور کو آپ شبد کہتا ہوا، سنارک بھوگ ولاس کو سورگ اور دھرم کے سکسوں سے کہیں آتم، وانکھنیدہ بتلاتا ہوا ہم سے سدو کے لیے دوا ہو جاتا ہے۔ وہ آہنکار کی ججو موتی ہے۔ یہ در بھاگیہ ایک جھمن کے لیے بھی اس کا گھا نہیں چھوڑتا۔ لیس دھرمی ہے لیکن ولاس پریتا کے ساتھ وہ کتنا سہ ہردے، کتنا سبھو کتنا شانت پرا کرتی ہے۔ اس کی دنے پورن باتوں کا اثر جب پاپ ناشی دیتا ہے تو اس کی سنکیر دتا پراکھٹا کو پہنچ جاتی ہیں۔ وہ آہنکار اس سے بھی اس کی گردن پر سوار رہتا ہے۔ جب وہ تھالیں کے پاس مگر سے پرستمان کرتا ہے، تب کہتا ہے، استری، تو جانتی ہے کہ تیرے پاپوں کا کتنا بوجھ ہے؟ یہاں تک کہ جب مورکھ پال سنت اینٹونی کے پرشنوں کے اثر میں سورگ ہٹا دیکھنے کی بات کہتا ہے تو پاپ ناشی اُچھل پڑتا ہے کہ کدا چت وہ ہٹا میرے ہی لیے بچائی گئی ہے، حالانکہ اس سے تک اسے اپنے آتم جن کا۔ حمارتھ گیان ہو جانا چاہیے تھا۔

لیکن پاپ ناشی کا چتر بتتا ہی مارک ہے۔ اتنا ہی آرمک ہے۔ اس کی دھارمک دثواؤں کو سننے سننے جی ادب جاتا ہے اور اس کے پرتی من میں گھرنا اچھہ ہو جاتی ہے۔ اس کے پرتی کل تھالیں کا چتر بتتا ہی مارک ہے اتنا ہی منور ہے۔ فرانس کے اپنیاس کاروں میں استری چتر کی میمانا کرنے کا ویش گن ہیں۔ اتاتول فرانس نے تھالیں کے چرن میں استری منوبھاؤ کا جیسا شوکھم پرہیچے دیا ہے وہ ساتھ میں ایک دلہہ دثو ہے۔ وہ سادھارن آتھتی کے ماتا پتا کی کنیا ہے۔ ہر ماتر اسید سے دلچت ہے۔ اس کی ماتا بوی فٹے در، پیوں پر جان دینے والی استری ہے۔ تھالیں کا من بھلانے والا اس سے پریم کرنے والا حبشی غلام ہے۔ جس کا نام احمد ہے اور جو گپت ریتی سے میسانی دھرم کا الوپائی ہے۔ احمد تھالیں کے ہالیکا ہردے میں ہی میسانی دھرم کے پرتی شرودھا اچھہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا پتسا بھی کرا دیتا ہے۔ احمد اس کے کچھ دنوں بعد جب تھالیں میارہ ورش کی تھی، مار

ڈالا گیا، اور اب تھالیں کی رکھھا کرنے والا کوئی نہ رہا۔ وہ اُسے کوئی کی استریوں کو دیکھتی تو اس کی بھی کچی لہجہ ہوتی کہ میری سواری بھی اسی ٹھٹ باٹ سے نکلتی۔ انت میں ایک کٹنی اسے بہکا لے جاتی ہے اور تھالیں کا جیون مارگ نچھت ہو جاتا ہے۔ امیروں کی سبازوں میں ناچنا گانا، نکلیں کرنا اس کا کام ہے۔ اس کی پرکھر بدمی تھوڑے ہی دنوں میں اس کلا میں پروین ہو جاتی ہے۔ جب وہ جنم بھوی اسکندریہ میں چلی آتی ہے۔ پر یہاں آنے کے پہلے ایک پُرش کی پرہکا رہ چکی ہے اور اسی شدھ پریم کا بھر بھوگنے کی لالسا اسے دھل کرتی رہتی ہے۔

اسکندریہ میں پہلے تو اسے ابھینے کرنے میں سھلکا نہیں ہوتی، پر تھوڑے ہی دنوں میں وہ وہاں کی نامیہ شالاؤں کا سنگار بن جاتی ہے۔ پریمیوں کی آمدورفت شروع ہوتی ہیں۔ کنجن کی ورشا ہونے لگتی ہے۔ کٹھو تھالیں کو ان پریمیوں کے ساتھ اس مولک ادھ بھٹ پریم کا آند نہیں پراپت ہوتا جس کے لیے اس کا ہر دے تڑپتا رہتا تھا۔ وہ سادھارن استریوں کی بھاننی دھارک پرورتی کی استری تھی۔ اس میں بھکتی تھی، شردھاتھی، بھے تھا۔ وہ ”اگمات“ کو جاننے کے لیے ادگن رہتی تھی۔ اسے بھوشیہ کا سدائے لگا رہتا تھا۔ اس کے پریمیوں میں سکھ وادی نیاس بھی تھا، لیکن اس کا من نیاس سے نہ ملتا تھا۔ وہ کہتی ہے۔ مجھے تم جیسے پرانیوں سے گھرنا ہے۔ جن کو کسی بات کی آشا نہیں، کسی بات کا بھے نہیں۔ میں گیان کی بھٹک ہوں، بچے گیان کی بھٹک ہوں۔

اسی ”گیان“ کو پراپت کرنے کے اوشیہ سے وہ دارشکوں کے گرنھوں کا ازمین کرتی، کٹھو جھٹا اور بھی جیل ہوتی جاتی تھی۔ ایک دن وہ رات کو بھرمن کرتے ہوئے ایک گر جا گھر میں جا پہنچتی ہے۔ وہاں اسے یہ دیکھ کر آٹھر یہ ہوتا ہے کہ اس کے غلام ”اچھ“ کی جس کا عیسائی نام تھیوڈور تھا۔ جننی منائی جا رہی ہے۔ تھالیں بھی سر جھکا کر بڑے دین بھاؤ سے تھیوڈور کی قبر کو چومتی ہے۔ اس کے من میں یہ پرشن ہوتا ہے۔ وہ کون سی دستو ہے جس نے تھیوڈور کو پوچھ بنا دیا؟ وہ گھر لوٹ کر آتی ہیں تو نیچے کرتی ہے کہ میں تھیوڈور کی بھاننی تیاگی اور دین بنوں گی وہ نیاس سے کہتی ہے۔ مجھے ان سب پرانیوں سے گھرنا ہے جو سکھی ہیں، جو دھنی ہو۔

ایک دھاس بھوگنی استری کے ٹکھ سے یہ دجن اسکت سے جان پڑتے ہیں۔ کٹھو جو

بڑے بڑے شرابی ہیں، وہ شراب کے بڑے سے بڑے نذک دیکھے جاتے ہیں۔ مٹھے کے دیوہار اور دھاروں میں اسادرشیہ منوبھاؤں کا ایک سادھارن رہیہ ہے۔ قہلیس کو آتم ولاس میں بھی شانتی نہیں۔ اپنی ساری سکھتی کو آگنی کی بھیٹ کرنے کے بعد جب پاپ ناشی کے ساتھ چلتی ہے، اس سے وہ نیاس سے کہتی ہے۔ ”نیاس میں تم جیسے پرانیوں کے ساتھ رہتے رہتے تک آگنی ہوں۔ میں ان سب باتوں سے آگتا گئی ہوں جو مجھے گیات ہیں؛ اور اب میں آگیا ت کی کھوج میں جاتی ہوں۔

قہلیس یہاں سے مرد بھومی کے ایک مہیلا آشرم میں پروشٹ ہوتی ہے اور وہاں آدرش جیون کا انوسرن کر کے وہ تھوڑے ہی دنوں میں ”ست“ پد کو پراپت کر لیتی ہے۔ قہلیس ولاسنی ہونے پر بھی سرل پر کرتی، دیالو رمنی ہے۔ ایک سالوچک - حمارتھہ اسے Immortal کہا ہے اور بہت ستہ کہا ہے۔ قہلیس امر ہے۔ یہ بھی قہلیس کا شوکھو دکلا گیا ہے لیکن انا تول فرانس نے اس سے کہیں بڑا کام کیا ہے، اس نے قہلیس کو بولنے سنا دیا اور انھیں کرتے دکھا دیا۔ پاپ ناشی کے ساتھ آشرم کو آتے ہوئے وہ کہتی ہے۔ ”میں نے ایسا نزل جل نہیں پیا اور ایسی پوتر دیاو میں سانس نہیں لی۔ مجھے ایسا جان پڑتا ہے کہ اس چلتی ہوئی دیاو میں ایٹور تیر رہا ہے۔

کتنے بھکتی پورن شبد ہیں۔

لیکھک نے قہلیس کے چتر لکھن میں جہاں اتنی کھلتا دکھائی ہے وہاں اسے اتھت بھیرو بنادیا ہے یہاں تک کہ جب اسے پاپ ناشی کے وشے میں یہ پورن دشواس ہو جاتا ہے کہ وہ مجھے اتھت جیون پردان کر سکتا ہیں؛ ارقات وہ اوشدھیاں جانتا ہے کہ جن کے سیون سے وردھاوستھا پاس نہ آئے، تو وہ کچھ بھئے سے، کچھ اسے لبدھ کرنے کے لیے اس کے ساتھ سٹھوگ کرنے کو پرستوت ہو جاتی ہے۔ یہ بھی پاپ ناشی کی سینم فیلا اسے اس پرلو بھن کا شکار ہونے سے بچا لیتی ہے۔ تنھاپی قہلیس کی یہ ٹلٹی کچھ اسو بھاوک سی پریت ہوتی ہیں۔ ویشیا میں بھی یوں سب کے ساتھ اپنی لاج نہیں کھویا کرتیں، ان میں بھی آتم ابھیمان کی ماترا ہوتی ہیں، ویشتھ: جب وہ قہلیس کی بھانتی دہل دھن سپنا ہوں۔

پاپ ناشی کے چتر چرن میں بھی جو بات بھکتی ہے وہ انے سرگگ وشیوں کا ساویش ہے۔ جب وہ قہلیس کا اودھار کرنے کے لیے اسکندر یہ پہنچتا ہے اس سے اسے ایک سوہن

دکھائی دیتا ہے، جو اس کے سوگ زنگ کے سدھانوں کو بھرائی میں ڈال دیتا ہے۔ اسی بھائی جب وہ تھالیں کی آشرم میں پہنچا کر پھر اپنے آشرم میں لوٹ آتا ہے تو اس کے کئی میں گیدڑوں کو بھر مار ہونے لگتی ہے۔ ایک اور ادھر لیجئے جب وہ سمجھ پر بیٹھا ہوا تپسیا کرتا ہے تو ایک دن اس کے کانوں میں آواز آتی ہے، پاپ ناشی اٹھ اور ایٹور کی کیرتی کو بغول کر، بیماروں کو آرگلیہ پر دان کر اس کے بعد وہی آواز اسے پھر سمجھ سے نیچے اترنے کو کہتی ہے، کنو سیرمی دورا نہیں، بلکہ پھانڈ کر۔ پاپ ناشی پھانڈنے کی جھٹھا کرتا ہے تو اس کے کانوں میں ہسی کی آواز آتی ہے تب پاپ ناشی بھے بھیت ہو کر چونک پڑتا ہے۔ اسے دوت ہو جاتا ہے کہ شیطان مجھے پرکشا میں ڈال رہا ہے۔ ان شکاؤں کا سدھان کیول اسی دچار سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ سب پاپ ناشی کے آہنکار ہردے کے دچار تھے جو یہ روپ دھارن کر کے اس کی آنترک اچھاؤں اور بھاؤں کو پرکٹ کرتے تھے۔ جو مٹھیہ یہ کہے کی سد پر دوشوں کو آتما کیں دھنوں کی آتماؤں سے کہیں زیادہ کلوشت ہوتی ہیں، کیوں کہ سمت سنار کے پاپ ان میں پردوش ہوتے ہیں۔

جو پرانی ایٹور سے یہ پراتھنا کرے کہ بھگوان، مجھ پر پرانی ماتر کی کو داساؤں کا بھار رکھ دیجیے، میں ان سیوں کا پرائچٹ کروں گا۔

اس کے سگڑ و آندہ کرن کی دُرچٹائیں دودھ سوپوں کا روپ دھارن کر لیں تو کوئی اشچر یہ کی بات نہیں۔

بھاشا کے سمبندھ میں کچھ کہنا دیرتھ ہے۔ ایک تو یہ انوبھو کا انوداد ہے، دوسرے فرنج جیسی سم آنت بھاشا کی پتک کا، اور پھر انودادک بھی وہ پرانی ہے جو اس کام میں اہمیت نہیں۔ تس پر بھی دو تین سھلوں پر پانھوں کو لیکھ کی پرکھر لیکھنی کی کچھ جھلک دکھائی دے گی نیسی یاس نے تھالیں سے دوا لیتے سے کتنی ادجسونی اور مرمر اسپرشی بھاشا میں اپنے بھاؤوں کو پرکٹ کیا ہے! اور پاپ ناشی کے اس سے کے منودگار جب اسے تھالیں کے مرنے کی خبر ملتی ہے اتنے چٹیلے ہیں کہ بنا ہردے کو تھامے انھیں پڑھنا کٹھن ہے!

ان چند شبدوں کے ساتھ ہم اس پتک کو پانھوں کو بھینٹ کرتے ہیں۔ ہم کو پورن آشا ہے کہ سُوگیہ اس رس دھان کا آندہ اٹھائیں گے۔ ہم نے اس کا انوداد کیول اس لیے کیا ہے کہ ہمیں یہ پتک سرواگک سندر پرتیت ہوئی اور ہمیں یہ کہنے میں سکوچ نہیں ہے کہ اس

سے سندر سلپتہ ہم نے انگریزی میں نہیں دیکھا۔ ہم ان لوگوں میں ہیں، جو یہ بھلا کر رکھتے ہیں کہ انوادوں سے بھاشا کا گورو چاہے نہ بڑھے، سلائیچک گیان اوشیہ بڑھتا ہے۔ ایک وڈوان کا کھنن ہے کہ تھالیں نے اتیت کال پر پزرجے پراپت کر لیا ہے، اور اس کھنن میں لیش باز بھی ات کیتی نہیں ہے۔

مول پتک میں یوان، مصر آدی دیشوں کے اتنے ناموں اور گھناؤں کا اُلکھ تھا کہ انھیں سمجھنے کے لیے الگ ایک نیکا لکھنی پڑتی۔ اس لیے ہم نے جمہا استھان کچھ کاٹ چھانٹ کر دی ہے، پر اس کا دھار رکھا ہے کہ پتک کے ساریہ میں وگھنن نہ پڑنے پائے پاپ ناشی ”مول میں پلایو شیس“ تھا۔ سرلا کے دھار سے ہم نے تھوڑا سا روپا تر کر دیا ہے۔

ایک شبد اور۔ کچھ لوگوں کی سمجھتی ہے کہ ہمیں انوادوں کا سو جاتیہ روپ دے کر پرکاشت کرنا چاہیے۔ نام سب ہندو ہونے چاہیے۔ کیول آدھار مول پتک کا رہنا چاہیے میں اس سمتی کا گھوڑو روڈی ہوں۔ سلپتہ میں مول دشنے کے ازکت اور بھی کتنی ہی باتیں ساوشت رہتی ہے۔ اس میں جمہا استھان اتھاسک، ساجک بھوگولیک آدی ایک وشیوں کا اولکھ کیا جاتا ہے۔ مول آدھار لے کر شیش باتوں کو جوڑ دینا ویسا ہی ہے جیسے کوئی آدی تھالی کی روٹیاں کھالے اور دال، بھاجی، چٹنی، آچار سب چھوڑ دے۔ انیہ بھاشاؤں کی پتکوں کا مہتو کیول سلائیچک نہیں ہوتا۔ ان سے ہمیں ان کے آچار دھار، ریتی رواج آدی باتوں کا گیان بھی پراپت ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے اس پتک کو ”اپنانے“ کی پیشکھا نہیں کی۔ مصر کی مرڈبھوی میں جو درکھش پھلتا پھولتا ہے، وہ مانر دور کے تھ پر نہیں پنپ سکتا۔

پریم چند

ان دنوں نئل ندی کے ٹٹ پر بہت سے تپسوی رہا کرتے تھے۔ دونوں ہی کناروں پر کتنی ہی جمونپڑیاں تھوڑی تھوڑی دور پر بنی ہوئی تھیں۔ تپسوی لوگ انھیں میں ایکانت واس کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی سہايتا کرتے تھے۔ انھیں جمونپڑیوں کے بیچ میں جہاں تہاں مٹھ بھی تھے۔ جہاں تپسوی لوگ اکیلے چھوٹی چھوٹی گھاؤں میں سدھی پراپت کرنے کا یقن کرتے تھے۔

سبھی تپسوی بڑے بڑے کھن دوت دھارن کرتے تھے، کیول سور یہ است کے بعد ایک بار سونھم آہار کرتے۔ روٹی اور نمک کے سوائے اور کسی دستو کا سیون نہ کرتے تھے۔ کتنے ہی تو سادھیوں یا کندراؤں میں پڑے رہتے تھے۔ سبھی برہما چاری تھے، سبھی جہا پاری تھے۔ وہ اُون کا ایک کرنا اور کننوپ پہنتے تھے؛ رات کو بہت دیر تک جاگتے اور بھجن کرنے کے پیچھے بھوی پرسو جاتے تھے۔ اپنے پورو پُرش کے پاپوں کا پرائخت کرنے کے لیے وہ اپنی دیہہ کو بھوگ ولاس ہی سے دور نہیں رکھتے تھے، ورن اس کی اتنی رکشا بھی نہ کرتے تھے جو درتمان کال میں انداز یہ سمجھی جاتی ہیں۔ ان کا دشواس تھا کہ دیہہ کو جتنا کشت دیا جائے، وہ جتنی روگڑ اوستا میں ہو، اتنی ہی آتما پوتر ہوتی ہے۔ ان کے لیے کوڑھ اور پھوڑوں سے اُتم سنگار کی کوئی دستو نہ تھی۔

اس تپو بھوی میں کچھ لوگ تو دھیان اور تپ میں جیون کو مکمل کرتے تھے پر کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو تاڑ کی جھاؤں کو بٹ کر کسانوں کے لیے رسیوں بناتے، یا پھل کے دنوں میں کرشکوں کی سہايتا کرتے تھے۔ شہر کے رہنے والے سمجھتے تھے کہ یہ چوروں اور ڈاکوؤں کا گروہ ہے، یہ سب عرب کے لٹیروں سے مل کر قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ کتو یہ بھرم تھا۔ تپسوی دھن کو ٹچھ سمجھتے تھے۔ آخو دھار ہی ان کے جیون کا ایک ماتر ادیشہ تھا۔ ان کے بیچ کی جیوتی آکاش کو بھی آلوکت کر دیتی تھی۔

سورگ کے دوت یووکوں یا یاتریوں کا دلش رکھ کر ان مٹھوں میں آتے تھے۔ اسی

پرکار راکشس اور دیویہ حبشیوں یا پشتوں کا روپ دھر کر اس دھرم آشرم میں تپویوں کو بھگانے کے لیے وچار کرتے تھے۔ جب یہ بھگت کُن اپنے اپنے گھڑے لے کر پراتہ کال ساگر کی اور پانی بھرنے جاتے تھے تو انھیں راکشسوں اور دیویہ کے پدچہہ دکھائی دیتے تھے۔ یہ دھرم آشرم داستو میں ایک سرچھتر تھا جہاں رُنیہ اور دیہیہ رات کو سورگ اور رُک، دھرم اور ادھرم میں بھینچن سنگرام ہوتا رہتا تھا۔ تپوی لوگ سورگ دوتوں تھا امیشور کی سہایت سے ورت دھیان اور تپ سے ان پشاج سیناؤں کے آکھاتوں کا زوارن کرتے تھے کبھی اندریہ جت دانائیں ان کے مرم استل پر ایسا اُٹش لگاتی تھیں کہ دے ہڑا سے وکل ہو کر چیخنے لگتے تھے اور ان کی آرت دھونی دن پشتوں کی گرج کے ساتھ مل کر تاروں سے بھوشٹ آکاش تک گونجنے لگتی تھی۔ تب وہی راکشس اور دیویہ منوبر ویش دھارن کر لیتے تھے، کیوں کہ یدہی ان کی صورت بہت بھیئکر ہوتی ہے پر وہ کبھی کبھی سندر روپ دھریا کرتے ہیں۔ جس میں ان کی پہچان نہ ہو سکے۔ تپویوں کو اپنی کٹیوں میں دانساؤں کے ایسے درشیہ دیکھ کر دے ہوتا تھا جن پر اس سے دھرمدر ولاسیوں کا چت گدھ ہو جاتا۔ لیکن صلیب کی شرن میں بیٹھے ہوئے تپویوں پر ان کے پرلکھنوں کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا، اور یہ دشت آتمائیں سوریہ اُدے ہوتے ہی اپنا تھارت روپ دھارن کر کے بھاگ جاتی تھیں، پراتہ کال ان دھٹوں کو روتے ہوئے بھاگتے دیکھنا کوئی اساد دھارن بات نہ تھی کوئی ان سے پوچھتا تو کہتے ”ہم اس لیے رو رہے ہیں کہ تپویوں نے ہم کو مار کر بھاگ دیا ہے۔“

دھرم آشرم کے سدھ پردشوں کا سمت دیش کے ذرجنوں اور ناسکوں پر آنکھ سا چھایا ہوا تھا کبھی کبھی ان کی دھرم پرائنا بڑا وکرال روپ دھارن کر لیتی تھی۔ انھیں دھرم سرتیوں نے امیشور وٹکھ پرائنوں کو دڈ دینے کا ادھیکار پردان کر دیا تھا اور جو کوئی ان کے کوپ کا بھاگی ہوتا تھا۔ اسے سنار کی کوئی فلتی بچا نہ سکتی تھی۔ مگروں میں، یہاں تک کہ اسکندریہ میں بھی، ان بھیشن نترزاؤ کی ادھ بھت دنت کھائیں پھیلی ہوئی تھیں، ایک مہامتا نے کئی دھٹوں کو اپنے سونے سے مارا، زمین پھٹ گئی اور وہ اس میں سا گئے۔ اتہ دشت جن ویش کر مداری، دیواہت پادری اور ویشیائیں، ان تپویوں سے قمر قمر کانپتے تھے۔

ان سدھ پردشوں کے یوگ بل کے سانے دن جنتو بھی شیش جھکاتے تھے۔ جب کوئی یوگی مرنا سن ہوتا تو ایک سنگھ آکر پنوں سے اس کی قبر کھودتا تھا۔ اس سے یوگی کو معلوم

ہو جاتا تھا کہ بھگوان اسے بلا رہے ہیں۔ وہ ترنت جا کر اپنے سہمیگیوں کے ٹکھ چوستا تھا۔ تب قبر میں آکر سادھست ہو جاتا تھا۔

اب تک اس پٹاشرم کا پردھان اینٹونی تھا۔ پر اس کی اوستھا اب سورش کی ہو چکی تھی۔ اسی لیے وہ اس استھان کو تیاگ کر اپنے دوششیوں کے ساتھ جن کے نام مکر اور اماہیہ تھے، ایک پہاڑی میں دھرام کرنے چلا گیا تھا۔ اب اس آشرم میں پاپ ناشی نام کے ایک سادھو سے بڑا اور کوئی مہاتما نہ تھا۔ اس کے ست کرموں کی کیرتی دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ اور کئی تپسوی تھے جن کے انویائیوں کی سکھیا ادھیک تھی۔ اور جو اپنے آشرموں کے شامن میں ادھیک کسل تھے۔ لیکن پاپ ناشی ورت اور تپ میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تین تین دن ائی فن ورت رکھتا تھا۔ رات کو اور پرانہ کال اپنے شریر کو دانوں سے چھیدا تھا اور وہ گھنٹوں بھومی پر مستک نوائے بڑا رہتا تھا۔

اس کے چوبیس دوششیوں نے اپنی اپنی کنیاں اس کی کئی کے آس پاس بنالی تھیں اور یوگ کریاؤں میں اسی کے الوگامی تھے۔ ان دھرم پٹروں میں ایسے ایسے مکھیہ تھے جنھوں نے ورشو ڈکیتیاں ڈالی تھیں، جن کے ہاتھ رکت سے رنگے ہوئے تھے۔ پر مہاتما پاپ ناشی کے اپردیشوں کے دشی بھوت ہو کر اب وہ دھارمک جیون وقیت کرتے تھے اور اپنے پوتر آچرنوں سے اپنے سہمیگیوں کو چکت کر دیتے تھے۔ ایک دوششیہ جو پہلے جش دیش کی رانی کا بادرچی تھا، بچیہ روتا رہتا تھا۔ ایک اور دوششیہ فلدا نام کا تھا جس نے پوری بائل کنھست کر لی تھی اور وانی میں بھی بچن تھا۔ لیکن جو دوششیہ آتم شدمی میں ان سب سے بڑھ کر تھا وہ پال نام کا ایک کسان یوگ تھا۔ اسے لوگ مورکھ پال کہا کرتے تھے، کیوں کہ وہ اتھیت سرل ہردے تھا۔ لوگ اس کی بھولی بھالی باتوں پر ہنسا کرتے تھے، لیکن ایثور کی اس پر ویشیش کر پادشہی تھی۔ وہ آتما درشی اور بھوشیہ وکستا تھا۔ اسے الھام ہوا کرتا تھا۔

پاپ ناشی کا جیون اپنے دوششیوں کی کھکھا دکھھا اور آتم شدمی کی کریاؤں میں کنتا تھا۔ وہ رات بھر بیٹھا ہوا بائل کی کھھاؤں پر من کیا کرتا تھا کہ ان میں درھانٹوں کو دھوٹ نکالے۔ اس لیے اوستھا کے بنون ہونے پر بھی وہ بچیہ پروپکارت رہتا تھا۔ پٹاشچ گن جو انیہ تپسویوں پر آکر من کرتے تھے، اس کے ٹکٹ جانے کا سانس نہ کر سکتے تھے۔ رات کو سات سرگال (शृगाल) اس کی کئی کے دوار پر چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے۔ لوگوں کا دھار تھا کہ یہ

ساتوں دہائیے تھے جو اس کے یوگ بل کے کارن چوکٹ کے اندر پاؤں نہ رکھ سکتے تھے۔
 پاپ ہاشی کا جنم استھان اسکندریہ تھا۔ اس کے ماتا پتا نے اسے بھونک دویا کی اونچی
 حلقشا دلائی تھی۔ اس نے کویوں کے شرنگار کا آسودن کیا تھا اور یون کال میں ایٹور کے
 انادتیو، بلکہ استیو پر بھی دوسروں سے واد دیواد کیا کرتا تھا۔ اس کے پچھات کچھ دن تک اس
 نے دھنی پردوشوں کے پر تھا انوسار ابدر یہ سکھ بھوگ میں دہیت کئے، جسے یاد کر کے اب لجا اور
 گمانی سے اس کو اتھیت پڑا ہوتی تھی۔ وہ اپنے بھروں سے کہا کرتا 'ان دنوں مجھ پر دانسا کا
 بھوت سوار تھا، اس کا آٹھے یہ کدا لپی نہ تھا کہ اس نے دہی چار کیا تھا۔ بلکہ کیول اتنا کہ اس
 سے سوادشٹ بھوجن کیا تھا اور ہایہ شالاؤں میں تماشا دیکھنے جایا کرتا تھا۔ واستو میں بیس ورش
 کی اوستا تک اس نے اس کال کے سادھارن نشیوں کی بھائی جیون دہیت کیا تھا۔ وہی
 بھوگ لپا اب اس کے ہردے میں کانٹے کے سامان چھا کرتی تھی۔ دیو یوگ سے انہی دنوں
 اسے کمرشی کے سد اپدیشوں کو سننے کا سوبھاگیہ پراپت ہوا۔ اس کی کایا پلٹ ہو گئی۔ ستیہ اس
 کے روم روم میں دیابت ہو گیا، بھالے کے سان اس کے ہردے میں چھہ گیا۔ چھمہ لینے کے
 بعد وہ سال بھر تک اور بھدر پردوشوں میں رہا، پرانے سنسکاروں سے کت نہ ہو سکا۔ لیکن
 ایک دن وہ گر جا گھر میں گیا اور وہاں اپدیشک کو یہ پد گاتے ہوئے سنا۔ یدی تو ایٹور بھکتی کا
 بھٹک ہے تو جا، جو کچھ تیرے پاس ہو، اسے بچ ڈال اور غریبوں کو دے دے۔ وہ ترنت گھر
 گیا، اپنی ساری سمجھی بچ کر غریبوں کو دان کر دی اور دھرم آشرم میں پردوشٹ ہو گیا اور دس
 سال تک سنسار سے ورکت ہو کر وہ اپنے پاپوں کا پراپچھت کرتا رہا۔

ایک دن وہ اپنے نیوں کے انوسار ان دنوں کا اسرن کر رہا تھا، جب وہ ایٹور دیکھ
 تھا اور اپنے دھکرموں پر ایک ایک کر کے دھار کر رہا تھا۔ سہا اسے یاد آیا کہ میں نے
 اسکندریہ کی ایک ہایہ شالا میں تھالیں نام کی ایک اتی روپ دتی نئی دیکھی تھی۔ وہ دنی رنگ
 شالاؤں میں زتیہ کرتے سے اچھ پرتیکوں کی ایسی منوہر جھوی دکھائی تھی کہ درکھوں کے
 ہردے میں دانساؤں کی رنگیں اٹھنے لگتی تھیں۔ وہ ایسا تھرتی تھی، ایسے بھاؤ بتاتی تھی، لالساؤں
 کا ایسا گمن چر کھینچتی تھی کہ جھیلے یووک اور دھنی وردھ کا ماہر ہو کر اس کے گرہ دوار پر پھولوں
 کی مالائیں بھینٹ کرنے کے لیے آتے۔ تھالیں ان کا سہرش سواگت کرتی اور انھیں اپنی
 اٹھتھلی میں آشریے دیتی۔ اس پرکار وہ کیول اپنی ہی اتما کا سروداش نہ کرتی تھی، ورنہ

دوسروں کی آتماؤں کا بھی خون کرتی تھیں۔

پاپ ناشی سویم ان کے مایا پاش میں پھنستے پھنستے رہ گیا تھا۔ وہ کام ترشنا سے اہمت ہو کر ایک بار اس کے دوار تک چلا گیا تھا لیکن وارا گتنا کے چوکھٹ پر وہ ٹھٹھک گیا، کچھ تو اہمتی ہوئی جوانی کی سوا بھاؤ کا خرتا کے کارن اور کچھ اس کارن کے اس کی جیب میں روپے نہ تھے، کیوں کہ اس کی ماما اس کا سدیو دھیان رکھتی تھی کہ وہ دھن کا اپ دیے نہ کر سکے۔ ایثور نے انھی دو سادھنوں دورا اسے پاپ کے اگنی کڈ میں گرنے سے بچالیا۔ کتھو پاپ ناشی نے اس اسم دیا کے لیے ایثور کو دھنیہ واو نہیں دیا؛ کیوں کہ اس سے اس کے گیان چھو (चक्षु) بند تھے۔ وہ نہ جانتا تھا کہ میں متھیا آند بھوگ کی دھن میں پڑا ہوں۔ اب اپنی ایکانت کئی میں اس نے پوتر صلیب کے سامنے مستک جھکا دیا اور یوگ کے نیوں کے الو سار بہت دیر تک تھامیں کا اسرن کرتا رہا کیوں کہ اس نے مورکھتا اور اندھکار کے دنوں میں اس کے چت کو اندریے سکھ بھوگ کی لہھاؤں سے آندولت کیا تھا۔ کئی گھنٹے دھیان میں ڈوبے رہنے کے بعد تھامیں کی اسپٹ اور جہمورتی اس کے ہردے نیروں کے آگے آکھڑی ہوئی۔ اب بھی اس کی روپ شوبھا اتنی ہی انوپم تھی جتنی اس سے جب اس نے اس کی کوداساؤں کو آہجت کیا تھا۔ وہ بڑی کوتھ سے گلاب کے سج پر سر جھکائے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے کل نیروں میں ایک دچر آدرتا، ایک دلکھن جیوتی تھی۔ اس کے تنھے پھڑک رہے تھے، ادھر کلی کی بھانتی آدمے کھلے ہوئے تھے اور اس کی بانہیں دو جل دھاراؤں کے سدرش نزل اور نقول تھیں۔ یہ موتی دیکھ کر پاپ ناشی نے اپنی چھاتی پینٹ کر کہا۔ ”بھگوان تو سا کبھی ہے کہ میں پاؤں کو کتنا گھور اور گھانک سمجھ رہا ہوں۔“

دھیرے دھیرے اس موتی کا کھ وکرت ہونے لگا، اس کے ہونٹ کے دونوں کو نے نیچے کو جبک کر اس کی اتتر ویدنا کو پرکٹ کرنے لگے اس کی بڑی بڑی آنکھیں کل ہو گئیں۔ اس کا دیکھ اچھ واسوں سے اندولت ہونے لگا۔ مانو طوفان کے پورو ہوا سننا رہی ہو! یہ کوتھل دیکھ کر پاپ ناشی کو مرم دیدنا ہونے لگی۔ بھوی پر سر نوا کر اس نے یوں پراحتنا کی کروائے! تو نے ہمارے لہتہ کرن کو دیا سے پری پوروت کر دیا ہے۔ اسی بھانتی جیسے پر بھات کے سے کھیت ہم کرنوں سے پری پوریت ہوتے ہیں۔ میں تجھے نسکار کرتا ہوں تو دھنیہ ہے۔ مجھے ٹھکتی دے کہ تیرے جیووں کو تیری دیا کی جیوتی سمجھ کر پریم کروں، کیوں کہ سنسار میں سب کچھ لہتیہ

ہے۔ ایک تو ہی عجیب ہے، امر ہے۔ یری اس ابھانگی استری کے پرپی مجھے چتا ہے تو اس کا کارن ہے کہ وہ تیری ہی رچتا ہے۔ سورگ کے دوت بھی اس پر دیا بھاؤ رکھتے ہیں بھگوان، کیا یہ تیری ہی جیوتی کا پرکاش نہیں ہے؟ اے اتنی شکتی دے کہ وہ اس کماری کو تیاگ دے تو دیا ساگر ہے۔ اس کے پاپ مہا گھور گھرنت ہیں اور ان کے کلپنا ماتر ہی سے مجھے رومانچ ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ جتنا پاپ بھٹا ہے اتنا ہی میرا چت اس کے لیے دھتھت ہو رہا ہے میں یہ دھار کر کے دیگر ہو جاتا ہوں کہ نرک کے دوت انت کال تک اسے جلاتے رہیں گے۔

وہ یہی پراتھنا کر رہا تھا کہ اس نے اپنے پیروں کے پاس گیدڑ کو پڑے دیکھا۔ اسے بڑا آعھر یہ ہوا، کیوں کہ اس کی کئی کا دوار بند تھا۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ وہ پشو اس کے منوگت دھاردوں کو بھانپ رہا ہے وہ کتے کی بھانپی پونچھ ہلا رہا تھا پاپ ناشی نے ترنت صلیب کا آکار بنایا اور پشو لپٹ ہو گیا اسے تب گیات ہوا کہ آج پہلی بار راکشس نے میری کئی میں پردیش کیا۔ اس نے چت شانتی کے جلیے ٹی سی پراتھنا کی اور پھر تھامس کا دھیان کرنے لگا۔

اس نے من میں لچھے کیا؟ ہر لیٹھا سے میں اوشیہ اس کا ادھار کروں گا۔ تب اس نے دشرام کیا۔

دوسرے دن اوشا کے ساتھ ندرا بھی کھلی۔ اس نے ترنت ایش وندنا کی اور پالم سنت سے ملنے گیا جن کا آشرم وہاں سے کچھ دور تھا۔ اس نے سنت مہاتما کو اپنے سوبھاؤ کے انوسار پر پھل چت سے بھومی کھودتے پایا۔ پالم بہت دردھ تھے۔ انھوں نے جھوٹی سی پھلوری لگا رکھی تھی۔ دن جنتو آکر اس کے ہاتھوں کو چائٹے تھے، اور پشاج آدی کبھی انھیں کشت نہ دیتے۔

انھوں نے پاپ ناشی کو دیکھ کر نمستے کیا۔

پاپ ناشی نے آخر دیتے ہوئے کہا بھگوان تمھیں شانتی دے۔

پالم۔ تمھیں بھی بھگوان شانتی دے۔ یہ کہہ کر انھوں نے ماتھے کا پسینہ اپنے کرتے کی

آستین سے پونچھا۔

پاپ ناشی۔ بندھوور، جہاں بھگوان کی چڑھا ہوتی ہے وہاں بھگوان اوشیہ درتھان رہتے

ہیں۔ ہمارا دھرم ہے کہ اپنے سنبھاشنوں میں بھی ایشور کی استوتی ہی کیا کریں۔ میں اس سے

ایشور کی کیرتی پر سارت کرنے کے لیے ایک پرستاؤ لے کر آپ کی سیوا میں مستھت ہوں۔

پالم۔ بندھو پاپ ناشی بھگوان تمھارے پرستار کو میرے کاہو کے بیلوں کی بھانٹی سہل کرے۔ وہ مجھ پر بھات کو میری دانیکا پر اوس، بندوں کے ساتھ اپنی دیا کی ورشا کرتا ہے اور اس کے وردان کئے ہوئے کھوروں اور خربوزوں کا آسودان کر کے میں اسی کے اسم واسلیہ کی جے جے کار مانتا ہوں۔ اس سے بھی یاچتا کرنی چاہیے کہ ہمیں اپنی شانتی کی چھایا میں رکھے کیوں کہ من کو لوگھن کرنے والے بھیٹن ڈراوگیوں سے ادھک بھیٹکر اور کوئی دستو نہیں ہے۔ جب یہ منو دیگ جاگرت ہو جاتے ہیں تو ہماری دشا متوالوں کی سی ہو جاتی ہے ہمارے ہیر لڑکھڑانے لگتے ہیں اور ایسا جان پڑتا ہے کہ اب اوندھے منہ گرے کبھی کبھی اسے منو دیگوں کے دشی بھوت ہو کر ہم گھانیک سکھ بھوگ میں گھن ہو جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آتم دیدنا اور اندریوں کے اشانتی ہمیں نیراشیہ ند میں ڈوبا دیتی ہے، جو سکھ بھوگ سے کہیں سردناٹھک ہے۔ بندھو ور ایک مہان پاپی پرانی ہوں لیکن مجھے اپنے دیرگھ جیون کال میں یہ الو بھو ہوا ہے کہ یوگی کے لیے اس ملٹتا سے بڑا اور کوئی شتر و نہیں ہے۔ اس سے میرا ابھی پرانے اور اس اسادھے اداسینا اور چھو بھ سے ہے جو کھرے کی بھانٹی آتما پر پردہ ڈالے رہتی ہے۔ اور الیشور کی جیوتی کو آتما تک نہیں پہنچنے دیتی۔ مکتی مارگ میں اس سے بڑی اور کوئی بادھا نہیں ہے، اور اسراراجیہ کی سب سے بڑی جیت یہی ہے کہ وہ ایک سادھو پُرش کے ہردے میں شدھ اور ملین وچار اکثریت کردے۔ یدی وہ ہمارے اوپر منو ہر پرلھنوں سے ہی آکر من کرنا تو بہت بھے کی بات نہ تھی۔ پر شوک! وہ ہمیں چھب کر کے بازی مار لے جاتا ہے۔ پتا اینٹونی کو بھی کسی نے اداس یا دگی نہیں دیکھا ان کا کھڑائی پھول کے سان کھلا رہا تھا۔ ان کے مدر مکان ہی سے بھکتوں کے چت کو اشانتی ملتی تھی۔ اپنے سٹھیں میں کتنے پرسیہ مسکان چت رہتے تھے ان کی کھ کانتی کبھی منو ملدیہ سے دھندی نہیں ہوئی۔ لیکن ہاں تم کس پرستار کی چرچا کر رہے تھے۔

پاپ ناشی۔ بندھو پالم، میرے پرستار کا ادیشیہ کیول الیشور کے مہاتمیہ کو بقول کرنا ہے۔ مجھے اپنے سد پرارش سے انگڑھت کیجیے کیوں کہ آپ سرگوبہ ہیں اور پاپ کی دایو نے کبھی آپ کو اپرش نہیں کیا۔

پالم۔ بندھو پاپ ناشی، میں اس یوگیہ بھی نہیں ہوں کہ تمھارے چروں کی رج بھی ماتھے پر لگاؤں اور میرے پاپوں کی بھی گڑنا مردواستھل کے بالونکوں سے بھی ادھک ہے لیکن

میں وردہ ہوں اور مجھے جو کچھ انو بھو ہے اس سے تمھاری ساہرش سیوا کروں گا۔

پاپ ناشی۔ تو پھر آپ سے اسپشٹ کہہ دینے میں کوئی شکوہ نہیں ہے کہ میں اسکندریہ میں رہنے والی تھاںیں نام کی ایک پوتر استری کی ادھوگتی سے بہت دکنی ہوں وہ مسست نگر کے لیے کلنگ ہے اور اپنے ساتھ کتنی ہی آتماؤں کا سروناش کر رہی ہے۔

پالم۔ بندھو پاپ ناشی یہ ایسی دیوستھا ہے جس پر ہم جتنے آنسو بہائیں کم ہیں۔ بندھو شرینی میں کتنی ہی رمنیوں کا جیون ایسا ہی پاپ سے ہے۔ لیکن یہ دیوستھا کے لیے تم نے کوئی نوارن ودھی سوچی ہے؟

پاپ ناشی۔ بندھو پالم، میں اسکندریہ جاؤں گا اور اس ویشیا کی تلاش کروں گا اور ایثور کی سہایت سے اس کا اڈھار کروں گا۔ یہی میرا سنگھ ہے آپ اسے پشٹ سمجھتے ہیں؟

پالم۔ پر یہ بندھو میں ایک ادھم پرانی ہوں۔ کلتو ہمارے پوجیہ گردو اینٹونی کا کھن تھا کہ منگیہ کو اپنا استھان چھوڑ کر کہیں اور جانے کے لیے اتادل نہ کرنی چاہیے۔

پاپ ناشی۔ پوجیہ بندھو کیا آپ کو میرا پرستاد پند نہیں ہے؟

پالم۔ پر یہ پاپ ناشی ایثور نہ کرے کہ میں اپنے بندھو کے دھڑھ بھاؤں پر ہنکا کروں۔ لیکن ہمارے شرمدیہ گردو اینٹونی کا یہ بھی کھن تھا کہ جیسے مچھلیاں سوکھی بھومی پر مرجاتی ہیں یہی وشنا ان سادھوؤں کی ہوتی ہے۔ جو اپنی کئی چھوڑ کر سنار کے پرانیوں سے ملنے جلتے ہیں۔ وہاں بھلائی کی کوئی آشا نہیں۔

یہ کہہ کر سنت پالم نے پھر کدال ہاتھ میں لی اور دھرتی کوڑنے لگے، وہ پھل سے لدے ہوئے انجیر کے درکھش کی جڑوں پر مٹی چڑھا رہے تھے۔ وہ کدال چلائی رہے تھے کہ جمائویں میں سنستا ہٹ ہوئی، اور ایک ہرن پارغ کے باڑے کے اوپر سے کود کر اندر آگیا۔ وہ سہا ہوا تھا۔ اس کی کوئل ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ سنت پالم کے پاس آیا اور اپنا مسک ان کی چھاتی پر رکھ دیا۔

پالم نے کہا۔ ایثور کو دھنیہ ہے جس نے اس سندرون جنٹو کی سرشی کی۔

اس کے پشچات پالم سنت اپنے جھونپڑے میں چلے گئے۔ ہرن بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ سنت نے تب جوار کی روٹی نکالی اور ہرن کو اپنے ہاتھوں سے کھلائی۔

پاپ ناشی کچھ دیر وہار میں مگن کھڑا رہا۔ اس کی آنکھیں اپنے ہیروں کے پاس پڑے

ہوئے پتھروں پر جمی ہوئی تھی۔ تب وہ پالم سنت کی باتوں پر دچار کرتا ہوا دھیرے دھیرے اپنی کٹی کی اور چلا۔ اس کے من میں اس سے بھیجن سگرام ہو رہا تھا۔

اس نے سوچا۔ سنت پالم کی صلاح اچھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ دور درشتی پرش ہے انھیں میرے پرستار کے ادھیہ پر سند یہ ہے تھا تھا لیس کو گھانک پشاجوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینا گھور نزدیقا ہوگی۔ ایٹور مجھے پرکاش اور بدھی دے۔

چلتے چلتے اس نے ایک تیز کو جال میں پھنسا دیکھا۔ جو کسی شکاری نے بچھا رکھا تھا۔ یہ تیزی معلوم ہوتی تھی۔ کیوں کہ اس نے ایک جھن میں زکو جال کے پاس اڑ کر اور جال کے پھندوں کو چونچ سے کاٹنے دیکھا۔ یہاں تک کے جال میں تیزی کے نکلنے بھر کا چھدر ہو گیا۔ یوگی نے گھٹنا کو دچار پورن نیتروں سے دیکھا اور اپنی گیان شکتی سے کج میں اس کا آدھیا تک آجھے سمجھ لیا تیزی کے روپ میں تھا لیس تھی۔ جو پاپ جال میں پھنسی ہوئی تھی اور جیسے تیز نے ری کا جال کاٹ کر اسے کمت کر دیا تھا وہ بھی اپنے یوگ بل اور سد اپدیش سے ان ادرشیہ بندھنوں کو کاٹ سکتا تھا جن میں تھا لیس پھنسی ہوئی تھی۔ اسے نچے ہوا کہ ایٹور نے مجھے اس ریتی سے پر امرش دیا ہے۔ اس نے ایٹور کو دھنیہ وا دیا۔ اس کا پورو سنکپ درڑھ ہو گیا لیکن پھر جو دیکھا، زکی ٹانگ اسی جال میں پھنسی ہوئی تھی جسے کاٹ کر اس نے مادہ کو زورت کیا تھا۔ تو وہ پھر بھرم میں پڑ گیا۔

وہ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا۔ اوشا کال کے سے اس نے ایک سوپن دیکھا، تھا لیس کی موتی اس کے پھر سمجھ ہوئی۔ اس کے کھ چندر پر کلپت ولاس کی آجھا نہ تھی نہ وہ اپنے سوبھاؤ کے انوسار رتن جلت وستر پہنے ہوئی تھی۔ اس کا شریر ایک لمبی چوڑی چادر سے ڈھکا ہوا تھا، جس سے اس کا منہ بھی چھپ گیا تھا کیول دو آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں، جن میں سے گاڑھے آنسو بہہ رہے تھے۔

یہ سوپن درشیہ دیکھ کر پاپ ناشی شوک و بہل ہو کر رونے لگا اور یہ وہ اس کر کے کہ یہ دیوی آدیش ہے۔ اس کا دلکپ اشانت ہو گیا۔ وہ ترنت اٹھ بیٹھا جریب ہاتھ میں لی جو عیسائی دھرم کا ایک چھ تھا۔ کٹی کے باہر نکلا اور سادو دھانی سے دوار بند کیا، جس میں ون جنٹو اور پکشی اندر جاکر ایٹور گرنتھ کو گندا نہ کر دیں، جو اس کے سر ہانے رکھا ہوا تھا۔ تب اس نے اپنے پردھان مشیہ فلدا کو بلایا اور اسے شیش تیجیس ششیوں کے زینچھن میں چھوڑ کر کیول

ایک ڈھیلا ڈھالا چوغا پہنے ہوئے نیل ندی کی اور پرستخان کیا۔ اس کا دھار تھا کہ لایا ہوتا ہوا مقدونیا نریش سکندر کے بسائے ہوئے عمر میں پہنچ جاؤں۔ وہ بھوک پیاس اور تھکن کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے پراتہ کال سے سور یہ است تک چلتا رہا، جب وہ ندی کے سمپ پہنچا تو سور یہ چھتچ کی گود میں آشرے لے چکا تھا اور ندی کا رکت جل کچن اور اگنی کے پہاڑوں کے بیچ میں لہریں مار رہا تھا۔

وہ ندی کے تٹ درتی مارگ سے ہوتا ہوا چلا۔ جب بھوک لگتی کسی جمونہڑی کے دوار پر کھڑا ہو کر ایشور کے نام پر کچھ مانگ لیتا۔ ترسکاروں اہیکشاؤں اور کٹو وچنوں کو پرستخان سے شرو دھاریے کرتا تھا۔ سادھو کو کسی سے آشرش نہیں ہوتا۔ اسے نہ ڈاکوؤں کا بھیس نہ دن کے جنتوؤں کا، لیکن جب کسی گاؤں یا نگر کے سمپ پہنچتا تو کترا کر نکل جاتا وہ ڈرتا تھا کہ کہیں بال ورنہ اسے آنکھ مچولی کھیلے ہوئے نہ مل جائیں۔ اتھوا کسی کنوئیں پر پانی بھرنے والی رمنیوں سے سامنا نہ ہو جائے جو گھڑوں کو اتار کر اس سے ہاس پر یہاس کر بیٹھیں۔ یوگی کے لیے سبھی ہنکا کی باتیں ہیں۔ نہ جانے کب بھوت پشاج اس کے کاریہ میں وگن ڈال دیں۔ اسے دھرم گرنقوں میں یہ پڑھ کر بھی ہنکا ہوتی کہ بھگوان نگرود کی یا ترا کرتے تھے اور اپنے سششیوں کے ساتھ بھوجن کرتے تھے یوگیوں کے آشرم وائیکا کے پشپ جتنے سندر ہیں اتنے کول بھی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ سنسارک دیوہار کا ایک جمونکا بھی انھیں جھلسا سکتا ہے۔ ان کی منورم شوبھا کو نش کر سکتا ہے انھی کارنوں سے پاپ ناشی نگرود اور بستیوں سے الگ الگ رہتا تھا کہ اپنے سو جاتیہ بھائیوں کو دیکھ کر اس کا چت ان کی اور آکرشت نہ ہو جائے۔

وہ نرجن مارگوں پر چلتا تھا۔ سندھیا سے جب مکھیوں کا مدھر کلرو سنائی دیتا اور سمیر کے مند جھونکے آنے لگتے تو اپنے کنٹوپ کو آنکھوں پر کھینچ لیتا کہ اس پر پرا کرتی سوندریہ کا جادو نہ چل جائے۔ اس کے پرنتی کول بھارتیہ رشی مہاتما پرا کرت سوندریہ کے رسیک ہوتے تھے۔ ایک سپتہہ کی یا ترا کے بعد وہ سلسل نام کے استھان پر پہنچا۔ وہاں نیل ندی ایک سکری گھائی میں ہو کر بہتی ہے اور اس کے تٹ پر پوت شرنی کی دوہری میڑو سے بنی ہوئی ہے۔ اسی استھان پر معر نوای اپنے پشاج پوجا کے دنوں میں مورتیاں انکت کرتے تھے۔ پاپ ناشی کو ایک درہا کار ستر کسٹا^۱ ٹھوس پتھر کا بنا ہوا دکھائی دیا اس بھیسے سے کہ پرتما میں اب بھی

۱۔ ایک خیالی جانور جس کا جسم شیر اور منہ عورت کا ہوتا ہے۔

پشچک دھوتیاں سچت نہ ہوں، پاپ ناشی نے صلیب کا چھ بنایا اور پرہو مسج کا سرن کیا
 پنھن اس نے پرہما کے کان میں سے ایک چکا دڑکو اڑتے بھگتے دیکھا۔ پاپ ناشی کو
 دشو اس ہو گیا کہ میں نے اس پشچ کو بھگا دیا جو شتابد یوں سے اس پر تہا میں اڈا بجاے
 ہوئے تھا۔ اس کا دھرم اتساہ بڑھا۔ اس نے ایک پتھر اٹھا کر پرتا کے مکھ پر مارا۔ چوٹ لگتے
 ہی پرتا کا مکھ اتنا اداس ہو گیا کہ پاپ ناشی کو اس پر دیا آگئی۔ اس نے اسے سمودھت کر کے
 کہا۔ ہے پرت، تو بھی ان پرتوں کے بھانتی پرہو پر ایمان لا جنھیں پرانہ اسرنیہ نے اینٹونی
 نے دن میں دیکھا تھا، اور میں ایثور اس کے پتر اور اٹکھ جیوتی کے نام پر تیرا اڈھار کروں گا۔
 یہ واکہ سہت ہوتے ہی سترکس کے ہتروں میں آگئی جیوتی پرہوہوت ہوئی۔ اس کی
 پلکیں کانپنے لگیں، اور اس کے پاشان مکھ سے مسج کی دھونی نکل، مانو پاپ ناشی کے شبد پرتی
 دھونیت ہو گئے ہوں۔ آتو پاپ ناشی نے داہنا ہاتھ اٹھا کر اس مورتی کو آشرودا دیا۔

اس پرکار پاشان ہر دے میں بھگتی کا ج آروپت کر کے پاپ ناشی نے اپنی راہ لی۔
 تھوڑی دیر کے بعد گھائی چوڑی ہو گئی۔ وہاں کسی بڑے مگر کے اوڑشٹھ چھ دکھائی دیئے۔
 بچے ہوئے مندر جن کھبوں پر اولبت تھے، واستو میں ان بڑی بڑی پاشان مورتیوں نے
 ایثوریہ پرینا سے پاپ ناشی پر ایک لمبی نگاہ ڈالی وہ بے سے کانپ اٹھا۔ اس پرکار وہ سترہ
 دن تک چلتا رہا۔ مجھو دھا سے ویاکل ہوتا تو ونسیاں اکھاڑ کر کھا لیتا۔ اور رات کو کسی بھون
 کے کھنڈر میں جنگلی ہلیوں اور چوہوں کے چ میں سو رہتا، رات کو ایسی استریاں بھی دکھائی
 دیتیں تھیں۔ جن کی پیروں کی جگہ کانٹے دار پونچھ تھی پاپ ناشی کو معلوم تھا یہ ناریہ استریاں
 ہیں، اور وہ صلیب کے چھ بنا کر انھیں بھگا دیتا ہے۔

اٹھارویں دن پاپ ناشی کو بہتی سے بہت دور ایک در در جمونپڑی دکھائی دی۔ وہ کھجور
 کی پتیوں کی تھی اور اس کا آدھا بھاگ بالو کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اسے آشا ہوئی کہ اس میں
 اوشیہ کوئی سنت رہتا ہوگا۔ اس نے ٹکٹ آکر ایک بل کے راستے اندر جھانکا (اس میں دوار نہ
 تھا) تو ایک گھڑا، پیاز کا ایک گھٹا اور سوکھی پتیوں کا بچھان دکھائی دیا تو اس نے دچار کیا کہ
 یہ اوشیہ کسی تپوی کی کٹیا ہے اور ان کے سیکھر ہی درشن ہوں گے۔ ہم دونوں ایک دوسرے
 کے پرتی شبھ کا مانا سو چک پوتر شبدوں کا اچھارن کریں گے۔ کداچت ایثور اپنے کسی کوئے دورا
 ہمارے پاس روٹی کا ایک کھڑا بھیج دے گا اور ہم دونوں مل کر بھوجن کریں گے۔

مَن میں یہ باتیں سوچتا ہوا اس نے سنت کو کھوجنے کے لیے کنیا کی پرکھا کی۔ ایک سوپک بھی نہ چلا ہوگا کہ اسے ندی کے تٹ پر ایک منہ بے پاتھی مارے بیٹھا دکھائی دیا۔ وہ نکلن تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال سن ہو گئے تھے اور شریر اینٹ سے بھی زیادہ لال تھا۔ پاپ ناشی نے سادھوؤں کے پرچلت شبدوں میں اس کا ابھودان کیا۔ بندھو، بھگوان تمس۔ شانتی دے، تم ایک دن سورگ کے آئندہ لا بھ کرو۔

پر اس وردھ پُرش نے اس کا کچھ اثر نہ دیا۔ اچل بیٹھا رہا، اس نے مانو کچھ سنا ہی نہیں۔ پاپ ناشی نے سمجھا کہ وہ دھیان میں مگن ہے۔ وہ ہاتھ باندھ کر اکڑوں بیٹھ گیا اور سو رہا۔ است تک ایش پراتھنا کرتا رہا اور جب اب بھی وہ پُرش مورتی دت بیٹھا رہا تو اس نے کہا پوجیہ پتا اگر آپ کی سادھی ٹوٹ گئی ہے تو مجھے پر بھومسج کے نام پر آشر واد دیجیے۔

وردھ پُرش نے اس کی اور بتاتا کے ہی اثر دیا۔

مجتک میں تمھاری بات نہیں سمجھا اور نہ ہی پر بھومسج کو ہی جانتا ہوں۔

پاپ ناشی نے دہست ہو کر کہا۔ ارے جس کے پرتی رشیوں نے بھوشیہ دانی کی، جس کے نام پر لاکھوں آتماں بلیدان ہو گئیں، جس کی یزر نے بھی پوجا کی اور جس کا بے محوش سلسلی کی پر جمانے ابھی ابھی کیا ہے۔ اس پر بھومسج کے نام سے تم بھی پر پخت نہیں ہو؟ کیا یہ سمجھو ہے۔

وردھ۔ ہاں مگر در یہ سمجھو ہے اور یدی سنسار میں کوئی دستونچت ہوتی تو نچت بھی

ہوتا۔

پاپ ناشی اس پُرش کی اگیان دستا پر بہت دہست اور دکھی ہوا، بولا۔ یدی تم پر بھو مسج کو نہیں جانتے تو تمھارا دھرم کرم سب دیتھ ہے۔ تم کبھی امت پد نہیں پراپت کر سکتے۔

وردھ۔ کرم کرنا یا کرم سے ہٹا دونوں ہی دیتھ ہیں۔ ہمارے جیون اور مرن میں کوئی

بھید نہیں۔

پاپ ناشی۔ کیا، کیا؟ کیا تم امت جیون کے آکا نکھی نہیں ہو؟ لیکن تم تو تپسیوں کی بھانتی دنیہ کئی میں رہتے ہو۔؟

’ہاں ایسا جان پڑتا ہے۔‘

’کیا میں تمھیں نکلن اور دت نہیں دیکھتا؟‘

’ہاں ایسا جان پڑتا ہے۔‘

’کیا تم کندمول نہیں کھاتے اور لہھاؤں کا دمن نہیں کرتے؟‘

’ہاں ایسا جان پڑتا ہے۔‘

’کیا تم نے سنسار کے مایا موہ کو نہیں تیاگ دیا ہے؟‘

ہاں ایسا جان پڑتا ہے۔ میں نے ان تمھیہ دستوؤں کو تیاگ دیا ہے جن پر سنسار کے پرانی جان دیتے ہیں۔

تب تم میرے بھائی ایکانت سیوی تیاگی اور شدھ آچرن ہو، کنتو میرے بھائی ایشر کی بھگتی اور است سنگھ کی اہمیلشا سے یہ ورت نہیں دھارن کیا ہے۔ اگر تمہیں پر بھوج پر وشواس نہیں ہے تو تم کیوں ساتوک بنے ہوئے ہو؟ اگر تمہیں سورگ کے است سنگھ کی اہمیلشا نہیں تو سنسار کے پدارتھوں کو کیوں نہیں بھوگتے۔؟

وردھ پُرش نے گنیر بھاؤ سے جواب دیا۔ متر، میں نے سنسار کے اتم دستوؤں کا تیاگ نہیں کیا اور مجھے اس کا گرد ہے کہ میں نے جو جیون پتھ گرہن کیا ہے وہ سامنھ سنشوبنک ہے یہ بھی۔ تمہارے تو یہ ہے کہ سنسار میں اتم یا کرشٹ بھلے اور بُرے جیون کا بھید ہی معہیا ہے۔ کوئی دستوؤں بھلی یا بری ستیہ یا استیہ ہانی کارک یا لایھ کر سکھ ے دکھ ے نہیں ہوتی۔ ہمارا دھار ہی دستوؤں کو ان گنوں میں آ بھوشن کرتا ہے۔ اسی بھاتی جیسے نمک بھوجن کو سواد پردان کرتا ہے۔

پاپ ناشی نے اپوا کیا تو تمہارے مت الوسار سنسار میں کوئی دستو استھائی نہیں ہے۔ تم اس تھکے ہوئے کتے کے بھاتی ہو جو کچھڑ میں پڑا سو رہا ہے۔ آگیان کے اندھکار میں اپنا جیون نشت کر رہا ہو۔ تم پر تیا وادیوں سے بھی گئے گزرے ہو۔

’متر رشیوں اور کتوں کا اہمان کرنا سان ہی دیتھ ہے۔ کتے کیا ہیں، ہم یہ نہیں جانتے۔ ہم کو کسی دستو کا لیش ماتر بھی گیان نہیں۔‘

تو کیا تم بھرتی وادیوں میں ہو؟ کیا تم اس زردھی کرم ہن سمپردایہ میں ہو جو سوریہ کے پرکاش میں اور راتری کے اندھکار میں کوئی بھید نہیں کر سکتے؟

ہاں متر میں داستو میں بھرم وادی ہوں۔ مجھے اس سمپردایہ میں شانتی ملتی ہے چاہے تمہیں ہاسیہ اسپد جان پڑتا ہو۔ کیوں کہ ایک ہی دستو میں بھن بھن دستوؤں میں بھن بھن

روپ دھارن کر لیتی ہے۔ ان دشال میناروں کو ہی دیکھو۔ پر بھات کے پھٹ پرکاش میں یہ کیشر کے کنگوروں سے دیکھ پڑتے ہیں۔ سندھیا سے سوریہ کی جیوتی دوسری اور پڑتی ہے، اور کالے کالے تر بھوجوں کے سدش دکھائی دیتے ہیں۔ -تمھارتھ میں کس رنگ کے ہیں، اس کا نٹپے کون کرے گا۔؟ بادلوں کو ہی دیکھو۔ وہ کبھی اپنی دک سے کندن کو لجاتے ہیں، کبھی اپنی کالینا سے اندھکار کومات کرتے ہیں دشو کے سوائے اور کون ایسا بیرون ہے جو ان کے دی دیدھی آدروں کی چھایا اتار سکے۔؟ کون کہہ سکتا کہ داستو میں اس میگہ سموہ کا کیا رنگ ہے؟ سوریہ مجھے جیوترے دیکھتا ہے، کتھو میں اس کے تھو کو نہیں جانتا۔ میں آگ کو جلتے ہوئے دیکھتا ہوں، پر نہیں جانتا کیسے جلتی ہے اور کیوں جلتی ہے؟ متر دترم ورتھ مری اویکشا کرتے ہو۔ لیکن مجھے اس کی بھی چٹنا نہیں کہ کوئی مجھے کیا سمجھتا ہے میرا مان کرتا ہے یا بند۔

پاپ ناشی نے پھر ہڈکا کی۔ اچھا ایک بات اور بتادو۔ تم اس زجن دن میں پیاز اور چھوہارے کھا کر جیون دیتے کرتے ہو۔ تم اتنا کٹ کیوں بھو گتے ہو۔ تمھارے ہی سان میں بھی اندریوں کا دمن کرتا ہوں اور ایکانت میں ربتا ہوں۔ لیکن میں یہ سب ایثور کو پرسیدہ کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ سورگیہ آند بھو گنے کے لیے کرتا ہوں۔ یہ ایک مار جیہ اڈیش ہے، پر لوک سکھ کے لیے ہی اس لوک میں کٹ اٹھا نا بدھی سنگت ہے۔ اس کے پرتی کول ورتھ بنا کسی اڈیش کے سینم اور دت کا پالن کرنا۔ تپیا سے شریر اور رکت کو گھلانا۔ اگر مجھے دشواس نہ ہوتا، ہے انا دی جیوتی۔ اس دُروجن کے لیے چھا کر۔ اگر مجھے اس ستیہ پر دشواس ہے، جس کا ایثور نے دشویوں دُدارا اڈیش کیا ہے۔ جس کا اس کے پر م پر یہ پتر نے سویم آچرن کیا ہے۔ جس کی دھرم سجاؤں نے اور آتم سمرن کرنے والے مہان پر دشوں نے سا کھی دی اگر مجھے پورن دشواس نہ ہوتا کہ آتما کے شاریک سینم اور بگرہ پر م آڈفیک ہے، یدی میں بھی تمھاری ہی طرح آگیہ دشویوں سے اٹھکیہ ہوتا ہے تو میں تمھارے سنسارک دشویوں میں آکر مل جاتا، دھنوپارجن کرتا، سنسار کے سکھی پر دشوں کی بھانتی سکھ بھوگ کرتا اور ولاس دیوی کے پچارپوں سے کہتا۔ آؤ میرے متروں، مد کے پیالے بھر بھر پلاؤ، پھولوں کے جج بچاؤ عطر اور پھولیل کی ندیاں بہا دو لیکن تم کتنے بڑے سورکھ ہو کہ دیتھ ہی ان سکموں کو تیاگ رہے ہو۔ تم بنا کسی لائبھ اور آشا کے یہ سب کٹ اٹھاتے ہو۔ مگر پانے کی آشا نہیں رکھتے اور نقل کرتے ہو ہم تپویوں کی جیسے ابھودھ بندر دیوار پر رنگ پوت کر اپنے من میں سمجھتا ہے کہ میں چتر کار

ہو گیا۔ اس کا تمھارے پاس کیا جواب ہے۔

وردہ نے سہمڑتا سے اتر دیا۔ مٹر کچڑ میں سونے والے کتے اور ابھودھ بندر کا

جواب ہی کیا؟

پاپ ناشی کا ادیشہ کیول اس وردہ پُرش کا ایٹور کا بھگت بنانا تھا۔ اس کی شانتی ورتی پر وہ لجبت ہو گیا اس کا کردہہ اڑ گیا۔ بڑی نمڑتا سے چھما پراتھنا کی۔ مٹرور، اگر میرا دھرم اتساہ اُدچیہ کی سیما سے باہر ہو گیا ہے تو مجھے چھما کرو۔ ایٹور سا کچی ہے کہ مجھے تم سے نہیں کیول تمھاری بھرائی سے گھرتا ہے۔ تم کو اس اندھکار میں دیکھ کر مجھے ہار دک ویدنا ہوتی ہے۔ اور تمھارے اڑھار کی چتا میرے روم روم میں دیاہت ہو رہی ہے۔ تم میرے پرشٹوں کا اتر دو، میں تمھاری اکیتوں کا کھنڈن کرنے کے لیے اتسک ہوں۔

وردہ پُرش نے شانتی پُروک کہا۔ میرے لیے بولنا یا چپ رہنا ایک ہی بات ہے۔ تم پوچھتے ہو اس لیے سنو۔ جن کارنوں سے میں نے وہ ساتوک جیون گرہن کیا۔ لیکن تم سے میں اس کا پرتی واد نہیں سننا چاہتا۔ مجھے تمھاری ویدنا شانتی کی کوئی اور نہ اس کی پرواہ کہ تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ مجھے نہ پریم ہے نہ گھرتا۔ بدھی مان پُرش کو کسی کے پرتی مٹھو یا دولیش نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن تم نے چکیا سا کی ہے، اتر دینا میرا کر تو یہ ہے۔ سنو، میرا نام میما کلیر ہے۔ میرے ماتا پتا دھنی سوداگر تھے۔ ہمارے یہاں نوکاؤں کا دیاہار ہوتا تھا۔ میرا پتا سکندر کے سامان چنڑ اور کاریہ کسل تھا، پر وہ اتنا لو بھی نہ تھا۔ میرے دو بھائی تھے۔ وہ بھی جہازوں کا ہی دیاہار کرتے تھے۔ مجھے وڈیا کا دین تھا۔ میرے بڑے بھائی کو پتا جی نے ایک دھنوان یودتی سے وواہ کرنے پر بادھیہ کیا، لیکن میرے بھائی سکھر ہی اس سے اسنوتھٹ ہو گئے۔ ان کا چت آسٹر ہو گیا۔ اسی چچ میں مرے چھوٹے بھائی کا اس استری سے گلوٹ سمبندھ ہو گیا۔ لیکن وہ استری دونوں بھائیوں میں سے کسی کو بھی نہ چاہتی تھی اسے ایک گویے سے پریم تھا۔ ایک دن بھید کھل گیا۔ دونوں بھائیوں نے گویے کا وده کر ڈالا۔ میری بھادج شوک سے اوپوتھت چت ہو گئی۔ یہ تینوں ابھاگے پرانی بدھی کو واسناؤں کی ٹلی دیدی پر چڑھا کر شہر کی گلیوں میں پھرنے لگے۔ نچے، سر کے بال بڑھائے، منہ سے جھنکھڑ بہاتے۔ کٹوں کی بھانتی چلاتے رہتے۔ لڑکے ان کے اوپر پتھر پھینکتے تھے اور ان پر کتے دوڑاتے تھے، انت میں تینوں مر گئے اور میرے پتا نے اپنے ہی ہاتھوں سے تینوں کو قبر میں سلایا۔ پتا جی کو بھی اتنا شوک ہوا کہ ان

کا دانہ پانی چھوٹ گیا اور وہ اپری مت دھن رہتے ہوئے بھی بھوک سے تڑپ کر پر لوک سدھارے۔ میں دی پل سکتی کا وارث ہو گیا۔ لیکن گھر والوں کی دشا دیکھ کر میرا چت سنسار سے درکت ہو گیا تھا۔ میں نے اس سکتی کو دیشاٹن میں ویسے کرنے کا نچے کیا۔ اٹلی، یونان، افریقہ آدی دیشوں کی یاترا کی، پر ایک پرانی بھی ایسا نہ ملا جو سکھی یا گیانی ہو۔ میں نے اسکندریہ اور آتھنس میں درشن کا ازمین کیا اور اس کے اپوادوں کو سنتے ہوئے میرے کان بہرے ہو گئے۔ ندان دیش ودیش گھومتا ہوا میں بھارت درش میں جا پہنچا اور مجھے وہاں گنگا تٹ پر گنگن پُرش کے درشن ہوئے جو وہیں تیس درشوں سے مورتی کی بھائی ٹھیل پدا آسن لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ترن وتیہ شریر پر تائیں چڑھ گئیں تھیں اور اس کی جتاؤں میں چڑیوں نے گھونسلے بنا لیے تھے۔ پھر بھی وہ جیوت تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنے دونوں بھائیوں کی بھادج کی گویے کی، ہتا کی یاد آئی۔ تب مجھے گیات ہوا کہ یہی ایک گیانی پُرش ہے۔ میرے من میں دچار اٹھا کہ منگیہ کے دکھوں کے تین کارن ہوتے ہیں یا (۱) تو وہ دستو نہیں ملتی جس کی انیس اھیلاشا ہوتی ہے اتھوا (۲) اسے پا کر انیس نکل جانے کا بھے ہوتا ہے اتھوا (۳) جس چیز کو وہ برا سمجھتے ہیں اس کا انیس سہن کرنا پڑتا ہے۔ ان دچاروں کو چت سے نکال دو اور سارے دکھ ہی آپ شانت ہو جائیں گے انھی کارنوں سے میں نے نچے کیا کہ اب سے کسی دستو کی اھیلاشا نہ کروں گا۔ سنسار کے سر-ہٹھ پدا آتھوں کا پرتیاگ کر دوں گا اور اسی بھارتیہ یوگی کی بھائی مون اور نچیل رہوں گا۔

پاپ ناشی نے اس کھن کو دھیان سے سنا اور تب بولا۔ ٹیو، میں سو یکار کرتا ہوں کہ تمھارا کھن بالکل اتھ شونہ نہیں ہے۔ سنسار کی دھن سکتی کو ٹچھ سمجھنا بھدی مان کا کام ہے لیکن اپنے اہت سکھ کی اہیکشما کرنا پرلے سرے کی نادانی ہے۔ اس سے ایشور کے کرودھ کی آھنکا ہے۔ مجھے تمھارے اگیان پر بڑا دکھ ہے اور میں ستیہ کا اپدیش کروں گا جس میں تم کو اس کے استو کا دشواس ہو جائے اور تم آگیا کاری بالک کے سمان اس کی آگیا کا پالن کرو۔

میماکلیز نے بات کاٹ کر کہا۔ نہیں نہیں، میرے سراپنے دھرم سدھاتوں کا بوجھ مت لا دو۔ اس بھول میں نہ پڑو کہ تم اپنے دچاروں سے انوکول بنا سکو گے۔ یہ ترک و ترک سب تمھیا ہے۔ کوئی مت نہ رکھنا ہی میرا مت ہے۔ کسی سمہر دائے میں نہ ہونا ہی میرا سمہر دائے ہے۔ مجھے کوئی دکھ نہیں، اس لیے مجھے کسی دستو کی متا نہیں۔ اپنی راہ جاؤ اور مجھے اس اداسین

نہ سے نکالنے کی چٹھا نہ کرو۔ میں نے بہت کشت جھیلے ہیں اور یہ دشمن مجھے ٹھنڈے جل سے انسان کرنے کی بھانتی سکھ کر پرتیت ہو رہی ہے۔

پاپ ناشی کو مانو جہڑ کا پورا گیان تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس منڈیہ پر ایٹور کی کرپا درشن نہیں ہوئی ہے اور اس کی آتما کے اڈھار کا سے ابھی دور ہے اس نے میما کلیر کا کھنڈن نہ کیا کیوں کہ اس کی اڈھارک شکتی گھانک نہ بن جائے، کیوں کہ ودھرمیوں سے شاستر اتھ کرنے میں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ ان کے اڈھار کے سادھن ان کے اپکار کے سادھن بن جاتے ہیں ات ایو جنھیں سد گیان پراپت ہوتا ہے انھیں بڑی چترائی سے اس کا پرچار کرنا چاہیے۔ اس نے میما کلیر کو نمسکار کیا اور ایک لمبی سانس کھینچ کر رات ہی کو پھر یاترا پر چل پڑا۔

نور یہ اڈے ہوا تو اس نے جل پکٹھیوں کو ندی کے کنارے ایک پیڑ پر کھڑے دیکھا۔ ان کی پتلی اور گلابی گردنوں کا پرتی برب جل میں دکھائی دیتا تھا۔ کوئل درکھش اپنی بری بری پتیوں کو جل پر پھیلائے ہوئے تھے۔ سو پتھ آکاش میں ساروں کا سموہ ترہنج کے آکار میں اڑ رہا تھا اور جھاڑیوں میں چھپے بگلوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی وہاں تک ندی کا ہر جل جل کورے مار رہا تھا۔ ابلے پال والی نوکائیں چیزوں کی بھانتی تیر رہیں تھیں، اور کناروں پر شویت بھون جگمگا رہے تھے۔ تنوں پر ہلکا کبرا چھایا ہوا تھا اور دیپوں کے آڑ سے جو کھجور پھول اور پھل کے درکھشوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ بلبل لال سر، بارل آدی یہ چیزیاں کلرو کرتی ہوئی نکل رہی تھیں۔ بانیں اور مروستھل تک ہرے ہرے کھیتوں اور درکھش پتوں کی شوبھا آنکھوں کو گدھ کر دیتی تھی۔ کپکے ہوئے گیہوں کے کھیتوں پر سور یہ کی کرنیں چمک رہیں تھیں اور بھومی سے بھینی بھینی سنگدھ کے جھو کے آتے تھے۔ یہ پرا کرتی شوبھا دیکھ کر پاپ ناشی نے گھٹنوں پر گر کر ایٹور کی وندنا کی۔ بھگوان، میری یاترا ساپت ہوئی۔ تجھے دھنیہ داد دیتا ہوں دیا بندھی، جس پر کار تو نے ان انجیر کے پودوں پر اوس کی بوندوں کی ورشا کی۔ اسی پر کار تھالیں پر جسے تو نے اپنے پریم میں رچا ہے۔ اپنی دیا کی درشی کر۔ میری ہاروک اچھا ہے کہ وہ تیری پریم میں رکشھا کے ادھین ایک نو دکت پشپ کی بھانتی سورگ ثلیہ یرو دھم میں اپنے لیش اور کیرتی کا پر سار کرے۔

اور تد پرائت اسے جب کوئی درکھش پھولوں سے سسٹو بھت اتھوا کوئی چٹیلے پردوں

۱۱۰ پکٹش دکھائی دیتا تو اسے تھالیس کی یاد آئی۔ کئی دن تک ندی کے بائیں کنارے پر، ایک ارور اور آباد پرانت میں چلنے کے بعد، وہ اسکندریہ نگر میں پہنچا، جسے یونانیوں نے ”زفریک“ اور سورن منی“ کی آبادی دے رکھی تھی۔ سورہ اُدے کی ایک گھڑی بیت چکی تھی، جب اسے ایک پہاڑی کے ٹکھر پر وہ دسترت مگر نظر آیا، جس کی چھتیں کنجن منی پر کاش میں چمک رہیں تھیں۔ وہ ٹھہر گیا اور من میں وچار کرنے لگا۔ یہی وہ منورم بھوی ہے جہاں میں نے مرتیوں لوک میں پدا رپن کیا۔ یہیں میرے پاپ مے جیون کی اتھتی ہوئی، یہی میں نے وشاکت واپو کا آنگن کیا، اسی وناش کاری رکت ساگر میں میں نے بل دبار کئے! وہ میرا پالنا ہے جس کے گھاتک گود میں میں نے کام کی مدھر لوریاں سنیں! سادھارن بول چال میں کتنا پرتیہا شالی استمان ہے، کتنا گورو سے بھرا ہوا۔ اسکندریہ! میری وشال جنم بھوی! تیرے بالک تیرا پتر وت سمان کرتے ہیں، یہ سو بھاوک ہے۔ لیکن یوگی پر کرتی کو اوہیلدیہ سمجھتا ہے، سادھو بہروپ کو ٹچھ سمجھتا ہے پر بھومسج کا دامن جنم بھوی کو ویدیش سمجھتا ہے، اور پتسوی اس پر تھوی کا پرانی ہی نہیں میں نے اپنے ہردے کو تیری اور سے پھیر لیا ہے۔ میں تجھ سے گھرنا کرتا ہوں۔ میں تیری سمپتی کو، تیری ودھیا کو، تیرے شاستروں کو، تیرے سکھ دلاس کو، اور تیری شو بھا کو گھرت سمجھتا ہوں، تو پشاپوں کا کریرا استقل ہے، تجھے دھکار ہے۔ ارتھ سیویوں کی اپوتھیا، ناسکتا کا تنڈا جھیتز، تجھے دھکار ہے اور جبریل، تو اپنے ہیروں سے اس اشدھ واپو کو مندھ کر دے جس میں میں سانس لینے والا ہوں، جس میں یہاں کے وشیلے کیھاڑو میری آتما کو بھرشت نہ کر دیں۔

اس طرح اپنے وچاراد گاروں کو شانت کر کے پاپ ناشی شہر میں پروشت ہوا۔ یہ دوار پتر کا ایک وشال منڈپ تھا۔ اس کے محراب کی چھانہ میں کئی درذر بھکشک بیٹھے ہوئے تھکوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر خیرات مانگ رہے تھے۔

ایک وردھا استری نے جو وہاں گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی، پاپ ناشی کی چادر پکڑ لی اور اسے چوم کر بولی، ایٹور کے پتر، مجھے آشیرواد دو کی پر آتما مجھ سے سنشت ہو۔ میں نے پرلوکیک سکھ کے بہت اس جیون میں انیک کشت جھیلے۔ تم دیو پرش ہو۔ ایٹور نے تمھیں دکھی پرانیوں کے کلیان کے لیے بھیجا ہے، ات ایو تمھاری چن رج کنجن سے بھی بہو مولیہ ہے۔ پاپ ناشی نے وردھ کو ہاتھوں سے اسپرش کر کے آشیرواد دیا۔ لیکن وہ مشکل سے

بیس قدم چلا ہوگا کہ لڑکوں کے ایک گول نے اس کو منہ چڑھاتا اور اس پر پتھر پھینکنا شروع کیا اور تالیاں بجا کر کہنے لگے۔ ذرا آپ کی وصال مورتی دیکھیے! آپ لنگور سے بھی کالے ہیں، اور آپ کی داڑھی بکرے کی داڑھی سے لمبی ہے۔ بالکل بھوتنا معلوم ہوتا ہے۔ اسے کسی باغ میں مار کر لٹکا دو، کہ چڑیاں ہوا سمجھ کر اڑیں۔ لیکن نہیں، باغ میں گیا تو سینت میں سب پھول نشٹ ہو جائیں گے۔ اس کی صورت ہی منحوس ہے۔ اس کا ماس کوؤں کو کھلا دو۔ یہ کہہ کر انھوں نے پتھروں کی ایک باڑھ چھوڑ دی۔

لیکن پاپ ناشی نے کیول اتنا کہا۔ ایبٹور تو ان ابودھ بالکوں کو سبڈھی دے، وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

وہ آگے چلا تو سوچنے لگا۔ اس وردھا استری نے میرا کتنا سناں کیا اور ان لڑکوں نے کتنا ایمان کیا۔ اس بھانتی ایک ہی دستو کو بھرم میں پڑے ہوئے پرانی بھن بھن بھاؤں سے دیکھتے ہیں۔ یہ سویکار کرنا پڑے گا کہ میا کلیر متھیا وادی ہوتے ہوئے بھی بالکل زبردھی نہ تھا۔ وہ اندھا تو اتنا جانتا تھا کہ میں پرکاش سے نچت ہوں۔ اس کا وجہ ان دراگر ہیوں سے کہیں اُٹم تھا، جو گھنے اندھکار میں بیٹھے پکارتے ہیں۔ وہ سوریہ ہے! وہ نہیں جانتے کہ سنار میں سب کچھ مایا، مرگ ترشنا، اڑتا ہوا بالو ہے، کیول ایبٹور ہی استھائی ہے۔

وہ نگر میں بڑے دیگ سے پاؤں اٹھاتا ہوا چلا۔ دس ورش کے بعد دیکھنے پر بھی اسے وہاں ایک ایک پتھر پر پخت معلوم ہوتا تھا، اور پرتیک پتھر اس کے من میں کسی دشت کرم کی یاد دلاتا تھا۔ اس لیے اس نے سڑکوں سے جڑے ہوئے پتھروں پر اپنے پیروں کو پٹکنا شروع کیا اور جب پیروں سے رکت پہنے لگا تو اسے آئندہ سا ہوا۔ سڑک کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے محل بنے ہوئے تھے جو سکندھ کی لپٹوں سے رست جان پڑتے تھے۔ دیوار کے ورکش تھے سر اٹھائے ہوئے ان بھونوں کو مانو بالکوں کی بھانتی گود میں کھلا رہے تھے۔ ادھ کھلے دواروں میں سے پتیل کی مورتیاں سنگ مرمر کے گملوں میں رکھی ہوئی دکھائی دے رہتی تھیں، اور سوچھہ جل کے حوض کتبوں کی چھایا میں لہریں مار رہے تھے۔ پورن شانتی چھائی ہوئی تھی۔ شور غل کا نام نہ تھا۔ ہاں کبھی کبھی دوار سے آنے والی دینا کی دھونی کان میں آجاتی تھی۔ پاپ ناشی ایک بھون کے دوار پر رکا، جس کی سانیان کے استمہ یودتیوں کی بھانتی سندر تھے۔ دیواروں پر یونان کے سردسریٹھہ رشیوں کی پریتماں شوبھا دے رہی تھیں۔ پاپ

ناشی نے افلاطون، سقراط، ارسطو، اپنی کیورس اور زینو کی پرستائیں پہچانی اور من میں کہا۔ ان مٹھیا بھرم میں پڑنے والے منشیوں کی کیرتوں کو موتی مان کرنا موہکتا ہے۔ اب ان کے مٹھیا وچاروں کی قلعی کھل گئی۔ ان کی آتما اب نرک میں پڑی سڑ رہی ہے، اور یہاں تک کہ افلاطون بھی جس نے سنسار کو اپنی پرگھنٹھا سے کنجرت کر دیا تھا۔ اب پشاجوں کے ساتھ تو تو میں میں کر رہا ہے۔ دوار پر ایک ہتھوڑی رکھی ہوئی تھی۔ پاپ ناشی نے دوار کھٹ کھٹایا۔ ایک نام نے ترنت دوار کھول دیا اور ایک سادھو کو دوار پر کھڑے دیکھ کرشن سور میں بولا۔ دور ہو یہاں سے، دوسرا دوار دیکھ، نہیں تو میں ڈنڈے سے خبر لوں گا۔

پاپ ناشی نے سرل بھاؤ سے کہا۔ میں کچھ بھکھا مائٹے نہیں آیا ہوں۔ میری کیول یہی لہجہ ہے کہ مجھے اپنے سوامی نیاس کے پاس لے چلو۔

نام نے اور بھی بگڑ کر جواب دیا۔ میرا سوامی تم جیسے کتوں سے ملاقات نہیں کرتا !
پاپ ناشی۔ پتر جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ اپنے سوامی سے اتنا ہی کہہ دو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

دربان نے کردھ کے آویگ میں آکر کہا۔ چلا جا یہاں سے، بھکھنکا کہیں کا ! اور اپنی چھڑی اٹھا کر اس نے پاپ ناشی کے منہ پر زور سے لگائی۔ لیکن یوگی نے چھاتی پر ہاتھ باندھے، بنا ذرا بھی اتجٹ ہوئے شانت بھاؤ سے یہ چوٹ سہہ لی اور تب نے پوروک پھر وہی بات کہی۔ پتر، میری یاچنا سویکار کرو۔

دربان نے چکت ہو کر من میں کہا۔ یہ تو وچتر آدمی ہے جو مار سے بھی نہیں ڈرتا اور ترنت اپنے سوامی سے پاپ ناشی کا سندیشا کہہ سنایا۔ نیاس ابھی انسان گار سے نکلا تھا۔ دو یوتیاں اس کے دیہہ پر تیل کی ماش کر رہی تھیں وہ روپ وان پڑش تھا، بہت ہی پرسن چت۔ اس کے کھ پر کوئل دیک کی آجھا تھی۔ یوگی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کی اور بڑھا۔ آؤ میرے متر، میرے بندھو، میرے سہ پانھی، آؤ۔ میں تمہیں پہچان گیا، یدہی تمہاری صورت اس سے آدمیوں کی سی نہیں، پشوؤں کی سی ہے۔ آؤ میرے گلے لگ جاؤ۔ تمہیں وہ دن یاد ہے جب ہم دیا کرن، النکار اور درشن ساتھ پڑھتے تھے؟ تم اس سے بھی تیور اور اپنڈ پر کرتی کے مکھیہ تھے، پر پورن ستیادادی۔ تمہاری ترپتی ایک چنگی بھرنک میں ہو جاتی تھی تمہاری دان شیلنا کا وار پار نہ تھا۔ تم اپنے جیون کی بھاتی اپنے

دھن کی بھی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ تم میں اس سے بھی تھوڑی سی جھک تھی جو بدھی کی کشش کا لکھن ہے۔ تمہارے چہرے کی دھڑکتا ہوا جگہ بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ آج تم نے دس ورشو کے بعد درشن دیئے ہیں۔ ہر دے سے میں تمہارا سواگت کرتا ہوں۔ تم نے ونیہ جیون کو تیاگ دیا اور عیسائیوں کی دُرمستی کو تلاغی دے کر پھر اپنے شانت دھرم پر آروڑھ ہو گئے، اس کے لیے تمہیں بدھائی دیتا ہوں۔ سفید پتھر پر اس دن کا تارک بناؤں گا۔

یہ کہہ کر اس نے ان دونوں یوٹی سندریوں کو آدیش دیا میرے پیارے مہمان کے ہاتھوں پیروں اور داڑھی میں سنگدھ لگاؤ۔

یوٹیاں ہنسی اور ترنت ایک تھال، سنگدھ کی شیشی اور آئینہ لائیں۔ لیکن پاپ ناشی نے کنفور سور سے انہیں منع کیا اور آنکھیں نیچے کر لیں کہ ان پر نگاہ نہ پڑ جائے، کیوں کہ دونوں سکن تھیں۔ نیاس نے تب اس کے لیے گاؤ نکلیے اور بستر منگائے اور نانا پرکار کے بھوجن اور اٹم شراب اس کے سامنے رکھی۔ پر اس نے گھرنا کے ساتھ سب دستوروں کو سامنے سے ہٹا دیا۔ تب بولا۔ نیاس، میں نے اس ست پتھ کا پریتیاگ نہیں کیا، جسے تم نے غلطی سے ”عیسائیوں کی دُرمستی“ کہا ہے۔ وہی تو ستیہ کی آتما اور گیان کا پران ہے۔ آدی میں کیول شبد تھا اور شبد کے ساتھ ایثور تھا، اور شبد ہی ایثور تھا۔ اسی نے سمت برہما کی رچنا کی۔ وہی جیون کا سُروت ہے اور جیون مانو جاتی کا پرکاش ہے۔

نیاس نے اثر دیا۔ پر یہ پاپ ناشی، کیا تمہیں آشا ہے کہ میں اتھ ہن شبدوں کے جھنکار سے چلت ہو جاؤں گا؟ کیا تم بھول گئے کہ میں سویم چھوٹا موٹا دارشک ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میری شانتی ان چترروں سے ہو جائے گی جو کچھ زبردستی منشیوں نے املی یس کے دستروں سے پھاڑ لیا ہے، جب املی یس، فلاطوں اور انیہ تو اگیانوں سے میری شانتی نہ ہوئی؟ رشیوں کے نکالے ہوئے سدھانت کیول کلیت کھائیں ہیں جو مانو سرل ہر دیتا کے منورجن کے بھت کمی گئی ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہمارا منورجن اسی بھانتی ہوتا ہے جیسے انیہ کھانوں کو پڑھ کر۔

اس کے بعد اپنے مہمان کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے ایک کمرے میں لے گیا جہاں ہزاروں لپینے ہوئے بھوج پتر نوکروں میں رکھے ہوئے تھے۔ انہیں دکھا کر بولا یہی میری ہستکالیہ ہے۔ اس میں ان سدھانتوں میں سے کتنوں ہی کا سنگرہ ہے جو گیانوں نے سرشتی

۔۔۔ یہ نیا دیکھا کرنے کے لیے اوشکرت کیے ہیں۔ سیراجیم میں بھی اٹل دھن کے ہوتے ہوئے! سب سدھانتوں کا شگرہ نہیں ہے! لیکن شوک! یہ سب کیول روگ پیڑت مٹھیوں کے سوپن ہیں!

اس نے تب اپنے مہمان کو ہاتھی دانت کی کرسی پر زبردستی بیٹھایا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ پاپ ناشی نے ان پشتوں کو دیکھ کر تیوریاں چڑھائیں اور بولا۔ ان سب کو اگنی کی بھینٹ کر دینا چاہیے۔

نسیاس بولا۔ نہیں پر یہ متر، یہ گھور اڑتھ ہوگا! کیونکہ رُگن پروشوں کے سوپن کبھی کبھی بڑے منورجک ہوتے ہیں! پھر یدی ہم ان کلپناؤں اور سوپنوں کو منادیں تو سنسار سٹشک اور نیرس ہو جائے گا اور ہم سب دھار شے تھلیہ کے گڑھے میں جا پڑیں گے۔

پاپ ناشی نے اسی دھونی میں کہا۔ یہ ستر ہے کہ مورتی وادیوں کے سدھانت معھیا اور بھرائی کارک ہیں۔ کٹو ایٹور نے، جو ستر کا روپ ہے، مانو شریہ دھارن کیا اور آلوکک و بھوتیوں دوارا اپنے کو پرکٹ کیا اور ہمارے ساتھ رہ کر ہمارا کلیان کرتا رہا۔

نسیاس نے اتر دیا۔ پر یہ پاپ ناشی، تم نے یہ بات اچھی کہی کہ ایٹور نے مانو شریہ دھارن کیا۔ تب تو وہ مٹھی ہی ہو گیا۔ لیکن تم ایٹور اور اس کے روپاتروں کا سترھن کرنے تو نہیں آئے؟ تلاء تھیں میری سہایا تو نہ چاہیے؟ میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟

پاپ ناشی بولا۔ بہت کچھ! مجھے ایسا ہی سنگدھت ایک وستر دے دو جیسا تم پہنے ہوئے ہو۔ اس کے ساتھ سترے کھڑاؤں اور ایک پیالہ تیل بھی دے دو کہ میں اپنی داڑھی اور بالوں میں چڑھ لوں۔ مجھے ایک ہزار سورن مدرائوں کی ایک تھیلی بھی چاہیے نسیاس! میں ایٹور کے نام پر اور پرانی ستر کے ناتے تم سے مانگنے آیا ہوں۔

نسیاس نے اپنا سرائم وستر منگوا دیا۔ اس پر کھواب کے بوٹوں میں پھولوں اور پشوؤں کے چتر بنے ہوئے تھے۔ دونوں یوتیوں نے اسے کھول کر اس کا بھڑکیلا رنگ دکھایا اور پرکٹھا کرنے لگیں کہ پاپ ناشی اپنا ادنی لبادہ اتارے تو پہنائے۔ لیکن پاپ ناشی نے زور دے کر کہا کہ یہ کداہی نہیں ہو سکتا۔ میری کھال چاہے اتر جائے پر یہ ادنی لبادہ نہیں اتر سکتا۔ دوش ہو کر انھوں نے اس بہو مولیہ وستر کو لبادے کے اوپر ہی پہنا دیا۔ دونوں یوتیاں سندری تھیں، اور وہ پروشوں سے شرماتی نہ تھیں۔ وہ پاپ ناشی کو اس دو رنگے بھییش میں دیکھ کر خوب

ہنستی۔ ایک نے اسے اپنا پیارا سامنت کہا، دوسری نے اس کی داڑھی کھینچ لی۔ لیکن پاپ ناشی نے ان پر درشتی پات تک نہیں کیا۔ سنہری کھڑاؤں پیروں میں ہنسنے لگا اور تھیلی کمر میں باندھ کر اس نے نیاس سے کہا جو دود بھاؤ سے اس کی اور دیکھ رہا تھا نیاس۔ ان دستوں کے دشنے میں کچھ سند یہ مت کرنا کیوں کہ میں ان کا سد پیوگ کر رہا ہوں۔

نیاس بولا، پر یہ بتر مجھے کوئی سند یہ نہیں ہے کیوں کہ میرا دشواس ہے کہ منیہ میں نہ بھلے کام کرنے کی چھتا ہے نہ برے۔ بھلائی کا آدھار کیول پر تھا پر ہے۔ میں ان سب کثت بیو باروں کا پالن کرتا ہوں جو اس نگر میں پر چلت ہیں۔ اس لیے میری گنونا بجن پر دشوں میں ہے۔ اچھا متر، اب جاؤ اور چین کرو۔

لیکن پاپ ناشی نے اس سے اپنا اڈیشہ پرکٹ کرنا آدیشک سمجھا۔ بولا۔ تم تھالیں کو جانتے ہو جو یہاں کی رنگ شالاؤں کا سنگار ہے؟ نیاس نے کہا۔ وہ پر م سدری ہے اور کسی سے میں اس کے پریموں میں تھا۔ اس کی خاطر میں نے ایک کارخانہ اور دو اناج کے کھیت چ ڈالے اور اس کے ورہ ورن میں کٹر شٹ کویتاؤں سے بھرے ہوئے تین گرتھ لکھ ڈالے۔ یہ زرو پواہ ہے کہ روپ لالیتہ سنسار کی سب سے پر بل ٹھکتی ہے، اور یدی ہمارے شریر کی رچنا ایسی ہوتی کہ ہم یواج جیون اس پر ادھی کرت رہ سکتے تو ہم دارشکوں کے جو اور بھرم، مایا اور موہ، پُرش اور پر کرتی کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔ لیکن متر، مجھے یہ دیکھ کر آٹھر یہ ہوتا ہے کہ تم اپنی کئی چھوڑ کر کیول تھالیں کی چرچا کرنے کے لیے آئے ہو۔

یہ کہہ کر نیاس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ پاپ ناشی نے اسے بھیت نیتروں سے دیکھا۔ اس کی یہ کلپنا ہی اسمو معلوم ہوتی تھی کہ کوئی منیہ اتنی سادو دھانی سے اپنے پاؤں کو پرکٹ کر سکتا ہے۔ اسے ذرا بھی آٹھر یہ نہ ہوتا، اگر زمین پھٹ جاتی اور اس میں سے اگنی جوالا نکل کر اسے نکل جاتی۔ لیکن زمین اتھر بنی رہی، اور نیاس ہاتھ پر مستک رکھے چپ چاپ بیٹھا ہوا اپنے پورو جیون کی سرتیوں پر ملان کھ سے مسکراتا رہا۔ یوگی تب اٹھا اور گنیمبر سور میں بولا۔

نہیں نیاس، میں اپنا ایکنا تو اس چھوڑ کر اس پشاج نگری میں تھالیں کی چرچا کرنے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ، ایٹور کی سہایتا سے میں اس رمی کو اپور دلاس کے بندھنوں سے ٹکت کر دوں گا، اور اسے پر بھومج کی سیوا میں بھینٹ کروں گا۔ اگر ناکار جیوتی نے میرا ساتھ نہ

چھوڑا تو تھالیں اوشیہ اس نگر کو تیاگ کر کسی وینیا دھرم آشرم میں پرویش کرے گی۔
 نیاس نے اتر دیا۔ مدھر کلاؤں اور لالٹیہ کی دیوی وینس کو روشت کرتے ہو تو
 سادو دھان رہنا! اس کی ہشتی آپار ہے اور یدی تم اس کی پردھان اپاسیکا کو لے جاؤ گے تو وہ
 تمہارے اوپر اوشیہ بجز گھات کرے گی۔

پاپ ناشی بولا۔ پر بھومج میری رکھشا کریں گے۔ میری ان سے یہ بھی پراعتنا ہے کہ
 وہ تمہارے ہردے میں بھی دھرم کی جیوتی پرکاشت کریں اور تم اس اندھکار سے نکلاپ میں
 سے نکل آؤ جس میں پڑے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے ہو۔

یہ کہہ کر وہ گڑو سے مستک اٹھائے باہر نکلا۔ لیکن نیاس بھی اس کے پیچھے چلا۔ دوار
 پر آتے آتے اسے پالیا اور تب اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر اس کے کان میں بولا۔
 دیکھو وینس کو کروڑھ مت کرنا۔ اس کا پرتیاگھات اتحت بھیشن ہوتا ہے۔

کنو پاپ ناشی نے اس چٹاؤنی کو تجھ سمجھا، سر پھیر کر بھی نہ دیکھا۔ وہ نیاس کو
 جت سمجھتا تھا، لیکن جس بات سے اسے جلن ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ میرا پرانا متر تھالیں کا پریم
 ماتر رہ چکا ہے۔ اسے ایسا انوبھو ہوتا تھا کہ اس سے گھور اپراہد ہو ہی نہیں سکتا۔ اب سے وہ
 نیاس کو سنسار کا سب سے ادھم، سب سے گھرت پرانی سمجھنے لگا۔ اس نے بھر شفا چار سے
 سد یونفرت کی تھی، لیکن آج کے پہلے یہ پاپ اسے اتنا نارکیہ کبھی نہ پرتیت ہوا تھا اس کی سمجھ
 میں پر بھومج کے کروڑھ اور سورگ دوتوں کے ترسکار کا اس سے نیندھ اور کوئی وشے ہی نہ تھا۔
 اس کے من میں تھالیں کو ان ولاسیوں سے بچانے کے لیے اب اور بھی تیغ ر آکا شفا

جاگرت ہوئی۔ اب بنا ایک چھن ولب کیے مجھے تھالیں سے بھیئت کرنا چاہیے۔ لیکن ابھی
 مدھیان کال تھا اور جب تک دوپہر کی گرمی شانت نہ ہو جائے، تھالیں کے گھر جانا اچت نہ
 تھا۔ پاپ ناشی شہر کی سڑکوں پر گھومتا رہا۔ آج اس نے کچھ بھون نہ کیا تھا، جس میں اس پر
 ایثور کی دیا درشی رہے۔ کبھی وہ دینا سے آنکھیں زمین کی اور جھکا لیتا تھا، اور کبھی انورکت
 ہو کر آکاش کی اور تانے لگتا تھا۔ کچھ دیر ادھر ادھر نش پر یونجن گھوننے کے بعد وہ بندرگاہ پر جا
 پہنچا۔ سامنے دسترت بندرگاہ تھا، جس میں اسنکھیہ جل یان اور نوکائیں لنگر ڈالے پڑی ہوئی
 تھیں، اور ان کے آگے نیلا سمندر، شویت چادر اوڑھے ہنس رہا تھا۔ ایک نوکانے، جس کی
 پتوار پر ایک اپسرا کا چتر بنا ہوا تھا۔ ابھی لنگر کھولا تھا ڈانڈیں پانی میں چلنے لگے، مائجیوں نے

گانا آرمھ کیا اور دیکھتے دیکھتے وہ شویت و ستر دھارنی جل کنیا یوگی کی درشی میں کیول ایک سوہن چت کی بھانٹی رہ گئی۔ بندر گاہ سے نکل کر، وہ اپنے پیچھے جھنگاتا ہوا جل مارگ چھوڑتی کھلے سمندر میں پہنچ گئی۔

پاپ ناشی نے سوچا میں بھی کسی سے سنسار ساگر پر گاتے ہوئے یا ترا کرنے کو اتسک تھا۔ لیکن مجھے ٹھیکر ہی اپنی بھول معلوم ہوگئی مجھ پر اپسرا کا جادو نہ چلا۔

انھی وچاروں میں گمن وہ رسیوں کی کئیڈلی پر بیٹھ گیا۔ ندرا سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ نیند میں اسے ایک سوہن دکھائی دیا۔ اسے معلوم ہوا کہ کہیں سے تریوں کی آواز کان میں آ رہی ہے، آکاش رکت ورن ہو گیا ہے۔ اسے گیات ہوا کہ دھرا آشرم کے وچار کا دن آ پہنچا۔ وہ بڑی جمیٹا سے الٹش دندا کرنے لگا۔ اسی جج میں اس نے ایک اتیتی بھیٹکر جنتو کو اپنی اور آتے دیکھا، جس کے ماتے پر پرکاش کا ایک صلیب لگا ہوا تھا۔ پاپ ناشی نے اسے پہچان لیا۔ سسلی کی پھاج مورتی تھی۔

اس جنتو نے اسے دانتوں کے نیچے دبا لیا اور اسے لے کر چلا، جیسے بلی اپنے بچے کو لے کر چلتی ہے۔ اس بھانٹی وہ جنتو پاپ ناشی کو کتنے ہی دیپوں سے ہوتا، ندیوں کو پار کرتا، پہاڑوں کو پھاندتا انت میں ایک زرخن استھان میں پہنچا، جہاں دیکھتے ہوئے پہاڑ اور جھلتے راکھ کے ڈھیروں سے سوائے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بھومی کتنے ہی استھلوں پر پھٹ گئی تھی اور اس میں سے آگ کی لپٹ نکل رہی تھی۔ جنتو نے پاپ ناشی کو دھیرے سے اتار دیا اور کہا۔ دیکھو!

پاپ ناشی نے ایک کھوہ کے کنارے جھک کر نیچے دیکھا۔ ایک آگ کی ندی پر قھوی کے اناستل میں دو کالے کالے پروتوں کے جج سے بہہ رہی تھی۔ وہاں دھندلے پرکاش میں زنگ کے دوت پاپ آتماؤں کو کٹھ دے رہے تھے۔ ان آتماؤں پر ان کے مرث شریر کا ہلکا آدرن تھا، یہاں تک کہ وہ کچھ وستر بھی پہنے ہوئے تھی۔ ایسے دارون کشٹوں میں بھی یہ آتماؤں بہت دگی نہ جان پڑتی تھیں۔ ان میں سے ایک جو لمبی، گور ورن، آنکھیں بند کیے ہوئے تھی، ہاتھ میں ایک تھوار لیے جا رہی تھی اس کے مدھر سوروں سے سمت مرد بھومی گونج رہی تھی۔ وہ دیوتاؤں اور شور ویدوں کی دیودا دلی گا رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ہرے رنگ کے دیوے ان کے ہونٹ اور کٹھ کو لال لوہے کی سلاخوں سے چھید رہے تھے یہ امر کوئی ہومر

کی پر تنجھایا تھی۔ وہ اتنا کٹھ جھیل کر بھی گانے سے باز نہ آتی تھی۔ اس کے سیمپ ہی ایک گورس، جس کے سر کے بال گر گئے تھے، دھول میں پر کال کے شکلیں بنا رہا تھا۔ ایک دیتیہ اس کے کانوں میں کھولتا ہوا تیل ڈال رہا تھا، پر اس کی ایکا گرنا کو بھنگ نہ کر سکتا تھا۔ اس کے اتیرکت پاپ ناشی کو اور کتنی ہی آتمائیں دکھائی دیں جو جلتی ہوئی ندی کے کنارے بیٹھی ہوئی اسی بھانتی پٹھن پٹھن، واد پر تواد، اپاسنا۔ دھیان میں مگن تھیں۔ جیسے یونان کے گردلوں میں گرو ششیہ کسی درکش کی چھایا میں بیٹھ کر کیا کرتے تھے وردھ میما کلیر ہی سب سے الگ تھا اور بھرائی وادیوں کی بھانتی سر ہلا رہا تھا۔ ایک دیتیہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک مشعل ہلا رہا تھا، کتو میما کلیر آنکھیں ہی نہ کھولتا تھا۔

اس درشہ سے چلت ہو کر پاپ ناشی نے اس بھینکر جنو کی اور دیکھا جو اسے یہاں لایا تھا۔ کدا چت اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ کیا رہیہ ہے؟ پر وہ جنو اور شہ ہو گیا تھا اور اس کی جگہ ایک استری منہ پر نقاب ڈالے کھڑی تھی۔ وہ بولی۔ یوگی، خوب آنکھیں کھول کر دیکھو! ان بھرشت آتماؤں کا دراگرہ اتنا جڑل ہے کہ زک میں بھی ان کی بھرائی شانت نہیں ہوئی۔ یہاں بھی وہ اسی مایا کے کھلونے بنے ہوئے ہیں۔ مرتیو نے ان کے بھرم جال کو نہیں توڑا کیوں کہ پرنیکش ہی، کیول مرجانے سے ہی ایثور کے درشن نہیں ہوتے۔ جو لوگ جیون بھراگیان اندھکار میں پڑے ہوئے تھے، وہ مرنے پر بھی مورکھ ہی بنے رہیں گے یہ دیتیہ مگن ایثوریہ بنائے کے ستر ہی تو ہیں یہی کارن ہی کہ آتمائیں انھیں نہ دیکھتی ہیں نہ اس سے بھے بھیت ہوتی ہیں۔ وہ ستیہ کے گیان سے شونیہ تھے، ات ایو انھیں اپنے اکرموں کا بھی گیان نہ تھا، انھوں نے جو کچھ کیا اگیان کی اوستھا میں کیا۔ ان پر وہ دوشاروپن نہیں کر سکتا پھر وہ انھیں دنڈ بھونکنے پر کیسے مجبور کر سکتا ہے؟

پاپ ناشی نے اتھت ہو کر کہا۔ ایثور سرور شکتی مان ہے، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ نقاب پوش استری نے اثر دیا۔ نہیں، وہ استیہ کو ستیہ نہیں کر سکتا۔ اس کو دنڈ بھوک کے یوگیہ بنانے کے لیے پہلے ان کو اگیان سے کمت کرنا ہوگا، اور جب وہ اگیان سے کمت ہو جائیں گے تو وہ دھرماتماؤں کی شرتی میں آجائیں گے!

پاپ ناشی اڈگن اور مرماہت ہو کر پھر کھوہ کے کناروں پر جھکا۔ اس نے نیاس کی چھایا کو ایک پشپ مالا سر پر ڈالے، اور ایک جھلے ہوئے مہندی کے درکش کے نیچے بیٹھے

دیکھا۔ اس کی بغل میں ایک اتی روپ وتی ویشیا بیٹھی ہوئی تھی اور ایسا ودیت ہوتا تھا کہ وہ پریم کی دیا کیا کر رہے ہیں، ویشیا کی کھ شری منوہر اور اہرتم تھی۔ ان پر جو اگنی کی ورشا ہو رہی تھی وہ اوس کی بوندوں کے سامان سکھ اور شیتل تھی، اور وہ جھلکتی ہوئی بھوی ان کے پھروں سے کوئل ترن کے سامان دب جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر پاپ ناشی کی کرودھ اگنی زور سے بھڑک اٹھی۔ اس نے چلا کر کہا ایثور، اس دراپاری پر وجرگھات کر! یہ نیاس ہیں اسے ایسا کچل کہ وہ روئے کراہے اور کرودھ سے دانت پیسے۔ اس نے تھالیں کو بھرٹ کیا ہے۔

سہا پاپ ناشی کی آنکھیں کل گئیں۔ وہ ایک بلٹھہ مانجھی کی گود میں تھا۔ مانجھی بولا۔ بس متر، شانت ہو جاؤ۔ جل دیوتا ساکش ہے کہ تم نیند میں بری طرح چوک پڑتے ہو۔ اگر میں نے تمہیں سمنحال نہ لیا ہوتا تو تم اب تک پانی میں ڈوبکیاں کھاتے ہوتے۔ آج میں نے بی تمہاری جان بچائی۔

پاپ ناشی بولا۔ ایثور کی دیا ہے۔

وہ ترنت اٹھ کھڑا ہوا اور اس سوپن پروچار کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اوشیہ ہی یہ دُسوپن ہے۔ نرک کو تمہیا سمجھنا ایثور یہ نیائے کا ایمان کرنا ہے۔ اس سوپن کا پریشک کوئی پشاج ہے۔ عیسائی تپویوں کے من میں غیہ یہ ہنکا اٹھتی رہتی کہ اس سوپن کا چو ایثور ہے یا پشاج۔ پشاج آدمی انھیں غیہ گیرے رہتے تھے۔ خشیوں سے جو منہ موڑتا ہے، اس کا گلا پشاجوں سے نہیں چھوٹ سکتا۔ مرو بھوی پشاجوں کا کیر بڑا جھمتر ہے۔ وہاں غیہ ان کا شور سنائی دیتا ہے۔ تپویوں کو پرایہ انوبھو سے، یا سوپن کی ویوستھا سے گیان ہو جاتا ہے کہ یہ مرد ایثور یہ پریرتا ہے یا پشاجک پرلوبھن۔ پرکھی کبھی بہت جتن کرنے پر بھی انھیں بھرم ہو جاتا تھا۔ تپسوں اور پشاجوں میں زنتز مہا گھور سنگرام ہوتا رہتا تھا۔ پشاجوں کو سدیو یہ دھن رہتی تھی کہ یوگیوں کو کسی طرح دھوکے میں ڈالیں اور ان سے اپنی آگیا منوالیں۔ سنت جان ایک پرسدھ پُرش تھے۔ پشاجوں کے راجا نے ساٹھ ورش تک لگاتار انھیں دھوکہ دینے کی چٹھا کی، پر سنت جان اس کی چالوں کو تاڑ لیا کرتے تھے۔ ایک دن پشاج راجا نے ایک ویراگی کا روپ دھارن کیا اور جان کی کٹی میں آکر بولا جان، کل شام تک تمہیں ان شن ورت رکھنا ہوگا جان نے سمجھا، وہ ایثور کا دوت ہے اور دو دن تک نرمل رہا۔ پشاج نے ان پر کیول بھی ایک وجہ پراہت کی، یہ وہی اس سے پشاج راج کا کوئی کشت اوشیہ نہ پورا ہوا، پر سنت جان

کو اپنی پرابے کا بہت شوک ہوا۔ کٹھو پاپ ناشی نے جو سوپن دیکھا تھا، اس کا دشے ہی کہہ دیتا تھا کہ اس کا کرتا پشای ہے۔

وہ ایٹور سے دین شہدوں میں کہہ رہا تھا۔ مجھ سے ایسا کون سا اپرادہ ہوا جس کے دٹر سورپ تو نے پشای کے پھندے میں ڈال دیا۔ سہا اسے معلوم ہوا کہ میں منشیوں کے ایک بڑے سوہ میں ادھر ادھر دھکے کھا رہا ہوں۔ کبھی ادھر جا پڑتا ہوں، کبھی ادھر۔ اسے نگروں کی بھیڑ بھاڑ میں چلنے کا ابھاس نہ تھا۔ وہ ایک جز دستو کی بھاتی ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا، اور اپنے کم خواب کے کرتے کے دامن سے الجھ کر وہ کئی بار گرتے گرتے بچا۔ انت میں اس نے ایک منشیہ سے پوچھا۔ تم لوگ سب کے سب ایک ہی دشا میں اتنی بڑبڑی کے ساتھ کہاں دوڑے جا رہے ہو؟ کیا کسی سنت کا اپدیش ہو رہا ہے؟

اس منشیہ نے اثر دیا۔ یاتری، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ٹیکھر ہی تماشا شروع ہوگا اور تھالیں رنگ منچ پر استھت ہوگی۔ ہم سب اسی تھیز میں جا رہے ہیں۔ تمھاری لہما ہو تو تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس اپرا کے درشن ماز ہی سے ہم کرتا تھ ہو جائیں گے!

پاپ ناشی نے سوچا کہ تھالیں کورنگ شالا میں دیکھنا میرے اڑشیہ کے انوکول ہوگا۔ وہ اس منشیہ کے ساتھ ہولیا۔ ان کے سامنے تھوڑی دور پر رنگ شالا استھت تھی۔ اس کے ٹکھیہ دوار پر چمکتے ہوئے پردے پڑے تھے اور اس کی دسترت درتا کار دیواریں ایک پر تھوڑوں سے تھی ہوئی تھیں۔ ایسے منشیوں کے ساتھ یہ دونوں پڑش بھی ایک تنگ گلی میں داخل ہوئے۔ گلی کے دوسرے سرے پر اردھ چندر کے آکار کا رنگ منچ بنا ہوا تھا جو اس سے پرکاش سے جگمگا رہا تھا وہ درٹھوں کے ساتھ ایک جگہ جا بیٹھے۔ وہاں نیچے کی اور کسی تالاب کے گھاٹ کے بھاتی بیڑیوں کی قطار رنگ شالا تک چلی گئی تھی۔ رنگ شالا میں ابھی کوئی نہ تھا، پر وہ خوب تھی ہوئی تھی۔ منچ میں کوئی پردا نہ تھا۔ رنگ شالا کے مدھیہ میں قبر کی بھاتی ایک چھوڑا سا بنا ہوا تھا۔ چھوڑے کے چاروں طرف راڈیاں تھیں۔ راڈیوں کے سامنے بھالے رکھے ہوئے تھے اور لمبی لمبی کھونٹیوں پر سنہری ڈالیں لگ رہی تھیں۔ منچ پر سناہ چھایا ہوا تھا۔ جب درٹھوں کا اردھ ورت ٹھسا ٹھسا بھر گیا تو مدھو کھیوں کی بھن بھناہٹ سی دہی ہوئی آواز آنے لگی۔ درٹھوں کی آنکھیں انوراگ سے بھری ہوئی ورنہد نہجدھ رنگ منچ کی اور لگی ہوئی تھی۔ استریاں ہنستی تھیں اور نیبوں کھاتی تھیں اور عیہ پرتی ٹانگ دیکھنے والے پڑش اپنی جگھوں سے

دوسروں کو ہنس ہنس پکارتے تھے۔

پاپ ناشی من میں ایٹور کی پراعتنا کر رہا تھا اور منہ سے ایک بھی معصیا شبد نہیں نکالتا تھا۔ لیکن اس کا ساتھی تابیہ کلا کی اونچی کی چڑھا کرنے لگا۔ بھائی، ہماری اس کلا کا گھور تپن ہو گیا ہے اور پراچین سے میں ابھی نیا چہرے پہن کر کوپوں کی رچنائیں لُٹچ سور سے گایا کرتے تھے۔ اب تو وہ گلوگوں کے بھانجی اُجھینے کرتے ہیں۔ وہ پرانے سامان بھی غائب ہو گئے نہ تو وہ چہرے رہے جن میں آواز کو پھیلانے کے لیے دھاتوں کی جیونئی رہتی تھی نہ وہ اونچے کھڑاؤ ہی رہ گئے جنہیں پہن کر ابھی نیا گمن دیوتاؤں کی طرح لبے ہو جاتے تھے۔ نہ وہ اوجسونی کویتا کیں رہیں اور نہ مرم اسپرشی اکھینہ چاڑیہ۔ اب تو پردوشوں کی جگہ استریوں کا دور دورا ہے جو بنا سنکوچ کے کھلے منہ منج پر آتی ہیں۔ اس سے کے یونان بواسی استریوں کا اسٹیج پر دیکھ کر نہ جانے دل میں کیا کہتے۔ استریوں کے لیے جتنا کے سکھ منج پر آنا گھور لجا کی بات ہے۔ ہم نے اس پر تھا کو سویکار کر کے اپنے ادھیاتمک تپن کا پرستے دیا ہے۔ یہ نزدیاد ہے کہ استری پُرش کا شتر وہے اور مانو جاتی کا کلک ہے۔

پاپ ناشی نے اس کا سر تھن کیا۔ بہت ستیہ کہتے ہو۔ استری ہماری پران گھامیکا ہے اس سے ہمیں کچھ آئند پراپت ہوتا ہے اور اس لیے اس سے سد یو ڈرنا چاہیے۔

اس کے ساتھی نے جس کا نام ڈورین تھا کہا۔ سورگ کے دیوتاؤں کی ہیچھ کھاتا ہوں، استری سے پُرش کو آئند نہیں پراپت ہوتا بلکہ چٹنا ڈکھ اور اشنائی۔ پریم ہی ہمارے دارو ڈنم کشٹوں کا کارن ہے۔ سنو متر، جب میری تروٹا اوستا تھی تو میں ایک دیپ کی سیر کرنے گیا تھا، اور وہاں مجھے ایک بہت بڑا مہندی کا درکھش دکھائی دیا جس کے دشنے میں یہ دنت کٹھا پر چلت ہے کہ فیڈرا جن دنوں ہولائٹ پر عاشق تھی تو وہ برہ دشا میں اسی درکھش کے نیچے بیٹھی رہتی تھی، اور دل بہلانے کے لیے اپنے بالوں کی سونیاں نکال کر ان پتیوں میں بچھایا کرتی تھی۔ سب پتیاں حمد گئیں۔ فیڈرا کی پریم کٹھا تو تم جانے ہی ہو گے اپنے پریمی کا سروناش کرنے کے چشیات وہ سویم گلے میں پھانسی ڈال ایک ہاتھی دانت کی کھونٹی سے لٹک کر مر گئی۔ دیوتاؤں کی ایسی لہجھا ہوئی کہ فیڈرا کی اساہیہ برہ ویدنا کے چھہ سورپ اس درکھش کی پتیوں میں غیہ چھید ہوتے رہے۔ میں نے ایک پتی توڑ لی اور لاکر اسے اپنے پٹک کے سرہانے لٹکا دیا کہ وہ مجھے پریم کی کلپتا کی یاد دلاتی رہے اور میرے گرد امر ایکیورس

کے سدھانتوں پر اٹل رکھے۔ جس کا اڈھیہ تھا کہ واسنا سے ڈرنا چاہیے۔ لیکن سمجھارت میں پریم جگر کا ایک روگ ہے اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ روگ مجھے نہیں لگ سکتا۔

پاپ ناشی نے پرشن کیا؟ ڈورین، تمہارے آئند کے دشمن کیا ہیں؟

ڈورین نے کھید سے کہا۔ میرے آئند کا کیول ایک دشمن ہے اور وہ بھی بہت آکرشک نہیں۔ وہ دھیان ہے۔ جس کی پاہن فحشی دوست ہوگئی ہو۔ اس کے لیے آئند کا کیا اور کوئی دشمن ہو سکتا ہے؟

پاپ ناشی کو اثر ملا کہ وہ اس آئند وادی کو آدھیا تمک سکھ کی دکشما دے جو ایٹور ارادھنا سے پراہت ہوتا ہے۔ بولا۔ متر ڈورین ستیہ پرکان دھرو اور پرکاش گرہن کرو۔

لیکن سہسا اس نے دیکھا کہ سب کی آنکھیں میری طرف اٹھیں اور مجھے چپ رہنے کا سنکیت کر رہے ہیں۔ ناپیہ شالا میں پورن شانی استھاپت ہوگئی اور ایک جھمن میں ویرگان کی دھونی سنائی دی۔

کھیل شروع ہوا ہومر کی ایلڈ کا ایک دکھانت درشیہ تھا۔ ٹروجن یدھ ساہت ہو چکا تھا۔ یونان کے وجے سورما اپنی جھول داریوں سے نکل کر کوچ کی تیاری کر رہے تھے کہ ادھ بدھ گھٹنا ہوئی۔ رنگ بھومی کے مدھیہ استھت سامدی پر بادلوں کا ایک ٹکڑا چھا گیا۔ ایک جھمن کے بادل چھٹ گیا اور ایسی لیس کا پریت سونے کے شاستروں سے سجا ہوا۔ پرکٹ ہوا وہ یودھاؤں کی اور ہاتھ پھیلائے مانو کہہ رہا ہے کہ ہیللاس کے سپوتوں کیا تم یہاں سے پرستان کرنے کو تیار ہو۔ تم اس دیش کو جاتے ہو جہاں جانا مجھے پھر نصیب نہ ہوگا اور میری سامدی کو بنا کچھ بھیٹ کیے ہی چھوڑ جاتے ہو۔

یونان کے ویر سامنت، جن میں وردھ میسر، اگامینن، اولامیس آدی تھے۔ سامدی کے سمپ آکر اس گھٹنا کو دیکھنے لگے۔ پدرس نے جوائیٹی لیس کا یووک پتر تھا، بھومی پر مستک جھکا دیا۔ اولیس نے ایسا سنکیت کیا۔ جس سے ویدت ہوتا تھا وہ ورت آتما کی لہما سے بہت ہے۔ اس نے اگامینن سے انورودھ کیا ہم سبوں کو ایشی لیس کا لیش ماننا چاہیے کیوں کہ ایلاس ہی کی مان رکشما میں اس نے ویر گئی پائی ہے۔ اس کا آدیش ہے کہ پریم کی پتری کماری پالک سینا میری سامدی پر سرہت کی جائے۔ یونان ویروں اپنے نائیک کا آدیش سویکار کرو۔

کٹھن سراٹ اگامٹن نل آہنی کی۔ فردجن کی کماریوں کی رکشا کرو۔ پراہم کا یہ
بشوی پر یوار بہت ڈکھ بھوک چکا ہل۔

اس کی آہنی کا کارن یہ تھا کہ وہ اولی سس کے انورودھ سے سمت ہل۔ نچلے ہو گیا
کہ پاکل سینا ایشی لیس کو ملی دی جائے مرٹ آتا اس بھانٹی شانت ہو کر یم لوک کو چلی گئی۔
چرتروں کے دارتا لاپ کے بعد کبھی اہجک اور کبھی کرون سوروں میں گانا ہوتا تھا۔ ابھینے کا
ایک بھاگ ساہت ہوتے ہی درشکوں نے تالیاں بجائیں۔

پاپ ناٹی نے جو پرتیک دشے میں دھرم سدھانتوں کا دیوہار کیا کرتا تھا بولا۔ ابھینے
سے سدھ ہوتا ہل کہ ستا ہین دیوتاؤں کے پاسک کتنے نزدیکی ہوتے ہین۔

ڈورین نے اتر دیا۔ یہ دوش پراہم سبھی مت وادوں میں پایا جاتا ہل۔ سو بھاگیہ سے
مہاتما اہکیورس نے جنھیں ایشوریہ گیان پراہت تھا، مجھے آدرشیہ کی مٹھیا خشکاؤں سے مکت
کر دیا۔

اتنے میں ابھینے پھر شروع ہوا۔ ہیکو با، جو پاکل سینا کی ماتا تھیں، اس چھول داری
سے باہر نکلیں جس میں وہ قید تھیں۔ اس کے شویت کیش نکمرے ہوئے تھے۔ کپڑے پھٹ کر
تار تار ہو گئے تھے۔ اس کی شوک سورتی دیکھتے ہی درشکوں آہ بھری۔ ہیکو با کو اپنی کنیا کے وشاد
سے انت کا ایک سوہن دارا گیان ہو گیا تھا۔ اپنی اور اپنی پتری کے در بھاگیہ پر وہ سر پینے
گئی۔ اولائی سس نے اس کے سمپ جا کر کہا پاکل سینا پر سے اپنا ماتر اسنیہ اب اٹھالو۔
دردھا استری نے اپنے بال نوج لیے، منھ کو ناخوں سے کھسٹا اور نزدیکی یودھا اولائی سس کے
ہاتھوں کو چوما، جواب بھی دیا شوئیہ شانتی سے کہتا ہوا جان پڑتا تھا۔

ہیکو با، دھریہ سے کام لو۔ جس وپتی کا نیوارن نہیں ہو سکتا اس کے سامنے سر جھکاؤ،
ہمارے دلش میں بھی کتنی ہی ماتائیں اپنے پتروں کے لیے روری ہین۔ جو آج یہاں
درکشوں کے نیچے سوہ مندرا میں مگن ہین اور ہیکو با نے پہلے ایشیا کے سب سے سردی شالی
راجیہ کی سوامنی تھیں اور اس سے غلامی کی بیڑیوں میں بکڑی ہوئی تھیں۔ نیراشیہ سے دھرتی پر
سر چلک دیا۔

تب چھول داریوں میں سے ایک کے سامنے کا پردہ اٹھا اور کماری پاکل سینا پر کٹ
ہوئی۔ درشکوں میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ انھوں نے تھالیں کو پہچان لیا۔ پاپ ناٹی نے اس

دیشیا کو پھر دیکھا، جس کی کھوج میں وہ آیا تھا، جو اپنے گورے ہاتھ سے بھاری پردے کو اٹھائے ہوئی تھی۔ وہ ایک وشال پریتا کی بھانٹی استھر کھڑی تھی۔ اس کے اپورو لوچنوں سے گرد اور آتم آتھرگ جھلک رہا تھا اور اس کے پردہت سوندریہ سے سمت درٹک ورنہ ایک نیر وپائے لالسا کے آدیک سے قرا اٹھے۔

پاپ ناشی کا چت ونگر ہو اٹھا۔ چھاتی کو دونوں ہاتھوں سے دبا کر ایک لمبی سانس لی اور بولا۔ ایشور تو نے ایک پرانی کو کیونکر اتنی خلقتی پردان کی ہے؟

کلتو ڈورین ذرا بھی آشنات نہ ہوا بولا۔ داستو میں جن پر ماڑوؤں کے ایکترت ہو جانے سے اس استری کی رچنا ہوئی ہے ان کا سینگ بہت ہی نینا بھرام ہے۔ لیکن یہ کیول پر کرتی کی ایک کریرا ہے، اور پر ماڑو جڑ دستو ہے کسی دن وہ سو بھادک ریتی سے دھمن ہو جائیں گے۔ جن پر ماڑوؤں سے لیلیا اور کلیو پیڑا کی رچنا ہوئی تھی وہ اب کہاں ہیں؟ میں مانتا ہوں کہ استریاں کبھی کبھی بہت روپ دتی ہوتی ہیں، لیکن وہ بھی تو وچتی اور گھرنو تپادک اوستھاؤں کے وشی بھوت ہو جاتی ہیں، بدھی مانوں کو یہ بات معلوم ہے، یہ بھی مورکھ لوگ اس پر دھیان نہیں دیتے۔

یوگی نے بھی تھالیں کو دیکھا۔ دارٹک نے بھی دونوں کے من میں بھمن بھمن وچار اتھن ہوئے۔ ایک نے ایشور سے فریاد کی، دوسرے نے اداسینتا سے تو کا نیر وپن کیا۔

اتنے میں رانی ہیکو بانے اپنی کنیا کو اشاروں سے سمجھایا مانو کہہ رہی ہوں اس ہردے ہین اولائی سیس پر اپنا جادو ڈال۔ اپنے روپ لاونیہ اپنے یودن اور اپنے اشتر و پرواہ کا آشرے لے۔

تھالیں یا کماری پالک سینا نے جھول داری کا پردا گرا دیا۔ تب اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ لوگوں کے دل ہاتھ سے نکل گئے اور جب وہ گرد سے تالوں پر قدم اٹھاتی ہوئی اولائی سیس کی اور چلی تو درٹکوں کو ایسا معلوم ہوا مانو وہ سوندریہ کا کیندر ہے۔ کوئی آپے میں نہ رہا۔ سب کی آنکھیں اس کی اور لگی ہوئی تھیں۔ انیہ سبھی کارنگ اس کے سامنے پیکا پڑ گیا۔ کوئی انھیں دیکھتا بھی نہ تھا۔

اولائی سیس نے منہ پھیر لیا اور اپنا منہ چادر میں چھپا لیا کہ اس دیا بھکاری کے ہنر کٹا کھش اور پریم لکھن کا جادو اس پر نہ چلے۔ پالک سینا نے اس سے اشاروں سے کہا۔ مجھ

سے کیوں ڈرتے ہو۔ میں تمہیں پریم پاش میں پھنسانے نہیں آئی ہوں۔ جو انڈاریہ ہے وہ ہوگا۔ اس کے سامنے سر جھکاتی ہوں۔ پر ایم کی لڑکی اور ویر ہیکٹر کی بہن، اتنی گلی گزری نہیں ہے کہ اس کا ہتھکا، جس کے لیے بڑے بڑے سرائٹ لالائٹ رہتے تھے، کسی ودیشی پڑش کا سواگت کرے۔ میں کسی کی شرٹن آگت نہیں ہونا چاہتی۔

ہمکیو با جو ابھی تک بھوئی پر اچیت سی پڑی تھی۔ سہا انھی اور اپنی پر یہ پتری کو چھاتی سے لگا لیا۔ یہ اس کا اتم نیراشیہ پورن آٹلکن تھا۔ پتی ونچت ماتر ہر دے کے لیے سنسار میں کوئی اولمب نہ تھا۔ پاکل سینا نے دھیرے سے ماتا کے ہاتھوں سے اپنے کو چھڑا لیا مانو کہہ رہی تھی۔

ماتا، دھیر یہ سے کام لو اپنی سوامی کی آتما کو ذمہ مت کرو۔ ایسا کیوں کرتی ہو کہ یہ لوگ مجھے زردیتا سے زمین پر گرا کر مجھے الگ کر لیں۔؟

تھالیں کاکھ چندر شوک اوستھامیں اور بھی مدھر ہو گیا تھا، جیسے میگھ کے ہلکے آدرون سے چندرما۔ درٹک درند کو اس نے جیون کے آدیشوں اور بھاؤں کا کتنا اپورو چتر دکھایا۔ اس سے سبھی گمدھ تھے اتم سمان دھریے ساہس آدی بھاؤں کا ایسا آلوکیک، ایسا گمدھ کرگ درشن کرانا تھالیں کا ہی کام تھا۔ یہاں تک کہ پاپ ناشی کو بھی اس پر دیا آگئی۔ اس نے سوچا یہ چمک دمک تھوڑے ہی دنوں کے اور مہمان ہیں، پھر تو یہ کسی دھرم آشرم میں تپیا کر کے اپنے پاپوں کا پراچھت کرے گی۔

ایہینے کانت کٹ آگیا۔ ہمکیو با مورچھت ہو کر گر پڑی، اور پاکل سینا اُلائی سیس کی ساتھ سادھی پر آئی۔ یودھا گن اسے چاروں اور سے گھیرے ہوئے تھے جب وہ لمبی دیدی پر چڑھی تو ایٹی لہنر کے پتر نے ایک سونے کے پیالے میں شراب لے کر سادھی پر گرا دی۔ ماتمی گیت گائے جارہے تھے۔ جب لمبی دینے والے پجاریوں نے اس کا ہاتھ پھیلایا تو اس نے سکیت دوارا بتلایا کہ میں سوچند رہ کر مرنا چاہتی ہوں جیسا کہ راج کنیاؤں کا دھرم ہے۔ تب اپنے دستروں کو اتار کر وہ دجو کر دے استقل میں رکھنے کے تیار ہو گئی پر اس نے سر پھیر کر اپنی تلوار اس کے دکھش استقل میں بھونگ دی۔ رودھر کی دھارا بہہ نکل۔ کوئی لاگ رکھی گئی تھی۔ تھالیں کا سر پیچھے کو لٹک گیا اس کی آنکھیں تھلوانے لگیں اور ایک چمن میں وہ گر پڑی۔

یودھا مگن تو بلی کو کفن پہنا رہے تھے۔ پشپ درشا کی جاری تھی۔ درشکوں کی آرزو دھونی سے ہوا گونج رہی تھی۔ باپ ناشی اٹھ کھڑا ہوا تو اواج سور سے اس نے یہ بھوشیہ دانی کی۔ معھیہ وادیوں اور پریوں کی پوجنے والوں یہ کیا بھرم ہو گیا ہے۔ تم نے جو ابھی درشیہ دیکھا ہے وہ کیول ایک روپک ہے۔ اس کتھا کا آدھیا تمک ارتھ کچھ اور ہے اور یہ استری کچھ ہی دنوں میں اپنی اچھا اور انوراگ سے ایثور کے چرنوں میں سمیرت ہو جائے گی۔

اس کے ایک گھنٹے کے بعد باپ ناشی نے تھالیں کے دوار پر زنجیر کھٹ کھٹائی۔ تھالیں اس سے رئیسوں کے محلے میں سکندر کے سادھی کے کٹ رہتی تھی۔ اس کے وصال بھون کے چاروں اور سائے دار درکش تھے، جن میں سے ایک جل دھارا پڑی تم چٹانوں کے چھ سے ہو کر بہتی تھی۔ ایک بڑھیا جھن داسی نے جو مند ریوں سے لدی ہوئی تھی آکر دوار کھول دیا اور پوچھا۔ کیا آگیا ہے؟

باپ ناشی نے کہا۔ میں تھالیں سے بھینٹ کرنا چاہتا ہوں۔ ایثور ساکشی ہے کہ میں یہاں اسی کام کے لیے آیا ہوں۔

وہ امردوں کے سے دستر پہنے ہوئے تھا۔ اس کی باتوں سے رعب ٹپکتا تھا۔ ات ایو داسی اسے اندر لے گئی اور بولی۔ تھالیں پریوں کے کج میں دیراج مان ہے۔

۲

تھالیں نے سوادھین، لیکن زرخن اور مورقی پوجک مانا پتا کے گھر جنم لیا تھا۔ جب وہ بہت چھوٹی سی لڑکی تھی اس کا باپ ایک سرائے کا بھٹیلا تھا۔ اس سرائے میں پرانے طاح بہت آتے تھے۔ بالیہ کال کی اشترکھل کلتو ججو اسرتیاں اس کے من میں اب بھی بچتی تھیں۔ اسے اپنے باپ کی یاد آتی تھی۔ جو بھر پر پیر رکھے ابھیٹھی کے سانے بیٹھا رہتا تھا۔ لمبا، بھاری بھرکم، شانتی پر کرتی کا مٹیہ تھا، اس فرعونوں کی بھانتی جن کی کیرتی سڑک کے کھڑوں پر بھانڈوں کے کچھ سے نیچے امر ہوتی رہتی تھی۔ اسے اپنی دربل مانا کی بھی یاد آتی تھی۔ جو بھوکی بلی کی بھانتی گھر میں چاروں اور چکر لگاتی رہتی تھی۔ سارا گھر اس کے چھوڑ کٹھ سود میں گونجا اور اس کے آؤچھت بھروں کی جیوتی چمکتا رہتا تھا۔ پڑوس والے کہتے تھے، یہ ڈائین ہے رات کو اتو بن جاتی ہے اور رات کو اپنے پریوں کے پاس اڑ جاتی ہے۔ یہ انچیوں کی گپ تھی۔

تھالیں اپنی ماں سے بھلی بھائی پر بچت تھی اور جانتی تھی کہ وہ جادو ٹوٹا نہیں کرتی۔ ہاں اسے لوبھ کا روگ تھا۔ اور دن کی کمائی کو رات بھر گنتی رہتی تھی۔ آلسی پتا اور لوبھنی ماما تھالیں کے لائن پالن کی اور ویش دھیان نہ دیتے تھے۔ وہ کسی جنگلی پودے کے سان اپنی بازو سے بڑھتی جاتی تھی۔ وہ متوالے ملاحوں کے کمر بند سے ایک ایک کر کے پیسے نکالنے میں یمن ہوگئی۔ وہ اپنے اہلیل و اکیوں اور بازاری گیتوں سے ان کا منورنجن کرتی تھی، یدھی وہ سویم ان کا آشیہ نہ جانتی تھی۔ گھر شراب کی مہک سے بھرا رہتا تھا۔ جہاں تہاں شراب کے چڑے کے پیسے رکھے رہتے تھے اور وہ ملاحوں کی گود میں بیٹھتی پھرتی تھی۔ تب منہ سے شراب کا لسا لگائے وہ پیسے لے کر گھر سے نکلتی اور ایک بڑھیا سے گل گلے لے کر کھاتی۔ نیہ پرتی ایک ہی ابھینے ہوتا رہتا تھا۔ ملاح اپنی جان جو کم یا تراؤں کی کتھا کہتے اور چوسر کھیتے، دیوتاؤں کو گالی دیتے اور ان مت ہو کر شراب شراب سب سے اتم شراب۔ کی رٹ لگاتے۔ نیہ پرتی رات کو ملاحوں کے ہڑ سے بالیکا کی نیند اچٹ جاتی تھی۔ ایک دوسرے کو وہ گھونٹے پھینک کر مارتے، جس سے مانس کٹ جاتا تھا، اور بھینکر کولال مل جاتا تھا۔ کبھی تلواریں بھی نکل پڑتیں تھیں اور رکت پات ہو جاتا تھا۔

تھالیں کو یہ یاد کر کے بہت دکھ ہوتا تھا کہ بالیہ دستھا میں یدی کسی کو مجھ سے اسلیہ تھا تو وہ سرل، سہروے احمد تھا۔ احمد اس گھر کا جشی غلام تھا۔ توے سے بھی کالا، لیکن بڑا جتن، بہت نیک جیسے رات کی میٹھی نیند۔ وہ بہودا تھالیں کو گھنٹوں پر بٹھا لیتا اور پرانے زمانے کے تہہ خالوں کی ادھ بدھ کہانیاں سناتا۔ جو دھن لولپ راجا مہارا جاناوتے تھے اور بنوا کر ہلپی کاروں اور کاری گروں کا ودھ کر ڈالتے تھے کہ کسی کو بتا نہ دے۔ کبھی کبھی ایسے چڑچوروں کی کہانیاں سناتا جنہوں نے راجا کی کنیاؤں سے ویواہ کیا اور مینار بنوائے۔ بالیکا تھالیں کے لیے احمد باپ بھی تھا، ماں بھی تھا، دائی اور سکتا بھی تھا۔ وہ احمد کے پیچھے پیچھے بھرا کرتی۔ جہاں وہ جاتا پر چھائی کی طرح ساتھ لگی رہتی۔ احمد بھی اس پر جان دیتا تھا۔ بہت رات کو اپنے پوال کے گدے پر سونے کے بدلے وہ اسے بیٹھا ہوا اس کے لیے کاغذ کے غبارے اور نوکائیں بنایا کرتا۔

احمد کے ساتھ اس کے سوامیوں نے گھور نزدیکیاں کا برتاؤ کیا تھا۔ ایک کان کٹا ہوا تھا۔ اور دیہہ پر کوڑوں کے داغ ہی داغ تھے۔ کٹو اس کے کھ پر نرتیہ سکھ سے شانتی کھیلا کرتی

تھی۔ اور کوئی اس سے نہ پوچھتا تھا کہ اس آتما کی شانتی اور ہر دے کے سنتوش کا سروت کہاں تھا۔ وہ بالک کی طرح بھولا تھا۔ کام کرتے کرتے تھک جاتا تو اپنے بھدے سور میں دھارک بجن گانے لگتا۔ جنھیں سن کر بالیکا کانپ اٹھتی اور وہی باتیں سوپن میں بھی دیکھتی۔

ہم سے بتا میری بیٹی، تو کہاں گئی تھی اور کیا دیکھا تھا۔ ؟

میں نے کفن اور سفید کپڑے دیکھے۔ سورگ دوت قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے پر بھوسج کی جیوتی دیکھی تھی۔

تھالیں اس سے پوچھتی۔ دادا تم قبر میں بیٹھے ہوئے دوتوں کا بجن کیوں گاتے ہو۔ ؟
احمد جواب دیتا۔ میری آنکھوں کی ننھی پتلی میں سورگ دوتوں کے بجن اس لیے گاتا ہوں کہ ہمارے پر بھوسج سورگ لوک کو اڑ گئے ہیں۔

احمد عیسائی تھا۔ اس کی یقیناً ریتی سے دکھشا ہو چکی تھی اور عیسائیوں کے ساج میں اس کا نام بھی ہیوڈور پرسدھ تھا۔ وہ راتوں کو چھپ کر اپنے سونے کے سے میں ان کی سنگیوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔

اس سے عیسائی دھرم پر وہتی کی گھٹائیں چھائی ہوئیں تھیں۔ روس کے بادشاہ کی آگیا سے عیسائیوں کے گرجے کھود کر پھینک دیئے گئے تھے۔ پوتر پتلیں جلا ڈالی گئیں تھیں اور پوجا کی ساگریاں لوٹ لی گئی تھیں۔ عیسائیوں کے سان پد جین لیے گئے تھے، اور چاروں اور انھیں موت ہی موت دکھائی دیتی تھی۔ اسکندریہ میں رہنے والے سمت عیسائی ساج کے لوگ سنگت میں تھے۔ جس کے وشے میں عیساولبی ہونے کا ذرا بھی سند یہہ ہوتا تو اسے ٹرنت قید میں ڈال دیتا۔ سارے دلش میں ان خبروں سے ہا ہا کار مچا ہوا تھا، کہ سیام، عرب، ایران آدمی استھانوں میں عیسائی بچیوں کو اور دوت دھارنی کمار یوں کو کوزے مارے گئے ہیں، سولی دی گئی ہے اور جنگل کے جانوروں کے سامنے ڈال دیا گیا ہے۔ اس دارون وہتی کے سے جب ایسا لٹپے ہو رہا تھا کہ عیسائیوں کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ اینٹونی نے اپنے ایکانت واس سے نکل کر مانو مرجھائے ہوئے دھان میں پانی ڈال دیا۔ اینٹونی معروای عیسائیوں کا نیا دھوان سدھ پڑش تھا جس کے آلوکیک کیرتیوں کی خبریں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ آتم گیانی اور تپسوی تھا۔ اس نے سمت دلش میں بھر مڑ کر کے عیسائی سپردائے ماتر کو شر دھا اور دھرم اتساہ سے پلاوت کر دیا۔ دھرمیوں سے گپت رہ کر وہ ایک سے میں عیسائیوں کی

سمت سبھاؤں میں پہنچ جاتا تھا اور سبھی میں اس ہشتی اور دھار شیلٹا کا سچا کر دیتا تھا۔ جو اس کے روم روم میں دیا ہت تھی۔ غلاموں کے ساتھ اسادھارن کنھوتا کا دیوہار کیا گیا تھا۔ اس سے بے بیت ہو کر کتنے ہی دھرم دیکھ ہو گئے اور ادھی کانٹش جنگل کو بھاگ گئے۔ وہاں یا تو یہ سادھو ہو جائیں گے یا ڈاکے مار کر زواہ کریں گے۔ لیکن احمد پوروت ان سبھاؤں میں سبیلت ہوتا، قیدیوں سے بھینٹ کرتا، لہات پر دوشوں کا کر یہ کرم کرتا اور نرمے ہو کر عیسائی دھرم کی مھوشا کرتا تھا۔ پرتیمہ شالی بٹھوئی احمد کی یہ درڑتا اور نچلٹا دیکھ کر اتنا پرسید ہوا کہ چلنے سے اسے چھاتی سے لگا لیا اور اسے پریم سے آئرواد دیا۔

جب قتالیں سات ورش کی ہوئی تو احمد نے اس سے ایٹور چرچا کرنا شروع کی۔ ان کی کھاستیہ اور استیہ کا چتر مشرن، لیکن بالیہ ہردے کے انوکول تھی۔

ایٹور فرعون کی بھاتی سورگ میں، اپنے حرم کے خیموں اور اپنے باغ کے درکھشوں کی چھایا میں رہتا تھا۔ وہ بہت پراچین کال سے وہاں رہتا تھا۔ اور دنیا سے بھی پرانا ہے۔ اس کے کیول ایک ہی بیٹا ہے، جس کا نام پر بھو عیسو ہے۔ وہ سورگ کے دو قوں سے اور رشی یودتوں سے بھی سندر ہے۔ ایٹور اسے ہردے سے پیار کرتا ہے۔ اس نے ایک دن پر بھو مسج سے کہا۔ میرے بھون اور حرم، میرے چھوہارے کے درکھشوں اور مٹھے پانی کی ندیوں کو چھوڑ کر پرتھوی پر جاؤ اور دین دکی پرائوں کا کلیان کرو۔ وہاں تجھے چھوٹے بالک کی بھاتی رہنا ہوگا۔ وہاں دکھ ہی تیرا بھوجن ہوگا اور تجھے اتنا رونا ہوگا کہ تیرے آنسوؤں سے ندیاں بہہ نکلیں، جن میں دیں دکی نہا کر اپنی تھکن کو بھول جائیں۔ جاؤ پیارے پتر۔

پر بھو مسج نے اپنے پوجیہ پتا کی آگیا مان لی اور آکر بیت اللہم مگر میں اوتار لیا۔ وہ کھیتوں اور جنگلوں میں پھرتے تھے اور اپنے ساتھیوں سے کہتے رہتے تھے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو بھوکے رہتے ہیں، کیوں کہ میں انھیں اپنے پتا کی میز پر کھانا کھلاؤں گا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو بیا سے رہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ سورگ کی نزل ندیوں کا منل بنیں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو روتے ہیں۔ کیوں کہ میں اپنے دامن سے ان کے آنسو پونچھوں گا۔

یہی کارن ہے کہ دین جین پرانی انھیں پیار کرتے ہیں اور ان پر دشواس کرتے ہیں لیکن دھنی لوگ ان سے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ غریب لوگوں کو ان سے زیادہ دھنی نہ بنادیں۔ اس سے کلیہ پٹرا اور بیزر پرتھوی پر سب سے بلوان تھے۔ وہ دونوں ہی مسج سے چلنے تھے۔ اس

لیے بھاریوں اور نیائے دھیشوں کو حکم دیا کہ پرہو مسیح کو مار ڈالو۔ ان کی آمکیاں سے لوگوں نے ایک صلیب کھڑی کی اور پرہو کو سولی پر چڑھا دیا۔ کثو پرہو مسیح نے قبر کے دوار کو توڑ ڈالا۔ اور پھر اپنے پتا الیثور کے پاس چلے گئے۔

اسی سے سے پرہو مسیح کے بھگت سورگ کو جاتے ہیں۔ الیثور پریم سے ان کا سواگت کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے آؤ میں تمہارا سواگت کرتا ہوں۔ کیوں کہ تم میرے بیٹے کو پیار کرتے ہو۔ ہاتھ دھو کر میز پر بیٹھ جاؤ تب سورگ کی اپراکس گاتی ہیں۔ اور جب تک مہمان بھوجن کرتے ہیں۔ تاج ہوتا رہتا ہے۔ انھیں الیثور اپنی اور آنکھوں کی جیوتی سے ادھیک پیار کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ اس کے مہمان ہوتے ہیں اور ان کے دشرام کے لیے اپنے بھون کے غالیچے اور ان کے سودان کے لیے اپنے باغ کا انار پر دان کرتا ہے

احمد اس پرکار تھالیس سے الیثور چرچا کرتا تھا۔ وہ دسرت ہو کر کہتی تھی۔ مجھے الیثور کے باغ سے انار ملے تو خوب کھاؤں۔

احمد کہتا تھا۔ سورگ کے پھل وہی پرانی کھا سکتے ہیں جو چہسمہ لے لیتے ہیں۔ تب تھالیس چہسمہ لے لینے کی آھنکا پرکٹ کی۔ پرہو مسیح میں اس کی بھگتی دیکھ کر احمد نے اسے اور بھی دھرم کھائیں سنائی شروع کیں۔

اس پرکار ایک درش بیت گیا۔ ایٹھر کا شہہ سپناہ آیا اور عیسائیوں نے دھرم اتساہ منانے کی تیاری کی۔ اسی سپناہ میں ایک رات کو تھالیس نیند سے چوکی تو دیکھا کہ احمد اسے گود میں اٹھا رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اس سے ادھ بدھ چمک تھی۔ وہ اور دونوں کی بھانقی پھنے ہوئے پا جائے نہیں بلکہ ایک شویت ڈھیلا ڈھالا چوفا پہنے ہوئے تھا۔ اس نے تھالیس کو اسی چوٹے میں چھپا لیا، اور اس کے کان میں بولا آمیری آنکھوں کی پتلی آ، اور چہسمہ کے پوتر دسرت دھارن کر۔

وہ لڑکی کو چھاتی سے لگائے چلا۔ تھالیس کچھ ڈری، کثو اتسک بھی تھی، اس نے سر چوٹے سے باہر نکال لیا اور اپنے دونوں ہاتھ احمد کی گردن میں ڈال دیے۔ احمد اسے لیے دیگ سے دوڑا چلا جاتا تھا۔ وہ ایک تک گلی سے ہو کر گزرا تب یہودیوں کے محلے کو پار کیا۔ پھر ایک قبرستان کے گرد گھومتے ہوئے ایک کھلے ہوئے میدان میں پہنچا، جہاں عیسائی دھرم بھوں کی لاشیں صلیبوں پر لٹکی ہوئی تھیں۔ تھالیس نے اپنا سر چوٹے میں چھپا لیا اور پھر

راستے بھر اسے منہ باہر نکالنے کا سامس نہیں ہوا۔ اسے شکھر ہی یہ گیات ہوا کہ ہم لوگ کسی تہہ خانے میں چلے جا رہے ہیں۔ جب اس نے پھر آنکھیں کھولیں تو اپنے کو ایک تنگ کھوہ میں پایا۔ رال کی مشعلیں جل رہی تھیں۔ کھوہ کی دیواروں پر عیسائی سدھ مہاتماؤں کے چتر بنے ہوئے تھے جو مشعلوں کے استھر پرکاش میں چلتے پھرتے سمجھ معلوم ہوتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کھجور کی ڈالیں تھیں، اور ان کے ارد گرد مینے، کبوتر، فاختے اور انگور کی بلیں چترت تھیں۔ انہی چیزوں میں تمالیں نے عیسو کو پہچانا، جن کے پیروں کے پاس پھولوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

کھوہ کے مدیہ میں ایک پتھر کے جل کند کے پاس ایک وردھ پرش لال رنگ کا ڈھیلا کرتا پہنے کھڑا تھا۔ یہ وہی اس کے دستر بہو مولیہ تھے پر وہ اتیت دین اور سرل جان پڑتا تھا۔ اس کا نام بپ جیون تھا۔ جسے بادشاہ نے دلش سے نکال دیا تھا۔ اب وہ بھیر کا ادون کاٹ کر اپنا نزواہ کرتا تھا۔ اس کے سمپ دو لڑکے کھڑے تھے۔ نکت ہی ایک بڑھیا جٹن ایک چھوٹا سا کپڑا لیے کھڑی تھی۔ تمالیں کو زمین پر بٹھا دیا اور بھٹک کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بولا۔ پوجیہ پتا یہی وہ چھوٹی لڑکی ہے جسے میں پرانوں سے بھی ادھک چاہتا ہوں۔ میں اسے آپ کی سیوا میں لایا ہوں کہ آپ اسے اپنے وچن انوساریدی لھما ہو تو اسے پتسمہ پر دان کیجیے۔

یہ سن کر بپ نے ہاتھ پھیلایا۔ ان کی انگلیوں کے ناخن اکھاڑ لیے گئے تھے کیوں کہ آپتی کے دنوں میں وہ راج آگیاں کا پرداہ نہ کر کے اپنے دھرم میں آروڑھ رہے تھے، تمالیں ڈر گئی اور احمد کی گود میں چھپ گئی، کتو بپ کے ان اسنبھہ سے شہدوں نے اسے آشوست کر دیا۔ پر یہ پتری ڈرومت۔ احمد تیرا دھرم پتا ہے جسے ہم لوگ تھیوڈورا کہتے ہیں۔ اور دردھا استری تیری ماما ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے تیرے لیے ایک سفید دستر تیار کیا ہے اس کا نام نعتی دا ہے۔ یہ اس جنم میں غلام ہے۔ پر سورگ میں یہ پر بھوسج کی پر نیسی بنے گی۔

تب اس نے تمالیں سے پوچھا۔ تمالیں، کیا تو ایٹور پر، جو ہم سب کا پر م پتا ہے۔ اس کے اکلوتے پتر پر بھوسج پر جس نے ہماری کمتی کے پران آرپن کیے اور مسج کے شیشوں پر دھواں کرتی ہے؟

جیٹی اور جیٹن ایک سو میں کہا۔ ہاں۔

تب بپ کے آدیش سے نئی دا نے تھالیں کے کپڑے اتارے۔ وہ ٹھن ہوئی۔ اس کے گلے میں کیول ایک ستر تھا۔ بپ نے اسے تین بار جل کند میں غوطہ دیا اور تب نئی دا نے دیہہ کا پانی پونچھ کر اپنا سفید دستر پہنا دیا۔ اس پر کار وہ بالیکا عیسیٰ شرن میں آئی جو کتنی پریشھاؤں اور پرلکھنوں کے بعد جیون پراپت کرنے والی تھی۔

جب یہ سداکار ساپت ہو گیا اور سب لوگ کھوہ کے باہر نکلے تو احمد نے بپ سے کہا۔ پوجیے پتا، ہمیں آج آند منانا چاہیے کیونکہ ہم نے ایک آتما کو پر بھومج کے چرنوں میں سرپت کیا۔ آگیا ہو تو ہم آپ کے شہہ استخان پر چلیں اور شیش رازی اتسو منانے میں کاٹیں۔

بپ نے پرسنٹا سے اس پر ستاؤ کو سویکار کیا۔ لوگ بپ کے گھر آئے۔ ان میں کیول ایک کرہ تھا۔ دو چرنے رکھے ہوئے تھے اور ایک پھٹی ہوئی دری بھٹی تھی۔ جب یہ لوگ اندر پہنچے تو بپ نے نئی دا سے کہا۔ چولہا اور تیل کی بوتل لاؤ۔ بھوجن بنائیں۔

یہ کہہ کر اس نے کچھ مچھلیاں نکالیں، انھیں تیل میں بھونا، تب سب کے سب فرش پر بیٹھ کر بھوجن کرنے لگے۔ بپ نے اپنی ستر اوں کا ورتانت کہا اور عیسائیوں کی وجہ پر دشواس پرکت کیا۔ اس کی بھاشا بہت ہی پیچ دار، التکرت، الجھی ہوئی تھی۔ شوکم، شہداؤمبر بہت تھا۔ تھالیں منتر گدھ سی بیٹھی سنتی رہی۔

بھوجن ساپت ہو جانے پر بپ نے مہمانوں کو تھوڑی سی شراب پلائی۔ نہہ چڑھا تو وہ بہک بہک کر باتیں کرنے لگے۔ ایک جھن کے بعد احمد اور نئی دا نے ناچنا شروع کیا۔ یہ پریت نرہیہ تھا۔ دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر کبھی ایک دوسرے کی طرف پکیتے، کبھی دور ہٹ جاتے جب سویرا ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی تو احمد نے تھالیں کو پھر گود میں اٹھایا اور گھر چلا آیا۔

انہی بالکوں کی بھاتی تھالیں بھی آمود پر یہ تھی۔ دن بھر وہ گلیوں میں بالکوں کے ساتھ ناچتی گاتی رہتی تھی۔ رات گھر آتی تب وہ بھی وہ گیت گایا کرتی، جن کا سر پیر کچھ نہ ہوتا۔

اب اسے احمد جیسے شانت سیدھے سادھے آدمی کی ایک شھا لڑکے لڑکیوں کی شگنی ادھک روپی کر معلوم ہوتی! احمد بھی اس کے ساتھ کم دکھائی دیتا تھا۔ عیسائیوں پر اب

بادشاہ کی کردار درشتی نہ تھی۔ اس لیے وہ ابادہ روپ سے دھرم سبائیں کرنے لگے تھے۔ دھرم نشہ احمد ان سبائوں میں سہیل ہونے سے کبھی نہ چوکتا۔ اس کا دھرم اتنا دنوں دن بڑھنے لگا۔ کبھی کبھی وہ بازار میں عیسائیوں کو جمع کر کے انھیں آنے والے سکھوں کی شہ سوچتا دیتا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی شہر کے بھکاری مزدور، غلام، جن کا کوئی آشریہ نہ تھا۔ جو راتوں میں سڑک پر سوتے تھے، اکثر ہوجاتے اور وہ ان سے کہتا۔ غلاموں کے مت ہونے کے دن نکٹ ہیں، نیائے جلد آنے والا ہے، دھن کے متوالے چین کی نیند نہ سو سکیں گے، اور دھنی لوگ کتنے کی بھائی دیکھے ہوئے میز کے نیچے بیٹھے رہیں گے اور ان کا جھوٹ کھائیں گے۔ یہ شہ سندیش شہر کے کونے کونے میں گونجنے لگتا اور دھنی سوامیوں کو ہنکا ہوتی کہ کہیں ان کے غلام انجٹ ہو کر بنادت نہ کر بیٹھے۔ تھالیں کا پتا بھی اس سے جلا کرتا تھا۔ وہ کتبست بھاؤں کو گہت رکھتا۔

ایک دن چاندی کا ایک نمک دان جو دیوتاؤں کے یکے کے لیے الگ رکھا ہوا تھا، چوری ہو گیا۔ احمد ہی اپردھی ٹھہرایا گیا۔ اوشیہ اپنے سوامی کو ہانی پہچانے اور دیوتاؤں کا اہمان کرنے کے لیے اس نے یہ ادرم کیا ہے! چوری کو ثابت کرنے کے لیے کوئی پرمان نہ تھا اور احمد پکار پکار کر کہتا تھا۔ مجھ پر دیرتھ ہی یہ دوشرو پن کیا جاتا ہے۔ تس پر بھی وہ عدالت میں کھڑا کیا گیا۔ تھالیں کے پانے کہا، یہ کبھی من لگا کر کام نہیں کرتا۔ نیائے دھیش نے اسے پران دنڈ کا حکم دے دیا۔ جب احمد عدالت سے چلنے لگا تو نیائے دھیش نے کہا۔ اپنے ہاتھوں سے اچھی طرح کام نہیں لیا اس لیے اب یہ صلیب میں ٹھونک دیے جائیں گے۔

احمد نے شافی پورک فیملہ سنا، دینا سے نیائے دھیش کو پرنام کیا اور جب کاراگار میں بند کر دیا گیا۔ اس کے جیون کے کیول تین دن اور تھے اور تینوں دن یہ قیدیوں کو اپدیش دیتا رہا۔ کہتے ہیں اس کے اپدیشوں کا ایسا اثر پڑا کہ سارے قیدی اور جیل کے کچاری مسج کی شرن میں آگئے۔ یہ اس کے اوی چل دھرم انوراگ کا پھل تھا۔

چوتھے دن وہ اسی استھان پر پہنچایا گیا جہاں سے دو سال پہلے تھالیں کو گود میں لیے وہ بڑے آئند سے نکلا تھا۔ جب اس کے ہاتھ صلیب پر ٹھونک دیئے گئے، تو اس نے ”آف“

نک نہ کیا اور ایک بھی لہبہ اس کے منہ سے نہ نکلا! انت میں بولا۔ میں پیاسا ہوں!
تین دن اور تین رات سے اسہائے پران پڑا بھونگی پڑی۔ مانو شریر اتنا دوسرے انگ

وجہ یہ کہ اس کا ہونا تھا۔ بار بار لوگوں کو خیال ہوتا تھا کہ وہ مر گیا، کھیاں آنکھوں پر جمع ہو جاتیں، کتوسہا اس کے رکت ورن نیر کھل جاتے تھے۔ چوتھے دن پرات کال اس نے بالکوں کے سے سرل اور مردودور میں گانا شروع کیا۔ مریم بتا تو کہاں گئی تھی اور وہاں کیا دیکھا؟ تب اس نے مسکرا کر کہا۔

وہ سورگ کے دوت تجھے لینے کو آرہے ہیں، ان کا کھ کتنا تجسوی ہے۔ وہ اپنے ساتھ پھل اور شراب لیے آتے ہیں۔ ان کے پردوں سے کیسی زل، سکھد وایو چل رہی ہے۔ اور یہ کہتے کہتے اس کا پران انت ہو گیا۔

مرنے پر بھی اس کا کھ منزل آتم الآس سے اودپت ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ سپاہی بھی جو صلیب کی رکھشا کر رہے تھے، دست ہو گئے۔ بشپ جیون نے آکر شوکا مریم سنسکار کیا اور عیسائی سودائے نے مہاتما قیودور کی کیرتی کو پرسوئل اکشروں میں اکت کیا۔

احمد کے پران دڈ کے سے قہالیں کا گیارہواں درش پورا ہو چکا تھا۔ اس گھٹنا سے اس کے بردے کو گہرا صدمہ پہنچا۔ اس کی آتما ابھی اتنی پتر نہ تھی کہ وہ احمد کی مرتیو کو اس کے جیون کے سان ہی مبارک سمجھتی، اس کی مرتیو کو اڈھار سمجھ کر پرسیدہ ہوتی۔ اس کے ابھودمن میں یہ بھرانٹ جج آتھن ہوا کہ اس سنسار میں وہی پرانی دیا دھرم کا پالن کر سکتا ہے جو کشن سے کشن یاتائیں سہنے کے لیے تیار رہے یہاں جتنا کا دڈ اوشیہ ملتا ہے اسے شکر سے بھرے ہوتا تھا۔ کہیں میری بھی یہی دشانہ ہو۔ اس کا کول شریر پڑا سہنے سے اسر تھ تھا۔

وہ چھوٹی ہی عمر میں بادشاہ کے یوکوں کے ساتھ کیر بڑا کرنے لگی۔ سندھیا سے وہ بوڑھے آدمیوں کے پیچھے لگ جاتی اور ان سے کچھ نہ کچھ لے مرتی تھی۔ اس بھانٹی جو کچھ ملتا اس سے مضائیاں اور کھلونے مول لیتی۔ پر اس کی لوبھنی ماما چاہتی تھی کہ وہ جو کچھ پائے وہ مجھے دے۔ ماما کی مار سے بچنے کے لیے وہ بہودا گھر سے بھاگ جاتی اور شہر پناہ کی دیوار کی درادوں میں ونیہ جنتوؤں کے ساتھ چھپی رہتی۔

ایک دن اس کی ماما نے اسے اتنی زردیتا سے پٹا کہ وہ گھر سے بھاگی اور شہر کے پھانک کے پاس چپ چاپ پڑی سک رہی تھی کہ ایک بڑھیا اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ تھوڑی دیر تک گمدھ بھاد سے اس کی اور تاکتی رہی اور تب بولی۔ او میری گلاب،

میری گلاب، میری پھول سی بچی! دھنیہ ہے تیرا پتا جس نے تجھے پیدا کیا اور دھنیہ ہے تیری ماما جس نے تجھے پالا۔

تھاپس چپ چاپ بیٹھی زمین کی اور دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھیں لال تھیں، وہ رو رہی تھی۔

بڑھیا نے پھر کہا۔ میری آنکھوں کی پتلی، منی، کیا تیری ماما تجھ جیسی دیو کنیا کو پال پوس کر آئند سے پھول نہیں جاتی، اور تیرا پتا تجھے دیکھ کر گورو سے اُمت نہیں ہو جاتا؟
تھاپس نے اس طرح بھن بھنا کر اثر دیا، مانو من ہی میں کہہ رہی ہے۔ میرا باپ شراب سے پھولا ہوا چپا ہے اور ماما رکت چوسنے والی جونک ہیں۔

بڑھیا نے دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں رہا ہے، تب ہنٹک ہو کر اتھت مردو کٹھ سے بولی۔ ارے میری پیاسی آنکھوں کی جیوتی، او میری کھلی ہوئی گلاب کی کلی میرے ساتھ چلو، کیوں اتنا کٹھ سہتی ہو؟ ایسے ماں باپ کو جھاڑ مارو، میرے یہاں تمہیں ناچنے اور ہنسنے کی سوائے اور کچھ نہ کرنا پڑے گا۔ میں تمہیں شہد کے رس گلے کھلاؤں گی اور میرا بیٹا تمہیں آنکھوں کی پتلی بننا کر رکھے گا، وہ بڑا سندور جھلا جوان ہے، اس کی داڑھی پر ابھی بال بھی نہیں لکے، گوروے رنگ کا کوئل سو بھاؤ کا پیارا لڑکا ہے۔

تھاپس نے کہا۔ میں شوق سے تمہارے ساتھ چلوں گی اور اٹھ کر بڑھیا کے پیچھے شہر کے باہر چلی گئی۔

بڑھیا کا نام میرا تھا۔ اس کے پاس کئی لڑکے لڑکیوں کی ایک منڈلی تھی۔ انہیں اس نے ناچنا، گانا، نقلیں کرنا سکھایا تھا۔ اس منڈلی کو لے کر وہ مگر نگر گھومتی تھی، اور امیروں کے جلسوں میں اب ان کا ناچ گانا کرا کے اچھا پڑ سکا رہا کرتی تھی۔

اس کی چتر آنکھوں نے دیکھ لیا کہ یہ کوئی سادھان لڑکی نہیں ہے۔ اس کا اٹھان کہہ دیتا تھا کہ آگے چل کر وہ اتھت روپ وتی رمنی ہوگی، اس نے اسے کوزے مار کر شگیت اور ہنسل کی ہلکھلا دی۔ جب ستار کے تالوں کے ساتھ اس کے ہیر نہ اٹھتے تو وہ اس کی کوئل پنڈلیوں میں چڑے کے تسمے سے مارتی۔ اس کا پتر جو بھڑا تھا، تھاپس سے دولیش رکھتا تھا، جو اسے استری ماتر سے تھا۔ پر وہ ناچنے میں نقل کرنے میں، منوگت بھاؤوں کو سکیت سین، آکر جیتی دوارا دیکھت کرنے میں، پریم کی کھاتوں کے درشانے میں، اتھت کھل تھا۔ بھڑوں

میں یہ گمن پرایہ ایٹور دت ہوتے ہیں۔ اس نے تھالیں کو یہ دودیا سکھائی، خوشی سے نہیں، بلکہ اس لیے اس ترکیب سے وہ جی بھر کر تھالیں کو گالیاں دے سکتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ تھالیں ناچنے گانے میں بیرون ہوتی جاتی ہے اور رسک لوگ اس کے زتیہ گان سے جتنے گدھ ہوتے ہیں۔ اتنا میرے زتیہ کوشل سے نہیں ہوتے تو اس کی چھاتی پر سانپ کاٹنے لگا۔ وہ اس کے گالوں کو نوچ لیتا، اس کے ہاتھ چیر میں چکیاں کاٹتا۔ پر اس کی جلن سے تھالیں کو لیش ماتر بھی دکھ نہ ہوتا تھا۔ نزدیے دیوہار کا اسے ابھیاس ہو گیا تھا۔ آخری یوکس اس سے بہت آباد شہر تھا۔ میرا جب اس شہر میں آئی تو اس نے رئیسوں سے تھالیں کی خوب پرفہسا کی۔ تھالیں کا روپ لاڈیہ دیکھ کر لوگوں نے بڑے چاؤ سے اسے اپنی راگ رنگ کی مجلسوں میں نمہترت کیا، اور اس کے زتیہ گان پر مہمت ہو گئے۔ شنے شنے یہی اس کا غیہ کا کام ہو گیا۔ زتیہ گان ساہت ہونے پر وہ پرایہ سیٹھ ساہوکاروں کے ساتھ ندی کے کنارے، گھنے کجوں میں دہار کرتی۔ اس سے تک اسے پریم کے مولیہ کا عیان نہ تھا۔ جو کوئی بلاتا اس کے پاس جاتی، مانو کوئی جوہری کا لڑکا دھن راشی کو کوڑیوں کی بھانتی لٹا رہا ہو۔ اس کا ایک ایک کٹا کچھ ہر دے کو کتنا اڈگمن کر دیتا ہے، اس کا ایک ایک کر اسپرش کتنا رومانچ کاری ہوتا ہے، یہ اس کے اکیات یوں کو دوت نہ تھا۔

ایک رات کو اس کا بھرا مگر کے سب سے دھنی رسیک یوکوں کے سامنے ہوا۔ جب زتیہ بند ہوا تو مگر کے پردھان راجیہ کرم چاری کا بیٹا، جوانی کی امنگ اور کام چیتنا سے دیول ہو کر اس کے پاس آیا اور ایسے مدھر سور میں بولا جو پریم رس میں سنی ہوئی تھی۔

تھالیں یہ میرا پریم سو بھاگیہ ہوتا۔ یدی تیرے اکلوں میں گونستی ہوئی پشپ مالا یا تیرے کول شریر کا آہوشن، اتھوا تیرے چرنوں کی پاؤ کا میں ہوتا۔ یہ میری پریم لالسا ہے کہ پاؤ کا کے بھانتی تیرے سندر چرنوں سے کھلا جاتا، میرا پریم آٹکن تیرے سکول شریر کا آہوشن اور تیری اکل راشی کا پشپ ہوتا۔ سندری رضی، میں پرانوں کو ہاتھ میں لیے تیری بیٹھ کرنے کو اسک ہو رہا ہوں۔ میرے ساتھ چل اور ہم دونوں پریم میں گمن ہو کر سنسار کو بھول جائیں۔

جب تک وہ بولتا رہا، تھالیں اس کی اور دبست ہو کر تکتی رہی۔ اسے اکیات ہوا کہ اس کا روپ منوہر ہے۔ اکسمات اسے اپنے ماتھے پر ٹھنڈا پسینہ بہتا ہوا جان پڑا۔ وہ ہری گھاس کی بھانتی آدر ہو گئی۔ اس کے سر میں چکر آنے لگے، آنکھوں کے سامنے میٹھ گھاسی اٹھتی

ہوئی جان پڑی۔ یووک لے پھر وہی پریم آکا نکشیا پرکٹ کی، لیکن تھالیں نے پھر انکار کیا۔ اس کے اثر مضر، اس کی پریم یا چننا سب ٹھیک ہوئی، اور جب اس نے ادھر ہو کر اسے اپنی گود میں لے لیا اور بلات سمجھ لے جانا چاہا تو اس نے نطھرتا سے اسے ہٹا دیا۔ تب وہ اس کے سامنے بیٹھ کر رونے لگا۔ پر اس کے بردے میں ایک نوین، اگیات اور آکھشت جیتھیا اوت ہو گئی تھی۔ وہ اب بھی ڈرا گرہ کرتی رہی۔

مہانوں نے سنا تو بولے۔ یہ کیسی بگلی ہے؟ لولس کولین، روپ وان، وئی ہے، اور یہ ناچنے والی یودی اس کا ایمان کرتی ہے!

لولس اس رات گھر لوٹا تو پریم مہ سے متوالا ہو رہا تھا۔ پرانہ کال وہ پھر تھالیں کے گھر آیا، تو اس کا مکھ وورن اور آنکھیں لال تھیں، اس نے تھالیں کے دوار پر پھولوں کی مالا چڑھائی۔ لیکن تھالیں بیسے بھٹ اور اشانت تھی، اور لولس سے منہ چھپاتی رہتی تھی۔ پھر بھی لولس کی سرتی ایک جھن کے لیے بھی اس کی آنکھوں سے نہ اترتی۔ اسے دیدنا ہوتی تھی پر وہ اس کا کارن نہ جانتی تھی۔ اسے اٹھر یہ ہوتا تھا کہ میں اتنی کھن اور انیہ شک کیوں ہو گئی ہوں۔ یہ انیہ سب پریمیوں سے دور بھاگتی تھی۔ ان سے اسے گھرنا ہوتی تھی۔ اسے دن کا پرکاش اچھا نہ لگتا، سارے دن اکیلے بچاؤں پر پڑی، نیچے میں منہ چھپائے رویا کرتی۔ لولس کئی بار کسی نہ کسی بکٹی سے اس کے پاس پہنچا، پر اس کا پریم گرہ، رونا دھونا، ایک بھی اسے نہ کھلا سکا۔ اس کے سامنے وہ تاک نہ سکتی، کیول یہی کہتی۔ نہیں، نہیں۔

لیکن ایک پکھش کے بعد اس کی ضد جاتی رہی۔ اسے گیات ہوا کہ میں لولس کے پریم پاش میں پھنس گئی ہوں۔ وہ اس کے گھر گئی اور اس کے ساتھ رہنے لگی۔ اب ان کے آند کی سیما نہ تھی۔ دن بھر ایک دوسرے سے آنکھیں ملائے بیٹھے پریمالاپ کیا کرتے تھے۔ سندھیا کوندی کے نیروز جن تھ پر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ٹہلتے۔ کبھی کبھی آرون اوسے کے سے اٹھ کر پہاڑیوں پر سنبل کے پھول بنورنے چلے جاتے۔ ان کی تھانی ایک تھی۔ پیالہ ایک تھا، میز ایک تھی۔ لولس اس کے منہ کے انگوڑ نکال کر اپنے منہ میں کھا جاتا۔

تب میرا لولس کے پاس آکر رونے پینے لگی کہ میری تھالیں کو چھوڑ دو۔ وہ میری بیٹی ہے، میری آنکھوں کی پتلی! میں نے اسی اور سے اسے نکالا، اس گود میں اس کا لالین پالن کیا اور اب تو اسے میری گود سے جھین لینا چاہتا ہے۔

لولس نے اسے پھر دھن دے کر دوا کیا، لیکن جب وہ دھن ترشنا سے لوٹ ہو کر پھر آئی تو لولس نے اسے قید کر دیا۔ نیاے ادھیکاریوں کو گمیاں ہوا کہ وہ کتنی ہے، بھولی لڑکیوں کو بہکا لے جاتا ہی اس کا ادھم ہے تو اسے پران دڈ دے دیا اور وہ جنگلی جانوروں کے سامنے پھینک دی گئی۔

لولس اپنی اکھنڈ سپورن کا منا سے تھالیں کو پیار کرتا تھا۔ اس کی پریم کلپنا نے ویراٹ روپ دھارن کر لیا تھا، جس سے اس کی کشور چیتنا سنھک ہو جاتی تھی۔ تھالیں اتنے کرن سے کہتی، 'میں نے تمھارے سوائے اور کسی سے پریم نہیں کیا۔'

لولس بھواب دیتا۔ تم سنسار میں اودیتیہ ہو۔ دونوں پر چھ مہینے تک یہ نشہ سوار رہا۔ انت میں ٹوٹ گیا۔ تھالیں کو ایسا جان پڑتا کہ میرا ہر دے شونہ اور نرجن ہے۔ وہاں سے کوئی چیز غائب ہو گئی ہے۔ لولس اس کی درشتی نہیں کچھ اور معلوم ہوتا تھا۔ وہ سوچتی۔ مجھ میں سہا یہ اتر کیوں ہو گیا؟ یہ کیا بات ہے کہ لولس اب اور مٹھیوں کا سا ہو گیا ہے۔ اپنا سامیں رہا؟ مجھے کیا ہو گیا ہے؟

یہ دشا اسے اسہائے پر تیت ہونے لگی۔ اکھنڈ پریم کے آسودن کے بعد اب یہ نیرس، خشک، دیا پار اس کی ترشنا کو ترپت نہ کر سکا۔ وہ اپنے کھوئے ہوئے لولس کو کسی انیہ پرانی میں کھونے کی گپت اچھا کو ہر دے میں چھپائے ہوئے، لولس کے پاس سے چلی گئی۔ اس نے سوچا پریم رہنے پر بھی کسی پرش کے ساتھ رہنا اس آدمی کے ساتھ رہنے سے کہیں سکھ کر ہے جس سے اب پریم نہیں رہا۔ وہ پھر نگر کے وشے بھوگیوں کے ساتھ ان دھرم اتسوں میں جانے لگی جہاں دسترین یودیتاں مندروں میں زرتیہ کیا کرتی تھیں، یا جہاں ویشیاؤں کے غول کے غول ندی میں تیرا کرتے تھے۔ وہ اس دلاس پر یہ اور رتیلے نگر کے راگ رنگ میں دل کھول کر بھاگ لینے لگی۔ وہ بڑے رنگ شالاؤں میں آتی جہاں چڑکویے اور زنبک دیش دیشاتروں سے آکر اپنے کرتب دکھاتے تھے اور اچبتا کے بھو کے درنک ورنہ واہ واہ کی دھونی سے آسمان سر پر اٹھا لیتے تھے۔

تھالیں گانگیوں، ابھی نیتاؤں، دیشیہ ان استریوں کے چال ڈھال کو بڑے دھیان سے دیکھا کرتی تھی جو دو کھانت ناکوں میں مٹھی سے پریم کرنے والی دیویوں یا دیوتاؤں سے پریم کرنے والی استریوں کا ابھینے کرتی تھیں۔ فیکھر ہی اسے وہ لٹکے معلوم ہو گئے، جن

کے دوارا وہ پاترائیں درخکوں کا من ہر لیتی تھیں، اور اس نے سوچا، کیا میں جو ان سیوں سے روپ وتی ہوں۔ ایسا ہی اچھینے کر کے درخکوں کو پرسن نہیں کر سکتی؟ وہ رنگ شالا دیوستھاپک کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ مجھے بھی اس ہادیہ منڈلی میں سمیٹ کر لیجیے۔ اس کے سوندریہ نے اس کی پورو ہکشا کے ساتھ مل کر اس کی سفارش کی۔ دیوستھاپک نے اس کی پراتھنا سوکار کر لی اور وہ پہلی بار رنگ منچ پر آئی۔

پہلے درخکوں نے اس کا بہت آشا جبک سواگت نہ کیا۔ ایک تو اس کام میں ابھیت نہ تھی، دوسرے اس کی پرھنسا کے پل باندھ کر جتنا کو پہلے ہی سے اتسک نہ بنایا گیا تھا۔ لیکن کچھ دنوں تک گوڑ چہیڑوں کا پارٹ کھیلنے کے بعد اس کے یودن نے وہ ہاتھ پاؤں نکالے کہ سارا مگر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ رنگ شالا میں کہیں تل رکھنے بھر کی جگہ نہ بچتی۔ مگر کے بڑے بڑے حاکم، رئیس، امیر، لوک مت کے پر بھاو رنگ شالا میں آنے پر مجبور ہوئے۔ شہر کے چوکی دار، پلنے دار، مہتر، گھاٹ کے مزدور، دن دن بھر اپواس کرتے تھے کہ اپنی جگہ سرکشیت کرا لیں۔ کوئی جن اس کی پرھنسا میں کویت کہتے۔ لمبی داڑھیوں والے دیگیان شاستری دیایام شالاؤں میں اس کی نندا اور ہیکشا کرتے جب اس کا تام جھام سڑک پر سے نکلتا تو عیسائی پادری منہ پھیر لیتے تھے۔ اس کے دواری کی چوکھٹ پشپ ملاؤں سے ڈھکی رہتی تھی۔ اپنے پریمیوں سے اسے اتنا اٹل دھن ملتا کہ اسے گننا مشکل تھا۔ ترازو پر تول لیا جاتا تھا۔ کرپن بوڑھوں کی سگرہ کی ہوئی سمت سمجھتی اس کے اوپر کوڑیوں کی بھانجی لٹائی جاتی تھی پر اسے گرو نہ تھا۔ اینٹھ نہ تھی۔ دیوتاؤں کی کرپا درشی اور جتنا کی پرھنسا دھونی سے اس کے ہر دیے کو گورو یکت آند ہوتا تھا۔ سب کی پیاری بن کر وہ اپنے کو پیار کرنے لگی تھی۔

کئی ورش تک اینٹی اوک واسیوں کے پریم اور پرھنسا کا سکھ اٹھانے کے بعد اس کے من میں پر بل اوٹکشا ہوئی کہ اسکندریہ چلوں اور اس عمر میں اپنا ٹھاٹ باٹ دکھاؤں، جہاں بچپن میں میں تنگی اور بھوکہ دیر اور ڈر بل سڑکوں پر ماری ماری پھرتی تھی اور گلیوں کی خاک چھانچتی تھی۔ اسکندریہ آنکھیں بچھائے اس کی راہ دیکھتا تھا۔ اس نے بڑے ہرش سے اس کا سواگت کیا اور اس پر سوتی برسائے! وہ کرپڑا بھومی میں آتی تو دھوم مچ جاتی۔ پریمیوں اور ولاسیوں کے مارے اسے سانس نہ ملتی، پر وہ کسی کو منہ نہ لگاتی۔ دوسرا، لوکس اسے جب نہ ملا تو اس نے اس کی چتا ہی جھوڑ دی۔ اس سورگ سکھ کی اب اسے آشا نہ تھی۔

اس کے انیہ پریموں میں تو گیانی نسیاس بھی تھا جو درکت ہونے کا دعویٰ کرنے پر بھی اس کے پریم کا لٹھک تھا۔ وہ دھن وان تھا پر انیہ دھن چتوں کی بھانجی اہمیانی اور مند بھمی نہ تھا۔ اس کے سوبھاد میں دنے اور سوبارد کی آہما جھلکتی تھی، کنتو اس کا مدھر ہاسیہ اور مرد کلپنا نسیں اسے رجھانے میں سہل نہ ہوتیں۔ اسے نسیاس سے پریم نہ تھا، کبھی کبھی اس کے سوبھاشتوں سے اسے چڑھ ہوتی تھی۔ اس کے ہڈکا داد سے اس کا چت و گیر ہو جاتا تھا، کیوں کہ نسیاس کی شر دھا کسی پر نہ تھی اور تھالیں کی شر دھا سبھی پر تھی۔ وہ اینشور پر، بھوت پریتوں پر، جادو ٹونے پر، جنتر منتر پر، پورا دشواس کرتی تھیں۔ اس کی بھگتی پر بھومج پر بھی تھی، سیام والوں کی پنچیا دیوی پر بھی اسے دشواس تھا کہ رات کو جب اُنک پریت گلیوں میں نکلتا ہے تو کتیاں بھونکتی ہیں۔ مارن، اچھاٹن، دشی کرن کے ودھانوں پر اور بھگتی پر اسے اٹل دشواس تھا۔ اس کا چت اگیات کے لیے اتسک رہتا تھا۔ وہ دیوتاؤں کی منوتیاں کرتی تھی اور سد یو سجا شادوں میں مگن رہتی تھی۔ بھوشیہ سے وہ سٹنک رہتی تھی، بھر بھی اسے جانا چاہتی تھی۔ اس کے یہاں او جھے، سیانے، تاتزک، منتر جگانے والے، ہاتھ دیکھنے والے جمع رہتے تھے۔ وہ ان کے ہاتھوں پیہ دھوکہ کھاتی پر سترک نہ ہوتی تھی۔ وہ موت سے ڈرتی تھی اور اس سے سترک رہتی تھی۔ سکھ بھوگ کے سے بھی اسے بھے ہوتا تھا کہ کوئی نزدے کھور ہاتھ اس کا گلا دبانے کے لیے بڑھا آتا ہے اور وہ چلا اٹھتی تھی۔

نسیاس کہتا تھا۔ پریم، ایک ہی بات ہے، چاہے ہم زگن اور جرر ہو کر مہارتری کی گود میں سا جائیں، اتھوا یہیں بیٹھے، آنند بھوگ کرتے، ہنستے کھیلتے، سنار سے پرستان کر جائیں۔ جیون کا اُدھے سکھ بھوگ ہے۔ آؤ جیون کی بہار لوٹیں۔ پریم سے ہمارا جیون سہل ہو جائے گا۔ اندریوں دوارا پراپت گیان ہی تمہارے گیان ہے۔ اس کے سوائے سب مٹھیا ہے، دھوکہ ہے۔ پریم ہی سے گیان پراپت ہوتا ہے، جس کا ہم کو گیان نہیں، وہ کیول کلپنا ہے۔ مٹھیا کے لیے اپنے جیون سکھ میں کیوں بادھا ڈالیں؟

تھالیں سروش ہو کر اثر دیتی۔ تم جیسے منٹھیوں سے بھگوان بچائے، جنھیں کوئی آشا نہیں، کوئی بھے نہیں۔ میں پرکاش چاہتی ہوں، جس سے میرا اندہ کرن چمک اٹھے۔

جیون کے رسیہ کو بھننے کے لیے اس نے درشن گرنھوں کو پڑھنا شروع کیا، پر وہ اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ جیون جیوں بالیہ اوستھا اس سے دور ہوتی جاتی تھی، تیوں تیوں اس کی یاد

اسے وکل کرتی تھی۔ اسے راتوں کو بھیس بدل کر ان سڑکوں، گلیوں، چوراہوں پر گھومنا بہت پرے معلوم ہوتا جہاں اس کا بچپن اتنے دکھ سے کٹا تھا۔ اسے اپنے ماما پتا کے مرنے کا دکھ ہوتا تھا، اس کارن اور بھی کہ وہ انھیں پیار نہ کر سکی تھی۔

جب کسی عیسائی پوجک سے اس کی بھیٹ ہو جاتی تو اسے اپنا جسم یاد آتا اور چت اشانت ہو جاتا۔ ایک رات کو وہ ایک لمبا لبادہ اوڑھے، سندر کیٹوں کو ایک کالے ٹوپ سے چھپائے، شہر کے باہر وچ رہی تھی کہ سہا وہ ایک گر جا گھر کے سامنے پہنچ گئی۔ اسے یاد آیا، میں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہے۔ کچھ لوگ اندر جا رہے تھے اور دیوار کی دراروں سے نکل پرکاش ریکھائیں باہر جھانک رہی تھیں۔ اس میں کوئی نوین بات نہ تھی، کیوں کہ ادھر لگ بھگ بیس درشوں سے عیسائی دھرم میں کوئی دھن بادھا نہ تھی۔ عیسائی لوگ زاپد روپ اپنے دھرم اتسو کرتے تھے۔ لیکن ان بھجوں میں اتنی انورکت کروں سورگ دھوئی تھی، جو مر م استقل میں چکیاں لیتی ہوئی جان پڑتی تھیں۔ تھائیں اتہ کارن کے وشی بھوت ہو کر اس طرح دوار کھول کر بھیت کھس گئی مانو کسی نے اسے بلایا ہے۔ وہاں اسے بال، وردھ نراریوں کا ایک بڑا سواہ ایک ساڑھی کے سامنے سجدہ کرتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ قبر کیول پتھر کی ایک تابوت تھی، جس پر انگور کے پتھوں اور بیلوں کا آکار بنے ہوئے تھے۔ پر اس پر لوگوں کی ایم شردھا تھی۔ وہ بھجور کی ٹھنیوں اور گلاب کی پشپ مالاؤں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ چاروں طرف دیپک جل رہے تھے اور اس کے لمپن پرکاشن میں لوبان، اود آدی کا دھواں سورگ دوتوں کے دستروں کی تہوں سا دکھتا تھا، اور دیوار کے چتر سورگ کے درشیوں کے سے کئی شوت دستردھاری پادری قبر کے پیروں پر پیٹ کے بل پڑے ہوئے تھے۔ ان کے بچن دکھ کے آئند کو پرکٹ کرتے تھے اور اپنے شوک لاس میں دکھ اور سکھ، ہرش اور شوک کا ایسا سادیش کر رہے تھے کہ تھائیں کو ان کے سننے سے جیون کے سکھ اور مرتیو کے بھے، ایک ساتھ ہی کسی جل سڑوت کی بھانٹی اپنی پھٹ استایوں میں بچتے ہوئے جان پڑے۔

جب گانا بند ہوا تو بھگت جن اٹھے اور ایک قطار میں قبر کے پاس جا کر اسے چوما۔ یہ سامانیہ پرانی تھے، جو بھجوری کر کے نزواہ کرتے تھے۔ کیا ہی دھیرے دھیرے پگ اٹھاتے، آنکھوں میں آنسو بھرے، سر جھکائے، وہ آگے بڑھتے اور باری باری سے قبر کی پرکھما کرتے تھے۔ استریوں نے اپنے بالکوں کو گود میں اٹھا کر قبر پر ان کے اٹھ رکھ دیے۔

تھالیں نے دسرت اور چنٹ ہو کر ایک پادری سے پوچھا۔ پوچھتا ہوا یہ کیسا ساروہ ہے؟

پادری نے اثر دیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم آج سنت تھیوڈور کی جنینی منا رہے ہیں؟ ان کا جیون پوتر تھا۔ انھوں نے اپنے کو دھرم کی لمبی دیدی پر چڑھا دیا، اور اسی لیے ہم شویت دستر پہن کر ان کی سادھی پر لال گلاب کے پھول چڑھانے آئے ہیں۔

یہ سنتے ہی تھالیں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور زور سے رو پڑی۔ احمد کی اردھ دسرت سریتاں جاگرت ہو گئیں۔ اس دین، دکھی آجھاگے پرانی کی کیرتی کتنی بقول ہے! اس کے نام پر دیکھ جلتے ہیں، گلاب کی لپٹیں آتی ہیں، ہون کے سنگدھت دھوئیں اٹھتے ہیں، بیٹھے سوروں کا ناد ہوتا ہے اور پوتر آتماںیں مسک جھکاتی ہیں۔ تھالیں نے سوچا اپنے جیون میں وہ پیپہ آتما تھا، پر اب وہ پوچھے اور اوپاسیہ ہو گیا ہے! وہ آئیہ پرانیوں کی لپیکشا کیوں اتنا شردھا سپد ہے؟ وہ کون سی اگنیت دستو ہے جو دھمن اور بھوگ سے بھی بہو مولیہ ہے؟

وہ آہستہ سے اٹھی اور اس سنت کی سادھی کی اور چلی جس نے اسے گود میں کھلایا تھا۔ اس کی اپورو آنکھوں میں بھرے ہوئے اشرو بندو دیکھ کے آلوک میں چمک رہے تھے۔ تب وہ سر جھکا کر دین بھاو سے قبر کے پاس گئی اور اس پر اپنے ادھروں سے اپنی ہاردک شردھا انکیت کر دی۔ اٹھی ادھروں سے جو اگنت ترشناؤں کا کیر بڑا شیر تھے!

جب وہ گھر آئی تو نیاس کو بال سنوارے، دستروں میں سنگدھ لٹیں قبا کے بند کھولے بیٹھے دیکھا۔ وہ اس کے انتظار میں سے کانٹے کے لیے ایک نیتی گرنٹھ پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ ہائیں کھولے اس کی اور بڑھا اور مردوہاسیہ سے بولا۔ کہاں گئیں تمہیں، چچلا دیوی؟ تم جانتی ہو تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوا، میں اس نیتی گرنٹھ میں کیا پڑھ رہا تھا؟ نیتی کے واکیہ اور شدھا چرن کے اپدیش؟ کدا لپی نہیں، گرنٹھ کے چوں پر اکثروں کی جگہ اگنت جھوٹی جھوٹی تھالیں زتیہ کر رہی تھیں۔ ان میں سے ایک بھی میری انگلی سے بڑی نہ تھی، پر ان کی جھوٹی آپار تھی اور سب ایک ہی تھالیں کا پر تھی بسب تھیں۔ کوئی تو رن جزت دستر پہنے اکڑتی ہوئی چلتی تھی، کوئی شویت میگھ سموہ کے سدوش سوچھ آدرن دھارن کئے ہوئے تھی؛ کوئی ایسی بھی تھی جن کی ٹکٹھا ہردے میں دانسا کا سچا کرتی تھیں۔ سب کے پیچھے دو، ایک ہی رنگ روپ کی تھیں۔ اتنی انوروپ کی ان میں مجید کرنا کھن تھا۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے

تھیں، دونوں ہی ہنستی تھیں۔ پہلی کہتی تھی۔ میں پریم ہوں۔ دوسری کہتی تھی۔ میں نرتیہ ہوں۔ یہ کہہ کر نیاس نے تھاپس کو اپنے کرپاش میں کھینچ لیا۔ تھاپس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ نیاس کو یہ گیان نہ ہو سکا کہ ان میں کتنا روش بھرا ہوا ہے۔ وہ اسی بھائی شکتیاں کی ورشا کرتا رہا، اس بات سے بے خبر کہ تھاپس کا دھیان ہی ادھر نہیں ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ جب میری آنکھوں کے سامنے یہ شبد آئے۔ 'اپنی آتم شرمی کے مارگ میں کوئی بادھامت آنے دو تو میں نے پڑھا' تھاپس کے ادھر اپرش آگئی سے داہک اور مدھو سے مدھر ہے اسی بھائی ایک پنڈت دوسرے پنڈتوں کے وچاروں کو الٹ پلٹ دیتا ہے اور یہ تمھارا ہی دوش ہے۔ یہ سر دھماستہ ہے کہ جب تک ہم وہی ہیں جو ہیں، تب تک ہم دوسروں کے وچاروں میں اپنے ہی وچاروں کی جھلک دیکھتے رہیں گے۔

وہ اب بھی ادھر مخاطب نہ ہوئی اس کی آتما ابھی تک حبشی کی قبر کے سامنے جھکی ہوئی تھی۔ سہا اے آہ بھرتے دیکھ کر اس نے اس کی گردن کا چمبن کر لیا اور بولا۔ پرے، سنار میں سکھ نہیں ہے جب تک ہم سنار کو بھول نہ جائیں۔ آؤ، ہم سنار سے چھل کریں، چھل کر کے اس سے سکھ لیں۔ پریم میں سب کچھ بھول جائیں۔

لیکن اس نے اسے پیچھے ہٹا دیا اور وجھت ہو کر بولی۔ تم پریم کا مرم نہیں جانتے! تم نے کبھی کسی سے پریم نہیں کیا ہے۔ میں تھیں نہیں چاہتی، ذرا بھی نہیں چاہتی۔ یہاں سے چلے جاؤ، مجھے تم سے گھرنا ہوتی ہے۔ ابھی چلے جاؤ، مجھے تمھاری صورت سے نفرت ہے۔ مجھے ان سب پرانیوں سے گھرنا ہے جو دھنی ہیں، آند بھوگی ہیں، جاؤ، جاؤ۔ دیا اور پریم انھیں میں ہے جو ابھاگے ہیں۔ جب میں چھوٹی تھی تو میرے یہاں ایک حبشی تھا جس نے سلیب پر جان دی۔ وہ بچن تھا، وہ جیون کے رمبیوں کو جانتا تھا۔ تم اس کے چرن دھونے یگیہ بھی نہیں ہو۔ چلے جاؤ۔ تمھارا استریوں کا سا سنگار مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ پھر مجھے اپنی صورت مت دکھانا۔

یہ کہتے کہتے وہ فرش پر منہ کے بل گر پڑی اور ساری رات رو کر کاٹی۔ اس نے سنگپ کیا کہ میں سنت تھیوڈور کی بھائی دین اور دریدر دشا میں جیون وقیت کر دوں گی۔ دوسرے دن وہ پھر انھی دانساؤں میں لپٹ ہو گئی جن کی اسے چاٹ پڑ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی روپ شوبھا ابھی پورے تیز پر ہے، پر استھائی نہیں۔ اسی لیے اس کے دوارا

جتنا سکھ اور جتنی کھیاتی پراہت ہو سکتی تھی اسے پراہت کرنے کے لیے وہ ادھر ہو اٹھی۔ قمیض میں وہ پہلے کی لٹیکھا اور دیر تک بیٹھ کر پستکا ولوکن کیا کرتی، وہ کوہوں مورتی کاروں اور چڑکاروں کی کلپناؤں کو جھوٹا بنا دیتی تھی۔ دودانوں اور تھوگیاہوں کو اس کی مٹی، اچھ و نیاس اور اس پر اکریٹک مادہ ورے کی جھلک نظر آتی تھی جو سمت سنار میں دیا پاک۔ ہے اور ان کے وچار میں ایسی اپوروشوہا سویم ایک پوتر دستو روپ میں اس کی اپانا کرتا تھا، کوئی کسی روپ میں۔ کوئی اسے بھوگیہ سمجھتا تھا۔ کوئی اسٹھیہ اور کوئی پوجیے۔ کتو اس پریم، بھگتی اور شردها کی پاترا ہو کر بھی وہ دکھی تھی، مرتیو کی ہڈکا اسے اب اور بھی ادھیک ہونے لگی۔ کسی دستو سے اسے اس ہڈکا سے نورختی نہ ہوتی۔ اس کا وشال بھون اور اپون بھی، جن کی شوہا اکھینے تھی اور جو سمت نگر میں جن شرودتی بنے ہوئے تھے، اسے آشوت کرنے میں آسھل تھے۔

اس اپون میں ایران اور ہندوستان کے درکھش تھے، جن کے لانے اور پالنے میں اپریت دھن دیے ہوا تھا۔ ان کی بچائی کے لیے ایک نزل جل دھارا بہائی گئی تھی۔ سیپ ہی ایک بھیل بنی ہوئی تھی۔ جس میں ایک گسل کلاکار کے ہاتھوں سجائے ہوئے ستمہ جھہ اور کرتم پہاڑوں تک تھ پر کی سندر مورتیوں کا پر تیبب دکھائی دیتا تھا۔ اپون کے مدھہ میں ”پریوں کا کج“ تھا۔ یہ نام اس لیے پڑا تھا کہ اس بھون کے دوار پر تین پورے قد کی استریوں کی مورتیاں کھڑی تھیں۔ وہ سنک ہو کر پیچھے تاک رہی تھی کہ کوئی دیکھتا نہ ہو۔ مورتی کار نے ان کی چتوں دورا مورتیوں میں جان ڈال دی تھی۔ بھون میں جو پرکاش آتا تھا وہ پانی کی پتی چادروں سے چھن کر مدھم اور رنگین ہو جاتا تھا۔ دیواروں پر بھانتی بھانتی کلی کی جھالیں، مالائیں اور چڑ لٹکے ہوئے تھے۔ سچ میں ایک ہاتھی دانت کی پر مٹوہر مورتی تھی، جو لیساس نے بھینٹ کی تھی۔ ایک تپائی پر ایک کالے پاشان کی بکری کی مورتی تھی، جس کی آنکھیں نیلم کی بنی ہوئی تھیں۔ اس کے تھنوں کو گھیرے ہوئے چھ چینی کے بچے کھڑے تھے، لیکن بکری اپنے پٹھے ہوئے کھراٹھا کر اوپر کی پہاڑی پر اچھ جانا چاہتی تھی۔ فرش پر ایرانی قالینیں بچھی ہوئی تھیں۔ مسندوں پر کیتھے کے بنے ہوئے سنہرے تیل بوئے تھے۔ سونے کے دھوپ دان سے سنگدھت دھونیں اٹھ رہے تھے اور بڑے بڑے چینی گلوں میں پھولوں سے لدے ہوئے پودے سجائے ہوئے تھے۔ سرے پر اودی چھایا میں ایک بڑے ہندوستانی کھوے کے سنہرے بگ چمک رہے تھے جو پیٹ کے بل الٹ دیا گیا تھا۔ یہی

تھالیں کا ٹھینا کار تھا۔ اسی کچھوے کے پیٹ پر لیٹی ہوئی وہ شگدھ اور جھاٹ اور سسما کا آئندہ اضافی تھی۔ متروں سے بات چیت کرتی تھی اور یا تو ابھینے کلا کا من کرتی تھی یا بیتے ہوئے دنوں کا۔

تیسرا پہرہ تھا۔ تھالیں پریوں کے کج میں ٹھین کر رہی تھی۔ اس نے آئینے میں اپنے سوندریہ کی اونٹنی کے پر تم چہرہ دیکھے تھے، اور اسے اس دھار سے بیڑا ہو رہی تھی کہ جھریوں اور شویت بالوں کا آکر من ہونے والا ہے۔ اس نے اس دھار سے اپنے کو آسٹا من دینے کی دھل چھٹا کی کہ میں جڑی بوٹیوں کے ہون کر کے متروں دورا اپنے من کی کو ملتا کو بھر سے پراپت کر لوں گی۔ اس کے کانوں میں ان شہدوں کے زردیے دھونی آئی۔ تھالیں، تو بڑھیا ہو جائے گی۔ مجھے سے اس کے ماتھے پر ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ آگیا۔ جب اس نے پُند اپنے کو سنبھال کر آئینے میں دیکھا اور اسے گیات ہوا کہ میں اب بھی پرم سندری اور پریسی بننے کے یوگیہ ہوں۔ اس نے پولکٹ من سے مسکرا کر اپنے من میں کہا۔ آج بھی اسکندریہ میں ایسی رضی نہیں ہے۔ جو انگوں کی چپٹا اور لپک میں مجھ سے ٹکر لے سکے۔ میری ہانہوں کی شوبہ اب بھی ہر دے کو کھینچ سکتی ہے۔ تھارتھ میں یہی پری کا پاش ہے۔

وہ اسی دھار میں مگن تھی کہ اس نے ایک اپرچٹ منہیہ کو اپنے سامنے آتے دیکھا، اس کی آنکھوں میں جوالا تھی۔ داڑھی بڑی ہوئی تھی اور دستر بہو تولیہ تھے۔ اس کے ہاتھ سے آئینہ چھوٹ کر گر پڑا اور وہ مجھے سے چچ اٹھی۔ پاپ ٹاشی آسمت ہو گیا۔ اس کا اپور و سوندریہ دیکھ کر اس نے شدہ انت کرن سے پراعتنا کی۔ بھگوان مجھے ایسی شکتی دیجیے کہ استری کا کھ مجھے لبد نہ کرے، ورن تیرے اس داس کی پرتلیا کو اور بھی درڑھ کرے۔

جب وہ اپنے کو سنبھال کر بولا۔ تھالیں میں ایک دور دیش میں رہتا ہوں۔ تیرے سوندریہ کی پرفسنا سن کر تیرے پاس آیا ہوں۔ میں نے سنا تھا تم سے چتر ابھی ہتری اور تم سے مگدھ کر استری سنار میں نہیں ہے۔ تمہارے پریم رمسیوں اور تمہارے دمن کے دے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ آٹھریہ جنک ہے۔ اور اس سے ”رڈوڈپ“ کی کھایا د آتی ہے۔ جس کی کیرتی کو نیل کے ٹانھی نیہہ گایا کرتے ہیں۔ اس لیے مجھے بھی تمہارے درشنوں کی ابھی لاشا ہوئی اور میں اب دیکھتا ہوں کہ پرتیکھش سنی سنائی باتوں سے کہیں بڑھ کر ہے، جتنا مشہور ہے اس سے تم ہزار گنا چتر اور موٹی ہو۔ داستو میں تمہارے سامنے بنا متوالوں کی بھاتی

ڈمگائے آنا سمجھو ہے۔

یہ شہد کرتیم تھے، کٹھن یوگی نے پوتر بھگتی سے پر بھات ہو کر سچے جوش سے ان کا اچھارن کیا۔ قہالیں نے پرسید ہو کر اس وچتر پرانی کی اور تاکا، جس سے وہ پہلے مجھے بھیت ہو گئی تھی۔ اس کے ابھدر اور ادھڑ دلش نے اسے دست کر دیا۔ اسے اب تک جتنے مٹیہ لے تھے۔ یہ ان سیوں سے زالا تھا۔ اس کے من میں ایسے ادھ بدھ پرانی کے جیون ورنانت جاننے کی پریل اٹکنٹھا ہوئی۔ اس نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ ”مہاشے“ آپ پریم پردرشن میں بڑے کسل معلوم ہوتے ہیں۔ ہوشیار رہنے گا کہ میری چتونیں آپ کے ہردے کے پار نہ ہو جائیں۔ میرے پریم کے میدان میں ذرا سنبھل کر قدم رکھیے گا۔

پاپ ناشی بولا۔ قہالیں مجھے تم سے آگھات پریم ہے۔ تم مجھے جیون اور آتما سے بھی پر یہ ہو۔ تمہارے لیے میں نے دنیہ جیون چھوڑا ہے۔ تمہارے لیے میں نے ہونؤں سے جنسوں نے مون ورت دھارن کیا تھا اپوتر شہد لکھے ہیں۔ تمہارے لیے میں نے وہ دیکھا جو نہ دیکھنا چاہیے تھا۔ وہ سنا ہے جو میرے لیے ورجت تھا، تمہارے لیے میری آتما ترپ رہی ہے۔ میرا ہردے ادھیر ہو رہا ہے اور جل سروت کی بھاتی وچار کی دھارائیں پرواہت ہو رہی ہیں۔ تمہارے لیے میں اپنے ننگے پیر سرپوں اور پھوؤں پر رکتے ہوئے بھی نہیں ہچکا ہوں۔ اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ مجھے تم سے کتنا پریم ہے۔ لیکن میرا پریم اس مٹیہ کا سانبھیں جو واسنا کی آگنی سے جلتے ہوئے تمہارے پاس جو کھٹکھی دبا گھوں کی، اور ان مت ساڈوں کی بھاتی دوڑے آتے ہیں۔ ان کا وہی پریم ہوتا ہے جو سٹکھ کو مرگ شاوک سے۔ ان کی پاشوک کام لپٹا تمہاری آتما کو بھی بھسی بھوت کر ڈالیں گی۔ میرا پریم پوتر ہے، انت ہے، استھائی ہے، میں تم سے ایٹور کے نام پر ستیہ کے نام پر پریم کرتا ہوں۔ میرا ہردے پتو اذھار اور ایٹوریہ دیا کے بھاد سے پری پورن ہے۔ میں تمہیں پھلوں کی ڈھکی ہوئی شراب کی مستی سے اور ایک الپ راتری سکھ سوہن سے کہیں اتم پدھارتوں کا وچن دینے آیا ہوں۔ میں تمہیں مہا پرما اور سدھارس پان کا نمترن دینے آیا ہوں۔ میں تمہیں اس آند کا سکھ سنواد سنانے آیا ہوں جو نیہ، امر، اکھنڈ ہے۔ مرتیو لوک کے پرانی یدی اس کو دیکھ لیں تو آشچریہ سے بھر جائیں۔

قہالیں نے کلل ہاسیہ کر کے اثر دیا۔ متر یدی وہ ایسا آدھ بھت پریم ہے تو ترنت دکھا

دو ایک چمن بھی دلہ نہ کرو۔ لمبی لمبی دکتراؤں سے میرے سوندریہ کا اچھان ہوگا۔ میں آنند کا سواد اٹھانے کے لیے رو رہی ہوں۔ کنتو جو میرے دل کی بات پوچھو، تو مجھے بھسے ہے کہ مجھے اس کوری پر ہنسا کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ وعدے کرنا آسان ہے، انھیں پورا کرنا مشکل ہے۔ سبھی منشیوں میں کوئی نہ کوئی گن و شیش ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم وانی میں بیرون ہو۔ تم ایک اگیاں پریم کا وجہ دیتے ہو۔ مجھے دیا پار کرتے اتنے دن ہو گئے اور اس کا اتنا انوبھو ہو گیا کہ اب اس میں کسی نویشا کی کسی رمسیہ کی آشنا نہیں رہی۔ اس دشنے کا گیان پریمیوں کو دارشکوں سے ادھک ہوتا ہے۔“

تھالیس، دل لگی کی بات نہیں ہے، میں تمہارے لیے اچھوتا پریم لایا ہوں۔
تم بہت دیر میں آئے متر۔ میں سبھی پرکار کے پریمیوں کا سواد لے چکی ہوں۔
میں جو پریم لایا ہوں وہ لغول ہے۔ شریہ ہے۔ تمہیں جس پریم کا انوبھو ہوا ہے وہ نندھ اور تیاجیہ ہے۔

تھالیس نے گرد سے گردن اٹھا کر کہا۔ متر، تم منہ پھٹ جان پڑتے ہو۔ تمہیں گرہ سوانہی کے پرتی کھ سے ایسے شبد نکالنے میں ذرا بھی سکوچ نہیں ہوتا۔؟ میری اور آنکھ اٹھا کر دیکھو اور تب بتاؤ کہ میرا سورپ نندت اور چت پرانیوں کا سا ہے نہیں، میں اپنے کرتیوں پر راجت نہیں ہوں۔ انیہ استریاں بھی جن کا جیون میرے ہی جیسا ہے، اپنے کوچ اور چت نہیں سمجھتی، یدھی، نہ ان کے پاس اتنا دھن ہے اور نہ اتنا روپ۔ سکھ میرے پیروں کے نیچے آنکھیں بچھائے رہتا ہے، اسے سارا جگت جانتا ہے۔ میں سنسار کے ملٹ دھاریوں کو پیر کی دھولی سمجھتی ہوں۔ ان سکھوں نے ان پیروں پر شیش نوائے ہیں۔ آنکھیں اٹھاؤ، میرے پیروں کی اور دیکھو لاکھوں پرانی ان کا جمن کرنے کے لیے اپنے پران بھینٹ کر دیں گے۔ میرا ڈیل ڈول بہت بڑا نہیں ہے۔ میرے لیے پرتھوی پر بہت استھان کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ مجھے دیو مندر کے ٹھکر پر سے دیکھتے ہیں۔ انھیں میں ہالوں کے کن کے سامن دیکھتی ہوں، پر اس کن نے منیہ میں جتنی ایریشیا بھتا دولش، جتنی نراشا، جتنی ابھیلاشا، اور جتنے پاپوں کا سچا کر کیا ہے ان کے بوجھ سے اٹل پر بت بھی دب جائے گا، جب میری کیرتی سمت سنسار میں پارسات ہو رہی ہے تو تمہاری لچا اور نندا کی بات کرنا پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ پاپ ناشی نے آدھلے بھاد سے اثر دیا۔ سندری، یہ تمہاری بھول ہے۔ منیہ جس

بات کی سراہنا کرتے ہیں وہ ایثور کی درشتی میں پاپ ہے۔ ہم نے اتنے بھن بھن دیشوں میں جنم لیا ہے کہ یدی ہماری بھاشا اور وچار انوروپ نہ ہو تو کوئی آٹھریہ کی بات نہیں۔ لیکن میں ایثور کو ساکھشی دے کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ کون میرے کھ میں ایسے آکھئے شبدوں کو پریرت کرے گا جو تمہیں موم کی بھانٹی پکھلا دے کہ میری انگلیاں تمہیں اپنی لیٹھا کے انوسار روپ دے سکیں؟ او ناری رتن، وہ کون سی ہستی ہے جو تمہیں میرے ہاتھوں میں سوپ دے گی کہ میرے انت کرن میں نیست سد پر پڑنا تمہارا پتر سنسکار کر کے تمہیں ایسا نیا اور پرشکرت سوندریہ پردان کرے کہ تم آئندہ سے دل ہو پکار اٹھو، میرا بھر سے نیا سنسکار ہوا؟ کون میرے ہر دے میں اس سدھا سروت کو پرواہت کرے گا کہ تم اس میں نہا کر پھر اپنی مولک پوہرتا لاجھ کر سکو؟ کون مجھے مردن کی نزل دھارا میں پری ورت کر دے گا جس کی لہروں کا اسپرٹ تمہیں امت سوندریہ سے دی دیکھوٹ کر دے؟

تھالیں کا کردھ شانت ہو گیا، اس نے سوچا یہ پُرش امت جیون کے رمسیوں سے پری چت ہے اور جو کچھ وہ کہہ سکتا ہے اس میں رشی واکیوں کی پرتھا ہے۔ یہ کوئی اوشیہ کیما گر ہے اور ایسے گپت منتر جانتا ہے جو جرن اوستا کا نیوان کر سکتے ہیں۔ اس نے اپنی دیہہ کو اس کی اچھاؤں کو سرپت کرنے کا بچے کر لیا۔ دے ایک سنشک پنچ کی بھانٹی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور پٹنگ مٹی پر بیٹھ کر اس کی پرکششا کرنے لگی۔ اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور لمبی پلکوں کی ملین چھایا پکلوں پر پڑ رہی تھی۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ کوئی بالک ندی کے کنارے بیٹھا ہوا کسی وچار میں مگن ہے۔

کنو پاپ ناشی اس کی اور ٹھنکی لگائے تاکتا رہا۔ اپنی جگہ سے جوں بھر بھی نہ ہلا۔ اس کے گھٹنے قمر قرار ہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسے سنبھال نہ سکیں گے۔ اس کا تالو سوکھ گیا تھا۔ کانوں میں تیر بجھناہٹ کی آواز آنے لگی۔ اکسمات اس کی آنکھوں کے آگے اندھکار چھا گیا، مانوسست بھون میٹھا چھاوت ہو گیا ہے۔ اسے ایسا بھارت ہوا کہ پر بھو صبح نے اس استری کو چھپانے کے بہت اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اس گپت کر لائب سے آشوت اور سھکت ہو کر اس نے گمبیر بھاو سے کہا۔ جو کسی وردھ تپسوی کے چھایا گیا تھا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہارا یہ آتم بن ایثور کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے؟

اس نے سر ہلا کر کہا۔ ایثور؟ ایثور سے کون کہتا ہے کہ سدو پریوں کے کج پر

آنکھیں جمائے رکھیں؟ پدی اسے ہمارے کام نہیں بھاتے تو وہ یہاں سے چلا کیوں نہیں جاتا؟ لیکن ہمارے کرم اسے برے لگتے ہی کیوں ہیں؟ اس نے ہماری سرشتی کی ہے جیسا اس نے بنایا ہے دیے ہی ہم ہیں۔ جیسی درتیاں اس نے ہمیں دی ہیں اسی کے انوسار ہم آچرن کرتے ہیں۔ پھر اسے ہم سے رشت ہونے کا، اتھوا ویتھ ہونے کا کیا ادھیکار ہے؟ اس کی طرف سے لوگ بہت سی من گڑھنت باتیں کیا کرتے ہیں اور اس کو ایسے ایسے وچاروں کا شریہ دیتے ہیں جو اس کے من میں کبھی نہ تھے۔ تم کو اس کے من کی باتیں جاننے کا دعویٰ ہے۔ تم کو اس کے چہرے کا چھاتھہ گیان ہے۔ تم کون ہو کہ اس کے وکیل بن کر مجھے ایسی ایسی آشائیں دلاتے ہو؟

پاپ ناشی نے مگنی کے بہو مولیہ دستر اتار کر نیچے کا موٹا کرتا دکھاتے ہوئے کہا۔ میں دھرم آشرم کا یوگی ہوں۔ میرا نام پاپ ناشی ہے۔ میں اس پتو بھومی سے آ رہا ہوں۔ ایٹور کی آگیا سے میں اکانت سیون کرتا ہوں۔ میں نے سنار سے اور سنار کے پرانیوں سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس پاپ سے سنار میں زہلت رہتا میرا ادھیٹ مارگ ہے۔ لیکن تیری صورتی میری شاننی کفر میں آکر میرے ستھ کھڑی ہوئی اور میں نے دیکھا کہ تو پاپ اور دانسا میں لپت ہے۔ مرتو تجھے اپنا گراس بنانے کو کھڑی ہے۔ میری دیا جاگرت ہوگئی اور تیرا اذھار کرنے کے لیے ہستھت ہوا ہوں میں تجھے پکار کر کہتا ہوں۔ تھائیں، اٹھ اب سے نہیں ہے۔

یوگی کے یہ شبد یہ سن کر تھائیں مجھے سے قمر قمر کا پنے لگی۔ اس کا کھ شری ہن ہو گیا، وہ کیش چھٹکائے، دونوں ہاتھ جوڑے روتی اور ولاپ کرتی ہوئی اس کے پیروں پر گر پڑی اور بولی۔ مہاتما جی، مجھ پر ایٹور کے لیے دیا کیجیے۔ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ آپ کی کیا اچھا ہے؟ میرا سردناش نہ کیجیے۔ میں جانتی ہوں کہ تپ و بھومی کے رشی گن ہم جیسی استریوں سے گھبرا کرتے ہیں، جن کا جنم ہی دوسروں کو پرسیدہ رکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ مجھے مجھے ہورہا ہے کہ آپ مجھ سے گھبرا کرتے ہیں اور میرا سردناش کرنے پر ادھیٹ ہیں۔ کریا یہاں سے سدھارے۔ میں آپ کی غنتی اور سدھی کے سامنے سر جھکاتی ہوں لیکن آپ کا مجھ پر کوپ کرنا اچت نہیں ہے۔ کیوں کہ میں انیہ ملھیں کی بھانتی آپ لوگوں کی بھکھا روتی اور سلم کی نندا نہیں کرتی۔ آپ بھی میرے بھوک ولاس کو پاپ نہ سمجھیے۔ میں روپ وتی ہوں، اور ابھینے

کرنے میں چڑھوں۔ میرا قابو نہ اپنی دشا پر ہے اور نہ اپنی پر کرتی پر۔ میں جس کام کے یوگیہ بنائی گئی ہوں وہی کرتی ہوں۔ مٹھیوں کو گلدھ کرنے ہی کے نیت میرے سرشتی ہوئی ہے۔ آپ بھی تو ابھی کہہ رہے تھے کہ میں تمہیں پیار کرتا ہوں اپنی سدھیوں سے میرا الو پکار نہ کیجیے۔ ایسا منتر نہ چلائیے کہ میرا سدریے نشت ہو جائے، یا میں پتھر تھا نمک کی صورتی بن جاؤں۔ مجھے بھے بھیت نہ کیجیے میرے تو پہلے ہی سے پران سوکھے ہوئے ہیں۔ مجھے موت نہ دکھائیے۔ مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔

پاپ ناشی نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ بچہ، ڈر مت۔ تیرے پرتی اہمان یا گھرنا کا شبد بھی میرے منہ سے نہ نکلے گا۔ میں اس مہمان پُرش کی اور سے آیا ہوں جو پاپوں کو گلے لگاتا تھا، ویسیاؤں کے گھر بھوجن کرتا تھا، ہتھیاروں سے پریم کرتا تھا، پتلیوں کو سانٹوتا دیتا تھا۔ میں سویم پاپ کت نہیں کہ دوسروں پر پتھر پھینکوں۔ میں نے کتنی ہی بار اس دہموتی کا درپوگ کیا ہے جو الیثور نے مجھے پردان کی ہے۔ کرودھ نے مجھے یہاں آنے پر اتسہت نہیں کیا۔ میں دیا کے دشی بھوت ہو کر آیا ہوں، میں نشت کپٹ بھاو سے پریم کے شبدوں میں تجھے آشناں دے سکتا ہوں، کیوں کہ میرا پوتر دھرم اسنبہ ہی مجھے یہاں لایا ہے، میرے بردے میں واسلیہ کی گئی پر بھرت ہورہی ہے، اور یدی تیری آنکھیں جو دشے کے استھول اپتر درشیوں کے دشی بھوت ہورہی ہیں۔ دستوؤں کو ان کے آدھیانک روپ میں دیکھتی تو تجھے دھت ہوتا کہ میں اس جلتی ہوئی جھاڑی کا ایک پلو ہوں جو الیثور نے اپنے پریم کا پریتے دینے کے لیے موسیٰ کو پریت پر دکھائی تھی۔ جو سمت سنار میں ویاہت ہے اور جو دستوؤں کو مجسم کر دینے کے بدلے جس دستو میں پردیش کرتی ہے اسے سدا کے لیے نزل اور سنگدھ سے بنا دیتی ہے۔

قالیس نے آتش دست ہو کر کہا۔ مہاتما جی، اب مجھے آپ پر دشاں ہو گیا ہے۔ مجھے آپ سے کسی ایٹھ یا انگل کی آشنا نہیں ہے۔ میں نے دھرم آشرم کے تپویوں کی بہت چرچا سنی ہے۔ اینٹونی اور پول کے دشے میں بڑی ادھ بھت کٹھائیں سننے میں آئی ہیں۔ آپ کے نام سے بھی میں اپرچت نہیں ہوں۔ میں نے لوگوں کو کہتے سنا ہے۔ یدیہی آپ کی عمر ابھی کم ہے، آپ دھرم ٹھا میں ان تپویوں سے بھی سریشٹھ ہیں۔ جنھوں نے اپنا سمت جیون الیثور آرادھنا میں وقیت کیا۔ یدیہی آپ سے میرا پریتے نہ تھا، کتو میں آپ کو دیکھتے

ہی سمجھ گئی کہ آپ کوئی سادھارن پُرش نہیں ہیں۔ بتائیے آپ مجھے وہ دستو پر دان کر سکتے ہیں جو سارے سنسار کے سدھ اور سادھو اوجھے اور سیانے، کاپالک اور دیتالک نہیں کر سکے؟ آپ کے پاس موت کی دوا ہے؟ آپ مجھے امر جیون دے سکتے ہیں؟ یہی سنسارک جیون کا کچم سورگ ہے۔

پاپ ناشی نے اثر دیا۔ کاہنی، امر جیون لایبھ کرنا پرتیک پرانی کے اچھا کے اضمین ہے۔ وشے وساناؤں کو تیاگ دیں۔ جو تیری آتما کا سروناش کر رہے ہیں اس شریر کو پٹاچوں کے پنچے سے چھڑا لیں۔ جسے المیور نے اپنے منہ کے پانی سے سانا اور سواس سے جلایا۔ اٹھا پرت اور پٹاچ اسے بڑی کروڑتا سے جلائیں گے۔ نئیہ کے ولاس سے تیرے جیون کا سروت شرن ہو گیا ہے۔ آ، اور ایکانت کے پوتر ساگر میں اسے پھر پرواہت کر دیں آ، اور مرد بھوی میں چھپے ہوئے ستوں کا جل سیون کر کے جن کا اچھان سورگ تک پہنچتا ہے۔ او چٹاؤں میں ڈوبی ہوئی آتما آ، اپنی اچھت دستو کو پراہت کر اور آند کی بھوکی استری آ، سچے آند کا آسودان کر دریدرتا کا، ویراگ کا، تیاگ کا، المیور کے چرنوں میں آتم سرپر ن کر آ، او استری جو آج پر بھوسج کی دروہنی ہے، لیکن کل اس کے پرہیسی ہوگی آاس کا درشن کر اسے دیکھتے ہی تو پکار اٹھے گی۔ مجھے پریم دھن مل گیا۔

تھالیں بھوشیہ چٹن میں کھوئی ہوئی تھی بولی۔ مہاتما، اگر میں جیون کے سکھوں کو تیاگ دوں اور کنھن تپیا کروں تو کیا یہ ستیہ ہے کہ میں پھر جنم لوں گی اور میرے سوندریہ کو آنچ نہ آئے گی؟

پاپ ناشی نے کہا۔ تھالیں، میں تیرے لیے امت جیون کا سندلش لایا ہوں۔ وشواس کر، میں کچھ کہتا ہوں، سرو تھا ستیہ ہے۔

تھالیں۔ مجھے اس کی حیت پر وشواس کیوں کر آئے؟

پاپ ناشی۔ داؤد اور انیہ نبی اس کے ساکھشی دیں گے۔ تجھے لوکک درشیہ دکھائی دیں گے، وہ اس کا سر قن کریں گے۔

تھالیں۔ یوگی جی، آپ کی باتوں سے مجھے بہت سنتوش ہو رہا ہے۔ کیوں کہ واستو میں مجھے اس سنسار میں سکھ نہیں ملا، میں کسی رانی سے کم نہیں ہوں، کنفو پھر بھی میری درآشاؤں اور چٹاؤں کا انت نہیں ہے، میں جینے سے اکتا گئی ہوں، انیہ استریاں مجھ پر

ایرشیا کرتی ہیں، پر میں کبھی کبھی اس دکھ کی ماری پھیلی بڑھیا پر ایریشیا کرتی ہوں جو ہنر کے پھلک کی چھانہ میں بیٹھے بتاتے بچا کرتی ہے۔ کتنی ہی بار میرے من میں آیا ہے کہ غریب ہی سکھی، بچن اور سچے ہوتے ہیں، دین، ہین، نعت پر بھ رہنے میں چت کو بڑی شانتی ملتی ہے۔ آپ نے میری آتما میں ایک طوفان سا پیدا کر دیا ہے اور جو نیچے دبی پڑی تھی اسے اوپر کر دیا ہے۔ ہاں میں کس کا دشواں کروں؟ میرے جیون کا کیا انت ہوگا۔ جیون ہی کیا ہے؟ وہ یہ باتیں کر رہی تھی کہ پاپ ناشی کے کھ پر توج چھا گیا۔ سارا کھ منڈل آدی جیوتی سے چک اٹھا۔ اس کے منہ سے یہ پرتیہا شالی واکیہ نکلے۔ کائنی، سن میں نے جب اس گھر میں قدم رکھا تو میں اکیلا نہ تھا میرے ساتھ کوئی اور بھی تھا اور وہ اب بھی میری بفل میں کھڑا ہے تو ابھی اسے نہیں دیکھ سکتی کیوں کہ تیری آنکھوں میں اتنی شکتی نہیں، لیکن ٹیکھر ہی سورگیہ پرتیہا سے تو اسے الونک دیکھے گی اور تیرے منہ سے آپ ہی آپ نکل پڑے گا۔ یہی میرا آرادھیہ دیو ہے۔ تو نے ابھی اس کی آلوکک شکتی دیکھی ہوتی اگر اس نے میری آنکھوں کے سامنے اپنے دیالو ہاتھ نہ پھیلا دیے ہوتے تو اب تک میں تیرے ساتھ پایا چن کر چکا ہوتا۔ کیوں کہ سواتہ میں اتیت درمل اور پانی ہوں۔ لیکن اس نے ہم دونوں کی رکشا کی۔ وہ جتنا شکتی شالی اتنا ہی دیالو ہے اور اس کا نام ہے کتی داتا۔ داؤد اور انیہ نیوں نے اس کے آنے کی خبر دی تھی چرواہوں اور جیتھیوں نے ہنڈولے میں اس کے سامنے شیش جھکایا تھا۔ فارسیوں نے اسے صلیب پر چڑھایا پھر وہ اٹھ کر سورگ میں چلا گیا۔ تجھے مرتیو سے اتنا سنشک دیکھ کر وہ سویم تیرے گھر آیا ہے کہ تجھے مرتیو سے بچالے۔ پر بھوسج کیا اس سے تم یہاں استھت نہیں ہو۔ اسی روپ میں جو تم نے گیلیلی کے نواسیوں کو دکھایا تھا۔ کتنا وچتر سے تھے کہ بیت اللہم کے بالک تارا گن ہاتھ میں لے کر کھیلتے تھے۔ جو اس سے دھرتی کے کٹ ہی استھت تھے پر بھوسج کیا یہ ستنہ نہیں ہے، کہ تم یہاں اس سے استھت ہو اور میں تمہارے پوتر دیہہ کو پر ٹیکھش دیکھ رہا ہوں کہ تیرا دیالو کوئل مکھا آروند یہاں نہیں ہے؟ اور جو آنسو تیرے گالوں پر بہہ رہے ہیں پر ٹیکھش آنسو نہیں ہیں؟ ہاں ایٹور یہ نیائے کا کرتا ان موتیوں کے لیے ہاتھ روپے کھڑا ہے اور انھی موتیوں سے تمہاری کی آتما کتی ہوگی۔ پر بھوسج کیا تو بولنے کے لیے ہونٹ نہیں کھولے ہوئے ہے؟ بول میں سن رہا ہوں اور تمہاری سنکشن تمہاری سن پر بھوسج تم سے کیا کہہ رہے ہیں۔ اے میری بھگی ہوئی بیش سندری، میں بہت دنوں سے

تیری کھوج میں ہوں۔ انت میں تجھے پا گیا۔ اب پھر میرے پاس سے مت بھاگنا۔ آ میں تیرا ہاتھ پکڑ لوں اور اپنے کندھوں پر بٹھا کر سوگ کے باڑے میں لے چلوں۔ آمیری تھالیں۔ میری پرندہ تھا آ اور میرے ساتھ رو۔

یہ کہتے کہتے باپ ناشی بھگتی سے دہل ہو کر زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آتم لاس کی جیوتی ریکھائیں نکلنے لگیں اور تھالیں کو اس کے چہرے پر جیتے جاتے مسج کا سورہ پ دکھائی دیا۔

وہ کروں رکرندن کرتی ہوئی۔ بولی آمیری جتی ہوئی بالیہ اوستھا او میر دیا لو پتا احمد او سنت تھیوڈور، میں کیوں نہ تیری گود میں اسی سے مر گئی جب تو اڈورود یہ کے سے اپنی چادر میں لپیٹے مجھے لیے آتا تھا اور میرے شریر سے پچھمہ کی پتر جل کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

باپ ناشی یہ سن کر چونک پڑا۔ مانو کوئی الو یک گھٹنا ہو گئی ہو اور دلوں ہاتھ پھیلانے تھالیں کی ادور یہ کہتے ہوئے بڑھا۔ بھگوان، تیری مہما آپار ہے کیا تو پچھمہ کے جل سے پلاوت ہو چکی ہے؟ ہے پریم پتا بھگت و تسل پر بھواو بدھی کے آگھات ساگر اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ کون سی جیتی تھی جو تجھے میرے پاس کھینچ کر لائی۔ اب مجھے گیات ہوا کہ وہ کونسا رہیہ تھا جس نے تجھے میری درشتی سے اتنا سندر اتنا چٹ آ کر شک بنا دیا تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ میں تیرے پریم پاش میں کیوں اس بھاتی جکڑ گیا تھا کہ اپنا شانی واس چھوڑنے پر وپوش ہوا اس کی پچھمہ جل کی مہما تھی جس نے مجھے ایٹور کے دوار کو چھڑا کر مجھے کھوجنے کے لیے اس دشالت وایو بھرے سنسار میں آنے پر بادھیہ کیا۔ جہاں مایا موہ میں پھنسے ہوئے لوگ اپنا کلہٹ جیون دعیت کرتے ہیں۔ اس پتر جل کی ایک بوند میرے کھ میں چھڑک دی گئی ہے جس میں تو نے انسان کیا تھا۔ آمیری پیاری بہن آ اور اپنے بھائی کے گلے لگ جا، جس کا ہردے تیرا ابھی وادن کرنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔

یہ کہہ کر باپ ناشی نے دارا گنا کے سندر لٹاٹ کو اپنے ہونٹوں سے اسپر ش کیا۔

اس کے بعد وہ چپ ہو گیا کہ ایٹور سویم مدر سائنٹو پرد شبدوں میں تھالیں کو اپنی دیالوتا کا دشواس دلائے اور پریوں کے رمیک کج میں تھالیں کی سکیوں کے سوا جو جل دھارا کی کل کل دھونی سے مل گئی تھی، اور کچھ نہ سنائی نہیں دیا۔

وہ اسی بھاتی دیر تک روتی رہی۔ اٹرو پرواہ کو روکنے کا پریقن اس نے نہ کیا۔ یہاں

تک کے اس کے حبشی غلام سندر دستر اور پھولوں کے ہار اور بھانقی بھانقی کے عطر لیے آچکے۔ اس نے مسکرانے کی جھٹکھا کر کے کہا اب رونے کا سہ بالکل نہیں۔ آنسوؤں سے آنکھیں لال ہو جاتیں ہیں، اور ان میں چت کو دکل کرنے والا پشپ دکاس نہیں رہتا، چہرے کا رنگ پیکا پڑ جاتا ہے، وزن کو ملتا ٹھٹھٹ ہو جاتی ہے۔ مجھے آج کئی ریسک متروں کے ساتھ بھوجن کرنا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری کھ چندر سلہوں کلا سے چمکے، کیوں کہ وہاں کئی استریاں آئیں گی کہ میرے کھ پر چٹا یا گلین کے جتھ کو ترنت بھاپ جائیں گی اور من میں پرسیدہ ہوں گی کہ اب ان کا سوندر یہ تھوڑے ہی دنوں کا مہمان ہے۔ نایکا اب پروڑھا ہوا چاہتی ہیں۔ یہ غلام میرا سنگار کرنے آئے ہیں پوجیے پتا آپ کر پیا دوسرے کمرے میں جا بیٹھیے اور ان دنوں کو اپنا کام کرنے دیجیے۔ یہ اپنے کام میں بڑے پروین اور گسل ہیں۔ میں انھیں تحیٹ پر سکار دیتی ہوں۔ وہ جو سونے کی انگٹھیاں پہنے ہیں اور جن کے موتی کے سے دانت چمک رہے ہیں اسے میں نے پردھان منتری کی جٹی سے لیا ہے۔

پاپ ناشی کی پہلے تو یہ اچھا ہوئی کہ تھالیں کو اس بھوج میں سہلے ہونے سے جھانکتی روکے۔ پر پٹہ دھار کیا تو ودیت ہوا کہ یہ اتادی کا سے نہیں ہے۔ درشوں کا جما ہوا منو ملینہ ایک رگڑ سے نہیں دور ہو سکتا۔ روگ کا مول ناش شہنہ: کرم کرم سے ہی ہوگا۔ اس لیے اس نے دھرم اتساہ کے بدلے بدھی حتا سے کام لینے کا ٹپے کیا اور پوچھا وہاں کن کن منشیوں سے بھینٹ ہوگی؟

اس نے اثر دیا۔ پہلے تو دیوور دھ کوٹا سے بھینٹ ہوگی جو یہاں کے جل سینا کے سینا پتی ہیں۔ انھی نے یہ دعوت دی ہے۔ لسیاس اور انیہ دارشنگ بھی آئیں گے، جنہیں کسی وشے کی میسانا کرنے ہی میں سب سے ادھیک آند پراپت ہوتا ہے۔ ان کے ازکرت کوئی سانج بھوش کلکرائنت، اور دیو مندر کے ادھیکش بھی جائیں گے۔ کئی یووک ہوں گے جن کو گھوڑے نکالنے ہی میں پرم آند آتا ہے اور کئی استریاں ملیں گی جن کے وشے میں اس کے سوائے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کی دے یو دتیاں ہیں۔

پاپ ناشی نے ایسی اتسکا سے جانے کی سستی دی مانو اسے آکاش والی ہوئی ہے۔ بولا۔ تو ادھیہ جاؤ، ادھیہ جاؤ۔ میں تمھیں سہرش آگیا دیتا ہوں۔ لیکن میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ میں بھی اس دعوت میں تمھارے ساتھ چلوں گا۔ اتنا جانتا ہوں کہ کہاں بولنا اور کہاں

چپ رہنا چاہیے میرے ساتھ رہنے سے تمہیں کوئی اسوددھا اٹھوا جھینپ نہ ہوگی۔
 دونوں غلام ابھی اس کو آجوشن پہنا ہی رہے تھے کہ تھالیں ٹھٹھکلا کر ہنس پڑی اور
 بولی۔ وہ دھرم آشرم کے ایک چسوی کو میرے پریمیوں میں دیکھ کر کیا کہیں گے؟

۳

جب تھالیں نے پاپ ناشی کے ساتھ بھوج شالا میں پدارپن کیا تو مہمان لوگ پہلے
 ہی سے آچکے تھے۔ وہ گدے دار کرسیوں پر تکیہ لگائے، ایک اردھ چندرکار میز کے سامنے
 بیٹھے ہوئے تھے۔ میز پر سونے چاندی کے برتن جگ مگا رہے تھے۔ میز کے چچ میں ایک
 چاندی کا قہال تھا جس کے چاروں پایوں کی جگہ چار پریاں بنی ہوئی تھیں جو قریبوں میں سے
 ایک پرکار کا برکا اٹھیل اٹھیل کرتی ہوئی مچھلیوں کو اس میں تیرا رہی تھیں۔ تھالیں کے اندر
 قدم رکھتے ہی مہمانوں نے ایچ سور سے اس کی ابھیر تھنا کی۔

ایک نے کہا۔ سو گھم کھاؤں کی دیوی کو نمسکار!
 دوسرا بولا۔ اس دیوی کو نمسکار جو اپنی ٹکھا کیرتی سے من کے سمت بھاؤں کو پرکٹ
 کر سکتی ہیں۔

تیسرا بولا۔ دیوتا اور منشیوں کی لاڈلی کو سادر پرنام!
 چوتھے نے کہا۔ اس کو نمسکار جس کی سبھی آکا نکشما کرتے ہیں!
 پانچواں بولا۔ اس کو نمسکار جس کی آنکھوں میں وش ہے اور اس کا اتار بھی۔
 چھٹا بولا۔ نورگ کے موتی کو نمسکار!
 ساتواں بولا۔ اسکندریہ کے گلاب کو نمسکار!

تھالیں من میں جھنجھلا رہی تھی کہ ابھی ادلوں کا یہ پردہ کب شانت ہوتا ہے۔ جب
 لوگ چپ ہوئے تو اس نے گرہ سوامی کوٹا سے کہا۔ لوہیس میں آج تمہارے پاس ایک
 مرستقل لوہی چسوی لائی ہوں جو دھرم آشرم کے ادھیکش ہیں۔ ان کا نام پاپ ناشی ہے۔
 یہ ایک جھدہ پڈش ہیں جن کے شہد اگنی کی بھاتی اڈپک ہوتے ہیں۔
 لوہی یس آرے لیس کوٹا نے، جو جل سینا کا سینا پتی تھا، کھڑے ہو کر پاپ ناشی کا
 سامن کیا اور بولا۔ عیسائی دھرم کے انوگامی سنت پاپ ناشی کا میں ہر دے سے سواگت کرتا

ہوں۔ میں سویم اس مت کا سامان کرتا ہوں جو اب سامراجیہ دیاپی ہو گیا ہے۔ شردیہ مہاراج کاٹھنن ٹائن نے تمہارے سہ دھرمیوں کو سامراجیہ کے شبھ ہتھکوں کی پرخم شریٹی میں استھان پر دان کیا ہے۔ لیٹن جاتی کی اڈارتا کا کرتوپے ہے کہ وہ تمہارے پر جو صبح کو اپنے دیو مندر میں پر تعظیم کریں۔ ہمارے پرکھوں کا کٹھن تھا کہ پرتیک دیوتا میں کچھ نہ کچھ انش الیشر کا اوٹھے ہوتا ہے۔ لیکن یہ ان باتوں کا سے نہیں ہے آؤ، پیالے اٹھائیں اور جیون کا سکھ بھوگیں۔ اس کے سوا اور سب معصیا ہے۔

دوبو درودہ کوٹا ہوی گمبیرتا سے بولتے تھے۔ انھوں نے آج ایک نئے پرکار کی لوکا کا نمونہ سوچا تھا اور اپنے ”کارٹج جاتی کے اتھلیاس“ کا چمڑاں بھاگ ساہت کیا تھا۔ انھیں سنشوش تھا کہ آج کا دن مکمل ہوا، اس لیے وہ بہت برسن تھے۔

ایک جھن کے اہانت وہ پاپ ناشی سے بھر بولے۔ سنت پاپ ناشی، یہاں حصیں کئی جن بیٹھے دکھائی دے رہے ہیں جن کا ست سنگ بڑے سو بھاگیہ سے پراپت ہوتا ہے۔ یہ سراج مندر کے اوٹیکمش ہر موڈورس ہیں۔ یہ تینوں درشن کے گیانا نیاس، ڈورین اور جینو ہیں: یہ کوی کلی کرانت ہیں، یہ دونوں یووک چیریاں اور آرٹینو پرانے متروں کے ہتر ہیں اور ان کے کٹ دلوں رنیاں للینا اور ڈوریا ہیں جن کی روپ چھوی پر ہر دے مکدہ ہو جاتا ہے۔

نسیاس نے پاپ ناشی سے اہلن کیا اور اس کے کان میں بولا۔ بندھو، میں نے
 حصیں پہلے ہی چیت کر دیا تھا کہ وئس (سنگار کی دیوی یونان کے لوگ شکر کی وئس کہتے
 ہیں) بڑی نل وئی ہے۔ یہ اس کی فکتی ہے جو حصیں لہتا نہ رہنے پر بھی یہاں کھنچ لائی
 ہے۔ سنو تم وئس کے آگے سر نہ جکاؤ گے، اسے سب دیوتاؤں کی مانا نہ سوکار کر دے، تو
 تمہارا تپن نچے ہے۔ تم اس کی ادھیلا کر کے سکھی نہیں رہ سکتے۔ حصیں مہیات نہیں ہے کہ
 رگوت شاستر کے اُدبٹ گایا تا حص کا کھن تھا کہ میں وئس کی سہاتا کے بنا تر جموں کی
 دیا کیا بھی نہیں کر سکتا۔

ڈورین، جو کئی پہل تک اس نئے آگاہنگ کی اور دھیان سے دیکھتا رہا تھا، سہا
تالیاں بجا کر بولا۔ یہ وہی ہے، متروں، یہ وہی مہاتما ہے۔ ان کا چہرہ، ان کی ماٹھی، ان
کے دستر وہی ہیں۔ اس میں ہم نے لیش باز بھی سند یہ نہیں۔ میری ان سے نامہ شلا میں

بھینٹ ہوئی تھی۔ جب ہماری قالیں اچھینے کر رہی تھی۔ میں شرط بد کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ انھیں اس سے بڑا کردہ آگیا تھا، اور اس آدیش میں ان کے منہ سے اودھ شبدوں کا پرواہ سا آگیا تھا۔ یہ دھرماتہ پُرش ہیں، پر ہم سب کو آڑے ہاتھوں لیں گے۔ ان کی دانی میں بڑا تیز اور دلکش پتیرھا ہے۔ یہی مارکس 'عیسائیوں کا پلیٹو' ہے تو پاپ ناشی نس سند یہ ڈاما تھمیر ہے۔

کنو لیلیا اور ڈوریا کی نیک نکی قالیں پر لگی ہوئیں تھی، مانو وے اس کا ہلکھٹن کر لیں گی۔ اس نے اپنے کیوں میں ہلٹے کے پیلے پیلے پھولوں کا ہار گوندھا تھا جس کا پرتیک پھول اس کی آنکھوں کی ہلکی آہا کی سوچنا دیتا تھا۔ اس بھانٹی کے پھول تو اس کی کول چوتوں کے سدرش تھے۔ آنکھیں جگمگاتے ہوئے پھولوں کے سدرش تھیں۔ اس رمنی کی چھوی میں یہی دھیشیا تھی۔ اس کی دیہہ پر پرتیک دستوکل اٹھتی تھی۔ جتو ہو جاتی تھی۔ اس کے چاندی کے تاروں سے لگی ہوئی پیشواز کے پانچے فرش پر لہراتے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں نہ نکلن تھے، نہ گلے میں ہار۔ اس آہوشن ہین چھوی میں جوتنا کی ملان شوبھا تھی، ایک منوہر اداسی، جو کرتیم بتاؤ سنوار سے ادھک چٹ آکر ٹک ہوتی ہے۔ اس کے سوندریہ کا مکھیہ ادھار اس کی دوکلی ہوئی نرم، کول، گوری گوری ہانہیں تھیں۔ لیلیا اور ڈوریا کو بھی دوش ہو کر قالیں کے جوڑے اور پیشواز کی پرھنسا کرنی پڑی، یہی انھوں نے قالیں سے اس دشنے میں کچھ نہیں کہا۔

لیلیا نے قالیں سے کہا۔ تمھاری روپ شوبھا کتنی ادھ بدھ ہے۔ تم پہلے پہل اسکندریہ آئیں تھیں، اس سے بھی تم اس سے ادھیک سند نہ رہی ہوگی جب میری ماما کو تمھاری اس سے کی صورت یاد ہے۔ یہ کہتی ہے کہ اس سے سمت نگر میں تمھارے جوڑ کی ایک بھی رمنی نہ تھی۔ تمھارا سوندریہ اٹلہیہ تھا۔

ڈوریا نے مسکرا کر پوچھا۔ تمھارے ساتھ یہ کون نیا پریمی آیا ہے؟ بڑا وچر، بھینکر روپ ہے۔ اگر ہاتھیوں کے چرواہے ہوتے ہیں تو اس پُرش کی صورت اوھے ان سے ملتی ہوگی۔ سچ بتانا بہن، یہ بن مانس تھیں کہاں مل گیا؟ کیا یہ ان جنتوں میں تو نہیں ہے جو رسال میں رہتے ہیں اور وہاں کے دھوم پرکاش سے کالے ہو جاتے ہیں۔

لیکن لیلیا نے ڈوریا کے ہونٹوں پر اٹلی رکھ دی اور بولی۔ چپ! پرنے کے رمیہ

ابھید ہوتے ہیں اور ان کی کھوج کرنا درجت ہے۔ لیکن مجھ سے کوئی پوچھے تو میں اس ادھ بدھ مٹی کے ہونٹوں کی ادھیکشما، ایٹنا کے جلتے ہوئے، اگنی پر سارک کھ سے جھپٹ ہونا ادھک پسند کروں گی۔ لیکن بہن، اس وشے میں تمہارا کوئی وش نہیں۔ تم دیویوں کی بھانتی روپ گن شیل اور کوئل ہر دے ہو، اور دیویوں ہی کی بھانتی حصیں چھونے بڑے، بھلے بڑے، سبھی کا من رکھنا پڑتا ہے۔ سبھی کے آنسو پونچھنے پڑتے ہیں۔ ہماری طرح کیول سندر سوکار ہی کی یا چنا سوکار کرنے سے تمہارا یہ لوک ستان کیسے ہوگا۔

تھالیں نے کہا۔ تم دونوں ذرا منہ سنبھال کر باتیں کرو۔ یہ سدھ اور چٹکاری پُرش ہیں۔ کانوں میں کبھی ہوئی باتیں ہی نہیں، منوگت وچاروں کو بھی جان لیتا ہے۔ کہیں اسے کرودھ آگیا تو سوتے میں ہر دے کو چیر نکالے گا اور اس کے استھان پر ایک ایک آسنی رکھ دے گا۔ دوسرے دن جب تم پانی پیو گی تو دم گھٹنے سے مر جاؤ گی۔

تھالیں نے دیکھا کہ دونوں یودتیوں کے کھ ورن جن ہو گئے ہیں جیسے اڑا ہوا رنگ۔ تب وہ انھیں اسی دشا میں چھوڑ کر پاپ ناشی کے سمپ ایک کرسی پر جانیٹی۔ ہسا کوٹا کی برزو پر گرد سے بھری ہوئی کٹھن دھونی کٹھکیوں کے اوپر سنائی دی۔

متروں آپ لوگ اپنے اپنے استھانوں پر بیٹھ جائیے۔ او غلاموں! وہ شراب لاؤ جس میں شہد ملی ہے۔

تب بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لے کر وہ بولا۔ پہلے دیوتولیہ سمرات اور سامراجیہ کے کرنا دھار سمرات کانٹین ٹائین کی شہ لٹھا کا پیالہ پیو۔ دلش کا استھان سرورپی ہے، دیوتاؤں سے بھی اچھ، کیو کہ دیوتا بھی اسی کے اوور میں اورت ہوتے ہیں۔

سب مہالوں نے بھرے ہوئے پیالے ہونٹوں سے لگائے: کیول پاپ ناشی نے نہ پیا، کیوں کہ کانٹین ٹائین نے صیسائی سمر دائے پر اتیا چار کئے تھے۔ اسی لیے بھی کہ صیسائی مت مرتیو لوک میں اپنے سودیش کا اتی تھو نہیں مانتا۔

ڈورین نے پیالہ خالی کر کے کہا۔ دلش کا اتنا ستان کیوں؟ دلش ہے کیا؟ ایک بہتی ہوئی ندی۔ کنارے بدلتے رہتے ہیں اور جل میں نت نئی رنگیں اٹھتی رہتی ہیں۔

جل سینا ٹائیک نے اثر دیا۔ ڈورین، مجھے معلوم ہے کہ تم ناگرک وشیوں کی پرداہ نہیں کرتے اور تمہارا وچار ہے کہ گیانوں کو تین وستوں سے الگ الگ رہنا چاہئے۔ اس کے

پرتی کیول میرا دھار ہے کہ ایک ستیہ وادی پُرش کے لیے سب سے مہان اچھا بھی ہوئی
چاہیے کہ وہ سامراجیہ میں کسی پد پر بھی اوجھلست ہو۔ سامراجیہ ایک مہتو شالی دستو ہے۔

دیوالیہ کے ادھیکش ہر موڈورس نے اثر دیا۔ ڈورین مہاشی نے جگیا سا کی ہے کہ
سودیش کیا ہے؟ میرا اثر ہے کہ دیوتاؤں کی ملی ویدی اور پتروں کے ساوی استوپ ہی سودیش
کے پرپائے ہے۔ ناگاریکتا اسرتیوں اور آشاؤں کے ساویش سے اچپیہ ہوتی ہیں۔

یووک ایریٹوبولس نے بات کانٹے ہوئے کہا۔ بھائی، ایٹور جانتا ہے، آج میں نے
ایک سندھ گھوڑا دیکھا۔ ڈیمون کا تھا۔ امت مستک ہے، چھوٹا منہ اور سدرڑھ ٹانگیں۔ ایسا
گردن اٹھا کر الہیلی چال سے چلتا ہے جیسے مرغا۔

لیکن چریاس نے سر ہلا کر ہنکا کی۔ ایسا اچھا گھوڑا تو نہیں ہے۔ ایریٹوبولس، جیسا
تم بتلاتے ہو۔ اس کے سُم پتلے ہیں اور گانچیاں بہت چھوٹی ہیں۔ چال کا سچا نہیں، جلد ہی سُم
لینے لگے گا، لنگڑے ہو جانے کا بے ہے۔

یہ دونوں بھی ویواد کر رہے تھے کہ ڈوروسا نے زور سے چت کار کیا اس کی آنکھوں
میں پانی بھر آیا، اور وہ زور سے کھانٹ کر بولی۔ کسل ہوئی نہیں تو یہ مچھلی کا کاٹا نکل گئی تھی۔
دیکھو سلائی کے برابر ہے۔

اور اس سے بھی کہیں تیز۔ یہ تو کہو، میں نے جلدی سے انگلی ڈال کر نکال لیا۔
دیوتاؤں کی مجھ پر دیا ہے۔ وہ مجھے اوشیہ پیار کرتے ہیں۔

نیاس نے مسکرا کر کہا۔ ڈوروسا، تم نے کیا کہا کہ دیوگن قصیں پیار کرتے ہیں۔ تب
تو وہ منٹھیں ہی کی بھانٹی سکھ دکھ کا انو بھو کر سکتے ہوں گے۔ یہ نرواد ہے کہ پریم سے چوڑت
مٹھیہ کو کشٹوں کا سامنا اوشیہ کرنا پڑتا ہے، اور اس کے دُٹی بھوت ہو جانا مانسک در بلتا کا چھ
ہے۔ ڈوروسا کے پرتی دیوگنوں کو جو پریم ہے، اس سے ان کی دوش پورنا سدھ ہوتی ہے۔

ڈوروسا یہ دیا کھیا سن کر گڑبگڑی اور بولی۔ نیاس، تمہارا ترک سور تھا زگل اور تھو ہیں
ہے۔ لیکن یہ تو تمہارا سوبھا دی ہے تم بات تو سمجھتے نہیں، ایٹور نے اتنی بدمی ہی نہیں دی،
اور نر تھک شہدوں میں اثر دینے کی چھٹا کرتے ہو۔

نیاس مسکرایا ہاں، ہاں، ڈوروسا، باتیں کئے جاؤ چاہے وہ گالیاں ہی کیوں نہ
ہوں۔ جب جب تمہارا منہ کھلتا ہے، ہمارے نظر ترپت ہو جاتے ہیں۔ تمہارے دانٹوں کی

بتی تفتی سندر ہے۔ جیسے موتیوں کی مالا۔

اتنے میں ایک وردہ پرش، جس کی صورت سے وچار ویلنا جھلکتی تھی اور جو ویش دسر سے بہت سودیواستھت نہ جان پڑتا تھا، مستک گرد سے اٹھائے مند گتی سے چلتا ہوا کمرے میں آیا۔ کوٹا نے اپنے ہی گدے پر اسے بیٹھنے کا سکیت کیا اور بولا۔ یوکرانیٹیز، تم خوب آئے۔ تمہیں یہاں دیکھ کر چت بہت پرسید ہوا۔ اس ماس میں تم نے درشن پر کوئی نیا گرنتھ لکھا؟ اگر میری گزنا غلط نہیں ہے تو یہ اس دشے کا ۹۲ واں بندھ ہے جو تمہاری لکھنی سے نکلا ہے۔ تمہاری زکٹ کی قلم میں بڑی پرتیہا ہے۔ تم نے یونان کو بھی مات کر دیا۔

یوکرانی ٹیز نے اپنے شویت داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ بلبل کا جنم گانے کے لیے ہوا ہے۔ میرا جنم دیوتاؤں کی استوتی کے لیے، میرے جیون کا یہی اوشیہ ہے۔

ڈورین۔ ہم یوکرانی ٹیز کو بڑے آدر کے ساتھ نسکار کرتے ہیں، جو دراک وادیوں میں اب اکیلے ہی بچ رہے ہیں۔ ہمارے بچ میں وہ کسی دیہ پرش کی پرتیہا کی بھانٹی گھیسر، پروڈھ، شویت کھڑے ہیں۔ ان کے لیے میلا بھی زجن، شانت استان ہے اور ان کے کھ سے جو شبد نکلتے ہیں وہ کسی کے کانوں میں نہیں پڑتے۔

یوکرانی ٹیز۔ ڈورین، یہ تمہارا بھرم ہے ستیہ ویوچین ابھی سنار سے پٹ نہیں ہوا ہے۔ اسکندریہ، روم، قسطنطیہ آدی استانوں میں میرے کتنے ہی انویائی ہے۔ غلاموں کی ایک بڑی سکھیا اور قیصر کے کئی جتیبوں نے اب یہ انوبھو کر لیا ہے کہ اندریوں کا کیوں کر دمن کیا جاسکتا ہے، سوچند جیون کیسے ایلہدھ ہو سکتا ہے؟ وہ سنسارک دشیوں سے زلپت رہتے ہیں، اور اسیم آنند اٹھاتے ہیں۔ ان میں سے کئی ملغیوں نے اپنے عکرموں دوارا اپیک ٹیٹس اور مارکس آرے لیس کا پنہ سنسار کر دیا ہے۔ لیکن اگر یہی سچے ہو کہ سنار سے حکرم سدو کے لیے اٹھ گیا، تو اس جھتی سے میرے آنند میں کیا بادھا ہو سکتی ہے، کیوں کہ مجھے اس کی پرواہ نہ ہے کہ سنار میں حکرم ہے یا اٹھ گیا ڈورین، اپنے آنند کو اپنے اوجھن نہ رکھنا، سورکھوں اور مند بدھی والوں کا کام ہے۔ مجھے ایسی کسی دستو کی لچھا نہیں ہے جو ودھاتا کی لچھا کے انوکول ہے۔ اس ودھی سے میں اپنے کو ان سے اعلیٰ بنا لیتا ہوں اور ان کے زبھانت سنوتش میں سر بھاگی ہو جاتا ہوں۔ اگر حکرموں کا جن ہو رہا ہے تو ہو، میں پرسید ہوں۔ مجھے کوئی آپتی نہیں۔ اگر زناپتی میرے چت کو آنند سے بھر دیتی ہے، کیوں کہ یہ میرے

ترک یا سانس کی پر موعول کیرتی ہے۔ پرنیک و شے میں میری بدمی دیو بدمی کا انوسان کرتی ہے، اور نقل اصل سے کہیں مولیہ دان ہوتی ہے۔ وہ اویشرانت جچ چتا اور سدودھیوگ کا پھل ہوتی ہے

نسیاس۔ آپ کا آشیہ سمجھ گیا۔ آپ اپنے کو ایٹور پے لہما کے انوروپ بتاتے ہیں۔ لیکن اگر اودھوگ ہی سے سب کچھ ہو سکتا، اگر لگن ہی مٹنے کو ایٹور تولیہ بنا سکتی، اور سادھنوں سے ہی آتما پر آتما میں ویلین ہوتا ہے، تو اس مینڈک نے، جو اپنے کو پھلا کر تیل بنا لینا چاہتا تھا، فی سند یہہ دیرا گے کا سردشر۔ بیٹھ سدا حانت چرتا تھ کر دیا۔

یوکر ایٹور۔ نسی یاس، تم مخرا پن کرتے ہو اس کے سوا حسیں اور کچھ نہیں آتا۔ لیکن جیسا تم کہتے ہو وہی سہی۔ اگر وہ تیل جس کا تم نے لیکھ کیا ہے داستوں میں ایس کی بھانتی دیوتا ہے یا اس پاتال لوک کے تیل کے سدوش ہے جس کے مندر کے ادھیکش کو ہم یہاں بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور اس مینڈک نے سد پر رینا سے اپنے کو اس تیل کے سٹلیہ بنا لیا، تو کیا وہ تیل سے ادھیک شر۔ بیٹھ نہیں ہے؟ یہ سمجھو ہے کہ تم اس نئے سے پٹو کے سانس اور پراکرم کی پڑھنا نہ کرو۔

چار سیوکوں نے ایک جنگلی سور، جس کے ابھی تک بال بھی الگ نہیں کیے گئے تھے، لاکر میز پر رکھا۔ چار چھوٹے، چھوٹے سور جو میدے کے بنے ہوئے تھے۔ مانو اس کا دودھ پینے کے لیے اٹک ہیں۔ اس سے پرکٹ ہوتا تھا کہ سور مادہ ہے۔

جینا ٹھمیر نے پاپ ناشی کی اور دیکھ کر کہا۔ مترو، ہماری سبھا کو آج ایک نئے مہمان نے اپنے چروں سے پوتر کیا ہے۔ شر دیہ سنت پاپ ناشی، جو مرد ستھل میں ایکانت نیواس اور تپیا کرتے ہیں، آج سنیوگ سے ہمارے مہمان ہو گئے ہیں۔

کوٹا۔ متر جینا ٹھمیر، اتا اور بڑھا دو کہ انھوں نے بنا نیمغرت ہوئے یہ کرپا کی ہے، اس لیے انھی کو سمان پد کی شوبھا بڑھانی چاہئے۔

جینا ٹھمیر۔ اس لیے مترووں، ہمارا کرتویہ ہے کہ ان کے سمان تھ وہی باتیں کریں جو ان کو روچی کر ہوں۔ یہ تو اسپٹ ہے کہ ایسا تیاگی پڑش سالوں کی گندھ کو اتا روچی کر نہیں سمجھتا جتنا پوتر وچاروں کی گندھ کو۔ اس میں کوئی سند یہہ نہیں ہے کہ جتنا آند انھیں عیسائی دھرم سدا حانتوں کے دیوتیجن سے پراپت ہوگا، جن کے وہ الویائی ہیں، اتا اور وہی سے

نہیں ہو سکتا۔ میں سویم اس ویٹین کا پکھش پاتی ہوں، کیوں کہ اس میں کتنے ہی سرداگم
 مندر اور وچتر روپوں کا سا ویٹش ہے جو مجھے اتھیت پرے ہیں۔ اگر شبدوں سے آشیے کا
 انومان کیا جاسکتا ہے، تو عیسائی سدھانتوں میں سنیے کی ماترا ہر چہ ہیں اور عیسائی دھرم گرنہ
 ایشورگیان سے پری پورن ہیں۔ لیکن سنت پاپ ناشی، میں یہودی دھرم گرنہوں کو ان کے سامان
 سامان کے یوگھے نہیں سمجھتا۔ ان کی رچنا ایشورے گیان دوارا نہیں ہوئی ہے۔ ورن ایک پشاج
 دوارا جو ایشور کا مہان شتر و تھا۔ اسی پشاج نے، جس کا نام آئیوے تھا ان گرنہوں کو لکھوایا۔ وہ
 ان دشت آتماؤں میں سے تھا جو زک لوک میں بستے ہیں اور ان سمست وڈمب ناؤں کے
 کارن ہیں جن سے منگیہ ماتر پیڑت ہیں، لیکن آئی وے اگیان، کٹیپا اور گرورتا میں ان
 سبوں سے بڑھ کر تھا۔ اس کے وڈھ سونے کے پروں کا سا سرپ جو گیان وردھ سے لپٹا
 ہوا تھا، پریم اور پرکاش سے بنایا تھا۔ ان دونوں ہلکتیوں میں ایک پرکاش کی تھی اور دوسری
 اندھکار کی تھی۔ وڈھ ہوتا انی وار یہ تھا۔ یہ گھٹنا سنار کی گھٹنا سرشی کے تھوڑے ہی دنوں
 پشچات گھٹی۔ دونوں وڈوگی ہلکتیوں سے یڈھ چھڑ گیا۔ ایشور ابھی کنھن پریشم کے بعد دھرام
 نہ کرنے پائے تھے؛ آدم اور حوا، آدی پردوش، آدی استری، عدن کے باغ میں نچے گھومتے
 اور آئندہ سے جیون وقیت کر رہے تھے۔ اتنے میں در بھاگیے سے آئی وے کو سوچی کہ ان
 دونوں پرانیوں پر اور ان کی آنے والی ستانوں پر آدھچیہ جماؤں۔ ترنت اپنی درنھا کو پورا
 کرنے کا پریقن وہ کرنے لگا۔ وہ نہ گڑت میں کسل تھا۔ نہ شگیت میں، نہ اس شاستر سے
 پر پخت تھا جو راجیہ کا سپالمن کرتا ہے، نہ اس لبت کلا سے جو چت کو مکھد کرتی ہے۔ اس نے
 ان دونوں سرل بالکوں کی سی بدھی رکھے والے پرانیوں کو بھیٹکر پشاج لیلاؤں سے، شکوت
 پاک کردھ سے اور میگھ گرجنوں سے مجھے بھیت کر دیا۔ آدم اور حوا اپنے اوپر اس کی چھایا کا
 انوبھو کر کے ایک دوسرے سے چٹ گئے اور مجھے نے ان کے پریم کو اور بھی گھٹت کر دیا۔
 اس سے اس ویراث سنار میں کوئی ان کی رکھنا کرنے والا نہ تھا۔ جدھر آنکھ اٹھاتے۔ اودھر
 سٹا دکھائی دیتا تھا۔ سرپ کو ان کی یہ نہہائے دشا دیکھ کر دیا آگنی اور اس نے ان کے لبت
 کرن کو بدھی کے پرکاش سے آلوکت کرنے کا نچے کیا، جس میں گیان سے سترک ہو کر وہ
 متھیا مجھے، اور بھیٹکر پریت لیلاؤں سے چنٹ نہ ہوں۔ کتھو اس کارے کو سچارو روپ سے پورا
 کرنے کے لیے یو سی سادوہانی اور بدھسحا کی آدھیکتا تھی اور پورو دھتی کی سرل ہر دیتا نے

اسے اور بھی کھن بنا دیا۔ کتو دیا لو سرپ سے نہ رہا گیا۔ اس نے گپت روپ سے ان پرانوں کے اڈھار کرنے کا ٹپھ کیا۔ آئی دے ڈیک تو یہ مارتا تھا کہ وہ استریا می ہے لیکن۔ تمھارت میں وہ بہت سوکھم ورشی نہ تھا۔ سرپ نے ان پرانوں کے پاس آکر پہلے انھیں اپنے بیروں کی سندرنا اور کھال کی چمک سے گلدھ کر دیا۔ دیہہ سے بھن بھن آکار بنا کر اس نے ان کی وچار شکتی کو جاگرت کر دیا۔ یونان کے گڑت آچار یوں نے ان آکاروں کے ادھ بدھ گنوں کو سوکار کیا ہے۔ آدم ان آکاروں پر حوا کی ہیکشما ادھیک وچارنا تھا، کتو جب سرپ نے ان سے گیان تمود کا ودیجن کرنا شروع کیا۔ ان رمیوں کا جو پرکھش روپ سے سدھ نہیں کئے جاسکتے۔ تو اسے گیات ہوا کہ آدم لال مٹی سے بنائے جانے کے کارن اتنا استمول بدھی تھا کہ ان سوکھم دیو بھوں کو گرہن نہیں کر سکتا تھا، لیکن حوا ادھیک پندیہ ہونے کے کارن ان دشیوں کو آسانی سے سمجھ جاتی تھی۔ اس لیے سرپ سے بہودھا اکیلے ہی ان دشیوں کا نزدین کیا کرتی تھی، جس میں پہلے خود دیکشمت ہو کر تب اپنے پتی کو دیکشمت کرے۔

ڈورین۔ مہاشے جینا تھیمو، جہما کیجیے گا، آپ کی بات کا نا ہوں۔ آپ کا یہ کھن سن کر مجھے ہڈکا ہوتی ہے کہ سرپ اتنا بدھی مان اور وچار شیل نہ تھا جتنا آپ نے اسے بتایا ہے۔ بدی وہ گیانی ہوتا تو کیا وہ اس گیان کو حوا کے چھوٹے سے مستشک میں آروپت کرتا جہاں کافی استمان نہ تھا؟ میرا وچار ہے کہ وہ آئی دے کے سان ہی مورکھ اور کیل تھا اور حوا کو ایکانت میں اس لیے اپدیش دیتا تھا کہ استری کو بہکانا بہت کھن نہ تھا۔ آدمی ادھیک چر اور انوبو شیل ہونے کے کارن، اس کی بدی نیت کو ناڑ لیتا۔ یہاں اس کی دال نہ گھلتی اس لیے میں سرپ کی سادھوتا کا قائل ہوں، نہ کہ اس کی بدھی متا کا۔

جینا تھیمو۔ ڈورین تمھاری ہڈکا زمول ہے۔ قصیں یہ نہیں معلوم ہے کہ جیون کے سراوہیہ اور گوڑتم رمیہ بدھی اور انومان دوارا گرہن نہیں کیے جاسکتے، بلکہ انت جیورنی دوارا کیے جاتے ہیں۔ یہی کارن ہے کہ استریاں جو پردشوں کی بھانتی سہن شیل نہیں ہوتی ہیں پر جن کی چیتنا شکتی ادھیک سوار ہوتی ہے، ایثور دشیوں کو آسانی سے سمجھ جاتی ہیں۔ استریوں کو ست سوہن دکھائی دیتے ہیں، پردشوں کو نہیں۔ استری کا چر یا پتی دور دیش میں کسی شکٹ میں پڑ جائے تو استری کو ترنت اس کی ہڈکا ہو جاتی ہے۔ دیوتاؤں کا دتر استریوں کا سا ہوتا ہے، کیا اس کا کوئی آشے نہیں ہے؟ اس لیے سرپ کی یہ دور دیشا تھی کہ اس نے گیان کا پرکاش

ڈالنے کے لیے منہ بدمی آدم کو نہیں؛ بلکہ چھپے شیل ڈال کو پسند کیا، جو پتھروں سے بھول اور دودھ سے استغذہ تھی۔ ڈال نے سرپ کے اپدیش کو سرش سنا اور گیان درکمش کے سمپ جانے پر تیار ہو گئی، جس کی شکائیں سورگ تک سر اٹھائے ہوئے تھیں اور جو ایٹور یہ دیا سے اس بھائی اچھا دت تھا، مانو اس کی بوندوں میں نہایا ہوا ہو۔ اس درکمش کی چٹاں سمست سنار کے پرانیوں کی بولیاں بولتی تھیں اور ان کے شبدوں کے سم بشرن سے اتھیت مدھر عکیت کی دھونی نکلتی تھی۔ جو پرانی اس کا پھل کھاتا تھا، اسے کھنچ پدارھاتوں کا، پتھروں کا، دھستوں کا، پراکربک اور نیک نیوں کا سپورن گیان پراہت ہو جاتا تھا، لیکن اس کے پھل اگنی کے سنان تھے اور سنخیا تما بھیر و پرانی بھے دس اسے اپنے ہونٹوں پر رکھنے کا سامس نہ کر سکتے تھے۔ پر ڈال نے تو سرپ کے اپدیشوں کو بڑے دھیان سے سنا تھا اس لیے اس نے ان نرمول ہٹکاؤں کو تجھ سمجھا اور اس پھل کو پھنسنے پر ادھیت ہو گئی، جس سے ایٹور گیان پراہت ہو جاتا تھا۔ لیکن آدم کے پریم سوتر میں بندھے ہونے کے کارن اسے یہ کب سویکار ہو سکتا تھا کہ اس کا پتی اس سے ہین دشا میں رہے۔ اگیان کے اندھکار میں پڑا رہے۔ اس نے پتی کا ہاتھ پکڑا اور گیان درکمش کے پاس آئیں۔ تب اس نے ایک تپتا ہوا پھل اٹھایا، اسے تموڑا سا کاٹ کر کھایا اور شیش اپنے چرسگی کو دے دیا۔ مصیبت وہ ہوئی کہ آئی وے اسی سے باشیپے میں ٹہل رہا تھا جیوں ہی ڈال نے پھل اٹھایا، وہ اچانک ان کے سر پر آ پہنچا اور جب اسے گیات ہوا کہ ان پرانیوں کے گیان مچھو کھل گئے ہیں تو اس کے کردھ کی جوالا دہک اٹھی۔ اپنی سنگر سینا کو بلا کر اس نے پرتھوی کے گربھ میں ایسا بھیٹکر اتپات مچایا کہ یہ دونوں ہشتی ہین پرانی قمر قمر کا پھنسنے لگے۔ پھل آدم کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور ڈال نے اپنے پتی کی گردن میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ میں بھی اگیانی بنی رہوں گی اور اپنے پتی کی دہتی میں اس کا ساتھ دوں گی۔ وجنی آئی وے آدم اور ڈال اور ان کی بھوشیہ ستانوں کو بھے اور کا پور دشا کی دشا میں رکھنے لگا۔ وہ بڑا کھانیدی تھا۔ وہ بڑے درد آکار آکاش و جروں کے بنانے میں سدھ ہست تھا۔ اس کے کلاٹھن نے سرپ کے شاستر کو پراست کر دیا ات ایو اس نے پرانیوں کو مورکھ، انیایائی، نزدے بنا دیا اور سنار میں گمرم کا سٹہ چلا دیا۔ تب سے لاکھوں درش دقیت ہو جانے پر بھی مکھیہ نے دھرم پتہ نہیں پایا۔ یونان کے کتیپہ و ددانوں تھا مہاتماؤں نے اپنے بدمی بل سے اس مارگ کو کھوج نکالنے کا پریقن کیا۔ پچھا گورس، بلینو آدی تو گیانوں کے ہم

سدیو رنی رہیں گے، لیکن وہ اپنے پریتن میں سھلی بھوت نہیں ہوئے، یہاں تک کہ تھوڑے دن ہوئے ناصرہ کے عیسو نے اس پتہ کو مٹھ کر لیے کھوج نکالا۔

ڈورین۔ اگر میں آپ کا آٹھ ٹھیک سمجھ رہا ہوں تو آپ نے یہ کہا ہے کہ جس مارگ کو کھوج نکالنے میں یونان کے تو گیانیوں کو سھلنا نہیں ہوئی، اسے عیسو نے کن سادھنوں دوارا پالیا؟ کن سادھنوں کے دوارا وہ کتنی گیان پراپت کر لیا جو پلیٹو آدی آتم درشی مہا پرورشوں کو نہ پراپت ہو سکا۔؟

جینا تھمور۔ مہاشیے ڈورین کیا وہ بار بار تھلانا پڑے گا کہ بدھی اور ترک ددھیا پراپتی کے سادھن ہیں، کتھو پرا ددھیا آتمو لاس دوارا ہی پراپت ہو سکتی ہے۔ پلیٹو، پچھا گورس، ارسطو آدی مہاتماؤں میں اپار بدھی شکتی تھی، پر وہ الیٹور کی اس تہیہ بھکتی سے وچت تھے۔ جس میں عیسو سراپور تھے۔ ان میں وہ سمجھتا نہ تھی جو پر بھوسج میں تھی۔

برموڈورس۔ جینا تھمور، تھمارا یہ کھن سرور تھا ستیہ ہے کہ جیسے دوب اوس پی کر جیتی اور پھیلتی ہے، اسی پرکار جیو آتما کا پوشن پر م آند دوارا ہوتا ہے۔ لیکن ہم اس کے آگے بھی جا سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ کیول بدھی ہی میں پر م آند بھوگنے کی جھٹھا ہے۔ مٹھیہ میں سرور دھان بدھی ہی ہے۔ بچ بھوتوں کا بنا ہوا شریر تو جڑ ہے، جیو آتما ادھک سوکھم ہے، پر وہ بھی بھوک ہے، کیول بدھی ہی زویکار اور اکھنڈ ہے۔ جب یہ بھون روپی شریر سے پرستان کر کے، جو اکسات نرجن اور شوپے ہو گیا ہو۔ آتما کے رمنک اودھان میں وچن کرتی ہوئی الیٹور میں ساوٹ ہو جاتی ہے تو وہ پورو نچت مرتیو یا پوز جنم کے آند اٹھاتی ہے، کیونکہ جیون اور مرتیو میں کوئی اترن نہیں، اور اس اوستا میں اسے سورگے پاوتیہ میں مگن ہو کر پر م آند اور سنپورن گیان پراپت ہو جاتا ہے۔ وہ اس میں ایک پرورش ہو جاتی ہے جو سرودیانی ہے۔ اسے پر م پد یا سدھی پراپت ہو جاتی ہے۔

لیاس۔ بڑی ہی سند رکھتی ہے۔ لیکن برموڈورس، بچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ”اسیتی“ اور ”ناسیت“ میں کوئی بھینٹا نہیں دھکتی۔ شبدوں میں اس بھینٹا کو ویکت کرنے کی ساتھ یہ نہیں ہے۔ ”ہت“ اور ”شونیہ“ کی سامانتا کتنی بھیاوہ ہے۔ دونوں میں سے ایک بھی بدھی گراہ نہیں ہے۔ مستھک ان دونوں ہی کی کلپنا میں اسر تھ ہے۔ میرے وچار میں تو جس پر م پد یا موکھش کی آپ نے چمچا کی ہے وہ بہت ہی مہنگی دستو ہے۔ اس کا مولیہ ہمارا سمست جیون، نہیں،

ہمارا استو ہے۔ اسے پراہت کرنے کے لیے ہمیں پہلے اپنے استو کو مٹا دینا چاہئے۔ یہ ایک ایسی دہشتی ہے جس سے پریشور بھی کمت نہیں، کیوں کہ درشنوں کے گمیا تا اور بھکت اسے سپورن اور سدھ پر دھت کرنے میں ایزی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ سارانش یہ ہے کہ یدی ہمیں، 'است' کا کچھ بودھ نہیں تو، 'ناستی' سے بھی ہم اتنے ہی اٹھکیے ہیں۔ ہم کچھ جانتے ہی نہیں۔

کوٹا۔ مجھے بھی درشن سے پریم ہے اور اوکاش کے سے اس کا ادھین کیا کرتا ہوں۔ لیکن اس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ ہاں، سروں کے گرنوں میں ادھے اسے خوب سمجھ لیتا ہوں، راسو، کہاں مر گئے، مدھو بشرت وستو پیالوں میں بھرو۔

کلی کرانت۔ یہ ایک دچتر بات ہے، لیکن نہ جانے کیوں جب میں چمدھاتر ہوتا ہوں تو مجھے ان ناک رپنے والے کو یوں کی یاد آتی ہے جو بادشاہوں کی میز پر بھوجن کیا کرتے تھے اور میرے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ لیکن جب میں وہ سدھارس پان کر کے ترپت ہو جاتا ہوں، جس کی مہاشیہ کوٹا کے یہاں کوئی کی نہیں معلوم ہوتی، اور جس کے پلانے میں وہ اتنے اڈار ہیں تو میری کلپنا ویرس میں مگن ہو جاتی ہے، بودھاؤں کے دیرچتر آنکھوں میں پھرنے لگتے ہیں، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواریں جھنکاروں کی دھونی کان میں آنے لگتی ہے۔ مجھے لجا اور کھید ہے کہ میرا جنم ایسی ادھوگتی کے سے ہوا۔ دوش ہو کر میں بھادنا کے ہی دوارا اس رس کا آند اٹھاتا ہوں، سودھیٹا۔ دیوی کی ارادھنا کرتا ہوں اور دیروں کے ساتھ سویم دیرگتی پراہت کر لیتا ہوں۔

کوٹا۔ روم کے پرچلتا تمک راجیہ کے سنے میرے پرکھوں نے بدوش کے ساتھ اپنے پران سودھیٹا دیوی کی بھیٹ کیے تھے۔ لیکن یہ انومان کرنے کے لیے پرمانوں کی کمی نہیں ہے کہ روم نواسیوں جسے سودھیٹا کہتے تھے، وہ کیول اپنی دیوستا آپ کرنے کا۔ اپنے اوپر آپ شاشن کرنے کا ادھیکار تھا۔ میں سوکار کرتا ہوں کہ سودھیٹا سرورم وستو ہے، جس پر کسی راشٹر کو گورو ہو سکتا ہے۔ لیکن جیوں جیوں میری آج گزرتی جاتی ہے اور انوبھو بڑھتا جاتا ہے، مجھے وشواس ہوتا ہے کہ ایک سھکت اور سودھو سھت شاشن ہی پر جا کو یہ گورو پران کر سکتا ہے۔ گت چالیس درشوں سے میں بھن بھن اُچ پدوں پر راجیہ کی سیدا کر رہا ہوں اور میرے دیرگھ انوبھو نے سدھ کر دیا ہے کہ جب شاسک ہستی نزل ہوتی ہے تو پر جا کو انیائیوں کا شکار

ہونا پڑتا ہے۔ ات ایو وہ وانی کھل، زمین اور آسمان کے قلابے ملانے والے دیا کھیاتا جو شاسن کو زبل اور اپنگ بنانے کی جوشٹھا کرتے ہیں، اتھت نندنیہ کاریے کرتے ہیں۔ ایک سو پتھا چاری شاسک جو اپنی ہی اہما کے الوسار راجیہ کا سچا لن کرتا ہے، سمھوتہ کبھی کبھی پر جا کو گھور سکٹ میں ڈال دیتا ہے، لیکن اگر وہ پر جامت کے الوسار شاسن کرتا ہے تو پھر اس کے دس کا منتر نہیں وہ ایسا روگ ہے۔ جس کی او شدمی نہیں، روم راجیہ کے شستر بل دوارا سنسار میں شانتی استھاپت ہونے سے پہلے، وہی راتھر سکھی اور سرودھ تھے۔ جن کا ادھیکار کسل و چار شیل سو پتھا چاری راجاؤں کے ہاتھ میں تھا۔

ہرموڈورس۔ مہاشیے کوٹا، میرا تو دچار ہے کہ سو پوتھت شاسن پد پتی کیول ایک کلپت دستو ہے اور ہم اسے پر اپت کرنے میں سیکل نہیں ہو سکتے، کیوں کہ یونان کے لوگ بھی، جو کبھی دشیوں میں اتنے پورن اور دکھش تھے، نزدوش شاسن پر نالی کا اور بھاد نہ کر سکے۔ ات ایو اس دسے میں ہمیں سیکل ہونے کی کوئی آشا بھی نہیں۔ ہم اتنی دور بھوشیے میں اس کی کلپنا نہیں کر سکتے۔ بر بھرات لکھنوں سے پرکٹ ہو رہا ہے کہ سنسار شیکھر ہی مورکھتا اور بر برتا کے اندھکار میں گمن ہوا چاہتا ہے۔ کوٹا ہمیں اپنے جیون میں انھی آنکھوں سے بڑی بڑی بھیتر درگھنائیں دیکھنی پڑی ہیں۔ ودیا، بدھی اور سدا چرن سے جتنی مانسک سائنو تائیں لہلہدہ ہو سکتی ہیں، ان میں اب جو شیش رہ گیا ہے وہ یہی ہے کہ اُدھ پتن کا شوک درشیدہ دیکھیں۔

کوٹا۔ حرور، یہ ستیہ ہے کہ جتنا کی سوارتھ پرتا اور اسھیہ ملپتھوں کی اُدھٹا، بھانت بھیتر سمھادائیں ہیں، لیکن یدی ہمارے پاس سدڑھ سینا، سو سکھٹ ناوک شکتی اور پر چر دھن بل ہو تو۔

ہرموڈورس۔ دس، کیوں اپنے کو بھرم میں ڈالتے ہو؟ یہ مرناسن ساسراجیہ ملپتھوں کے پشو بل کا سامنا نہیں کر سکتا۔ ان کا پتن اب دور نہیں ہے۔ آہ! وہ مگر جنھیں یونان کی دگھن بدھی یا رومن داسیوں کے الو پم دھیریے نے نرمت کیا تھا۔ شیکھر ہی مدوٹت زپشوؤں کے بیروں تلے روندیں جائیں گے، لوٹیں گے اور ڈھائے جائیں گے۔ پر قوی پر نہ کلا کوشل کا چہہ رہ جائے گا، نہ درشن کا، نہ دگیان کا۔ دیوتاؤں کی منو بر پرتی مائیں دیوالیوں میں جس نہس کر دی جائیں گی۔ مانو ہردے میں بھی ان کی سرتی نہ رہے گی۔ بدھی پر اندھکار چھا جائے گا اور یہ بھومنڈل اسی اندھکار میں ولین ہو جائے گا۔ کیا ہمیں یہ آشا ہو سکتی ہے کہ لپھ

جاتیاں سنسار میں سو بدمی اور سختی کا پر سار کریں گی؟ کیا جڑیں جاتی نکلتی اور وگیان کی اپنا کرے گی؟ کیا عرب کے پشو امر دیوتاؤں کا سان کریں گے؟ کدانی نہیں۔ ہم وناش کی اور بھیٹر گئی سے پھسلے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارا پیارا متر جو کسی سے سنسار کا جیون داتا تھا، جو بھومنزل میں پرکاش پھیلاتا تھا، اس کا ساہمی استوپ بن جائے گا۔ وہ سویم اندھکار میں لپٹ ہو جائے گا۔ مرتیو دیوراسے جیز مانو بھکتی کی اتم بھینٹ پائے گا اور میں اتم دیوتا کا اتم پجاری بندہ ہوں گا۔

اتنے میں ایک وچتر مورتی نے پردا اٹھایا اور مہانوں کے سگھ ایک کھڑا، نانا منیہ ہستت ہوا جس کی چاند پر ایک بال بھی نہ تھا۔ وہ ایشیا نیاسیوں کی بھانتی ایک لال چوٹا اور اسکیہ جاتیوں کی بھانتی لال پاچاما پہنے ہوئے تھا جس پر سنہرے یوٹے بنے ہوئے تھے۔ پاپ ناشی اسے دیکھتے ہی پہچان گیا اور ایسا بھے بھیت ہوا مانو آکاش سے وجر گر پڑے گا۔ اس نے ترنت سر پر ہاتھ رکھ لیے اور تھر تھر کا پنے لگا۔ یہ پرانی مارکس ایرین تھا جس نے عیسائی دھرم میں نوین وچار کا پرچار کیا تھا۔ وہ عیسو کے انداتو پر وٹواس نہیں کرتا تھا۔ اس کا کتھن تھا کہ جس نے جنم لیا، وہ کدانی اندی نہیں ہو سکتا۔ پرانے وچار کے عیسائی، جن کا کھ پاتر نیسا تھا، کہتے ہیں کہ بدھی مسج نے دیہ دھارن کی کتھ وہ است کال سے وڈمان ہے۔ ات ایو نیسا کے بھکت ایرین کو دھری کہتے تھے۔ اور ایرین کے انویائی نیسا کو مورکھ، مند بدمی پاگل اڈی اپادھی دیتے تھے۔ پاپ ناشی نیسا کا بھکت تھا۔ اس کی درشی میں ایسے دھری کو دیکھنا بھی پاپ تھا۔ اس سب کو وہ پشاجوں کی سبھا سمجھتا تھا۔ لیکن اس پشاج سبھا میں پرکرت وادیوں کے اپواد اور وگیانیوں کا دوکھ پناؤں سے بھی وہ اتنا سلکھ اور چنچل نہ ہوا تھا۔ لیکن اس دھری کی استھتی ماتر نے اس کے پران ہر لیے۔ وہ بھاگنے ہی والا تھا کہ سہا اس کی نگاہ تھالیں پر جا پڑی اور اس کی ہمت بندھ گئی۔ اس نے اس کے لیے، لہراتے ہوئے، لپٹے کا کنارہ پکڑ لیا اور من میں پر بھو مسج کی وندنا کرنے لگا۔

ہستت جنوں نے اس پر تیما شالی وڈوان پڑش کا بڑے سان سے سواگت کیا، جسے لوگ عیسائی دھرم کا پلیٹو کہتے تھے ہر موڈ ورس سب سے پہلے بولا۔

نہرم آدرنیہ مارکس، ہم آپ کو اس سبھا میں پد آرہن کرنے کے لیے ہر دے سے دھنے داد دیتے ہیں۔ آپ کا شہد آگمن بڑے ہی شہد اور پر ہوا ہے۔ ہمیں عیسائی دھرم کا اس

سے ادھک گیان نہیں ہے، جتنا پرکٹ روپ سے پانٹھ شالاؤں کے پانھیر کرم میں رکھا ہوا ہے۔ آپ گیانی مڈس ہیں، آپ کی دھارشیلی سادھارن جتنا کی دھارشیلی سے اوشیہ بھن ہوگی۔ ہم آپ کے مکھ سے اس دھرم کے رمبیوں کی مہمانہ سننے کے لیے اتسک ہیں جن کے آپ انویائی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے متر جینا تھمیر کو نچے روپکوں اور درھانوں کی دھن سوار رہتی ہے، اور انھوں نے ابھی پاپ ناشی مہودے سے بیہودی گرتھوں کے دھپے میں کچھ جلیاسا کی تھی۔ لیکن اکت مہودے نے کوئی اتڑ نہیں دیا اور ہمیں اس کا کوئی اثر پیے نہ ہونا چاہیے کیوں کہ انھوں نے مون ورت دھارن کیا ہے۔ لیکن آپ نے عیسائی دھرم سہاؤں میں دیا گیان دیے ہیں۔ بادشاہ کانٹھین ٹائن کی سہا کو بھی آپ نے اپنی امرت دانی سے کرتا رتھ کیا ہے۔ آپ چاہیں تو عیسائی دھرم کا تاتوک ویوٹھن اور ان گیت آشاؤں کا اسپشنی کرن کر کے، جو عیسائی دنت کھٹاؤں میں نہایت ہیں، ہمیں ستھٹ کر سکتے ہیں۔ کیا عیسائیوں کا مکھیہ سدھانت تو حید (ادویت واد) نہیں ہے، جس پر میرا دھواں ہوگا۔؟

مارکس۔ ہاں، سوگھیہ متروں، میں ادویت وادی ہوں! میں اس الٹور کو ماننا ہوں جو نہ جنم لیتا ہے، نہ مرتا ہے جو جھٹ ہے، اتادی ہے، سرشی کا کرتا ہے۔

نسیاس۔ مہاشیہ مارکس، آپ ایک الٹور کو مانتے ہیں، وہ سن کر ہرٹس ہوا۔ اسی نے سرشی کی رچنا کی، یہ وکٹ سمیا ہے۔ یہ اس کے جیون میں بڑا کرائتی کاری سے ہوگا۔ سرشی رچنا کے پہلے بھی وہ جھٹ کال سے وڈھ مان تھا۔ بہت سوچ دھار کے بعد اس نے سرشی کو رچنے کا ٹچے کیا۔ اوشیہ ہی اس سے اس کی استھا اتھیت شوچیدہ رہی ہوگی۔ اگر سرشی کی اتھتی کرتا ہے تو اس کی اکھٹتا، سپورنٹا میں بادھا پڑتی ہے، اگر مہیہ بنا بیٹھا رہتا ہے تو اسے اپنے استھوی پر بھرم ہونے لگتا ہے، کسی کو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی، کوئی اس کی چرچا ہی نہیں کرتا آپ کہتے ہیں، اس نے انت میں سنسار کی رچنا کو ہی آویٹک سمجھا۔ میں آپ کی بات مان لیتا ہوں، یہ مہیہ ایک سر وکھتی مان الٹور کے لیے اتا کیرتی لولپ ہونا شو بھامیں دیتا۔ لیکن یہ تو بتائیے اس نے کیوں کر سرشی کی رچنا کی۔؟

مارکس۔ جو لوگ عیسائی نہ ہونے پر بھی، ہرموڈورس اور جینا تھمیر کی بھانتی گیان کے سدھانوں سے پری چت ہیں، وہ جانتے ہیں کہ الٹور نے اکیلے بنا سہایتا کے سرشی نہیں کی۔ اس نے ایک پتر کو جنم دیا اور اسی کے ہاتھوں سرشی کا بیجا روپن ہوا۔

ہرموڈورس۔ مارکس، یہ سرو تھا ستیہ ہے۔ یہ پتر بھن بھن ناموں سے پردہ ہے جیسے ہیر میز، اپولو اور عیسو۔

مارکس۔ یہ میرے لیے کلک کی بات ہوگی اگر میں اسے کرائیٹ، عیسو اور اڈا ہارک کے سوائے اور کسی نام سے یاد کروں۔ وہی المیور کا سچا بیٹا ہے۔ لیکن وہ انادی نہیں ہے۔ کیوں کہ اس نے جنم دھارن کیا۔ یہ ترک کرنا کہ جنم سے پورو بھی اس کا استیو تھا، معہیا وادی نیسانی گدھوں کا کام ہے۔

یہ کھن سن کر پاپ ناشی انت ویدنا سے دکل ہو اٹھا۔ اس کے ماتھے پر پینے کی بوندیں آگئیں۔ اس نے صلیب کا آکار بنا کر اپنے چت کو شانت کیا۔ کٹو کھ سے ایک شبد بھی نہ نکلا۔

مارکس نے کہا۔ یہ زردیواد سدھ ہے کہ بدھی پن نیسائیوں نے سرو ہستی مان المیور کو اپنے کرا دل لب کا اچھک بنا کر عیسائی دھرم کو کلکت اور اہمات کیا ہے۔ وہ ایک ہے، اکلنڈ ہے۔ پتر کے سہوگ کا آشرت بن جانے سے اس کے یہ گن کہاں رہ جاتے ہیں؟ کسی یاس عیسائیوں کے سچے المیور کا پری ہاس نہ کرو۔ وہ ساگر کے سپت دلوں کے سدرش کیول اپنے دکاس کی منو ہرتا پردرشت کرتا ہے، کدال نہیں چلاتا، سوت نہیں کاٹتا۔ سرشی رچنا کا شرم اس نے نہیں اٹھایا۔ یہ اس کے پتر عیسو کا کرتیہ تھا۔ اسی نے اس دسترت بھومنڈل کو آتھن کیا اور تب اپنے شرم پھل کا پتر سنسار کرنے کے ہمت پھر سنسار میں اودرت ہوا، کیوں کہ سرشی زردوش نہیں تھی، من کے ساتھ پاپ بھی ملا ہوا تھا، دھرم کے ساتھ اہرم بھی، بھلائی کے ساتھ برائی بھی۔

نیاس۔ بھلائی اور برائی میں کیا انتر ہے۔

ایک شن کے لیے سبھی وچار میں گمن ہو گئے۔ سہا ہرموڈورس نے میز پر اپنا ایک ہاتھ پھیلا کر ایک گدھے کا چر دکھایا جس پر دو ٹوکریں لدے ہوئے تھے۔ ایک میں شویت زجون کے پھول تھے؛ دوسرے میں شیام زجون کے۔

ان ٹوکروں کی اور سکیت کر کے اس نے کہا۔ دیکھو رنگوں کی دھمکتا آنکھوں کو کتنی پرے لگتی ہے۔ ہمیں یہی پسند ہے کہ ایک شویت ہو، دوسرا شیام۔ دونوں ایک ہی رنگ کے ہوتے تو ان کا میل اتنا سندر نہ معلوم ہوتا۔ لیکن یہی ان پھولوں میں وچار اور گیان ہوتا تو

شوہت پھپ کہتے۔ زوجوں کے لیے شوہت ہونا ہی سرواٹم ہے۔ اسی طرح کالے پھول سفید پھولوں سے گھرا کرتے۔ ہم ان کے گمن اوگن کی پرکھ نہیکھش بھاد سے کر سکتے ہیں، کیوں کہ ہم ان سے اتنے ہی اونچے ہیں جتنے دیوتا گمن ہم سے۔ ٹخے کے لیے، جو دستوں کا ایک ہی بھاگ دیکھ سکتا ہے، برائی برائی ہے۔ ایٹور کی آنکھوں میں، جو سرگیہ ہے، برائی بھلائی ہے۔ نس سند یہی ہی کر دپا کروپ ہوتی ہے، سند نہیں ہوتی، کنویدی سبھی دستوں سند ہو جائیں تو سندرتا کا لوپ ہو جائے گا اس لیے پرمادھیک ہے کی برائی کا ناش نہ ہو! نہیں تو سنار رہنے کے یوگیہ نہ رہ جائے گا۔

یوکرانٹیز۔ اس وشے پر دھارک بھاد سے وچار کرنا چاہیے۔ برائی برائی ہے لیکن سنار کے لیے نہیں، کیونکہ اس کا مادھریہ ان شور اور استھائی ہیں؛ بلکہ اس پرانی کے لیے جو کرتا ہے اور بنا کیے رہ نہیں سکتا۔

کوٹا۔ زد پٹیر سا کھشی ہے، یہ بڑی سند رکھتی ہے۔

یوکرانٹیز۔ ایک مرملیہ کوئی نے کہا ہے کہ سنار ایک رنگ بھوی ہے۔ اس کے نرماتا ایٹور نے ہم میں سے پرتیک کے لیے کوئی نہ کوئی ابھینے بھاگ دے رکھا ہے۔ یدی اس کی لھما ہے کہ تم بھکھک، راجا یا اپنگ ہو، تو دیرتھ رو رو کر دن مت کاٹو، دن تمھیں جو کام سونا گیا ہے، اسے محاسادھے آتم ریتی سے پورا کرو۔

لیاس۔ جب کوئی مجنھٹ ہی نہیں رہا۔ لٹڑے کو چاہیے کہ لٹڑائے، پاگل کو چاہیے کہ خوب دھوندھ چائے؛ بھتا اتپات کر سکے، کرے۔ کھلا کو چاہیے جتنے گھر گھالتے بنے گھالے جتنے گھاٹوں کا پانی پی سکے، پے؛ جتنے ہردیوں کا سروناش کر سکے، کرے۔ دیش دروہی کو چاہیے کہ دیش میں آگ لگا دے، اپنے بھائیوں کا گلا کٹوا دے، جھوٹے کو جھوٹ کا اڈھٹا۔ بھوٹا بنانا چاہئے، ہتھیارے کو چاہیے کہ رکت کی ندی بہا دے، اور ابھینے ساہت ہو جانے پر سبھی کھلاڑی، راجا ہو یا ریک، نیائی ہو یا انیائی، خونی، ظالم، سنی کامبیاں، کل کلھنی استریاں، بجن، درجن، چور، ساہو سب کے سب ان کوئی مہودے کے پرھنسا پاتر بن جائیں، سبھی سامان روپ سے سراہے جائیں۔ کیا کہنا!

یوکرانٹیز۔ لیاس، تم نے میرے وچار کو بالکل وکرت کر دیا، ایک ترون یودتی سندری کو بھیکر پٹا چینی بنا دیا۔ یدی تم دیوتاؤں کی پرکرتی، نیائے اور سرو دیوانی نیوں سے اتنے

اپرچٹ ہو تو مہماری دشا پر جتنا کھید کیا جائے، اتنا کم ہے۔

جینا تھمبو۔ مترو، میرا تو بھلائی اور برائی، سوکرم اور سوکرم دونوں ہی کا سٹے پر اٹل دشواس ہے لیکن مجھے بھی دشواس ہے کہ مکھیہ کا ایک بھی ایسا کام نہیں ہے۔ چاہے وہ جودا کا کپٹ دیوہار ہی کیوں نہ ہو۔ جس میں کتئی کا سادھن جی روپ میں، پرستوت نہ ہو۔ ادھرم مانو جاتی کے اڈھار کا کارن ہو سکتا ہے، اور اس چو سے، وہ دھرم کا ایک اُنش ہے اور دھرم کے پھل کا بھاگی ہے۔ عیسائی دھرم گرتھوں میں اس دشنے کی بڑی سند دیاکھیا کی گئی ہے۔ عیسو کے ایک ششیہ ہی نے ان کا شانتی جمن کر کے انھیں پکڑا دیا۔ کٹھو عیسو کے پکڑے جانے کا پھل کیا ہوا؟ وہ صلیب پر کھینچے گئے اور پران ماتر کے اڈھار کی ویوستھا نچٹ کردی، اپنے رکت سے مکھیہ ماتر کے پاؤں کا پریانچٹ کر دیا۔ ات ابو میری نگاہ میں وہ ترسکار اور گھبرا سرتھا انیائے پورن اور نندنیہ ہے جو سینٹ پال کے ششیہ کے پرتی لوگ بھوشیہ دانی کی تھی جو انہی کی سدھانتوں کے انوسار مانو جاتی کے اڈھار کے لیے آدھیک تھا اور یدی جودا تیں مدرائیں نہ لیا ہوتا تو ایشریہ دیوستھا میں بادھا پڑتی، پورونچٹ گھنٹاؤں کی شرکھلا ٹوٹ جاتی دیوی ودھانوں میں وتی کرم ابھتھت ہو جاتا اور سنسار میں اڈیا، امیان اور ادھرم کی توتی بولنے لگتی۔

مارکس۔ پر م آتما کو ودیت تھا کہ جودا، بنا کسی کے دباؤں کے کپٹ کر جائے گا، ات ابو اس نے جودا کے پاپ کو کتئی کے دشال بھون کا ایک مکھیہ سمجھ بنا لیا۔ جینا تھمبو۔ مارکس مہودے، میں نے ابھی جو کتھن کیا ہے، وہ اس بھاو سے کیا ہے مانوسج کے صلیب پر چڑھنے سے مانو جاتی کا اڈھار پورن ہو گیا۔ اس کا کارن ہے کہ میں عیسائیوں ہی کے گرتھوں اور سدھانتوں سے ان لوگوں کی بھرائی سدھ کرنا چاہتا تھا، جو جودا کو دھلکارنے سے باز نہیں آتے! لیکن واستو میں عیسیٰ میری نگاہ میں تین کتئی داتاؤں میں سے کیول ایک تھا۔ کتئی کے رمیہ کے دشنے میں یدی آپ لوگ جاننے کے لیے اتھک ہوں تو میں بتاؤں کہ سنسار میں اس سسیا کی پورتی کیوں کر ہوئی؟

ابھتھت جنوں نے چاروں اور سے ”ہاں، ہاں کی۔ اتنے میں بارہ، یوتی بالیکائیں، اتار، انکور، سیب آدی سے بھرے ہوئے ٹوکڑے سر پر رکھے ہوئے، ایک اتھروست دینا کے تالوں پر چیر رکھتی ہوئی، مندگتی سے سجا میں آئیں اور ٹوکڑوں کو میز پر رکھ کر اٹلے پاؤں لوٹ

گئیں، دینا بند ہوگئی اور جینا تمیز نے یہ کٹھن شریع کی۔ ”جب المیور کی دھار ہشتی نے جس کا نام یونیاں ہے، سنسار کی رہنا سہت کر لی تو اس نے اس کا شان ادھیکار سورگ دوتوں کو دے دیا۔ لیکن ان شاسکوں میں یہ وی ویک نہ تھا جو سوامیوں میں ہونا چاہیے، جب انھوں نے منشیوں کی روپ دتی کنیا تیں دیکھیں تو کاماثر ہو گئے، سندھیا سے کنوئیں پر اچانک آکر انھیں گھیر لیا، اور اپنی کام داسنا پوری کی۔ اس سنیوگ سے ایک اپڑ جاتی اچھپہ ہوئی۔ جس نے سنسار میں انیائے اور کرورتا سے ہاہا کار چا دیا، پرتھوی نر پرادھیوں کے رکت سے تر ہوگئی، بے گناہوں کی لاشوں سے سڑکیں پٹ گئیں اور اپنی سرشتی کی یہ دردشا دیکھ کر یونیاں اتیت شواکثر ہوئی۔

اس نے دیراگیہ سے بھرے ہوئے میروں سے سنسار پر درشتی پات کیا۔ اور لمبی سانس لے کر کہا۔ یہ سب میری کرنی ہے۔ میرے پتر وپتی۔ ساگر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور میرے ہی اوتپار سے انھیں میرے پاپوں کا پھل بھوگنا پڑ رہا ہے اور میں اس کا پراشیت کر دوں گی۔ سویم المیور، جو میرے ہی دوارا دھار کرتا ہے، ان میں آدم ستیانفٹھا کا سنجار نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہو گیا، ہو گیا، یہ سرشتی اہت کال تک ددشت رہے گی۔ لیکن کم سے کم میں اپنے بالکوں کو اس دش میں نہ چھوڑوں گی۔ ان کی رکشہ کرنا میرا کرتویہ ہے۔ یدی میں انھیں اپنے سان سکھی نہیں بنا سکتی تو اپنے کو ان کے سان دکھی تو بنا سکتی ہوں۔ میں نے ہی دیہہ دھاری بنایا ہے۔ جس سے ان کا اپکار ہوتا ہے، ات ایو میں سویم انھی کی سی دیہہ دھارن کروں گی اور انھی کے ساتھ جا کر رہوں گی۔

یہ نچچے کر کے یونیاں آکاش سے اتری اور یونان کی ایک استری کے گربھ میں پروشہ ہوئی۔ جنم کے سے وہ منھی۔ سی دربل پران ہین شیشو تھی۔ اس کا نام میلن رکھا گیا۔ اس کی بالیہ اوستا بڑی تکلیف سے کٹی، لیکن یودتی ہو کر وہ اتیو سندری رنی ہوئی، جس کی روپ شوبھا انوپم تھی۔ یہی اس کی لہتا تھی، کیوں کہ وہ چاہتی تھی کہ اس کا نشور شریر گھور تم لپساؤں کی پرکشہا مگنی میں جٹے۔ کام لولپ اور اودٹ منشیوں سے اپہرت ہو کر اس نے سمت سنسار کے دے بھچکار، بلاکار اور دھٹکا کے دغ سوروپ، سبھی پرکار کی امانوشیہ یاتنا تیں سہی؛ اور اپنے سوندریہ دوارا راشٹروں کا سنہار کر دیا، جس میں المیور بھومنڈل کے لگرموں کو چھما کر دے، اور وہ المیور بے دھار ہشتی، وہ یونیاں، سبھی اپنی اپنی جگہ شوبھا کو پراہت نہ ہوئی تھی۔ اب وہ ناری

روپ دھارن کر کے، یودھاؤں اور گوالوں کو - حمادسراپنی فیتا پر استھان دیتی تھی۔ کویجنوں نے اس سے دیوی مہتو کا انوبھو کر کے ہی اس کے چہرے کا اتنا شانت، اتنا سندر، اتنا گھانک چرن کیا ہے اور ان شبدوں میں اس کا سبودھن کیا ہے۔ تیری آتما نچیل ساگر کی بھائی شانت ہے! اس پرکار پشچا تاپ اور دیا نے یونیاں سے بچ سے بچ کرم کرائے، اور دارون دکھ جمیلوایا۔ انت میں اس کی مرتیو ہوگئی اور اس کی جنم بھوی میں ابھی تک اس کی قبر موجود ہے۔ اس کا مرنا اوشیک تھا، جس میں وہ بھوگ دلاس کے پشچات مرتیو کی پٹا کا انوبھو کرے اور اپنے لگائے ہوئے درکمش کے کڑوے پھل چکھے۔ لیکن ہیلن کے شریر کو تیاگ کرنے کے بعد اس نے پھر استری کا جنم لیا اور پھر نانا پرکار کے ایمان اور کلک ہے۔ اسی بھائی جنم جہاتروں سے وہ پرتھوی کا پاپ بھار اپنے اوپر لیتی چلی آتی ہے۔ اور اس کا یہ امت آتما سمرن نچھل نہ ہوگا! ہمارے پریم سوتر میں بندھی ہوئی وہ ہماری دشا پر روتی ہے، ہمارے کشنوں سے پیڑیت ہوتی ہے، اور انت میں وہ اپنا اور اپنے ساتھ ہمارا اذھار کرے گی اور ہمیں اپنے بقول، اودار دیا مے ہردے سے لگائے ہوئے سورگ کے شانتی بھون میں پہنچا دے گی۔

ہرموڈرس۔ یہ کتنا مجھے معلوم تھی۔ میں نے کہیں پڑھایا سنا ہے کہ اپنے ایک جنم میں یہ سمن جادوگر کے ساتھ رہی۔ میں نے دھار کیا تھا کہ ایشر نے اسے یہ دغ دیا ہوگا۔ جینا تھمیز۔ یہ ستم ہے۔ ہرموڈرس، کہ جو لوگ ان رمیوں کا متھن نہیں کرتے، ان کو بھرم ہوتا ہے کہ یونیاں سے سوتچھا سے یہ سترنا نہیں چھیلی، ورن اپنے کرموں کا دغ بھوگا۔ پرنو - حماتھ میں ایسا نہیں ہے۔

کلی کرانت۔ مہاراج جینا تھمیز، کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ بار بار جنم لینے والی ہیلن اس سے کس دلش میں، کس دلش میں، کس نام سے رہتی ہیں؟

جینا تھمیز۔ اس سجد کو کھولنے کے لیے اسادھارن بدمی چاہیے، اور ناراض نہ ہونا کلی کرانت، کو یوں کے حصے میں بدمی نہیں آتی۔ انھیں بدمی لے کر کرنا ہی کیا ہے۔ وہ تو روپ کے سنسار میں رہتے ہیں اور بالکوں کی بھائی سبدوں اور کھلونوں سے اپنا منورجن کرتے ہیں۔ کلی کرانت۔ جینا تھمیز، ذرا زبان سنجال کر باتیں کرو۔ جانے ہو دیوگن کو یوں سے کتنا پریم کرتے ہیں؟ ان کے بھکتوں کی نندا کرو گے تو وہ روشت ہو کر تمھاری درگتی کر

ڈالیں گے۔ امر دیوتاؤں نے سویم آدم نئی پدوں ہی میں جھوٹ کی اور ان کی آکاش وانیوں پدوں ہی میں اورت ہوتی ہے۔ بھجن ان کے کانوں کو کتنے پرے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کوی جن ہی آتم گیانی ہوتے ہیں، ان سے کوئی بات چھی نہیں رہتی؟ کون نی، کون پیخیر، کون اوتار تھا جو کوی نہ رہا ہو؟ میں سویم کوی ہوں اور کوی دیو اپولو کا بھکت ہوں۔ اس لیے میں یونیاں کے درقان روپ کا رسیہ ہلا سکتا ہوں۔ ہیلن ہمارے سمپ ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم سب اسے دیکھ رہے ہیں۔ تم لوگ اسی رنی کودیکھ رہے ہو جو اپنی کرسی پر نکیہ لگائے بیٹھی ہوئی ہے۔ آنکھوں میں آنسو کی بوندیں موتیوں کی طرح جھلک رہی ہیں اور ادھروں پر اجر پت پریم کی لہجا جیوتنا کی بھائی چھائی ہوئی ہے۔ یہ وہی استری ہے۔ وہی انوپم سوندریہ والی یونیاں، وہی وشال روپ دھارنی ہیلن، اس جنم میں من موئی تھالیں ہے۔

فیلینا۔ کیسی باتیں کرتے ہوگی کرانت؟ تھالیں ٹروجن کی لڑائی میں؟ کیوں تھالیں، تم نے ایلیز آجکس مہرس آدی شورویروں کو دیکھا تھا؟ اس سے گھوڑے بڑے ہوتے تھے؟ ایرسا بولس۔ گھوڑوں کی بات چیت کون کرتا ہے۔ مجھ سے کرو۔ میں اس ودیا کا اودتیہ گیاتا ہوں۔

چیریاس نے کہا۔ میں بہت پی گیا۔ اور وہ میز کے نیچے گر پڑا۔ کلی کرانت نے پیالہ بھر کر کہا۔ جو پی کر گر پڑے ان پر دیوتاؤں کا کوپ ہو! وردھ کوٹا نندرا میں مگن تھے۔

ڈورین تھوڑی دیر سے بہت دیگر ہو رہے تھے۔ آنکھیں چڑھ گئیں تھیں اور نتھنے پھول گئے تھے۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے تھالیں کی کرسی کے پاس آکر بولے۔ تھالیں، میں تم سے پریم کرتا ہوں، یہ جی پی پریماسکت ہونا بڑی نندا کی بات ہے۔ تھالیں۔ تم نے پہلے کیوں مجھ پر پریم نہیں کیا؟ ڈورین تب تو پیای نہ تھا۔

تھالیں۔ میں نے تو اب تک نہیں پیای، پھر تم سے پریم کیسے کروں؟ ڈورین اس کے پاس سے ڈروسیا کے پاس پہنچا، جس نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا۔ اس کے پاس جاتے ہی اس کے استھان پر جینا تھمیر آپہنچا اور تھالیں کے کپلوں پر اپنا پریم ایکٹ کر دیا۔ تھالیں نے کردھ ہو کر کہا۔ میں تھیں اس سے ادھک دھرم آتما سمجھتی تھی!

جینا تھمیز۔ میں سدھ ہوں اور سدھ مگن کسی نیم کا پالن نہیں کرتے۔
تھائیں۔ لیکن تھمیں یہ بچے نہیں ہے کہ استری کے آٹکن سے تھماری آتما اہتر ہو
جائے گی؟

جینا تھمیز دیہہ کے بھرٹ ہونے سے آتما بھرٹ نہیں ہوتی۔ آتما کو پرتھک رکھ کر
دشے بھوک کا سکھ اٹھایا جاسکتا ہے۔

تھائیں۔ تو آپ یہاں سے کھٹک چاہیے۔ میں چاہتی ہوں کہ جو مجھے پیار کرے وہ
تن من سے پیار کرے۔ فلاسفر سبکی بڑھے بکرے ہوتے ہیں۔ ایک ایک کر کے سبکی دیکھ بھ
مئے۔ اوشا کی پہلی کرنیں جو پردوں کی دراروں سے بھیر آری تھیں، مہانوں کی چڑھی ہوئی
آنکھوں اور سنولائے ہوئے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ ایریٹوبولس چیریاں کی بٹل میں پڑا
خرائے لے رہا تھا۔ جینا تھمیز مہودے، جو دھرم اور ادھرم کی سٹا کے قائل تھے، فلپینا کو ہرے
سے لگائے پڑے ہوئے تھے سنار سے دیرکت ڈورین مہا شے ڈوریا کے آدوں ہن دکھش پر
شراب کی بوندیں پکاتے تھے جو گوری چھاتی پرالوں کی بھاتی ناچ رہی تھیں اور وہ دیراگی
پرش ان بوندوں کو اپنے ہونٹ سے پکڑنے کی جھٹھا کر رہا تھا۔ ڈوریا کھٹکلا رہی تھی اور
بوندیں گدگدے دکھش پر، آیا کی بھاتی ڈورین کے اہوٹوں کے سامنے سے بھاتی تھیں۔
سہا پوکرنی ٹیز اٹھا اور نیاس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوسرے کرے کے
دوسرے سرے پر لے گیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ متر، اس سے کس دچار میں ہو، اگر تم میں اب بھی دچار
کرنے کی سار تھہ ہے۔

نیاس نے کہا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ استریوں کا پریم انڈانس کی دائیکا کے سان ہے۔
اس سے تھمارا کیا آشے ہیں؟

نیاس۔ کیوں، تھمیں معلوم نہیں کہ استریاں اپنے آگن میں دغس کے پریمی کے
اسرتی سورپ، مٹی کے گلوں میں چھوٹے چھوٹے پودھے لگاتی ہیں؟ یہ پودھے کچھ دن ہرے
رہتے ہیں، پھر مرجھا جاتے ہیں۔

اس کا کیا مطلب ہے نیاس؟ یہی کہ مرجھانے والی نشور دستوؤں پر پریم کرنا
مورکھتا ہے۔

لیاس نے گمبیر سور میں اتر دیا۔ مزیدی سوندریہ کیول چھایا ماتر ہے، تو دانا بھی دانی کی دنگ سے ادبک اتر نہیں۔

سوندریہ کی لیٹھا کرنا پاگل پن نہیں تو کیا ہے؟ یہ ہمدی شکست نہیں ہے۔ جو سویہ استھائی نہیں ہے اس کا بھی اسی کے ساتھ انت ہو جانا اتر ہے۔ دانی کھسکی ہوئی چھانہہ کو نگل جائے، یہی اچھا ہے۔

یوکرانیز نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔ لیاس، تم مجھے اس بالک کے سان جان پڑتے ہو جو ٹھنڈوں کے بل چل رہا ہو۔ میری بات مانو۔ سوادھین ہو جاؤ۔ سوادھین ہو کر تم مٹیہ بن جاتے ہو۔

’یہ کیوں کر ہو سکتا ہے یوکرانیز، کہ شریہ کے رچے ہوئے مٹیہ نکت ہو جائے؟‘
 ’پر یہ پتر، تمہیں یہ سنگھری گیات ہو جائے گا۔ ایک فن میں تم کھو گے یوکرانیز ملک ہو گیا۔‘

بدھ پڑش ایک سنگ مرمر کے استھ سے پیٹھ لگائے یہ باتیں کر رہا تھا اور سوریہ اُدے کی پرتم جیوتی ریکھائیں اس کے ٹکھ کو آلوکت کر رہی تھیں۔ ہرموڈورس اور مارکس بھی اس کے سمپ آکر لیاس کی بغل میں کھڑے تھے اور چاروں پرانی، بندراسیوہوں کے ہنسی ٹھٹھ کی پرواہ نہ کر کے گیان چرچا میں گن ہو رہے تھے۔ یوکرانیز کا کٹھن اتنا دھارپورن اور مدھر تھا کہ مارکس نے کہا۔ تم سچ پر ماتا کو جاننے کے پگیہ ہو۔

یوکرانیز نے کہا۔ سچا پر ماتا سچ مٹیہ کے ہر دیہ میں رہتا ہے۔
 تب وہ لوگ مرتیو کی چرچا کرنے لگے۔

یوکرانیز نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ جب وہ آئے تو مجھے اپنے دوشوں کو سدھارنے اور کرتہوں کا پالن کرنے میں لگا ہوا دیکھے۔ اس کے سنگھ میں اپنے نزل ہاتھوں کو آکاش کی اُور اٹھاؤں گا اور دیوتاؤں سے کہوں گا۔ پوجیہ دیوں، میں نے تمہاری پرتھاؤں کا لیش ماتر بھی ایمان نہیں کیا جو تم نے میری آتما کے مندر میں پر تھٹھ کر دی ہے۔ میں نے وہیں اپنے دھاروں کو، پشپ ملاؤں کو، دیکوں کو، سنگدھ کو تمہاری بھینٹ کیا ہے۔ میں نے تمہارے ہی اپدیشوں کے الو سار جیون وجھت کیا ہے، اور اب جیون سے اکتا گیا ہوں۔

دھن یونان کی لالت کلاؤں کی دیوی ہے اور اژانس اس کا پر پی ہے۔ (مترجم)

یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھوں کو اوپر کی طرف اٹھایا اور ایک ہل و چار میں گن رہا۔ تب وہ آہستہ سے اُٹھت ہو کر بولا — یوکرانٹیز، اپنے کو جیون کے پر تھک کر لے، اس بچے پھل کی بھانٹی جو در کچھ سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے، اس در کچھ کو دھنیہ داد دے جس نے تجھے پیدا کیا اور اس بھوی کو دھنیہ داد دے جس نے تیرا پالن کیا۔ یہ کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے دستروں کے نیچے سے ننگی کٹار نکالی اور اپنی چھاتی میں چھپالی۔

جو لوگ اس کے سنگھ کھڑے تھے، ترنت اس کا ہاتھ پکڑنے دوڑے، لیکن فولادی نوک پہلے ہی ہر دیہ کے پار ہو چکی تھی۔ یوکرانٹیز نروان پد پراپت کر چکا تھا۔ ہر موڈوس اور نیاس نے رکت میں سنی ہوئی دیہہ کو ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ استریاں چیخنے لگیں، نیند سے چوٹے ہوئے مہمان گزانے لگے۔ ذیو وردھ کوٹا: جو پرانے سپاہیوں کی بھانٹی ٹکڑ نیند سوتا تھا، جاگ پڑا، شو کے سمپ آیا، گھاؤ کو دیکھا اور بولا— میرے ویدھ کو بلاؤ۔

نیاس نے نراشا سے سر ہلا کر کہا— یوکرانٹیز کا پران انت ہو گیا، اور لوگوں کو جیون سے جتنا پریم ہوتا ہے، اتنا ہی پریم انیس مرتبہ سے تھا۔ ہم سبھوں کی بھانٹی انھوں نے بھی اپنی پریم لہٹھا کے آگے سر جھکا دیا، اور اب وہ دیوتاؤں کے ثلیہ ہے جنھیں کوئی لہٹھا نہیں ہوتی۔

کوٹا نے سر پیٹ لیا اور بولا— مرنے کی اتنی جلدی! ابھی تو وہ بہت دنوں تک سراجیہ کی سوا کر سکتے تھے۔ کیسی وڈبنا ہے! پاپ ناشی اور تھامس پاس پاس آستھیت اور ادا کیہ بیٹھے رہے۔ ان کے انتہ کرن گھر نا، بے اور آشا سے لہٹاوت ہو رہے تھے۔

سہا پاپ ناشی نے تھامس کا ہاتھ پکڑ لیا اور شرایوں کو پھاندتے ہوئے، جو وش بھوگیوں کے پاس ہی پڑے ہوئے تھے، اور اس مدرا اور رکت کو بیدوں سے کچلتے ہوئے جو فرش پر بہا ہوا تھا، وہ اسے پریوں کے کنج کی آؤر لے چلا۔

۴

مگر میں سور یہ کا پرکاش پھیل چکا تھا۔ گلیاں ابھی خالی پڑی ہوئی تھیں۔ گلی کے دلوں

طرف سکندر کی قبر تک بھولوں کے اونچے اونچے ستون دکھائی دیتے تھے۔ گلی کے عکین فرش پر جہاں تہاں ٹوٹے ہوئے ہار اور بھی ہوئی مثالوں کے کھڑے پڑے ہوئے تھے۔ سکندر کی طرف سے ہوا کے تیز جھونکے آرہے تھے۔ پاپ ناشی نے گھبراہٹ سے اپنے بھڑکیے دستار اتار پیچھے اور اس کے کھڑے کھڑے کر کے پیروں تلے چل دیا۔

تب اس نے تھالیں سے کہا۔ پیاری تھالیں، تو نے ان کو کڑواؤں کی باتیں سنیں؟ ایسے کون سے دروچن اور ایشد ہیں جو ان کے منہ سے نہ نکلے ہوں۔ جیسے موری سے میلا پانی نکلتا ہے۔ ان لوگوں نے جگت کے کرتا پر میٹھور کو زک کی سیڑھیوں پر گھسیٹا، دھرم اور ادھرم کی سنا پرھنک کی، پر بھومج کا ایمان کیا، اور جودا کا لیش گایا، اور وہ اندھکار کا گیدڑ وہ درگندھ سے رائیخس، جو ان سبھی درتھاؤں کا گرد گھنٹال تھا، وہ پاپی مارکس ایرین کھودی ہوئی قبر کی بھانتی منہ کھول رہا تھا۔ پر یہ، تو نے ان دشنامے گو بریلوں کو اپنی اور ریگ کر آتے اور اپنے کو ان کے گندے اسپرش سے اپتر کرتے دیکھا ہے تو نے اوروں کا پشوؤں کی بھانتی اپنے غلاموں کے پیروں کے پاس سوتے دیکھا ہے۔ تو نے انھیں پشوؤں کی بھانتی اسی فرش پر سنبھوگ کرتے دیکھا ہے جس پر وہ مدرا سے انصاف ہو کرتے کر چکے تھے۔ تو نے ایک مند بدھی، سنبھائے ہوئے بڑھے کو اپنا رکت بہاتے دیکھا ہے جو اس شراب سے بھی گندہ تھا جو ان بھرھٹا چاریوں نے بہائی تھی۔ ایشور کو دھنیے ہے! تو نے کو داساؤں کا درشے دیکھا اور تجھے ودیت ہو گیا کہ یہ کتنی گھرو تپادک دستو ہے؟ تھالیں، تھالیں ان کو مارگی دارھنیکوں کی بھرھٹا تاؤں کو یاد کر، اور تب سوچ کہ تو بھی انھی کے ساتھ اپنے کو بھرھٹ کرے گی؟ ان دونوں کھٹاؤں کے کٹاکشوں کو، ہاؤ بھاؤ کو، گھرنیت سکتیوں کو یاد کر، وہ کتنی زربجٹا سے ہنسی تھیں، کتنی بے حیائی سے لوگوں کو اپنے پاس بلاتی تھیں اور تب زرنے کر کہ تو بھی انھی کے سدرش اپنے جیون کا سردناش کرتی رہے گی؟ یہ دارھنیک پُرش تھے جو اپنے کو سمجھتے کہتے ہیں، جو اپنے دچاروں پر گرد کرتے ہیں، پر ان دیشیاؤں پر ایسے گرے پڑتے تھے جیسے کتے ہڈیوں پر گریں!

تھالیں نے رات کو جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس سے اس کا ہر دے غلات اور لچھت ہو رہا تھا۔ ایسے درشیہ دیکھنے کا اسے یہ پہلا ہی اوسر نہ تھا، پر آج کا سا اثر اس کے من پر کبھی نہ

ہوا تھا۔ پاپ ناشی کی سنت جتناؤں نے اس کے سد بھاؤ کو جگا دیا تھا۔ کیسے ہر دے شوے لوگ ہیں جو استری کو اپنی داناؤں کا کھلونا مانتے سمجھتے ہیں! کیسی استریاں ہیں جو اپنے دیہہ سرہن کا مولے ایک پیالیہ شراب سے ادھیک نہیں سمجھتیں۔ میں یہ سب جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی اسی اندھکار میں پڑی ہوئی ہوں۔ میرے جیون کو دھکار ہے۔

اس نے پاپ ناشی کو جواب دیا۔ ”پرے پتا، مجھ میں اب ذرا بھی دم نہیں ہے۔ میں ایسی آہٹ ہو رہی ہوں مانو دم نکل رہا ہو۔ کہاں دھرام ملے گا، کہاں ایک گھڑی شانتی سے لیٹوں؟ میرا چہرہ جل رہا ہے، آنکھوں سے آنچ سی نکل رہی ہے، سر میں چتر آرہا ہے، اور میرے ہاتھ اتنے تھک گئے ہیں، کہ پدی آند اور شانتی میرے ہاتھوں کی پہنچ میں بھی آجائے تو مجھ میں اس کے لینے کی قوت نہ ہوگی۔“

پاپ ناشی نے اسے استنبہ کرنا سے دیکھ کر کہا۔ ”پرے بھائی! دھریہ اور ساہس ہی سے تیرا اذکار ہوگا۔ تیری سکھ شانتی کا نفل اور نزل پرکاش اس بھانتی نکل رہا ہے جیسے ساگر اور دن سے بھاپ نکلتی ہے۔“

یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں گھر کے سمپ آپہنچے۔ سروں اور صنوبر کے درکھش جو ”پریوں کے کچ“ کو گھیرے ہوئے تھے، دیوار کے اوپر سر اٹھائے پر بھات سیر سے کانپ رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک میدان تھا۔ اس سے سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میدان کے چاروں طرف بودھاؤں کی مورتیاں بنی ہوئی تھیں اور چاروں سروں پر اردھ چندر کار سنگ مرمر کی چوکیاں بنی ہوئی تھیں، جو دیوتوں کی مورتیوں پر استھ تھیں۔ تھالیں ایک چوکی پر گر پڑی۔ ایک چمن دھرام لینے کے بعد اس نے چھت میڑوں سے پاپ ناشی کی اور دیکھ کر پوچھا۔ اب میں کہاں جاؤں؟

پاپ ناشی نے اثر دیا۔ ”تجے اس کے ساتھ جانا چاہیے جو تیری کھوج میں کتنی ہی منزلیں مار کر آیا ہے۔ وہ تجھے اس بھرٹ جیون سے پر تھک کر دے گا جیسے انکور بنور نے والا مالی ان گھوں کو توڑ لیا ہے۔ جو بیڑ میں لگے لگے سڑ جاتے ہیں اور انھیں کلوہ میں لے جا کر سوگندہ پورن شراب کے روپ میں پر نیت کر دیتا ہے۔ سن، اسکندریہ سے کیدل بارہ گھنٹے کی راہ پر، سندرتھ کے سمپ دیراگیوں کا ایک آشرم ہے جس کے نیم اتنے سندر، بدھی ستا سے اتنے پری پورن ہے کہ ان کو گھ کا روپ دے کر ستار اور تمبورے پر گانا چاہئے۔ یہ کہنا لیش

ماز بھی اچھی نہیں ہے کہ جو استریاں وہاں پر رہ کر ان نیوں کا پالن کرتی ہیں ان کے بھر دھرتی پر رہتے ہیں اور سر آکاش پر۔ وہ دھن سے گھرنے لگتی ہیں جس میں پر بھوسج ان پر پریم کریں! بھاشیل رہتی ہیں کہ وہ ان پر کرپا درشی پات کریں، بتی رہتی ہیں کہ وہ انہیں پرہسی بنائیں۔ پر بھوسج مالی کا ویلش دھارن کر کے، نچے پاؤں، اپنے وشال ہاتھوں کو پھیلانے، نیچے درشن دیتے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے ماتا مریم کی قبر کے دوار پر درشن دیے تھے۔ میں آج تجھے اس آشرم میں لے جاؤں گا، اور تھوڑے ہی دن پیچھے، تجھے ان پوتر دیویوں کے سوا اس میں ان کی امرت دانی سننے کا آئندہ پراہت ہوگا۔ وہ بہنوں کی بھائی تیرا سواگت کرنے کو آئیں گی۔ آشرم کے دوار پر اس کی ادھیٹھنی ماتا الہینا تیرا کھ چوسے گی اور تجھ سے 'سپریم' سور سے کہیں گی، بیٹی، آج تھے گود میں لے لوں، میں تیرے لیے بہت دکل تھی۔

تھالیں چمکتے ہو کر بولی۔ ارے الہینا! قیصر کی بیٹی، سراث کیرس کی بھینچی! وہ بھوک ولاں چھوڑ کر آشرم میں چپ کر رہی ہے؟

پاپ ناشی نے کہا۔ ہاں، ہاں وی! الہینا، جو محل میں پیدا ہوئی اور سنہرے دتر دھارن کرتی رہی، جو سنسار کے سب سے بڑے زلیش کی چتری ہیں، اسے مسج کی داسی کا ادوج پد پراہت ہوا ہے۔ وہ اب جھونپڑے میں رہتی ہے، مونے دتر پہنتی ہے اور کئی دن تک اپواں کرتی ہیں۔ وہ اب تیری ماتا ہوگی اور تجھے اپنی گود میں آشریے دے گی۔

تھالیں چوکی پر سے اٹھ بیٹھی اور بولی۔ مجھے اسی چمن الہینا کے آشرم میں لے چلو۔

پاپ ناشی نے اپنی سمجھتا پر گدھ ہو کر کہا۔ تجھے وہاں اوشے لے چلوں گا اور وہاں تجھے ایک کئی میں رکھ دوں گا جہاں تو اپنے پاپوں کا رو رو کر پراچھت کرے گی، کیوں کہ جب تک تیرے پاپ آنسوؤں سے دھل نہ جائیں، تو الہینا کی ایسے چتریوں سے مل جل نہیں سکتی اور نہ ملنا اچٹ ہی ہے۔ میں دوار پر تالا ڈال دوں گا، اور تو وہاں آنسوؤں سے آدر ہو کر پر بھوسج کی پر تھکھا کرے گی، یہاں تک کہ وہ تیرے پاپوں کو چھما کرنے کے لیے سویم آئیں گے اور دوار کا تالا کھولیں گے، اور تھالیں، اس میں آنو ماز بھی سند یہ نہ کر کہ وہ آئیں گے۔ آہ! جب وہ اپنی کول، پرکاش سے اٹھیاں تیری آنکھوں پر رکھ کر تیرے آنسو پوچھیں گے، اس سے تیری آتما آئندہ سے کیسی پلکت ہوگی! ان کے پرش ماز سے تجھے ایسا انوبھو ہوگا کہ کوئی پریم کے ہنڈولے میں جھلا رہا ہے۔

تھالیں نے پھر کہا۔ پر پے پتا، مجھے اپنا کے گھر لے چلو۔

پاپ ناشی کا ہر دیے آئند سے اٹھل ہو گیا۔ اس نے چاروں طرف گرد سے دیکھا مانو کوئی کنگل کیر کا خزانہ پا گیا ہو۔ زشک ہو کر سرشی کی الوہم سسما کا اس نے آسودن کیا۔ اس کی آنکھیں ایٹور کے دیئے ہوئے پرکاش کو پرسید ہو کر پی رہی تھیں۔ اس کے گالوں پر ہوا کے جھوکے نہ جانے کدھر سے آکر لگتے تھے۔ سہا میدان کے ایک کونے پر تھالیں کے مکان کا چھوٹا سا دوار دیکھ کر اور یہ یاد کر کے کہ جن پتیوں کی شوبھا کا وہ آئند اٹھا رہا تھا وہ تھالیں کے باغ کے بیڑوں کی ہیں۔ اسے ان سب اپادون دستوں کی یاد آگئی جو وہاں کی دایو کو، جو آج اتنی نزل اور پونز تھی، دوست کر رہی تھی، اور اس کی آتما کو اتنی دیدنا ہوئی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اس نے کہا۔ تھالیں، ہمیں یہاں سے بنا پیچھے، مڑ کر دیکھے ہوئے بھاگنا چاہیے۔ لیکن ہمیں اپنے پیچھے تیرے سنسکار کے سادھنوں، سادھکوں اور سہ یوگیوں کو بھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ وہ بھاری پردے، وہ سندر پٹنگ، وہ قالینیں، وہ منوہر چتر اور مورتیاں، وہ دھوپ آدی جلائے کے سورن کنڈ یہ سب چلا چلا کر تیرے پاپاچرن کی گھوشا کریں گے۔ کیا تیری اچھا ہے کہ یہ گھربت ساگریاں، جن میں پریوں کا نواس ہے، جن میں پاپاتائیں کیر بڑا کرتی ہیں مردبھوی میں بھی تیرا پیچھا کریں، یہی سنسکار وہاں تیری بھی آتما کو جنجل کرتے زہیں؟ یہ نری کلپنا نہیں ہے کہ میز پران گھانک ہوتی ہیں، کرسیاں اور گدے پریوں کے ستر بن کر بولتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں ہوا میں اڑتے ہیں، گاتے ہیں۔ ان سگر دستوں کو، جو تیری دلاس لولپتا کے ساتھی ہیں، مٹا دے، سردناش کر دے۔ تھالیں ایک چمن بھی دلہ نہ کر ابھی سارا نگر سو رہا ہے۔ کوئی بالکل نہ بچے گی، اپنے غلاموں کو حکم دے کہ وہ استھان کے مدھیہ میں ایک چتا بنائے، جس پر ہم تیرے بھون کی ساری سہرا کی آہوتی کر دیں۔ اسی آگنی راشی میں تیرے کو سنسکار جل کر بھسکی بھوت ہو جائیں!

تھالیں نے سمٹ ہو کر کہا۔ پوجیے پتا، آپ کی جیسی لہما ہو، وہ کیجیے۔ میں بھی جانتی ہوں کہ بہودھا پریت گن زجیو دستوں میں رہتے ہیں۔ رات سجاوٹ کی کوئی کوئی دستہ تیں کرنے لگتی ہیں، کنو شبدوں میں نہیں، یا تو تھوڑی تھوڑی دیر میں کھٹ کھٹ کی آواز سے یا پرکاش کی ریکھائیں، پرس فٹ کر کے، اور ایک دچہرات سننے پوجیے پتا، آپ نے پریوں کے

کنج کے دوار پر، دہائی اور ایک گھن استری کی مورتی کو دھیان سے دیکھا ہے؟ ایک دن میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس مورتی نے جیوت پرانی کے سامان اپنا سر پھر لیا، اور پھر ایک ہل میں اپنی پورو دشا میں آگئی، میں مجھے ہمیت ہو گئی۔ جب میں نے نسیاس سے یہ ادھ بھت لیا بیان کی تو وہ میری ہنسی اڑانے لگا۔ لیکن اس مورتی میں کوئی جادو اودھے ہے؛ کیوں کہ اس نے ایک ودیشی مٹھیہ کو، جس پر میرے سوندریہ کا جادو کچھ اثر نہ کر سکا تھا، اتھیت پر ہل لٹھاؤں سے پری پوریت کر دیا۔ اس میں کوئی سند یہ نہیں ہے کہ گھر کی سبھی دستوں میں پرتوں کا ہیرا ہے اور میرے لیے یہاں رہنا جان جو کسم تھا، کیوں کہ کئی آدمی ایک ہتھل کی مورتی سے آلتن کرتے ہوئے پران کھو بیٹھے ہیں۔ تو بھی ان دستوں کو نشٹ کرنا جو اڈوجیہ کھانے پونے پردرشت کر رہی ہیں اور میری قالینوں اور پردوں کو جلانا گھور انیائے ہوگا۔ یہ ادھ بھت دستوں سدپو کے لیے سنار سے لپٹ ہو جائیں گی۔ ان میں سے کئی اتنے سند رنگوں سے سسٹو بھت ہیں کہ ان کی شوبھا اور نیہ ہے، اور لوگوں نے انھیں مجھے اپہار دینے کے لیے اٹل دھن دیے کیا تھا۔ میرے پاس امولیہ پیالے، مورتیاں اور چڑ ہیں۔ میرے دھار میں ان کو جلانا بھی انوچت ہوگا۔ لیکن میں اس دھے میں کوئی آگرہ نہیں کرتی۔ پوجے ہا، آپ کی جیسی اچھا ہو کیجیے۔

یہ کہہ کر وہ پاپ ناشی کے پیچھے پیچھے اپنے گرہ دوار پر پہنچی جس پر اگتیت مٹھیوں کے ہاتھوں سے ہاروں اور پشپ ملاؤں کی بھینٹ پانچلی تھی، اور جب دوار کھلا تو اس نے دوار پال سے کہا کہ گھر کے سمت سیوکوں کو بلاؤ۔ پہلے چار بھارت واسی آئے جو رسوئی کا کام کرتے تھے۔ وہ سب سانولے رنگ کے اور کانے تھے۔ تھالیں کو ایک ہی جاتی کے چار غلام، اور چاروں کانے، بڑی مشکل سے ملے، پر یہ اس کی ایک دل لگی تھی اور جب تک چاروں مل نہ گئے تھے، اسے بھین نہ آتا تھا۔ جب وہ میز پر بھوجیے پدارتھ چنتے تھے۔ تو مہانوں کو انھیں دیکھ کر بڑا کوتاہل ہوتا تھا۔ تھالیں پر تیک کا درتانت اس کے کھ سے کہلا کر مہانوں کا منورجن کرتی تھی۔ ان چاروں کے بعد ان کے سہانک آئے۔ تب باری باری سے سانس، شکاری، پاکی اٹھانے والے، ہرکارے جن کی مانس پیشیاں اتھیت سودرژ تھیں، دو کسل مالی، چو: بھینکر روپ کے جشی اور تین یونانی غلام، جن میں ایک دیا کرن تھا، دوسرا کوئی اور تیسرا گائیک سب آکر ایک لمبی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ ان کے پیچھے جشیں آئیں جن کی بڑی بڑی گول

آنکھوں میں ہلکا، اٹسکا اور ادکینچا جھلک رہی تھی، اور جن کے کھ کالوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ سب کے پیچھے چھ تردتی روپ وتی داسیاں، اپنی نقابوں کو سنبھالتی اور دھیرے دھیرے بیڑیوں سے جکڑے ہوئے پاؤں اٹھاتی آکر ادا سین بھاؤ سے کھڑی ہوئی۔

جب سب کے سب جمع ہو گئے تو تھالیں نے پاپ ناشی کی اور اٹھی اٹھا کر کہا۔ دیکھو، تمہیں یہ مہاتما جو آگیاں دے اس کا پالنہ کرو۔ یہ ایٹور کے بھکت ہیں۔ جو ان کی اوگیاں کرے گا وہ کھڑے کھڑے مر جائے گا۔

اس نے سنا تھا اور اس پر دھواں کرتی تھی کہ دھرم آشرم کے سنت جس ابھائے پُرش پر کوپ کر کے چھڑی سے مارتے تھے، اسے نکلنے کے لیے پرتھوی اپنا منہ کھول دیتی تھی۔

پاپ ناشی نے یونانی داسوں اور داسیوں کو سامنے سے ہٹا دیا۔ وہ اپنے اوپر ان کا سایہ بھی نہ پڑنے دینا چاہتا تھا اور شیش سیوکوں سے کہا: یہاں بہت سی کھڑی جمع کرو، اس میں آگ لگا دو اور جب آگنی کی جوالا اٹھنے لگے تو اس گھر کے سب ساز سامان مٹی کے برتن سے لے کر سونے کے تھالوں تک، ٹاٹ کے ٹکڑے سے لے کر، بہو مولیہ، قالینوں تک، سبھی مورتیاں چڑ، گھلے، گنڈر کے اسی چتا میں ڈال دو، کوئی چیز باقی نہ بچے۔

یہ دھڑ آگیا سن کر سب کے سب دسمت ہو گئے۔ اور اپنی سوامی کی اور کاتر مہتروں سے تارکتے ہوئے مورتیوں کھڑے رہ گئے۔ وہ ابھی اسی اکرینہ دشا میں اواک اور نفیل کھڑے تھے، اور ایک دوسرے کو کہنا مگراتے تھے، مانو وہ اس حکم کو دل لگی سمجھ رہے ہیں کہ پاپ ناشی نے رودر روپ دھارن کر کے کہا۔ کیوں دلہب ہو رہا ہے؟

اسی سے تھالیں نکلے، ہیر، چمکے ہوئے کیش کندھوں پر لہراتی گھر میں سے نکلے۔ وہ بھدے موٹے دستر دھارن کئے ہوئے تھی، جو اس کے دیہہ اسپرش ماتر سے سورگیہ، کاموچک سنگدھت سے پر پورت جان پڑتے تھے۔ اس کے پیچھے ایک مالی ایک چھوٹی سی ہاتھی دانت کی مورتی چھاتی سے لگائے لیے آتا تھا۔

پاپ ناشی کے پاس آکر تھالیں نے مورتی اسے دکھائی اور کہا۔ پوچیے پتا، کیا اسے بھی آگ میں ڈال دوں؟ پراچین سے کی ادھ بہت کارگیری کا نمونہ ہے اور اس کا مولیہ ٹھکن سورن سے کم نہیں۔ اس چھتی کی پورتی کسی بھاتی نہ ہو سکے گی، کیوں کہ سنسار میں ایک بھی ایسا بچہ دن مورتی کار نہیں ہے۔ جو اتنی سندرا اس کی مورتی بنا سکے۔ پتا، یہ بھی اسرن

رکھے کہ یہ پریم کا دیوتا ہے؛ اس کے ساتھ نہایت رونا بچت ہیں۔ ہاں، میں آپ کو دشوار دلائی ہوں کہ پریم کا احرم سے کوئی سجدہ نہیں ملو، اگر میں دسے بھوک میں بہت ہوئی تو پریم کی پریتا سے نہیں، بلکہ اس کی لوبھنا کر کے، اس کی بھٹا کے دزدہ بیہار کر کے۔ مجھے ان باتوں کے لیے کبھی بچا پاپ نہ ہوگا جو میں نے اس کے آدیش کا اٹکھن کر کے کی ہے۔ اس کی کدالی یہ اچھا نہیں ہے کہ استریاں ان پردھوں کا سواگت کریں جو اس کے نام پر نہیں آتے۔ اس کارن اس دیوتا کی پریتھا کرنی چاہیے دیکھیے پتا جی، یہ جھوٹا سا ابراس کتنا منور ہے۔ ایک دن لیساس نے، جو ان دنوں مجھ پر پریم کرتا تھا۔ اسے میرے پاس لا کر کہا۔ آج تو یہ دیوتا ہمیں رہے گا اور قصص میری یاد دلائے گا۔ پر اس نٹ کھٹ بالک نے مجھے لیساس کی یاد تو کبھی نہیں دلائی؛ ہاں ایک یودک کی یاد تھیہ دلاتا رہا۔ جو انٹی اوک میں رہتا تھا اور جس کے ساتھ میں نے جیون کا واسو کر آئندہ اٹھایا۔ پھر دیسا پردش نہیں ملا۔ یہ جی میں سد یو اس کی کھوج میں تھر رہی۔ اب اس انگی کو شانت ہونے دیجیے، پتا جی! اہل دھن اس کی بھنٹ ہو چکا۔ اس ہال مورتی کو آشرے دیجیے اور اسے سور کھٹ کسی دھرم شالا میں استھان دلا دیجیے۔ اسے دیکھ کر لوگوں کے چت انشور کی اور پردھت ہوں گے، کیوں کہ پریم سو بھادہ من میں انکھر شت اور پتر دھاروں کو جاگرت کرتا ہے۔

تھالیں من میں سوچ رہی تھی کہ اس کی دکالت کا اوشیہ اثر ہوگا اور کم سے کم یہ مورتی توجہ جائے گی۔ لیکن پاپ ناشی باز کی بھاتی جھپٹا، مالی کے ہاتھ سے مورتی چھین لی تھرت اسے چنا میں ڈال دیا اور نروپے سور میں بولا۔ جب یہ لیساس کی چیز ہے اور اس نے اسے اپشر کیا ہے تو مجھ سے اس کی سفارش کرنا دیر تھ ہے۔ اس پاپی کا اپشرش ماتر سمت دکاروں سے پری پوریت کر دینے کے لیے کافی ہے۔

تب اس نے چپکتے ہوئے دستر، بھاتی بھاتی کے آہوشن، سونے کی پادوکائیں، رتن جلیٹ کنگھیاں، بہو مولے آئینے، بھاتی بھاتی کے گانے بجانے کی دستوئیں سرود، ستار، دینا، نا پرکار کے قالوس انگاروں میں اٹھا اٹھا کر جھونکنا شروع کیا۔ اس پر کار کتنا دھن بھٹ ہوا۔ اس کا الوان کرنا ہے۔ ادھر تو جولا اٹھ رہی تھی، چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔ چٹاک پٹاک کی زتر دھونی سنائی دیتی تھی، ادھر جشی غلام اس ونا شک درشے سے انست ہوتا لیاں بجا بجا کر اور بھوشن ناد سے چلا چلا کر ناچ رہے تھے۔ دچر درشے تھا، دھرم اتساہ کا کتنا بھیکر روپ!

ان غلاموں میں سے کئی عیسائی تھے۔ انھوں نے فیکھر ہی اس پرکار کا آھیے سمجھ لیا اور گھر میں ایندھن اور آگ لانے گئے۔ اوروں نے بھی ان کا انوکرن کیا، کیوں کہ یہ سب درپدر تھے اور دھن سے گھرنا کرتے تھے اور دھن سے بدلا لینے کی ان میں سوا بھوپک پرورتی تھی۔ جو دھن ہمارے کام نہیں آتا، اسے نطف ہی کیوں نہ کر ڈالیں! جو ستر ہمیں پہننے کو نہیں مل سکتے، انھیں جلا ہی، کیوں نہ ڈالیں! انھیں اس پرورتی کو شانت کرنے کا یہ اچھا اوسر ملا۔ جن دستوؤں نے ہمیں اتنے دنوں تک جلایا ہے انھیں آج جلا دیں گے۔ چتا تیار ہو رہی تھی اور گھر کی دستوئیں باہر لائی جا رہی تھیں کہ پاپ ناشی نے تھالیں سے کہا۔ پہلے میرے من میں یہ دھار ہوا کہ اسکندریہ کے کسی چرچ کے کوشاد میکھش کو لاؤں (یدی ابھی کوئی، ایسا استھان ہے جسے چرچ کہا جاسکے، اور جسے ایرین کے بھرھا چرن نے بھرشت نہ کر دیا) اور اسے تیری سپورن سکتی دے دوں کہ وہ انھیں انا تھ دھواؤں اور بالکوں کو پر دان کر دے اور اس بھانتی پاپو پارحت دھن کا پونیت ایوگ ہو جائے لیکن ایک چمن میں یہ دھار جاتا رہا! کیوں کہ اینشور نے اس کی پررینا نہ کی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اینشور کو کبھی منظور نہ ہوگا کہ تیرے پاپ کی کمائی عیسو کے پرے بھکسوں کو دی جائے۔ اس سے ان کی آتما کو گھور دکھ ہوگا۔ جو سویم دریدر رہنا چاہتے ہیں، سویم کٹ بھوگنا چاہتے ہیں، اس لیے کہ اس سے ان کی آتما شدھ ہوگی، انھیں یہ کھٹ دھن دے کر ان کی آتم شدھی کے پرین کو پھل کرنا ان کے ساتھ بڑا انیائے ہوگا۔ اس لیے میں نیچے کر چکا ہوں کہ تیرا سروسو آگنی کا بھوجن بن جائے، ایک دھاگہ بھی باقی نہ رہے! اینشور کو کوئی دھن داد دیتا ہوں کہ تیری نفا میں اور چولیاں اور کرتیاں جنہوں نے سمندر کی لہروں سے بھی اگلے جمہوں کا آسودن کیا ہے، آج جوالا کے کھ اور جھ کا انوبھو کریں گی۔ غلاموں، دوڑو، اور کلڑی لاؤ، اور آگ لاؤ، تیل کے کپے لاکر لڑھکا دو، اگر اور کپور اور لوہان چمڑک دو جس میں جوالا اور بھی پرچند ہو جائے! اور تھالیں، تو گھر میں جا، اپنے گھرمت وستر کو اتار دے، آجوشنوں کو پیروں تلے کھل دے، اور اپنے سب سے دین غلام سے پراقتنا کر کہ وہ تجھے اپنا موٹا کرتا دے دے! یدی می تو اس دان کو پانے یوگیہ نہیں ہے، جسے ہمیں کہہ دیرے فرش پر جھاڑو لگاتا ہے۔

تھالیں نے کہا۔ میں نے اس آگیاں کو شرودھار بے کیا۔

جب تک چاروں بھارتیہ کانے بیٹھ کر آگ بھوپک رہے تھے، جیٹی غلاموں نے چتا

میں بڑے بڑے ہاتھی دانت، آہنس تھا ساگون کے صندوق ڈال دیئے جو دھماکے سے ٹوٹ گئے اور ان میں سے بہو مولے اور رتن جلیٹ آہوش نکل پڑے۔ الاؤ میں سے دھوئیں کے کالے کالے ہادل اٹھ رہے تھے۔ جب آگنی جو ابھی تک سلگ رہی تھی، اتنا بھیجن شہد کر کے دودھک اٹھی، مانو کوئی بھیگر بن پشو گرج اٹھا، اور جوالا چھہ جو سورپے کے پرکاش میں بہت دھندلی دکھائی دیتی تھی، کسی راکھس کی بھانٹی اپنے شکار کو نکلنے لگی۔ جوالا نے انجھت ہو کر غلاموں کو بھی انجھت کیا۔ وہ دوڑ دوڑ کر بھیتر سے چیزیں باہر لانے لگے۔ کوئی موٹی موٹی قالینیں مٹھیے چلا آتا تھا، کوئی دسر کے گھر لیے دوڑا آتا تھا۔ جن نقابوں پر سنہرا کام کیا ہوا تھا، جن پردوں پر سندربیل بوٹے بنے ہوئے تھے، سبھی آگ میں جھونک دیے گئے۔ آگنی منہ پر نقاب نہیں ڈالتا چاہتی اور نہ اسے پردوں سے پریم ہے۔ وہ بھیجن اور گن رہتا چاہتی ہے۔ تب لکڑی کے سامانوں کی باری آئی۔ بھاری میز، کرسیاں، موٹے موٹے گدے، سونے کی پریوں سے سسٹو جھٹ پلنگ غلاموں سے اٹھتے ہی نہ تھے۔ تین ہالٹھ جھٹی پریوں کی مورتیاں چھاتی سے لگائے ہوئے لائے۔ ان مورتیوں میں ایک اتنی سندرتھی کہ لوگ اس سے استری کا سا پریم کرتے تھے۔ ایسا جان پرتا تھا کہ تین جنگلی بندر تین استریوں کو اٹھائے بھاگے جاتے ہیں! اور جب یہ تینوں سندر گن مورتیاں، ان دیتیوں کے ہاتھ سے جھوٹ کر گریں اور کھڑے کھڑے ہو گئیں تو گہری شوک دھونی کالوں میں آئی۔

یہ شور سن کر پردی ایک ایک کر کے جاگنے لگے اور آنکھیں مل مل کر کھڑکیوں سے دیکھنے لگے کہ یہ دھواں کہاں سے آرہا ہے۔ تب اسی اردھ گن دشا میں باہر نکل پڑے اور الاؤ کے چاروں اور جما ہو گئے۔

یہ ماجرہ کیا ہے؟ یہی پرسن ایک دوسرے سے کرتا تھا۔

ان لوگوں میں وہ دیبا پاری تھے۔ جن سے تھالیں، عطر، تیل، کپڑے آدی لیا کرتی تھیں، اور وہ چھت بھاو سے منہ لٹکائے تاک رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کئی دھپے بھوگی پُرش جو رات بھر کے دلاس کے بعد سر پر ہار لپٹے، کرتے پہنے غلاموں کے پیچھے جاتے ہوئے ادھر سے نکلے تو یہ درشے دیکھ کر ٹھک گئے اور زور زور سے تالیاں بجا کر چلانے لگے۔ دیرے دیرے کو تو بیل دس اور لوگ آگئے اور بڑی بھیڑ جمع ہو گئی۔ تب لوگوں کو گمات ہوا کہ تھالیں دھرم آشرم کے تپسوی پاپ ناشی کے آدیش سے اپنی سمت سمجھتی

جلا کر کسی آشرم میں پرہشہ ہونے آ رہی ہیں۔

دکانداروں نے دھار کیا۔ تھالیں یہ مگر چھوڑ کر چلی جا رہی ہے۔ اب ہم کس کے ہاتھ اپنی چیزیں بیچیں گے؟ کون ہمیں منہ مانگے دام دے گا۔ یہ بڑا گھور الزمہ ہے۔ تھالیں پاگل ہو گئی ہے کیا؟ اس یوگی نے اوشے اس پر کوئی منتر ڈال دیا ہے، نہیں تو اتنا سکھ دلاس چھوڑ کر تھوٹی بن جانا کچھ نہیں ہے۔ اس کے ہا ہمارا نزوہ کیوں کر ہوگا! وہ ہمارا سرداش کیے ذاتی ہیں۔ یوگی کو کیوں ایسا کرنے دیا جائے؟ آخر قانون کس لیے ہے؟ کیا اسکندر یہ میں کوئی مگر کا شاکس نہیں؟ تھالیں کو ہمارے بال بچوں کی ذرا بھی چتا نہیں ہے۔ اسے شہر میں رہنے کے لیے مجبور کرنا چاہیے۔ دہنی لوگ اسی بھانٹی مگر چھوڑ کر چلے جائیں گے تو ہم رہ چکے۔ ہم راجہ کر کہاں سے دیں گے؟

’یوک گن کو دوسرے پرکار کی چتا تھی۔ اگر تھالیں اس بھانٹی نزدیقا سے مگر سے جائے گی تو ہمہ شلاؤں کو جوت کون رکھے گا؟ شکھر ہی ان میں سناتا چھا جائے گا، ہمارے منورجن کی مٹھ ساگری غائب ہو جائے گی، ہمارا جیون خشک اور نیرس ہو جائے گا۔ وہ رنگ بھوی کا دیک، آند، سمان، پرتیما اور پران تھی۔ جنھوں نے اس کے پریم کا آند نہیں اٹھایا تھا، وہ اس کے درشن ماتری سے کرتا رتھ ہو جاتے تھے۔ انیہ استریوں سے پریم کرتے ہوئے بھی وہ ہمارے مہروں کے سامنے ہست رہتی تھی۔ ہم دلاسیوں کی تو جیون دھارا تھی۔ کیول یہ دھار کہ وہ اس مگر میں ہست ہیں، ہماری داستانوں کو ادھت کیا کرتا تھا۔ جیسے جل کی دیوی درشن کرتی ہیں، مائی کی دیوی جلاتی ہے، اسی بھانٹی یہ آند کی دیوی ہر دیے میں آند کا سپار کرتی تھی۔

سمت مگر میں بالکل مچی ہوئی تھی۔ کوئی پاپ ناشی کو گالیاں دیتا تھا، کوئی عیسائی دھرم کو اور کوئی سویم پر بھوسج کو صلواتیں سناتا تھا۔ اور تھالیں کے تیاگ کی بھی بڑی تیر آلوچنا ہو رہی تھی۔ ایسا کوئی سماج نہ تھا جہاں کھرام نہ چا ہو۔

’یوں منہ چھپا کر جانا لجا سہ ہے۔‘

’یہ کوئی بھلنساہت نہیں ہے۔‘

’اجی، یہ تو ہمارے پیٹ کی روٹیاں چھینے لیتی ہے۔‘

’وہ آنے والی ستان کو اریک بتائے دیتی ہے۔ اب انھیں رسکا کا اپدیش کون

دے گا؟

’ای، اس نے تو ابھی ہمارے ہاروں کے دام بھی نہیں دیے۔‘

’میرے بھی پچاس جوڑوں کے دام آتے ہیں۔‘

’سبھی کا کچھ نہ کچھ اس پر آتا ہے۔‘

’جب وہ چلی جائے گی تو ناپاکوں کا پارٹ کون کھیلے گا؟‘

’اس چھٹی کی پورٹی نہیں ہو سکتی۔‘

’اس کا استخان سدو روکت رہے گا۔‘

’اس کے دوار بند ہو جائیں گے تو جیون کا آندہ ہی جاتا رہے گا۔‘

’وہ اسکندریہ کے صحن کا سور یہ تھی۔‘

اتنی دیر میں مگر بھر کے بھکھک، اپنگ، لوئے، بنگڑے، کوزمی، اندھے سب اس استخان پر جمع ہو گئے اور جلی ہوئی دستوں کو ٹٹولتے ہوئے بولے۔ اب ہمارا پالٹن کون کرے گا؟ اس کی ہیز کا جوٹھن کھا کر دو سو آٹھ گھنوں کے پیٹ بھر جاتے تھے۔ اس کے پریمی گن چلنے سے ہمیں مضیاں بھر پیسے روپے دان کر دیتے تھے۔

چور چکاروں کی بھی بن آئی۔ وہ بھی آکر اس بھیڑ میں مل گئے اور شور مچا کر اپنے پاس کے آدمیوں کو ڈھکیلے لگے کہ دغا ہو جائے اور اس گول مال میں ہم بھی کسی دستو پر ہاتھ صاف کریں۔ یہ ہمیشہ بہت کچھ مل چکا تھا، پھر بھی اتنا شیش تھا کہ مگر کے سارے چور چنڈال آیا ہی ہو جاتے!

اس بل چل میں کیول ایک وردھ مٹیہ استرچت دکھائی دیتا تھا۔ وہ تھالیس کے ہاتھوں دور دیشوں سے بہو مولیہ دستو لالا کر بیچتا تھا اور تھالیس پر اس کے بہت روپے آتے تھے۔ وہ سب کی باتیں سنتا تھا، دیکھتا تھا کہ لوگ کیا کرتے ہیں، وہ رو کر داڑھی پر ہاتھ پھیرتا تھا اور من میں کچھ سوچ رہا تھا۔ ایسا ایک اس نے ایک یوک کو سندروستر پہنے پاس کھڑے دیکھا اس نے یوک سے پوچھا۔ تم تھالیس کے پریمیوں میں نہیں ہو!

یوک۔ ہاں، ہوں تو بہت دنوں سے۔

وردھ۔ تو جاں کر اسے روکتے کیوں نہیں؟

یوک۔ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ اسے جانے دوں گا؟ من میں بھی ٹپے کر کے آیا

ہوں۔ سچی تو نہیں مارتا لیکن اتنا تو مجھے دشا ہے کہ میں اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاؤں گا تو وہ اس بندر موہے پادری کی ہلکے سا میری باتوں پر ادھک دھیان دے گی۔
 درود۔ تو جلدی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے پیچھے پیچھے وہ سوار ہو جائے۔
 یووک۔ اس بھیڑ کو ہٹاؤ۔

درود دیپاری نے 'ہو، جگہ دو' کا ٹھل چانا شروع کیا اور یووک گھوسوں اور ٹھوکروں سے آدمیوں کو ہٹاتا، درودوں کو گراتا، بالکوں کو کھینچتا، اندر بچ گیا اور تھالیں کا ہاتھ پکڑ کر دیر سے بولا۔ پرے، میری اور دیکھو اتنی نظر تریا یاد کرو، تم نے مجھ سے کسی کیسی باتیں کی تھیں، کیا کیا وعدے کیے تھے، کیا اپنے وعدوں کو بھول جاؤ گی؟ کیا پریم کا بندھن اتنا ڈھیلا ہو سکتا ہے؟

تھالیں ابھی کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ پاپ ناشی لپک کر اس کے اور تھالیں کے بیچ میں کھڑا ہو گیا اور ڈانٹ کر بولا۔ 'دور ہٹ، پاپی کہیں کا! خبردار جو اس کے دیہہ کو اسپرش کیا وہ اب الیٹور کی ہے، مٹھیہ اسے نہیں چھو سکتا۔'

یووک نے کڑک کر کہا۔ ہٹ یہاں سے، بن ناش! کیا تیرے کارن اپنی پرہتیا سے نہ بولوں؟ ہٹ جاؤ، نہیں تو یہ داڑھی پکڑ کر تمہاری گندی لاش کو آگ کے پاس کھینچ لے جاؤں گا اور کباب کی طرح بھون ڈالوں گا۔ اس بھرم میں مت رہ کہ میرے پران آدھار کو یوں چپکے سے اٹھا لے جائے گا۔ اس کے پہلے میں تجھے سنار سے اٹھا دوں گا!

یہ کہہ کر اس نے تھالیں کے کندھے پر ہاتھ رکھا لیکن پاپ ناشی نے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ کئی قدم پیچھے لڑکھڑاتا ہوا چلا گیا اور بکھری ہوئی راکھ کے سمیپ چاروں کھانے چت گر پڑا۔ لیکن درود سوداگر شانت نہ بیٹھا۔ وہ پرتیک مٹھیہ کے پاس جا جا کر غلاموں کے کان کھینچتا، اور سوامیوں کے ہاتھوں کو چومتا اور سبھی کو پاپ ناشی کے درودہ انجھت کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں اس نے ایک چھوٹا سا جھٹا بنا لیا جو اس بات پر کئی بدھ تھا کہ پاپ ناشی کو کد اپنی اپنے کاریے میں سہل نہ ہونے دے گا۔ مجال ہے کہ یہ پادری ہمارے گھر کی شوہا کو بھگا لے جائے! گردن توڑ دیں گے۔ پوچھو، دھرم آشرم میں ایسی زمینوں کی کیا ضرورت؟ کیا سنار میں دہتی کی ماری بوڑھیوں کی کمی ہے؟ کیا ان کے آنسوؤں سے ان پادریوں کو سنتوش نہیں ہوتا کہ یووتیوں کو بھی رونے کے لیے مجبور کیا جائے!

یوہک کا نام سیردن تھا۔ وہ دھکا کھا کر گرا، کتھو ترنت گرد جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا منہ راکھ سے کالا ہو گیا تھا، بال جھل گیا تھا، کردھ اور دھوئیں سے دم گھٹ رہا تھا۔ وہ دیوتاؤں کو گالیاں دیتا ہوا اپدرویوں کو بھڑکانے لگا۔ پیچھے بھکاریوں کا دل اتپات چانے پر ادیت تھا۔ ایک چمن میں پاپ ناشی تھے ہوئے گھونسوں، انھی ہوئی لائٹیوں اور ایمان سوچک ایشدوں کے سچ میں گھر گیا۔

ایک نے کہا۔ مار کر کوووں کو کھلا دو !

’نہیں جلا دو، جیتا آگ میں ڈال دو، جلا کر بھسم کر دو !‘

لیکن پاپ ناشی ذرا بھی بچے بھیت نہ ہوا۔ اس نے تھالیں کو پکڑ کر کھینچ لیا اور میٹھ کی بھانٹی گرج کر بولا۔ ایشور دروہیوں، اس کپوت کو ایشوریے باز کے چنگل سے چمڑانے کی چیٹھا مت کرو ! تم آج جس آگ میں جل رہے ہو، اس میں جلنے کے لیے اسے دوش مت کرو بلکہ اس کی ریس کرو اسی کی بھانٹی اپنے کھوٹے کو بھی کھرا کنجن بنا دو۔ اس کا انوکرن کرو، اس کے دکھائے ہوئے مارگ پر اگر سر ہو، اور اس متا کو تیاگ دو جو تمہیں باندھے ہوئے ہیں اور جسے تم سمجھتے ہو کہ ہماری ہے۔ دلہن نہ کرو، حساب کا دن نکٹ ہے اور ایشور کی اور سے درگمات ہونے والا ہی ہے۔ اپنے پاپوں پر بچتاؤ، ان کا پریاچٹ کرو، توبہ کرو، روؤ اور ایشور سے چھاپا پرتنا کرو۔ تھالیں کے پد جمو پر چلو۔ اپنی کودا سناؤں سے گھبرا کر جو اس سے کسی بھانٹی کم نہیں ہے۔ تم سے کون اس یوگیہ ہے، چاہے وہ دھنی ہو یا کنگال، داس ہو یا سوامی، سپاہی ہو یا دیپاری، جو ایشور کے سنکھ کھڑا ہو کر دعوے کے ساتھ کہہ سکے کہ میں کسی دلشیا سے اچھا ہوں؟ سب کے سب جیو درگندھ کے سوا اور کچھ نہیں ہو اور یہ ایشور کی مہان دیا ہے کہ وہ تمہیں ایک چمن میں کچڑ کی موریوں میں نہیں بنا ڈالتا۔

جب تک وہ بولتا رہا، اس کی آنکھوں سے جوالا سی نکل رہی تھی۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ اس کے منکھ سے آگ کے انگارے برس رہے ہیں۔ جو لوگ وہاں کھڑے تھے، اچھا نہ رہنے پر بھی منتر گدھ سے کھڑے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

کتھو وہ دردھ دیپاری اودھم چانے میں اتھیت پر دین تھا۔ وہ اب بھی شانت نہ ہوا۔ اس نے زمین سے پتھر کے ٹکڑے اور گھونٹے جن لیے اور اپنے کرتے کے دامن میں چھپا لیے، کتھو سویم انھیں بھیجنے کا سامن نہ کر کے اس نے وہ سب چیزیں بھکھوؤں کے ہاتھوں

میں دے دیں۔ پھر کیا تھا؟ پتھروں کی درشا ہونے لگی اور ایک گھونگھا پاپ ناشی کے چہرے پر ایسا آکر بیٹھا کہ گھاؤ ہو گیا۔ رکت، کی دھارا پاپ ناشی کے چہرے پر بہہ بہہ کر تیاگنی تھالیں کے سر پر ٹپکنے لگی، مانو اس رکت کے ٹپسنے سے پندہ مسکرت کیا جا رہا تھا۔ تھالیں کو یوگی نے اتنی زور سے کھینچ لیا تھا کہ اس کا دم گھٹ رہا تھا اور یوگی کے کھر کھرے دتر سے اس کا کول شریر چلا جاتا تھا۔ اس آنسو میں پڑے ہوئے، گھرنا اور کروہ سے اس کا کھ لال ہو رہا تھا۔

اتنے میں ایک منٹھیہ بڑکیلے دتر پہنے، جنگلی پھولوں کی ایک ماا سر پر لپیٹے بھیڑ کو ہٹاتا ہوا آیا اور چلا کر بولا۔ 'ٹھہرو، ٹھہرو، یہ اتہات کیوں چاہتے ہو؟ یہ یوگی میرا بھائی ہے۔' یہ لسیاس تھا، جو درودھ یوگراشیز کو قبر میں سلا کر اس میدان میں ہوتا ہوا اپنے گھر لوٹا جا رہا تھا۔ دیکھا تو الاؤ جل رہا ہے، اس میں بھانتی بھانتی کی بہوولیہ وستونیں پڑی سلگ رہی ہیں، تھالیں ایک موٹی چادر اوڑھے کھڑی ہے اور پاپ ناشی پر چاروں اور سے پتھروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ وہ یہ درشے دیکھ کر دست تو نہیں ہوا، وہ آدلیٹوں سے دشی بھوت نہ ہوتا تھا۔ ہاں، ٹھٹھک گیا اور پاپ ناشی کو اس آکر من سے بچانے کی جوشٹھا کرنے لگا۔

اس نے پھر کہا۔ میں منع کر رہا ہوں، ٹھہرو، پتھر نہ پھینکو۔ یہ یوگی میرا پرے سہہ پاشی ہے۔ میرے پرے متر پاپ ناشی پر اتیا چار مت کرو۔

کنٹو اس کی لکار کا کچھ اثر نہ ہوا جو پُرش نیا نیکیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہال کی کھال نکالنے ہی میں گسل ہو، اس میں وہ میر تو ٹھٹھکی کہاں جس کے سامنے بھتا کے سر جھک جاتے ہیں۔ پتھروں اور گھونگھوں کی دوسری بوچھاڑ پڑی، کنٹو پاپ ناشی تھالیں کو اپنی دیہہ سے رکھتے کیے ہوئے پتھروں کی چوٹیں کھاتا تھا اور ایٹور کو دھنے داد دیتا تھا جس کی دیا درشٹی اس کے گھاؤں پر مرہم رکھتی ہوئی جان پڑتی تھی۔ لسیاس نے جب دیکھا کہ یہاں میری کوئی نہیں سنتا اور من میں یہ سمجھ کر کہ میں اپنے متر کی رکشٹھا نہ تو بل سے کر سکتا ہوں نہ واکیہ چاٹری سے، اس نے سب کچھ ایٹور پر چھوڑ دیا۔ (یہی ایٹور پر اسے انوماز بھی دشواس نہ تھا۔) سہسا اسے ایک اپائے سوچھا۔ ان پرانیوں کو وہ اتنا بچہ سمجھتا تھا کہ اسے اپنے اپائے کی سمجھتا پر ذرا بھی سند یہ نہ رہا۔ اس نے ترنت اپنی قیلی نکال لی، جس میں روپے اور اشرفیاں بھری ہوئی تھیں وہ بڑا

ادار، دلاس پریمی پرورش تھا، اور ان مٹھیوں کے سمپ جا کر جو پتر پھینک رہے تھے، ان کے کانوں کے پاس مورد اؤں کو اس نے کھن کھنایا۔ پہلے تو دے اس سے اتنے جھلائے ہوئے تھے، لیکن شگھر ہی سونے کی جھنکار نے انھیں لبدہ کر دیا، ان کے ہاتھ نیچے کو لنگ گئے۔ نیاس نے جب دیکھ کہ اپدردکاری، اس کی اور آکر شہ ہو گئے تو اس نے کچھ روپیے اور مہریں ان کی اور پھینک دیں۔ ان میں سے جو زیادہ لوبھی پر کرتی کے تھے، وہ جھک جھک کر چنے لگے۔ نیاس اپنی سھلٹا پر پرسن ہو کر مٹھیاں بھر بھر کر روپے آدی ادھر ادھر پھینکنے لگا۔ پئی زمین پر اشرفیوں کے کھکنے کی آواز سن کر پاپ ناشی کے شترؤں کا دل بھوی پر سجدے کرنے لگا۔ بھکھک غلام جھوٹے موٹے دوکان دار سب کے سب روپے لوٹنے کے لیے آپس میں دھکا مٹھتی کرنے لگے اور سیرون تھا انیہ بھدر سماج کے پرانی دور سے یہ تماشا دیکھتے تھے اور ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے۔ سویم سیرون کا کردہ شانت ہو گیا۔ اس کے متروں نے لوٹنے والے پرتی دودھیوں کو بھڑکانا شروع کیا مانو پشتوں کو لڑا رہے ہوں۔ کوئی کہتا تھا، اب کی یہ بازی مارے گا، اس پر شرط بتا ہوں، کوئی کسی دوسرے یودھا کا پکھش لیتا تھا، اور دونوں پرتی پکھشیوں میں سینکڑوں کی ہار جیت ہو جاتی تھی۔ ایک بنا ناگوں والے پنگل نے جب ایک مہر پائی تو اس کے سامس پر تالیاں بجنے لگیں۔ یہاں تک کہ سب نے اس پر پھول برسائے۔ روپے لوٹانے کا تماشا دیکھتے دیکھتے یہ یودک ورنہ اتنے خوش ہوئے کہ سویم لٹانے لگے اور ایک چھن میں سمست میدان میں سوائے چٹھوں کے اٹھنے اور گرنے کے اور کچھ دکھائی ہی نہ دیتا تھا، مانو سمندر کی ترنگیں چاندی سونے کے سٹوں کے طوفان سے آمدولیت ہو رہی ہوں۔ پاپ ناشی کو کسی کی سدھ ہی نہ رہی۔

تب نیاس اس کے پاس لپک کر گیا، اسے اپنے لبادے میں چھپا لیا اور تھالیں کو اس کے ساتھ ایک پاس کی گلی میں کھینچ لے گیا جہاں دور ہیوں سے ان کا گلا جھوٹا۔ کچھ دیر تک تو وہ چپ چاپ دوڑے، لیکن جب انھیں معلوم ہو گیا کہ ہم کافی دور نکل آئے اور ادھر کوئی ہمارا پیچھا کرنے نہ آئے گا تو انھوں نے دوڑنا چھوڑ دیا۔ نیاس نے پر یہاں پورن سور میں کہا۔ لیلہا ساہت ہو گئی۔ ابھینے کا انت ہو گیا۔ تھالیں اب نہیں رک سکتی۔ وہ اپنے اذکار کرتا کے ساتھ ادھے جائے گی، چاہے وہ اسے جہاں لے جائے۔

تھامیں نے اثر دیا۔ ہاں لیاں، تمہارا تعین سرور تھا زمول نہیں ہے۔ میں تم جیسے
ملشپیں کے ساتھ رہتے رہتے تنگ آگئی ہوں، جو سنگدھ سے بے، دلاس میں ڈوبے
ہوئے، سہر دیے آتم سیدی پرانی ہے۔ جو کچھ میں نے الزہو کیا ہے، اس سے مجھے اتنی گھبراہٹ ہوگئی
ہے کہ اب میں اگلیات آئند کی کھوج میں جا رہی ہوں۔ میں نے اس سکھ کو دیکھا ہے جو
واستو میں نہیں تھا، اور سکھ مجھے ایک گرد ملا ہے۔ جو بتاتا ہے کہ دکھ اور شوک ہی میں سچا آئند
ہے۔ میرا اس پر دشواں ہے کیوں کہ اسے ستیہ کا گمان ہے۔

لیاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پر یہ، مجھے تو سپہوں ستیوں کا گمان پراپت
ہے۔ وہ کیوں ایک ہی ستیہ کا گمانا ہے، میں سبھی ستیہ کا گمانا ہوں۔ اس درشتی سے تو میرا پد اس
کے پد سے کہیں اونچا ہے، لیکن سچ پوچھو تو اس سے نہ کچھ گورو پراپت ہوتا ہے، نہ کچھ آئند۔

تب یہ دیکھ کر کہ پانپاشی میری اور تاپ سے تھروں سے تاک رہا ہے، اس نے
سمودھت ہو کر کہا۔ پر یہ متر پانپاشی، یہ مت سوچو کہ میں تمہیں برا بڑھو، پاکھنڈی یا اندھ
دشواں سمجھتا ہوں۔ یدی میں اپنے جیون کی تمہارے جیون سے تلتا کروں تو میں سویم نیچے نہ کر
سکوں گا کہ کون شریٹھ ہے۔ میں ابھی یہیں سے جا کر انسان کروں گا، داسوں نے پانی تیار
کر رکھا ہوگا، تب انتم دستر پہن کر ایک تیر کے ڈینوں کا ناشہ کروں گا، اور آئند سے پلنگ پر
لیٹ کر کوئی کہانی پڑھوں گا یا کسی دارشنگ کے وچاروں کا آسوداں کروں گا۔ یدی میں ایسی
کہانیاں بہت پڑھ چکا ہوں اور دارشنگوں کے وچاروں میں بھی کوئی مولکتا یا نویختا نہیں رہی۔ تم
اپنی گٹھی میں لوٹ کر جاؤ گے اور وہاں کسی سدھائے ہوئے اونٹ کی بھانٹی جھک کر کچھ جگالی
سی کرو گے، کداجت کوئی ایک ہزار بار کے چبائے ہوئے شبد آڈمبر کو پھر سے چباؤ گے، اور
سندھیا سے دنا بگاری ہوئی بھانٹی کھا کر زمین پر لیٹ رہو گے، کٹھ بندھو، یدی میں ہمارے
اور تمہارے مارگ پدھتک ہیں، یدی میں ہمارے اور تمہارے کاریہ کرم میں بڑا اثر دکھائی پڑتا
ہے، لیکن واستو میں ہم دونوں ایک ہی منوبھاؤ کے ادھین کاریہ کام کر رہے ہیں۔ وہی جو
سمت مانو کرتیوں کا ایک ماتر کارن ہے۔ ہم سبھی سکھ کے اچھک ہیں، سبھی ایک ہی لکشمیہ پر
پہنچنا چاہتے ہیں۔ سبھی کا ابھیٹ ایک ہی ہے۔۔۔ آئند، اپراپہ آئند، اسکو آئند۔ یہی میری
مورکتا ہوگی اگر میں کہوں کہ تم غلطی پر ہو یدی میں میرا دچار ہے کہ میں ستیہ پر ہوں۔

اور پر یہ تھامیں، تم سے بھی میں یہی کہوں گا کہ جاؤ اور اپنی زندگی میں مرے

افھاڑا اور یدی یہ بات اُسکو نہ ہو، تو تیاگ اور تپیا میں اس سے ادھیک آئند لایحہ کرو جتنا تم نے بھوگ اور دلاس میں کیا ہے۔ سبھی ہاتوں کا دچار کر کے میں کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے اوپر لوگوں کو حسد ہوتا تھا کیوں کہ یدی پانپاشی نے اور میں نے اپنے سمت جیون میں ایک ہی ایک پرکار کے آئند کا اُسکوگ کیا ہے، تو تمہاں، تم نے اپنے جیون میں اتنے بھین بھین پرکار کے آئندوں کا آسودن کیا ہے، جو برے ہی کسی منہ پر پراپت ہو سکتے ہیں۔ میری ہاروک ابھیلاشا ہے کہ ایک گھننے کے لیے میں بندھو پانپاشی کی طرح سنت ہو جاتا۔ لیکن یہ سمجھ نہیں۔ اس لیے تم کو بھی ودا کرتا ہوں، جاؤ جہاں پر کرتی کی گپت خلیکایاں اور تمہارا بھاگیہ حصیں لے جائے۔ جاؤ جہاں تمہاری ایتھا ہو، نیاس کی سٹھ ایتھائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔ میں جانتا ہوں کہ اس سے ازگل باتیں کر رہا ہوں، پر اس اثار سبھ کامناؤں اور زمول بچھانا دے کے سوائے، میں اس سٹھ بھائی کا کیا مولیہ دے سکتا ہے جو تمہارے پریم کے دنوں میں مجھ پر چھائی رہتی تھی اور جس کی سرتی چھایا کی بھائی میرے من میں رہ گئی ہے؟ جاؤ میری دیوی، جاؤ، تم پر ویکار کی مورتی ہو جسے اپنے استو کا گیان نہیں، تم لیلامشی ششا ہو۔ نمکار ہے اس سرورثہ شٹھ، سرورٹھٹھ مایا مورتی کو جو پراکرت نے کسی اگیات کارن سے آٹار، مایادی سدار کو یردان کی سبب

پاپ ناشی کے ہر دیہ پر اس گھن کا ایک ایک شبد وجر کے سان پڑ رہا تھا۔ انت میں وہ اپ شبدوں میں پرتی دھونت ہوا۔ ہا! درجن، دشت، پاپی! میں تجھ سے گھرنا کرتا ہوں اور تجھے کچھ سمجھتا ہوں! دور ہو یہاں سے، نرک کے دوت، ان دربل دکی لیمچوں سے بھی ہزار گنا نکرٹھ، جو ابھی مجھے پتھروں اور دروچنوں کا نشان بنا رہے تھے۔ وہ اگیانی تھے، مورکھ تھے: انھیں کچھ گیان نہ تھا کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور سمجھو ہے کہ کبھی ان پر ایٹور کی دیا درٹھی پھرے اور میری پراقتناؤں کے انوسار ان کے ایتھ کارن شودھ ہو جائیں لیکن نیاس، اسپچہ پت نیاس، تیرے لیے کوئی آشا نہیں ہے، تم گھانک وٹ ہے۔ تیرے ٹکھ سے نیراشیہ اور ناش کے شبد ہی نکلتے ہیں۔ تیرے ایک ہاسیہ سے اس سے کہیں ادھک ناچٹکا پراہیت ہوتی ہے جتنی شیطان کے ٹکھ سے سو برسوں میں بھی نہ نکلتی ہوگی۔

نیاس نے اس کی اور ونود پورن میڑوں سے دیکھ کر کہا۔ بندھو، پرنام! میری یہی ایتھا ہے کہ انت تک تم وٹواس، گھرنا اور پریم کے پتھ پر آروڑھ رہو۔ اسی بھائی تم نیچہ اپنے

شتر وڈوں کو کوسے اور اپنے انویاویوں سے پریم کرتے رہو۔ قتالیں، چرنجی رہو۔ تم مجھے بھول جاؤ گی، کٹھن میں تمہیں نہ بھولوں گا۔ تم یاد جیون میرے ہر دے میں مورتی مان رہو گی۔

ان سے دوا ہو کر نیاں اسکندریہ کی قبرستان کے کٹ بچ دار گلیوں میں وچار پورن مٹی سے چلا۔ اس مارگ میں ادھیک ترکہار رہتے تھے، جو مردوں کے ساتھ دفن کرنے کے لیے کھلنے، برتن آدی بناتے تھے۔ ان کی دکانے مٹی کی سند رنگوں سے چمکتی ہوئی دیویوں، استریوں اڑنے والے دوتوں اور ایسے ہی انیہ دستوؤں کی مورتیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اسے وچار ہوا، کدا چت ان مورتیوں میں کچھ ایسی بھی ہوں جو مہاندرا میں میرا ساتھ دیں اور اسے ایسا پریتیت ہوا ایک چھوٹی پریم کی مورتی میرا اپہاس کر رہی ہے۔ مرتیو کی کلپنا ہی سے اسے دکھ ہوا۔ اس دیواد کو دور کرنے کے لیے اس نے من میں ترک کیا۔ اس میں تو کوئی سند یہہ ہی نہیں کہ کال یا سے کوئی چیز نہیں۔ وہ ہماری بدھی کی بھرائی ماتر ہے، دھوکہ ہے۔ تو جب اس کی سہ ہی نہیں تو وہ میری مرتیو کو کیسے لاسکتا ہے۔ کیا اس کا یہ آٹھے ہے کہ انت کال تک میں جوت رہوں گا؟ کیا میں بھی دیوتاؤں کی بھائی امر ہوں؟ نہیں کدانی نہیں۔ لیکن اس سے یہ ادھے سدھ ہوتا ہے کہ وہ اس سے ہے سدیو سے ہے، اور سدیو رہے گا۔ یہ ہی میں ابھی اس کا انوبھو نہیں کر رہا ہوں، پر یہ مجھ میں دھمان ہے اور مجھے اس سے ہٹکا نہ کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اس وقت کے آنے سے ڈرنا، جو پہلے ہی آچکی ہے حماقت ہے۔ یہ کسی پتنگ کے آتم پرشٹ کے سان لاسمتھ ہے، جسے میں نے پڑھا ہے پر ابھی ساہت نہیں کر چکا ہوں۔

اس کا شیش راستہ اس واد میں کٹ گیا، لیکن اس سے اس کے چت کو شانتی نہ ملی، اور جب یہ گھر پہنچا تو اس کا من دیواد پورن وپچاروں سے بھرا ہوا تھا اس کی دونوں پوتی داسیاں پر سن، ہنس کر نینس کھیل رہی تھیں۔ ان کی ہاسیہ دھونی نے انت میں اس کے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔

پاپ ناشی اور قتالیں بھی شہر سے نکل کر سمندر کے کنارے چلے۔ راستے میں پاپ ناشی بولا ”قتالیں اس دسترت ساگر کا جل بھی تیری کھیمادوں کو نہیں دھوسکتا۔ یہ کہتے کہتے اسے اتنا پاس کر دھ آ گیا۔ قتالیں کو دھکارنے لگا“ تو کتوں اور شکریوں سے بھی بھر شٹ ہے کیوں کہ تو نے اس دیہہ کو جو ایٹور نے تجھے اس بیڑ دیا تھا کہ تو اس کی مورتی استھاہت کرے دھرمیوں اور لیمچوں دوارا دلت کر لیا ہے اور تیرا دراجن اتنا ادھیک ہے کہ تو بنا لہت

کرن میں اپنے پرانی گھر کا بھاد اچھپے کیے نہ ایشور کی پراتھنا کر سکتی ہے نہ وندا۔

دھوپ کے مارے زمین سے آنچ نکل رہی تھی اور تھالیں اپنے نئے گروہ کے پیچھے سر جھکائے پتھر ملی سڑکوں پر چلی جا رہی تھی۔ تھکان کے مارے اس کے گھٹنوں میں بیڑا ہونے لگی اور کٹھ سوکھ گیا۔ لیکن پاپ ناشی کے من میں دیا بھاد کا جاگنا تو دور رہا، (جو در آتماؤں کو بھی نرم کر دیتا ہے) وہ اگلے اس پرانی کے پرائیوٹ پر پرسیدہ ہو رہا تھا جس کے پاؤں کا دارا پار نہ تھا۔ وہ دھرم اتساہ سے اتنا تعجب ہو رہا تھا کہ اس دیدہ کو لوہے کے ساگوں سے چھیدنے میں بھی اسے سکوچ نہ ہوتا جس کا سوندریہ اس کی کلشیا کا مانو اجول پرمان تھا۔ جیوں جیوں وہ دھار میں گمن ہوتا تھا، اس کا پرکوپ اور بھی پرچند ہوتا جاتا تھا۔ جب اسے یاد آتا تھا کہ نیاس اس کے ساتھ سہوگر کر چکا ہے تو اس کا رکت کھولنے لگتا تھا اور ایسا جان پڑتا تھا کہ اس کی چھاتی پھٹ جائے گی۔ ایشور اس کے ہونٹوں پر آ کر رک جاتے تھے اور وہ کیول دانت پیس پیس کر رہ جاتا تھا۔ سہاواہ اچھل کر وکراں روپ دھارن کئے ہوئے اس کے سمکھ کھڑا ہو گیا اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اس کی تیور درشنی تھالیں کے ہر دیے میں چھپی جاتی تھی۔

تھالیں نے شانتی پوروک اپنا منہ پوچھ لیا اور پاپ ناشی کے پیچھے چلتی رہی۔ پاپ ناشی اس کی اوزر ایسی کھنور درشنی سے تاکتا تھا مانو وہ سدیدیہ نرک ہے۔ اسے یہ چتا ہو رہی تھی کہ میں اس سے پر بھو مسیح کا بدلہ کیوں کر لوں، کیوں کہ تھالیں نے مسیح کو اپنے کو کرتوں سے اتنا اچھوت کیا تھا کہ انھیں سویم اسے دند دینے کا کشت نہ اٹھانا پڑے۔ اکسات اسے رودھیر کی ایک بوند دکھائی دی جو تھالیں کے جہر سے بہہ کر مارگ پر گر گئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی پاپ ناشی کا ہر دیے دیا سے پلاوت ہو گیا، اس کی کھنور آ کر تھی شانت ہو گئی۔ اس کے ہر دیے میں ایک ایسا بھاد پردشت ہوا جس سے وہ ابھی ابھکیے تھا۔ وہ رونے لگا، سسکیوں کا تار بندھ گیا، تب وہ دوڑ کر اس کے سامنے ماتھا ٹھونک کر بیٹھ گیا اور اس کے چروں پر گر کر کہنے لگا۔ بہن، بہن، میری ماما، میری دیوی۔ اور اس کے رکت پلوٹ چروں کو چومنے لگا۔

تب اس نے شدہ ہر دیے سے یہ پراتھنا کی۔ اے سورگ کے ددو! اس رکت کی بوند کو ساد دھانی سے اٹھاؤ اور اسے پر م پتا کے سنگھاسن کے سنگھ لے جاؤ۔ ایشور کی اس پوتر بھوی پر، جہاں یہ رکت بہا ہے۔ ایک آلو کیک پشپ درکھش اچھپے ہو۔ اس میں سورگیہ سنگدھ یکت

پھول کھلیں اور جن پر انہوں کی درشتی اس پر پڑے اور جنگی ناک میں اس کی گندھ پھنچے، ان کے ہر دیے شدہ اور ان کے دھار پوتر ہو جائیں۔ تھالیں، پر م پوجیے تھالیں! تجھے دھنے ہے؛ آج تو نے وہ پد پراہت کر لیا جس کے لیے بڑے بڑے سدھ یوگی بھی لالائت رہتے ہیں۔

جس سے وہ یہ پراتنا اور شہہ کا نکشھا کرنے میں مگن تھا، ایک لڑکا گدھے پر سوار جاتا ہوا ملا۔ پاپ ناشی نے اسے اترنے کی آگیاں دی؛ تھالیں کو گدھے پر بٹھا دیا اور تب اس کی باگ ڈور پکڑ کر لے چلا۔ سور یہ است کے سے دے ایک نہر پر پہنچے جس پر سنگھن در کھسوں کا سایہ تھا۔ پاپ ناشی نے گدھے کو ایک چھوہارے کے در کھش سے باندھ دیا اور کائی سے ڈھکی ہوئی چٹان پر بیٹھ کر اس نے ایک روٹی نکالی اور اسے نمک اور تیل کے ساتھ دونوں نے کھایا، چلو سے تازہ پانی پیا اور ایٹوریہ دشتے پر سمکھاشن کرنے لگے۔

تھالیں بولی۔ پوجیہ پتا، میں نے آج تک کبھی ایسا نزل جل نہیں پیا، اور نہ ایسی پران پد سوچہ دایو میں سانس لیا۔ مجھے ایسا انوبھو ہو رہا ہے کہ اس سیرن میں ایٹوریہ کی جیوتی کی پراہت ہو رہی ہے۔

پاپ ناشی بولا۔ پر یہ بہن، دیکھو سندھیا ہو رہی ہے۔ نشا کی سوچتا دینے والی شیا م تا پہاڑیوں پر چھائی ہوئی ہے۔ لیکن شکھر ہی مجھے ایٹوریہ جیوتی، ایٹوریہ اوشا کے سنہرے پرکاش میں چمکتی ہوئی دکھائی دے گی، شکھر ہی تجھے است پر بھات کے غلاب پھپھوں کی منوہر لالیا آلوکت ہوتی ہوئی درشت گوہر ہوگی۔

دونوں رات بھر چلتے رہے۔ اردھ چندر کی جیوتی لہروں کے نقول مکٹ پر جھلکا رہی تھی؛ نوکاؤں کے سفید پال اس شانتی سے جیوتنا میں ایسے جان پڑتے تھے۔ مانو پیت آتما نیں سورگ کو پران کر رہی ہیں۔ دونوں پرانی اسٹھتی اور بھجن گاتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ تھالیں کے کشت کا ماحر رہے، پاپ ناشی کی پنجم دھونی کے ساتھ بشرت ہو کر ایسا جان پڑتا تھا کہ سندھ وستر پراٹ کا بٹیا کر دیا گیا ہے! جب دن کرنے اپنا پرکاش پھیلایا، تو ان کے سامنے لائیاں کی مرد بھومی ایک وستر کرم کی بھانتی پھیلی ہوئی دکھائی دی۔ مرد بھومی کے اس سرے پر کئی چھوہارے کے درکشوں کے مدھیہ میں کئی سفید جھونپڑیاں پر بھات کے مند پرکاش میں جھلک رہی تھیں۔

تھالیں نے پوچھا پوجیہ پتا، کیا وہ ایٹوریہ جیوتی کا مندر ہے؟

’ہاں پرے بہن، میری پرے پڑی، وہی کتنی گرہ ہے، جہاں میں تجھے اپنے ہی ہاتھوں سے بند کروں گا۔‘

ایک چمن میں انھیں کئی استریاں جمونہڑیوں کے آس پاس کچھ کام کرتی ہوئی دکھائی دیں، مانو مدھو کھیاں اپنے چھتوں کے پاس بہن بھنا رہی ہوں۔ کئی استریاں روٹیاں پکاتی تھیں، کئی شاک بھاجی بنا رہی تھیں، بہت سی استریاں اون کاٹ رہی تھیں اور آکاش کی جیوتی ان پر اس بھانٹی پڑ رہی تھیں مانو پریم پتا کی مدھر مسکان ہے، اور کتنی ہی تپو نیاں جھاؤ کے درکشوں کے نیچے بیٹھی الیٹور دندا کر رہی تھیں، ان کے گورے گورے ہاتھ دونوں کنارے لٹکے ہوئے تھے کیوں کہ الیٹور کے پریم سے پری پورن ہو جانے کے کارن وہ ہاتھوں سے کوئی کام نہ کرتی تھیں؛ کیول دھیان، آرادھنا اور سورگیہ آند میں ننگن رہتی تھیں۔ اس لیے انھیں ’ناتا مریم کی پتریاں‘ کہتے تھے، اور وہ بقول دستری دھارن کرتی تھیں۔ جو استریاں ہاتھوں سے کام دندا کرتی تھیں، وہ ’ناٹھی کی پتریاں‘ کہلاتی تھیں اور نیلے دستر پہنتی تھیں۔ سبھی استریاں کنٹھ لگاتی تھیں، کیول پوتیاں بالوں کے دو چار کچھے ماتھے پر نکالے رہتی تھیں۔ سمھوتہ وہ آپ ہی آپ باہر نکل آتے تھے، کیوں کہ بالوں کو سنوارنا یا دکھانا نیوں کے درد دھ تھا۔ ایک بہت لمبی، گوری، وردھ مہیلا، ایک ٹٹھی سے نکل کر دوسری ٹٹھی میں جاتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں لکڑی کی ایک جریب تھی۔ پاپ ناشی بڑے ادب کے ساتھ اس کے سمپ گیا، اس کی نقاب کے کناروں کا جھمن کیا اور بولا۔ پوجیہ اہینا، پریم پتا تیری آتما کو شانتی دیں! میں اس جھننے کے لیے جس کی تورانی ہے، ایک کھسی لایا ہوں جو پشپ پن میدانوں میں ادھر ادھر بھکتی پھرتی تھی۔ میں نے اسے اپنی ہتھیلی میں اٹھا لیا اور اپنے شوا سوچھ واس سے پزرجیوت کیا۔ میں اسے تیری شرن میں لایا ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے تھالیں کی اڈر اشارہ کیا۔ تھالیں ترنت قیصر کی پتری کے سنگھ گھنٹوں کے بل بیٹھ گئی۔

اہینا نے تھالیں پر ایک مرم بھیدی درشتی ڈالی، اسے اٹھنے کو کہا، اس کے مسک کا جھمن کیا اور تب یوگی سے بولی۔ ہم اسے ’ناتا مریم کی پتریوں کے ساتھ رکھیں گے۔‘

پاپ ناشی نے تب تھالیں کے کتنی گرہ میں آنے کا پورا درتانت کہہ سنایا۔ الیٹور نے کیسے اسے پرینا کی، کیسے وہ اسکندریہ پہنچا اور کن کن اپالوں سے اس کے من میں اس نے

پر بھومسج کا انوراگ آتھن کیا۔ اس کے بعد اس نے پرستاد کیا کہ تھالیں کو کسی کٹی میں بند کر دیا جائے جس سے وہ ایکانت میں اپنے پردیون پر دھار کرے، آتم شدھی کے مارگ کا اولھن کریں۔

منہ کی ادھیکشمنی اس پرستاد سے سمست ہو گئی۔ وہ تھالیں کو ایک کٹی میں لے گئی جسے کماری لینا نے اپنے چرنوں سے پوتر کیا تھا اور جو اسی سے سے خالی پڑی ہوئی تھی۔ اس ٹک کھڑی میں کیول ایک چار پائی، ایک میز اور ایک گھڑا تھا، اور جب تھالیں نے اس کے اندر قدم رکھا، تو چوکٹ کو پار کرتے ہی اسے اکھدے آند کا انوبھو ہوا۔

پاپ ناشی نے کہا۔ میں سویم دوار کو بند کر کے اس پر ایک مہر لگا دینا چاہتا ہوں، جسے پر بھومسج سویم آکر اپنے ہاتھوں سے توڑیں گے۔

وہ اسی شن پاس کی جل دھارا کے کنارے گیا، اس میں سے مٹھی بھر مٹی لی، اس میں اپنے منہ کا تھوک ملایا اور اسے دوار کے دروازوں پر مڑ دیا۔ تب کھڑکی کے پاس آکر، جہاں تھالیں شانتی چت اور پرسن ٹکھ بیٹھی ہوئی تھی اس نے بھومی پر سر جھکا کر تین بار ایشر کی دندا کی۔

او ہوا! اس استری کے چرن کتنے سندر ہیں جو سمارگ پر چلتی ہے۔ ہاں، اس کے چرن سندر، کتنے کوئل اور کتنے گورو شیل ہیں، اس کا کھ کتنا کانٹی ہے!
یہ کہہ کر وہ اٹھا، کنٹوپ اپنی آنکھوں پر کھینچ لیا اور مندگتی سے اپنے آشرم کی اور چلا۔
الہینا نے اپنی ایک کماری کو بلا کر کہا۔ پرے پڑی، تم تھالیں کے پاس آویک دستو پہنچا دو، روٹیاں، پانی اور ایک تین چھدروں والی بانسری۔

۵

پاپ ناشی نے ایک ٹوکا پر بیٹھ کر، جو سراپین کے دھرم آشرم کے لیے کھاد یہ پدرا تھ لیے جا رہی تھی، اپنی یاترا ساتھ کی اور نغ استھان کو لوٹ آیا۔ جب وہ کشتی پر سے اترا تو اس کے شعیہ اس کا سواگت کرنے کے لیے ندی ٹٹ پر آہنچے اور خوشیاں منانے لگے۔ کسی نے آکاش کی اور ہاتھ اٹھائے، کسی نے دھرتی پر سر جھکا کر گرد کے چرنوں کو اسپرش کیا۔ انھیں پہلے ہی سے اپنے گرد کے کرت کار یہ ہونے کا آتم گیان ہو گیا تھا۔ یوگیوں کو کسی گیت اور

آگیاں ریتی سے اپنے دھرم کی وجہ اور گورو کے ساچار مل جاتے تھے، اور اتنی جلد کہ لوگوں کو
 آٹھر یہ ہوتا تھا۔ یہ ساچار بھی سمت دھرم آٹھروں میں، جو اس پرانت میں استھت تھے، آندھی
 کے ویک کے ساتھ پھیل گیا۔

جب پاپ ناشی ہلے مارگ پر چلا تو اس کے شعیہ اس کے پیچھے پیچھے المیور کیرتن
 کرتے ہوئے چلے۔ فلیوین اس سنسٹھا کا سب سے وردھ سدھیہ تھا۔ وہ دھرمونت ہو کر اورچ
 سور سے یہ سورچت گیت گانے لگا۔

آج کا شہ دن ہے،

کہ ہمارے پوجیے پتا نے پھر ہمیں گود میں لیا۔

وہ دھرم کا سہرا سر باندھے ہوئے آئے ہیں،

جس نے ہمارا گورو بڑھا دیا ہے

کیوں کہ پتا کا دھرم ہی،

ستان کا۔ حمارتھ دھن ہے۔

ہمارے پتا کی سکیرتی کی جیوتی سے،

ہماری کنیوں میں پرکاش پھیل گیا ہے۔

ہمارے پتا پاپ ناشی،

پر بھومیتج کے لیے نئی ایک دلہن لائے ہیں۔

اپنے آلوکیک تیز اور سدھی سے،

انھوں نے ایک کالی بھیر کو۔

جو اندھیری گھاٹیوں میں ماری ماری پھرتی تھی،

اجلی بھیر بنا دیا ہے

اس بھانٹی عیسائی دھرم کی دھواں بھراتے ہوئے

وہ پھر ہمارے اوپر ہاتھ رکھنے کے لیے لوٹ آئے ہیں۔

ان دھومکیوں کی بھانٹی،

جو اپنے چھتوں سے اڑ جاتی ہیں

اور پھر جنگلوں سے پھولوں کی،

مدھو سدھا لپے ہوئے لوہتی ہیں

نوبیا کے میٹھ کی بھانٹی،

جو اپنے ہی اون کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

ہم آج کے دن آئندہ اتسو منائیں،

اپنے بھوجن میں تیل کو چھڑ کر۔

جب وہ لوگ پاپ ناشی کے کئی کے دوار پر آئے تو سب کے سب گھٹنے ٹیک کر بیٹھ

گئے اور بولے۔ پوجیہ پتا! ہمیں آشیرواد دیجئے، اور ہمیں اپنی روٹیوں کو چرنے کے لیے تھوڑا

ساتیل پر دان کیجیے کہ ہم آپ کے گسل پوروک لوٹ آنے پر آئندہ منائیں۔

مُورکھ پال اکیلا چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس نے نہ گھاٹ ہی پر آئندہ پرکٹ کیا تھا، اور

نہ اس سے زمین پر گرا۔ وہ پاپ ناشی کو پہچانتا ہی نہ تھا اور سب سے پوچھتا تھا، 'یہ کون آدمی

ہے؟' لیکن کوئی اس کی اوز دھیان نہیں دیتا تھا، کیوں کہ سبھی جانتے تھے کہ یہ جی یہ سدھی

پراپت ہیں۔ پر ہیں گیان شونیہ۔

پاپ ناشی جب اپنی کئی میں ساودھان ہو کر بیٹھا تو دھار کرنے لگا۔ انت میں میں

اپنے آئندہ اور شانتی کے آڈٹ استھان پر پہنچ گیا۔ میں اپنے سنتوش کے سرکشت گڑھ میں

پردشت ہو گیا، لیکن یہ کیا بات ہے کہ یہ نکلوں کا جھونپڑا جو مجھے اتنا پرے ہے، مجھے مڑ بھاو

سے نہیں دیکھتا اور دیواریں مجھ سے ہرشت ہو کر نہیں کہتیں۔ تیرا آنا مبارک ہو! میری

انوسختی میں یہاں کسی پرکار کا اثر ہوتا ہوا نہیں دیکھ پڑتا۔ جھونپڑا جیوں کا تیوں ہے، یہی

پرانی میز اور میری پرانی کھاٹ ہے۔ وہ سالوں سے بھرا سر ہے۔ جس نے کتنی ہی بار میرے

من میں پوتر دھاروں کی پریرنا کی ہے۔ وہ پستک رکھی ہوئی ہے جس کے دوارا میں نے

سینکڑوں بار ایٹور کا سوروپ دیکھا۔ وہ پھٹک رکھی ہوئی ہے جس پر بھی وہ سبھی چیزیں نہ

جانے کیوں مجھے اپرچیت سی جان پڑتی ہے، ان کا وہ سوروپ نہیں رہا۔ ایسا پرہیت ہوتا ہے

کہ ان کی سوا بھاوک شوبھا کا اپرن ہو گیا ہے، مالو مجھ پر ان کا اسٹیہ نہیں رہا اور میں پہلی

ہی بار انھیں دیکھ رہا ہوں۔ جب میں اس میز اور اس پلنگ پر، جو میں نے کسی سے اپنے

ہاتھوں سے بنائے تھے، اس سالوں سے سکھائی کھونپڑی پر، اس بھوج پتر کے پلندوں پر جن

پر ایٹور کے پوتر داکہ اکٹ ہے، نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے ایسا گیات ہوتا ہے کہ یہ سب کسی

مرت پرانی کی دستوریں ہیں۔ ان لے اتنا کھٹھ سبندھ ہونے پر بھی، ان سے رات دن کا سنگ رہنے پر بھی میں اب انھیں پہچان نہیں سکتا۔ آہ! یہ سب چیزیں جیوں کی تیوں ہیں ان میں ذرا بھی پرلورت نہیں ہوا۔ ات ابو مجھ میں ہی پرلورت ہو گیا ہے، میں جو پہلے تھا وہ اب نہیں رہا۔ میں کوئی اور ہی پرانی ہوں۔ میں ہی مروت آتما ہوں! ہے بھگوان! یہ کیا رہیہ ہے؟ مجھ میں سے کون سی دستوریت ہو گئی ہے، مجھ میں اب کیا شیش رہ گیا ہے؟ میں کون ہوں؟ اور سب سے بڑی آھنکا کی بات یہ تھی کہ من کو بار بار اس شنکا کی زمولنا کا دشواس دلائے پر بھی اسے ایسا بھاشت ہوتا تھا کہ اس کی کئی بہت تنگ ہو گئی یہ صی دھارک بھاد سے اسے اس استھان کو بھت سمھنا چاہیے تھا، کیوں کہ انت کا بھاگ بھی انت ہی ہوتا ہے، کیوں کہ یہیں بینہ کر وہ ایثور کو انتھا میں دلیں ہو جاتا تھا۔

اس نے اس شنکا کے دھارتھ دھرتی پر سر رکھ کر ایثور کی پراتھنا کی اور اس سے اس کا چت شانت ہوا۔ اسے پراتھنا کرتے ہوئے گھنہ بھی نہ ہوا ہوگا کہ تھالس کی چھایا اس کی آنکھوں کے سامنے سے نکل گئی۔ اس نے ایثور کو دھنے داد دے کر کہا پر بھوسج، تیری ہی کرپا سے مجھے اس کے درشن ہوئے۔ یہ تیری اسیم دیا اور انوگرہ ہے، اسے میں سویکار کرتا ہوں۔ تو اس پرانی کو میرے سنگھ بھیج کر، جسے میں نے تیری بھینٹ کیا ہے، مجھے سنتوشٹ، پرسن اور آھوست کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے میری آنکھوں کے سامنے پرستوت کرتا ہے، کیوں کہ اب اس کی مسکان نہہ شستر، اس کا سوندریہ شککنک اور اس کے ہاؤ بھاد اودیشے بن ہو گئے ہیں۔ میرے دیالو پتت پادون پر بھو، تو مجھے پرسن کرنے کے نمیت اسے میرے سنگھ اسی شدھ اور پریمارچت سوروپ میں لانا ہے۔ جو میں نے تیری اچھاؤں کے انوکول اسے دیا ہے، جیسے ایک متر پرسن ہو کر دوسرے متر کو اس کے دیئے ہوئے سندر اپہار کی یاد دلاتا ہے۔ اس کارن میں اس استری کو دیکھ آندت ہوتا ہوں، کیوں کہ تو ہی اس کا پریشک ہے۔ تو اس بات کو نہیں بھولنا کہ میں نے اسے تیرے چرنوں پر سرپت کیا ہے۔ اس سے تجھے آند پراپت ہوتا ہے، اس لیے اسے اپنی سیوا میں رکھ اور اپنے سوائے کسی انیہ پرانی کو اس کے سوندریہ سے گدھ نہ ہونے دے۔

اسے رات بھر نیند نہیں آئی اور تھالس کو اس نے اس سے بھی اسپٹ روپ سے دیکھا جیسے پریوں کے کنج میں دیکھا تھا۔ اس نے ان شدیوں میں اپنی آتم اشتوتی کی۔ میں

نے جو کچھ کیا ہے، الیٹور ہی کے مت کیا ہے۔ لیکن اس آشواں اور ہارقتنا پر بھی اس کا ہر دے وکل تھا۔ اس نے آہ بھر کر کہا۔ میری آتما، تو اتنی اپنی شوکا سکت ہے، اور کیوں مجھے یہ یاتا دے رہی ہیں؟

اب بھی اس کے چت کی ادگنیا شانت نہ ہوئی۔ تین دن تک وہ ایسے مہان شوک اور دکھ کی اوستھا میں پڑا رہا جو ایکانت وادی یوگیوں کی دسہہ پر یکشھاؤں کا پورو لکھن ہے۔ تھالیں کی صورت آٹھوں پہر اس کی آنکھوں کے آگے پھرا کرتی۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے سے ہٹاتا بھی نہ چاہتا تھا کیوں کہ اب تک وہ سمجھتا تھا کہ یہ میرے اوپر الیٹور کی دھیش کر پا ہے اور داستو میں یہ ایک یوگنی کی صورتی ہے۔ لیکن ایک دن پر بھات کی سوچتا دستھا میں اس نے تھالیں کو سوپن میں دیکھا۔ اس کے کیشوں پر پشوں کا کٹ وراج رہا تھا اور اس کا مادھریے ہی بھیا دہ گیات ہوتا تھا کہ وہ مجھے بھیت ہو کر چیخ اٹھا اور جاگا تو ٹھنڈے پسینے سے تر تھا، مانو برف کے کنڈ میں سے نکلا ہو۔ اس کی آنکھیں مجھے کی ندرا سے بھاری ہو رہی تھیں کہ اسے اپنے منگھ پر گرم گرم سانسوں کے چلنے کا انوبھو ہوا۔ ایک چھوٹا سا گیدڑ اس کی چار پائی کی چٹائی پر دونوں اگلے پیر رکھے ہانپ ہانپ کر اپنی درگندھ یکت سانس اس کے منگھ پر چھوڑ رہا تھا، اور اسے دانت نکال نکال کر دکھا رہا تھا۔

پاپ ناشی کو اتھیت دے ہوا۔ اسے ایسا جان پڑا، میرے پیروں کے نیچے کی زمین دھنس گئی۔ اور داستو میں وہ پھیت ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک تو اس میں دچار کرنے کی شستی ہی نہ رہی اور جب وہ پھر چھیت بھی ہوا تو دھیان اور دچار سے اس کی اشانتی اور بھی بڑھ گئی۔

اس نے سوچا۔ ان دو باتوں میں سے ایک بات ہے یا تو یہ سوپن کی بھانتی الیٹور کا پریرت کیا ہوا تھا اور شہ سوپن تھا، اور یہ میری سو بھاوک دُر بدھمی ہے جس نے اسے یہ بھینکر روپ دے دیا ہے، جیسے گندے پیالے میں انگور کا رس کٹھا ہو جاتا ہے، میں نے اپنے اگیان دس الیٹور یے آدیش کو الیٹور یے ترسکار کا روپ دے دیا اور اس گیدڑ روپلی شیطان نے میری ہنکاوت دشا سے لالچ اٹھایا، اٹھوا اس سوپن کا پریرک الیٹور نہیں، پشاج تھا۔ ایسی دشا میں یہ ہنکا ہوتی ہے کہ پہلے کے سوپنوں کو دیوکرت سمجھنے میں میری بھرائتی تھی۔ سارانش یہ کہ اس سے مجھ میں وہ دھربا دھرم کا گیان نہیں رہا جو تپسوی کے لیے پرمادھیک ہے اور جس کے بنا اس کے پگ پگ پر ٹھوکر کھانے کی آھنکا رہتی ہے کہ الیٹور میرے ساتھ نہیں رہا۔ جس کے

نہیں مل میں بھوک رہا ہوں۔ یہ بھی اس کے کارن نہیں نچت کر سکتا۔

اس بھائی ترک کر کے اس نے بڑی گھائی کے ساتھ جھیا سا کی۔ دیا لو پتا! تو اپنے بھکت سے کیا پراخت کرنا چاہتا ہے، یہی اس کی بھادنا کی ہی اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیں، در بھادنا کی ہی اسے دستت کرنے لگیں؟ میں کیوں ایسے لکھنوں کا اسپشی کرن نہیں کر دیتا جس کے دوارا مجھے معلوم ہو جایا کرے کہ تیری اچھا کیا ہے، اور کیا تیرے پرتی کبھی کی؟

کنو اب اشور نے جس کی مایا ابید ہے، اپنے اس بھکت کی اچھا پوری نہ کی اور اسے آتم گیان نہ پردان کیا تو اس نے حنکا اور بھرائی کے وشی بھوت ہو کر بچے کیا اب میں تھالیس کی اور من کو جانے ہی نہ دوں گا۔ لیکن اس کا یہ پرتین نہ مل ہوا۔ اس سے دور رہ کر بھی تھالیس بیہ اس کے ساتھ رہتی تھی۔ جب وہ کچھ پڑھتا تھا، اشور کا دھیان کرنا تھا تو وہ سامنے بیٹھی اسی کی اور تاکتی رہتی، وہ جدھر نگاہ ڈالتا، اُسے اس کی مورتی دکھائی دیتی، یہاں تک کہ اپنا س کے سے بھی وہ اس سے جدا نہ ہوتی۔ جیوں ہی وہ پاپ ناشی کے کلپنا جمیز میں پد آرہن کرتی، وہ یوگی کے کانوں میں کچھ بھی آواز سنائی دیتی، جیسی استریوں کے چلنے کے سے ان کے دستروں سے نکلتی ہے، اور ان چھایاؤں میں۔ تھاتھ سے بھی ادھک استرنا ہوتی تھی۔ استری چر استر، آہمک اور اسپٹ ہوتا ہے۔ اس کے پرتی کول ایکانت میں جو چھایا دستت ہوتی ہے، وہ استر اور سدیرکھ ہوتی ہے۔ وہ نانا پرکار کے روپ بدل کر اس کے سامنے آتی۔ کبھی ملین ودن کیوں میں اپنی اتم پشمالا گوندھے، وہی سنہرے کام کے دستر دھارن کئے جو اس نے اسکندریہ میں کوٹا کے پرتی بھوج کے اوسر پر پہنے تھے، کبھی مہین دستر پہنے، پریوں کے کج میں بیٹھی ہوئی، کبھی موٹا کرتا پہنے، رکت اور آدھیامک آنند سے وکسیت، کبھی شوک میں ڈوبی آنکھیں مرتی کی بھیٹر آھنکا دس سے ڈبڈبائی ہوئی، اپنا آدرن چن ہر دے استل کھولے، جس پر آہت ہر دے سے رکت دھارا پرواہت ہو کر جم گئی تھی۔ ان چھایا مورتیوں میں جس بات کا اسے سب سے ادھک کھید اور دسے ہوتا تھا وہ یہ تھی کہ وہ پشپ مالائیں، وہ سندر دستر، وہ مہین چادریں، وہ زری کے کام کی ٹرتیاں جو اس نے جلا ڈالیں تھیں، پھر جیسے لوٹ آئیں اسے اب یہ دت ہوتا تھا کہ ان دستروں میں بھی کوئی اویٹاشی آتما ہے اور اس نے استر ویدنا سے وکل ہو کر کہا۔

”کیسی دہتی ہے کہ تھالیں کے اسٹکھیہ پاؤں کی اسٹکھیہ آتماں یوں مجھ پر آکر من کر رہی ہیں۔

جب اس نے پیچھے کی اور دیکھا تو اسے گیات ہوا کہ تھالیں کھڑی ہے، اور اس سے اس کی اشانتی اور بھی بڑھ گئی۔ اسہائے آتم دیدنا ہونے لگی لیکن چونکہ ان سب ہنگاموں اور دھکپناؤں میں بھی اس کی چھایا اور من دونوں ہی پوتر تھے، اس لیے اسے ایٹور پر دشا اس تھا۔ ات ایو وہ ان کردن شبدوں میں انونے کرتا تھا۔ بھگوان تیری مجھ پر یہ کرپا کیوں؟ یدی میں ان کی کھوج میں دھرمیوں کے چچ گیا، تو تیرے لیے، اپنے لیے نہیں۔ کیا یہ انیائے نہیں ہے کہ مجھے ان کرموں کا دھڑ دیا جائے جو میں نے تیرا مہاتئے بڑھانے کے بھت کیے ہیں؟ پیارے منیج، آپ اس مھور انیائے سے میری رکشہ کیجیے۔ میرے تراتا مجھے بچائیے۔ دیہہ مجھ پر جو دجے پراپت نہ کر سکی، وہ دجے کیرتی اس کی چھایا کو نہ پردان کیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس سے مہاسکلوں میں پڑا ہوا ہوں۔ میرا جیون اتا ہنگا سے کبھی نہ تھا۔ میں جانتا ہوں اور انوبھو کرتا ہوں کہ سوپن میں پرتیکش سے ادھک فکرتی ہے اور یہ کوئی آٹھر یہ کی بات نہیں، کیوں کہ سوپن میں سویم آہمک دستو ہونے کے کارن بھوئیک دستوؤں سے پوتر ہے۔ سوپن واستو میں دستوؤں کی آتما ہے۔ پلیٹو یدھی مورتی وادی تھا، تھاپی اس نے دچاروں کے استو کو سویکار کیا ہے۔ بھگوان نریشاچوں کے اس بھوج میں جہاں تو میرے ساتھ تھا، میں نے خشیوں کو۔ وہ پاپ۔ ملین اوٹھے تھے، کتھو کوئی انھیں دچار اور بدھی سے رہیت نہیں کہہ سکتا۔ اس بات پر سہمت ہوتے سنا کہ یوگیوں کو ایکانت، دھیان اور پرم آند کی اوستا میں پرتیکش دستوئیں دکھائی دیتی ہیں۔ پرم پتا، آپ نے پوتر گرنتھ سویم کتھی ہی بار سوپن کے مگوں کو اور چھایا مورتیوں کی ہکٹیوں کو، چاہے وہ تیری اور سے ہوں یا تیرے شتر د کی اور سے، اسپٹ اور کئی استھانوں پر سویکار کیا ہے۔ پھر یدی میں مہرائتی میں جا پڑا تو مجھے کیوں اتا کٹ دیا جا رہا ہے؟

پہلے پاپ ناشی ایٹور سے ترک نہ کرتا تھا۔ وہ تراپد بھاو سے اس کے آدیٹوں کا پالن کرتا تھا۔ پر اب اس میں ایک نئے بھاؤ کا دکاس ہوا۔ اس نے ایٹور سے پرشن اور ہنگامیں کرنی شروع کیں، کتھو ایٹور نے اسے وہ پرکاش نہ دکھایا جس کا وہ بلھک تھا۔ اس کی راتیں ایک دیکھ سوپن ہوتی تھیں، اور اس کے دن بھی اس دٹھے میں راتوں ہی کے سدرش ہوتے

تھے۔ ایک رات وہ جاگا تو اس کے کمرے سے ایسی چیخاٹ پورن آہٹیں نکل رہی تھیں، جیسی چاندنی رات میں پاپاہت منشیوں کی قبروں سے نکلا کرتی ہیں۔ تھالیں آہٹتی تھیں، اور اس کے زخمی پیروں سے خون بہہ رہا تھا۔ کتھو پاپ ناشی رونے لگا کہ وہ دیر سے اس کی چارپائی پر آکر لیٹ گئی۔ اب کوئی سند یہ نہ رہا، ساری ہٹکا کیں نئورت ہو گئیں۔ تھالیں کی چھایا واسنا یکت تھی۔

اس کے من میں گھرنا کی ایک لہر اٹھی۔ وہ اپنی اپوز شیا سے جھٹ کر نیچے کود پڑا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا کہ سور یہ کا پرکاش نہ پڑنے پائے۔ دن کی گھڑیاں گزرتی جاتی تھیں، کتھو اس کی لجا اور غلائی شانت نہ ہوتی تھی۔ کئی میں پوری شانتی تھی۔ آج بہت دنوں کے پشچات پر تھم بار تھالیں کو ایکانت ملا۔ آخر میں چھایا نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اب اس کی دلخنا بھی بھیجکر پریتیت ہوتی تھی۔ اس سوہن کو دستر کرنے کے لیے اس دچار سے اس کے من کو ہٹانے کے لیے اب کوئی اولہمن، کوئی ساوہن، کوئی سہارا نہیں تھا۔ اس نے اپنے کو دھکارا۔ میں نے کیوں اسے بھگا نہ دیا؟ میں نے اپنے کو اس کے گھرت آٹکن اور تاپ مئے کروں سے کیوں نہ چھڑا لیا؟

اب وہ اس بھرشت چارپائی کے سمپ ایٹور کا نام لینے کا بھی ساہس نہ کر سکتا تھا، اور اسے یہ بھے ہوتا تھا کہ کئی کے اپوز ہو جانے کے کارن پشچاچ گن سوٹھما نوسار اندر پردوشٹ ہو جائیں گے، ان کے روکنے کا میرے پاس اب کون۔ سامتر رہا، اور اس کا بھے زمول نہ تھا۔ وہ ساتوں گیدڑ جو کبھی اس کی چوکھٹ کے بھیر نہ آسکے تھے، اب قطار بانہہ کر آئے اور بھیر آکر اس کے پٹنگ کے نیچے چھپ گئے۔ سندھیا پراٹھنا کے سے ایک اور آٹھواں گیدڑ بھی آیا، جس کی درگندہ اسہائے تھی۔ دوسرے دن لوں گیدڑ بھی ان میں آلا اور ان کی سکھیا بڑھتے بڑھتے تھیں سے ساٹھ اور ساٹھ سے اتنی تک پہنچ گئی۔ جیسے جیسے اس کی سکھیا بڑھتی تھی، ان کا آکار چھوٹا ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ چوہوں کے برابر ہو گئے اور ساری کئی میں پھیل گئے۔ پٹنگ، میز، تپائی، فرش ایک بھی ان سے خالی نہ بچا۔ ان میں سے ایک میز پر کود گیا اور اس کے بکھرے پر چاروں بھر رکھ کر پاپ ناشی کے ٹکھ کی اور جلتی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ نیہ نئے نئے گیدڑ آنے لگے۔

اپنے سوہن کے بھیشن پاپ کا پرائچٹ کرنے اور بھرشت دچاروں سے بچنے کے لیے

پاپ ناشی نے ٹپے کیا کہ اپنی کئی سے نکل جاؤں جواب پاپ کا بھیرا بن گئی ہے اور مرد بھوی میں دور جا کر کٹھن سے کٹھن چٹیاں کروں، ایسی ایسی سدھیوں میں رت ہو جاؤں جو کسی نے سنی بھی نہ ہوں، پروپکار اور اڈار کے پتہ پر اور بھی اتساہ سے چلوں۔ لیکن اس ٹپے کو کارپے روپ میں لانے سے پہلے وہ سنت پالم کے پاس اس سے پرامش کرنے گیا۔

اس نے پالم کو اپنے باغیچے میں پودوں کو سنچتے ہوئے پایا۔ سندھیا ہو گئی تھی۔ نئی ندی کی نیلی دھارا اونچے پردوں کے دامن میں بہ رہی تھی۔ وہ ساتھک ہردے وردھ سادھو دیرے دیرے چل رہا تھا کہ کہیں وہ کبوتر چوہا کر اڑ نہ جائے جو اس کے کندھے پر آ بیٹھا تھا۔

پاپ ناشی کو دیکھ کر اس نے کہا۔ بھائی پاپ ناشی کو نسا کر کرتا ہوں دیکھو، پر م پتا کتنا دیا ہے وہ میرے پاس اپنے رہے ہوئے پھوٹوں کو بھٹاتا ہے کہ میں ان کے ساتھ ان کا کیرتی گان کروں اور ہوا میں اڑنے والے مکھیوں کو دیکھ کر ان کی اہت لینے کا آندھ اٹھاؤں۔ اس کبوتر کو دیکھو، اس کی گردن کے بدلتے ہوئے رنگوں کو دیکھو، کیا وہ ایشور کی سندھ رچنا نہیں ہے؟ لیکن تم تو میرے پاس کسی دھارک دشنے پر باتیں کرنے آئے ہو نا؟ یہ لو، میں اپنا ڈول رکھے دیتا ہوں اور تمہاری باتیں سننے کو تیار ہوں؟

پاپ ناشی نے بردھ سادھو سے اپنی اسکندریہ کی یاترا، تھالیس کے اڈار، وہاں سے لوٹنے۔ دنوں کی درشت کلپناؤں اور راتوں کے دو سوہنوں کا سارا ورتانت کہہ سنایا۔ اس رات کے پاپ سوہن اور گیدڑوں کے جھنڈ کی بات بھی نہ چھپائی اور تب اس سے پوچھا۔ پوجیہ پتا کیا ایسی ایسی اسادھارن یگیہ کریا میں کرنی چاہیے کہ پریت راج چلکت ہو جائیں؟

پالم سنت نے اثر دیا۔ بھائی پاپ ناشی، میں چندر پانی پُرش ہوں اور اپنا سارا جیون باغیچے میں ہرنوں، کبوتروں اور خرہوں کے ساتھ وقیعت کرنے کے کارن، مجھے منشیوں کا بہت کم گمان ہے۔ لیکن مجھے ایسا پریتیت ہوتا ہے کہ تمہاری دھینڈاؤں کا کارن کچھ اور ہی ہے۔ تم اتنے دنوں تک دیوہارک سنسار میں رہنے کے بعد یکا یک زجن شانتی میں آگئے ہو۔ ایسے آسکھ پر پورنتوں سے آتما کا سواستھ مگر جائے تو آسٹریہ کی بات نہیں۔ بندھور، تمہاری دشا اس پرانی کی سی ہے جو ایک ہی چمن میں اسدھک تاپ سے اسدھک شیت میں آ پینچے۔ اسے ترنت کھانسی اور جور گھیر لیتے ہیں۔ بندھو تمہارے لیے مہری یہ ملاح ہے کہ کسی زجن

مرد سقل میں جانے کے بدلے، من بہلاؤ کے ایسے کام کرو جو تپوہوں اور سادھوؤں کے سورتھا یوگیہ ہے۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو سمیپ ورتی دھرم آشرموں کی سیر کرتا۔ ان میں سے کئی دیکھنے کے یوگیہ ہیں، لوگ ان کی بڑی پرفہسا کرتے ہیں۔ سرے پن کے رشی گرہ میں ایک ہزار چار سو تیس کٹیاں بنی ہوئی ہیں، ادھ تپوہیوں کو اتنے درگوں میں دھکت کیا گیا ہے جتنے اکشمہ یونانی لہی میں ہیں۔ مجھ سے لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس درگی کرن میں اکثر آکار اور سادھکوں کی منورتیوں میں ایک پرکار کی انوردپا کا دھیان رکھا جاتا ہے۔ اداہرہ وہ لوگ جو 2 درگ کے انترگت رکھے جاتے ہیں چنچل پر کرتی کے ہوتے ہیں، اور جو لوگ شانت پر کرتی کے ہیں وہ 1 کے انترگت رکھے جاتے ہیں۔ بندھو در، تمہاری جگہ میں ہوتا تو اپنی آنکھوں سے اس ریسے کو دیکھتا اور جب تک ایسے ادھ بھت استھان کی سیر نہ کر لیتا، جمن نہ لیتا، کیا تم اسے ادھ بدھ نہیں سمجھتے؟ کسی کی منورتیوں کا انومان کر لینا کتنا کٹھن ہے اور جو لوگ نم شربی میں رکھا جانا سویکار کر لیتے ہیں، وہ واسو میں سادھو ہیں، کیوں کہ ان کی آتم شدھی کا لکھیہ ان کے سامنے رہتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم کس بھانتی جیون دھیت کرنے سے سرل اکشمروں کے انترگت ہو سکتے ہیں۔ اس کے اتی رکت ورت دھاریوں کے دیکھنے اور من کرنے یوگیہ اور بھی کتنی ہی باتیں ہیں۔ میں بھن بھن سنگتوں کو جو نل ندی کے تھ پر پہیلی ہوئی ہیں، ادھے دیکھتا، ان کے نیوں اور سدھانتوں کا آدلوکن کرتا، ایک آشرم کی نیادلی کی دوسرے سے تلتا کرتا کہ ان میں کیا انتر ہے، کیا دوش ہے، کیا گن ہے۔ تم جیسے دھرماتا پُرش کے لیے یہ آلوچنا سروتھا یوگیہ ہے تم نے لوگوں سے یہ ادھے ہی سنا ہوگا کہ رشی انفریم نے اپنے آشرم کے لیے بڑے ات کرشٹ دھارک نیوں کی رچنا کی ہے۔ ان کی آگیاں لے کر تم اس نیادلی کی نقل کر سکتے ہو کیوں کہ تمہارے اکشمہ بڑے سندھ ہوتے ہیں۔ میں نہیں لکھ سکتا کیوں کہ میرے ہاتھ پھاوڑا چلاتے چلاتے اتنے کٹھور ہو گئے ہیں کہ ان میں پتلی قلم کو بھونچر پر چلانے کی جھٹکا ہی نہیں رہی۔ لکھنے کے لیے ہاتھوں کا کوئل ہونا ضروری ہے۔ لیکن بندھو، تم تو لکھنے میں چڑ ہو، اور تمہیں الیشور کو دھنیہ واد دینا چاہیے کہ اس نے تمہیں یہ دویا پردان کی، کیوں کہ سندھ لپیوں کی جتنی پرفہسا کی جائے تھوڑی ہے۔ گرتھوں کی نقل کرنا اور پڑھنا برے دھاردوں سے بچنے کا بہت ہی اتم سادھن ہے۔ بندھو پاپ ناشی، تم ہمارے شردھیہ رشیوں، پالم اور اینٹونی کے سدھ پدیشوں کو لپیہدہ کیوں نہیں کر ڈالتے؟ ایسے

دھارک کاموں میں لگے رہنے سے شے شے تم چت اور آتما کی شانتی کو پنہ لا بھ کر لو گے، پھر ایک انت حصیں سکدہ جان پڑے گا اور شکھر ہی تم اس یگیہ ہو جاؤ گے کہ آتم شدھی کی ان کریاؤں میں پرورٹ ہو جاؤ گے جن میں تمہاری یاترا نے دھن ڈال دیا تھا۔ لیکن کھن کھنوں اور دمن کاری ویدناؤں کے بہن سے حصیں بہت آشنا نہ رکھنی چاہئے۔ جب پتا اینٹونی ہمارے جج میں تھے تو کہا کرتے تھے بہت دت رکھے سے در بلتا آتی ہے اور در بلتا سے اکیہ پیدا ہوتا ہے۔ کچھ ایسے تپسوی ہیں جو کئی دلوں تک لگاتار ان شن دت رکھ کر اپنے شریر کو چوہٹ کر ڈالتے ہیں۔ ان کے دشے میں یہ کہنا سورتھ ستیہ ہے کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی چھاتی پر کٹار مار لیتے ہیں اور اپنے کو کسی پرکاری رکاوٹ کے شیطان کے ہاتھوں میں سونپ دیتے ہیں۔ وہ اس ہیئت آتما اینٹونی کے دھار تھے! میں اکیانی پُرش مورکھ بڑھا ہوں؛ لیکن گرد کے کھ سے جو کچھ سنا تھا وہ اب تک یاد ہے۔

پاپ ناشی نے پالم سنت کو اس ہمدادیش کے لیے دھنیہ داد دیا اور اس پر دھار کرنے کا وعدہ کیا۔ جب وہ اس سے ودا ہو کر زکٹوں کے باڑے کے باہر آ گیا جو بائیچے کے چاروں اور بنا ہوا تھا، تو اس نے پیچھے پھر کر دیکھا۔ سرل، جیون کت سادھو پالم پودھوں کو پانی دے رہا تھا، اور اس کی جگہ ہوئی کمر پر کیوڑ بیٹھا اس کے ساتھ ساتھ گھومتا تھا اس درشیہ کو دیکھ کر پاپ ناشی رو پڑا۔

اپنی کئی میں جا کر اس نے ایک دھڑر درشیہ دیکھا۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ آکلیت ہالو کرن کسی پر چنڈ آندھی سے اڑ کر کئی میں پھیل گئے ہیں۔ جب اس نے ذرا دھیان سے دیکھا تو پرتیک ہالو کرن۔ چھارتھ میں ایک اتی سوچم آکار کا گیدڑ تھا، ساری کئی شرنگال سے ہو گئی تھی۔

اسی رات کو پاپ ناشی نے سوہن دیکھا کہ ایک بہت اونچا چتر کا استمہ ہے، جس کے شکھر پر ایک آدمی کا چہرہ دکھائی دے رہا ہے اس کے کان میں کہیں سے یہ آواز آئی۔ اس استمہ پر چڑھ!

پاپ ناشی جاگا تو اسے نیچے ہوا کہ یہ سوہن مجھے الیشور کی اور سے ہوا ہے۔ اس نے اپنے شمشوں کو بلایا اور ان کو ان شہدوں میں سمبودت کیا۔ 'پر یہ چتر و مجھے آدیش ملا ہے کہ تم سے پھر ودا مانگوں اور جہاں الیشور لے جائے وہاں جاؤں۔ میری اتو استھتی میں فیلوین کی

آگیاؤں کو میری ہی آگیاؤں کی بھانجی ماننا اور بندھو پالم کی رکشا کرتے رہنا۔ ایٹور تمہیں شانتی دے۔ نمسکار !

جب وہ چلا تو اس کے سبھی سہیلے ساٹھا ٹک ڈھڑوٹ کرنے لگے اور جب انھوں نے سر اٹھایا تو انھیں اپنے گرو کی لمبی، شام مورتی مہجج میں ولین ہوتی ہوئی دکھائی دی۔

وہ رات اور دن اوزانت چلا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اس مندر میں جا پہنچے، جو پراچین کال میں مورتی پوہکوں نے بنائی تھی اور جس میں وہ اپنی دھڑ پورو یا ترا میں ایک رات سویا تھا۔ اب اس مندر کا بھگناوشیش ماترہ گیا تھا اور سرپ، بچھو، چکاڈڑ آدی جنٹوؤں کے اتیرکت پریت بھی اس میں اپنا اڈا بنائے ہوئے تھے۔ دیواریں جن پر جادو کے جھبے بنے ہوئے تھے، ابھی تک کھڑی تھیں، تیس وردھ اکار استھ جن کے ٹھکھروں پر ٹھیکے کے سراقھوا کھل کے بھول بنے ہوئے تھے، ابھی تک ایک بھاری چہوترے کو اٹھائیں ہوئے تھے۔ لیکن مندر کے ایک سرے پر ایک استھ اس چہوترے کے جج سے سرک گیا تھا۔ اور اب اکیلا کھڑا تھا۔ اس کا کھش ایک استری کا مسکراتا ہوا کھ منزل تھا۔ اس کی آنکھیں لمبی تھیں، کپول بھرے ہوئے، اور مسک پر گائے کی سٹیکیں تھیں۔

پاپ ناشی اس استھ کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہ استھ ہیں جسے اس نے سوپن میں دیکھا تھا اور اس نے اومان کیا کہ اس کی اونچائی: بتیس ہاتھوں سے کم نہ ہوگی۔ وہ کٹ گاؤں میں گیا اور اتنی ہی اونچی ایک سیزمی بنوائی اور جب سیزمی تیار ہوگئی تو وہ استھ سے لگا کر کھڑی کی گئی۔ وہ اس پر چڑھا اور ٹھکھر پر جا کر اس نے بھوی پر مسک لوار کر یوں پراعتنا کی۔ ”بھگوان، یہی وہ استھان ہیں جو تو نے میرے لیے بتایا ہے۔ میری پرم اچھا ہے کہ میں یہی تیری دیا کی چھایا میں جیون پرمنت رہوں۔“

وہ اپنے ساتھ بھوجن کی ساگریاں نہ لایا تھا۔ اسے بھروسہ تھا کہ ایٹور میری سدھی اوشیلے گا اور وہ یہ آشا تھی کہ گاؤں کے بھکتی پرائن جن میرے کھانے پینے کا پر بندھ کر دیں گے اور ایسا ہوا بھی۔ دوسرے دن تیسرے پھر استریاں اپنے بالکوں کے ساتھ روٹیاں، جھوہارے اور تازہ پانی لیے ہوئے آئیں جسے بالکوں نے استھ کے ٹھکھر پر پہنچا دیا۔

استھ کا کھش اتنا چوڑا نہ تھا کہ پاپ ناشی اس پر بھر پھیل کر لیٹ سکتا، اس لیے وہ بیروں کو نیچے اوپر کئے سر چھاتی پر رکھ کر سوتا تھا اور ندرا جاگرت رہنے سے بھی ادھیک کٹ

دایک تھی۔ پرات کال عتاب اپنے پیروں سے اسے اسپریش کرتا تھا اور وہ ندرا، جسے تھا انگ دینا سے بیڑت اٹھ بیٹھتا تھا۔

سینوگ سے جس بڑھتی نے یہ میڑھی بنائی تھی، وہ المیور کا بھکت تھا۔ اسے یہ دیکھ کر چتا ہوئی کہ یوگی کو درشا اور دھوپ سے کشت ہو رہا ہے، اور اس جسے سے کہ کہیں ندرا میں وہ نیچے نہ گر پڑے، اس چنیہ آتما پدش نے استمھ کے ہکھر پر جھت اور ککھرا: بنا دیا۔

تھوڑے ہی دنوں میں اس سادھارن دیکتی کی چہ چا گاؤں میں پھیلنے لگی اور روی وار کے دن شرمجیوں کے دل کے دل اپنی استریوں اور بچوں کے ساتھ اس کے درشا تھ آنے لگے۔ پاپ ناشی کے ششیوں نے جب سنا کہ گرد جی نے اس وچتر استھان میں شرن لی ہے تو وہ چکت ہوئے، اور اس کی سیوا میں استھت ہو کر اس سے استمھ کے نیچے اپنی کنیاں بنانے کی آگیا پراہت کی۔ نیچہ پرتی پرات کال وہ آکر اپنے سوامی کے چاروں اور کھڑے ہو جاتے اور اس کے سدھو پدیش سنتے تھے۔

وہ انیس سکھاتا تھا۔ پر یہ پتروں، انھیں ننھے بالکوں کے سان بنے رہو جنھیں پر بھومج پیار کیا کرتے تھے وہی کتی کا مارگ ہے۔ واسنا ہی سب پاپوں کا مول ہے۔ وہ واسنا سے اسی بھانتی اسپیدہ ہوتے ہیں جیسے ستھان پتا سے آہنگار، لوبھ، آکسہ کرودھ اور ایشیا ان کی پر یہ ستھان ہیں۔ میں نے اسکندریہ میں یہی کلل ویاپار دیکھا۔ میں نے دھن سمپیدہ پر دوشوں کو کچھھاؤں میں پرواہیت ہوتے دیکھا ہے جو اس ندی کی باڑھ کی بھانتی ہیں جس میں میلا جل بھرا ہو۔ وہ انیس دکھ کی کھاڑی میں بہا لے جاتا ہے۔

انفرایم اور سراہین کے ادھکھا تاؤں نے اس ادھ بھت تپیا کا ساچار سنا تو اس کے درشنوں سے اپنے میڑوں کو کرتا تھ کرنے کی اچھا پرکٹ کی۔ ان کی نوکا کے تری کون پالوں کو دور سے ندی میں آتے دیکھ کر پاپ ناشی کے من میں انی واریٹ یہ وچار اتھن ہوا کہ المیور نے مجھے ایمکانت سے بھی دیوں کے لیے آدرش بنا دیا ہے۔ دونوں مہاتماؤں نے جب اسے دیکھا تو انھیں بڑا کوتاہل ہوا اور آپس میں پراسریش کر کے انھوں نے سروستی سے ایسی اماونشک کو تپیا کا تیاجیہ ٹھہرایا۔ ات ابو انھوں نے پاپ ناشی سے نیچے اتر آنے کا انورودھ کیا۔

وہ بولا۔ یہ جیون پرانی پر پراگت دیوہار کے سرو تھا درودھ ہے۔ دھرم سدھانت اس

کی آگیاں نہیں دیتے۔

لیکن پاپ ناشی نے اتر دیا۔ یوگی جیون کے نیوں اور پراپر اگت دیہہ ہاروں کی پردا نہیں کرتا۔ یوگی سویم اسادھارن دیکھتی ہوتا ہے، اس لیے یدی اس کا جیون بھی اسادھارن ہو تو آٹھریہ کی کیا بات ہے۔ میں ایٹور کی پرنا سے یہاں چڑھا ہوں۔ اسی کے آدیش سے اتروں گا۔

مجھ پر ہی دھرم کے اچھک آکر پاپ ناشی کے مشعہ بنتے اور اسی استمھ کے نیچے اپنی کنیاں بناتے تھے۔ ان میں سے کئی مشعیوں نے اپنے گرد کا انوکرن کرنے کے لیے مندر کے دوسرے استمھوں پر چڑھ کر تپ کرنا شروع کیا۔ پر جب ان کے انیہ سچروں نے اس کی ندا کی، اور وہ سویم دھوپ اور کشت نہ رہ سکے، تو نیچے اتر آئے۔

دیش کے انیہ بھاگوں سے پاپیوں اور بھکتوں کے جتھے کے جتھے آنے لگے۔ ان میں سے کتنے ہی بہت دور سے آتے تھے۔ ان کے ساتھ بھوجن کی کوئی دستہ نہ ہوتی تھی۔ ایک دردھا دھوا کو سوجھی کہ ان کے ہاتھ تازہ پانی، خربوزے آدی پھل بیجے جائیں تو لاہو ہو۔ استمھ کے سمپ ہی اس نے مٹی کے کلہز جمع کیے ایک نیلی چادر تان کر اس نے نیچے پھلوں کی ٹوکریاں سجائی اور پیچھے کھڑی ہو کر ہانک لگانے لگی۔ ٹھنڈا پانی، تازہ پھل، جسے کھانا یا پانی پینا ہو چلا آوے۔ اس کی دیکھا دیکھی ایک نان بائی تھوڑی سی لال اینٹیں لایا اور سمپ ہی اپنا تندور بنایا۔ اس میں سادی اور خیری روٹیاں سینک کر وہ گراہوں کو کھلاتا تھا یا تریوں کی سکھیا دن پر ہی دن بڑھنے لگی۔ مصر دیش کے بڑے بڑے شہروں سے بھی لوگ آنے لگے یہ دیکھ کر ایک لوہی آدی نے مسافروں اور لوکروں، اونٹوں، فخریوں کو ٹھہرانے کے لیے ایک سرائے بنوائی۔ تھوڑے ہی دن میں اس استمھ کے سامنے ایک بازار لگ گیا جہاں چھوٹے اپنی پھلیاں اور کسان اپنے پھل میوے لالا کر بیچنے لگے۔ ایک نائی بھی آپہنچا جو کسی درکش کی چھاں میں بیٹھ کر یا تریوں کی حجامت بناتا تھا اور دل لگی کی باتیں کر کے لوگوں کو ہنساتا تھا۔ پرانا مندر اتنے دن اجڑے رہنے کے بعد پھر آباد ہوا۔ جہاں رات دن زرجٹا اور نیروتا کا آدھ پیہ رہتا تھا، وہاں اب جیون کے درشیہ اور چھ دکھائی دینے لگے۔ ہر دم چھل چھل رہتی۔ بھلیاریوں نے پرانے مندر کے تہ خانوں کو شراب خانے بنا دیے اور استمھ پر پاپ ناشی کے چر لٹکا کر اس کے نیچے یونانی اور مصری لہیوں میں یہ دیکھاپن لگا

دیئے۔ ”انار کی شراب، انجیر کی شراب اور سیلیسیا کی جچی جو کی شراب یہاں ملتی ہے۔“ دکانداروں نے ان دیواروں پر، جن پر پوتر اور سندربتل بوئے ایکٹ کئے ہوئے تھے، رسیوں سے گونٹھ کر پیاز لٹکا دئے۔ تلی ہوئی مچھلیاں، مرے ہوئے کھرہے اور بھیڑوں کی لاشیں بھی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ سندھیا سے اس کنڈہر کے پرانے نواسی اقدار تھ چوہے صف ہاندھ کر ندی کی اور دوڑتے اور بگے سندھ ہانک بھاو سے گردن اٹھا کر اونچی کارنوں پر بیٹھ جاتے۔ لیکن وہاں بھی انھیں پاکشالاؤں کے دھوئیں، شرابیوں کے شور مگل اور شراب پیچنے والوں کی ہانک۔ پکار سے چین نہ ملتا۔ چاروں طرف کوفی والوں نے سڑکیں، مکان، چرچ دھرم شالائیں اور رشیوں کے آشرم بزا دئے۔ چھ مہینے نہ گزرنے پائے تھے کہ وہاں ایک اچھا خاصا شہر بس گیا، جہاں رکشہ کاری دھماگ، نیپالیہ، کاراگار، سبکی بن گئے اور وردھ نشی نے ایک پانڈ شالا بھی کھول لی۔ جنگل میں منگل ہو گیا، اوسر میں باغ لہرانے لگا۔

یاتریوں کا رات دن تانتا لگا رہتا۔ شنے شنے عیسائی دھرم کے پردھان پدا دھیکاری بھی شردھا کے دشی بھوت ہو کر آنے لگے۔ اینٹونی کا پردھان جو اس سے سینوگ سے مصر میں تھا، اپنے سمست انویائیوں کے ساتھ آیا۔ اس نے پاپ ناشی کے اسادھارن تپ کی مکت کٹھ سے پرھنسا کی۔ مصر کے انیہ اُچ مہارتیوں نے اس ستی کا انومودن کیا۔ ایفرایم اور سراہین کے اچھیکشوں نے یہ بات سنی تو انھوں نے پاپ ناشی کے پاس آکر اس کے چروں پر سر جھکایا اور پہلے اس تپتیا کے وردھ جو دھار پرکٹ کیے تھے اس کے لیے لچٹ ہوئے اور مچھا مانگی۔ پاپ ناشی نے اثر دیا۔ بندھوؤں، تھارتھ یہ ہے کہ میں جو تپتیا کر رہا ہوں وہ کیول ان پرلہمنوں اور درھتھاؤں کے نھاران کے لیے ہے جو سروتھ مجھے گھیرے سرچے ہیں اور جن کی سکھیا تھاتھتی کو دیکھ کر میں دل اٹھتا ہوں۔ منخہ کا بابہ روپ بہت ہی سوہم اور سولپ ہوتا ہے اس اونچے فکھر پر سے میں منشیوں کو چٹنیوں کے سان زمین پر رینکتا دیکھتا ہوں۔ کتھو منخہ کو اندر سے دیکھو تو یہ اھت اور اپار ہے۔ وہ سنار کے ساکار ہے کیوں کہ سنار اہل کے اتھرگت ہے میرے سامنے جو کچھ ہے۔ یہ آشریہ، یہ اتھھی شالائیں، ندی پر تیرنے والی نوکائیں، یہ گرام، کھیت، دن اپون، ندیاں، نہریں، پریت، مردوقتل وہ اس کی تھانہیں کر سکتے جو مجھ میں ہیں۔ میں اپنے انت اتھل میں اسکھیکھ گدروں اور سیماشونہ پر دتوں کو چھپائے ہوئے ہوں۔ اور اس وراث انت اتھل پر اچھائیں اسی بھاتی لھتات ہیں جیسے ہٹا پر تھوی

پرلتھادات ہو جاتی ہے۔ میں، کیول میں اسپار کا ایک جگت ہوں۔

ساتویں مہینے میں اسکندریہ سے بوئیں تھیں اور سیانم نام کی دو وندھیا استریاں، اس لاسا میں آئیں کی مہاتما کے آشیرواد اور استھ کے آلوکیک گمنوں سے ان کے ستان ہوگی، اپنی اوسر دیہہ کو پتھر سے رگڑا۔ ان استریوں کے پیچھے جہاں تک نگاہ پہنچتی تھی، رتھوں، پالکیوں اور ڈولیوں کا ایک جلوس چلا آتا تھا جو استھ کے پاس آکر رک گیا اور اس دیو پرش کے درشن کے لیے دھکم دھکا کرنے لگا۔ ان سواروں میں سے ایسے روگی نکلے جن کو دیکھ کر ہردے کانپ اٹھتا تھا۔ ماتائیں ایسے بالکوں کو لائی تھیں جن کے انگ ٹیزے ہو گئے تھے، آنکھیں نکل آئیں تھیں اور گلے بیٹھ گئے تھے۔ پاپ ناشی نے ان کے دیہہ پر اپنا ہاتھ رکھا جب اندھے، ہاتھوں سے ٹٹولتے، پاپ ناشی کی اور دو رکت مے چھدروں سے تاکتے ہوئے آئے۔ مکشما گھات بیڑت پرانیوں نے اپنے مٹی شوپے سوکھے تھا سکوچت انگوں کو پاپ ناشی کے سمکھ مسحت کیا۔ لنگڑوں نے اپنی ٹانگیں دکھائیں۔ کھوئی کے روگ والی استریاں دونوں ہاتھوں سے اپنی چھاتی کو دبائے ہوئے آئیں اور اس کے سامنے اپنے جرجر دکھش کھول دئے۔ جلودر کے روگی، شراب کے پیوں کے بھاتی پھولے ہوئے۔ اس کے سمکھ بھوی پر لٹائے گئے۔ پاپ ناشی نے ان سمت روگی پرانیوں کو آشیرواد دیا۔ فیل پاؤں سے بیڑت جشی سنبھل کر چلتے ہوئے آئے اور اس کی اور کروں بیڑوں سے تاکنے لگے۔ اس نے ان کے اوپر صلیب کا چھہ بنا دیا۔ ایک یودتی بڑی دور سے ڈولی میں لائیں گئیں تھی رکت اگلنے کے بعد تین دن سے اس نے آنکھیں نہ کھولی تھیں۔ وہ ایک موم کی مورتی کی بھاتی دکھائی دیتی تھی اور اس کے ماتا پتا نے اسے مردہ سمجھ کر اس کی چھاتی پر کھجور کی ایک پتی رکھ دی تھی۔ پاپ ناشی نے جیوں ہی انشور سے پرارتھا کی، یودتی نے سر اٹھایا اور آنکھیں کھول دیں۔

یاتریوں نے اپنے گھر لوٹ کر ان سدھیوں کی چرچا کی تو مرگی کے روگی بھی دوڑے۔ مصر کے سبھی پرانتوں سے اگرت روگی آکر جما ہو گئے۔ جیوں ہی انھوں نے یہ استھ دیکھا تو مورچہٹ ہو گئے، زمین پر لوٹنے لگے اور ان کے ہاتھ ہیرا اڑ گئے۔ یہ بھی کسی کو دشواں نہ آئے گا، کٹھو وہاں جتنے آدمی موجود تھے، سب کے سب بوکھلا اٹھے اور روگیوں کی بھاتی ٹھکانے کھانے لگے۔ پنڈت اور پجاری، استری اور پرش سب کے سب

تلے اوپر لوٹنے پوٹنے لگے۔ سسوں کے انگ اکڑے ہوئے تھے، منہ سے ہنسنے لگے، مٹی سے مٹھیاں بھر بھر کر پھاکنے اور انرگل شد منہ سے نکالتے تھے۔

پاپ ناشی نے ہنسنے پر سے یہ کتول جنک درشید دیکھا تو اس کے سمت شریر میں ایک دلو سا ہونے لگا۔ اس نے الٹور سے پراتھنا کی۔ بھگوان، میں ہی چھوڑا ہوا ہکا ہوں، اور میں اپنے اوپر ان سارے پرانیوں کے پاؤں کا بھار لیتا ہوں، اور یہی کارن ہے کہ میرا شریر پریتوں اور پٹاچوں سے بھرا ہوا ہے۔

جب کوئی روگی چنگا ہو کر جاتا تھا تو لوگ اس کا سواگت کرتے تھے، اس کا جلوس نکالتے تھے، باجے بجاتے، پھول اڑاتے اسے اس کے گھر تک پہنچاتے تھے، اور لاکھوں کنٹھوں سے یہ دھونی نکلتی تھی۔ 'ہمارے پریمو میا پھر اورت ہوئے!'

بیساکھیوں کے سہارے چلنے والے درمل روگی جب آرگیک لایھ کر لیتے تھے تو اپنی بیساکھیاں اسی استمھ سے لٹکا دیتے تھے۔ ہزاروں بیساکھیاں نکلتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں اور پرتی دن ان کی سکھیا بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اپنی مراد پانے والی استریاں پھول کی مالا لٹکا دیتی تھیں۔ کتنے ہی یونانی یاتریوں نے پاپ ناشی کے پرتی شردھائے دوہے اکت کر دیے۔ جو یاتری آتا تھا، وہ استمھ پر اپنا نام اکت کر دیتا تھا۔ ات ایو استمھ پر جہاں تک آدمی کے ہاتھ پہنچ سکتے تھے، اس سے کی سمت لیپوں لیٹن، یونانی، مصری، ابراہانی، سریانی، اور زندی۔ کا وچر سنٹرن درشت گوجہ ہوتا تھا۔

جب ایٹر کا آسوا آیا تو اس چٹکاروں اور سدھیوں کے مگر میں اتنی بھیڑ بھاڑ ہوئی دلش دیشاتروں کے یاتریوں کا ایسا جم گھٹ ہوا کہ بڑے بڑے بڑے کہتے کہ پرانے جادوگروں کے دن پھر لوٹ آئے۔ سبھی پرکار کے مٹی، نانا پرکار کے دستر پہنے ہوئے وہاں نظر آتے تھے۔ مصر نویسوں کے دھاری دار کپڑے، عربوں کے ڈھیلے پاجامے، صہیوں کے شویت جاکٹھے، یونانوں کے اونچے چوٹے، روم نویسوں کے نیچے لبادے، اسمیہ جاتوں کے لال ستھنے اور ویشاؤں کی کھواب کی پیشوازیں، بھاتی بھاتی کی ٹوپیاں، مذاسوں، کمر بندوں اور جوتوں ان سبھی کلوروں کی جھانکیاں مل جاتی تھیں۔ کہیں کوئی مہیلا منہ پر نقاب ڈالے، گدھے پر سوار چلی جاتی تھی، جس کے آگے آگے حبشی خوبے مسافروں کو ہٹانے کے لیے چھڑیاں گھماتے، ہو، بچ، راستہ دو، کا شور مچاتے رہتے تھے۔ کہیں بازی گروں کے کھیل ہوتے تھے۔

بازی گر زمین پر ایک جازم بچائیں، مون درگھوں کے سامنے ادھ بخت چھلائیں مارتا اور بھانٹی بھانٹی کے کرب دکھاتا تھا۔ کبھی رشتی پر چڑھ کر تالی بجاتا، کبھی بانس گاڑ کر اس پر چڑھ جاتا اور حکمر پر سر نیچے ہر اوپر کر کے کھڑا ہو جاتا۔ کہیں ہارویں کے کھیل تھے، کہیں بندروں کے ناچ، کہیں بھالوؤں کی بھدی نقلیں، سپیرے پٹاریوں میں سے سانپ نکال کر دکھاتے، ہتھیلی پر کچھو دکھاتے اور سانپ کا دس اتارنے والی جڑی بیچتے تھے۔ کتنا شور تھا، کتنی دھول، کتنی چمک دمک، کہیں اونٹ وان اونٹوں کو پیٹ رہا ہے اور زور زور سے گالیاں دے رہا ہے، کہیں پھیری والے گلی میں ایک جمولی لٹکائے چلا چلا کر کوڑھ کی تعویذیں اور بھوت پریت آدمی دیادھیوں کے منتر بیچتے پھرتے ہیں، کہیں سادھو گن سور ملا کر ہاتھیل کے بھجن گا رہے ہیں، کہیں بھڑمیاں رہی ہے، کہیں گدھے ریک رہے ہیں۔ ملاح یا تریوں کو پکارتے ہیں ”دیر مت کرو!“ کہیں بھن بھن پرانتوں کی استریاں اپنے کھوئے ہوئے بالکوں کو پکار رہی ہیں، کوئی روتا ہے اور کہیں خوشی میں لوگ آتش بازی چھوڑتے ہیں۔ ان سمت دھونوں کے نلے سے ایسا شور ہوتا تھا کہ کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ اور ان سب سے پرل دھونی ان جشی لڑکوں کی تھی جو گلے پھاڑ کر گجور بیچتے پھرتے تھے، اور ان سمت جن سموہ کو کھلے ہوئے میدان میں بھی سانس لینے کو ہوا نہ میسر ہوتی تھی۔ استریوں کے کپڑوں کی مہک، جھیسوں کے دستروں کی درگندھ، کھانا، پکانے کے دھوئیں، اور کپور، لوہان آدمی کی سنگدھ سے، جو بھکت جن مہاتما پاپ ناشی کے سنگھ جلاتے تھے، سمت واپو منزل دوشٹ ہو گیا تھا، لوگوں کے دم گھٹنے لگتے تھے۔

جب رات آئی تو لوگوں نے آلاؤ جلائے، مشالیں اور لالچیں جلائی گئیں، کٹھن لال پرکاش کی چھایا اور کالی صورتوں کے سوا اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ میلے کے ایک طرف ایک وردھ پُرش تیل کی دھوں آتی تھی جلائے، پرانے زمانے کی ایک کہانی کہہ رہا تھا۔ شردتا لوگ گھبرا بنائے ہوئے تھے۔ بڑے کا چہرا دھندلے پرکاش میں چمک رہا تھا۔ وہ بھادو بنانا کر کہانی کہتا تھا، اور اس کی پرچھائی اس کے پرتیک بھادو کو بڑھا بڑھا کر دکھاتی تھی۔ شردتا گن پرچھائی کے وکرت اچھینے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ یہ کہانی بڑبیو کی پریم کھاتی تھی۔ بڑبیو نے اپنے ہرید پر جادو کر دیا تھا اور اسے چھائی سے نکال کر ایک ببول کے درکمش میں رکھ کر سویم درکمش کا روپ دھارن کر لیا تھا۔ کہانی پرانی تھی۔ شردتاؤں نے سینکڑوں ہی بار

اسے سنا ہوگا، کثرتِ درود کی وزن ٹیلی بڑی چٹا کر شک تھی۔ اس نے کہانی کو حرے دار بنا دیا تھا۔ شراب خانوں میں مد کے پیاسے کرسیوں پر لیٹے ہوئے بھانقی بھانقی کے سدھارس پان کر رہے تھے اور بوتلیں خالی کرتے چلے جاتے تھے۔ زنکیاں آنکھوں میں سرمانگے اور پیٹ کھولے ان کے سامنے ناجتی اور کوئی دھارک یا شرکار رس کا ابھینے کرتی تھیں۔

ایکانت کردوں میں پوک گن چڑ یا کوئی کھیل کھیلتے تھے، اور درود جن ویشیاؤں سے دل بہلا رہے تھے۔ ان سمست درشیوں کے اوپر وہ اکیلا، استر، اٹل استمھ کھڑا تھا۔ اس کا گوروہی کلش پرکاش کی چھایا میں منہ پھیلانے درشیہ دکھائی دیتا تھا، اور اس کے اوپر پرتقوی آکاش کے مدیہ میں پاپ ناشی اکیلا بیٹھا ہوا یہ درشیہ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں چاند نے نسل کے انجل میں سے سر نکالا، پہاڑیاں نیلے پرکاش سے چمک اٹھیں اور پاپ ناشی کو ایسا بھاست ہوا مانو تھا یس کی جبو مورتی ناچتے ہوئے جل کے پرکاش میں چمکتی، نیلے مگن میں زالمب کھڑی ہے۔

دن گزرتے جاتے تھے اور پاپ ناشی جیوں کا توں استمھ پر آسن جمائے ہوئے تھا۔ درشا کال آیا تو آکاش کا جل لکڑی کی چھت سے ٹپک ٹپک کر اسے بھگونے لگا۔ اس سے سردی کھا کر اس کے ہاتھ پاؤں اکڑ اٹھے، ہلنا ڈولنا مشکل ہو گیا۔ ادھر دن کو دھوپ کی جلن اور رات کو اوس کی شیت کھاتے کھاتے اس کے شریر کی کھال پھٹنے لگی اور سمست دیہہ میں گھاؤ، چھالے اور گھٹیاں پڑ گئیں۔ لیکن تھاپس کی بھجا اب بھی اس کے اندر کرن میں دلیوت تھی اور وہ استر ویدنا سے چوڑت ہو کر چلا اٹھتا تھا۔ ’بھگون! میری اور بھی سانسٹ کیجیے، اور بھی یاتنائیں دیجیے۔ اتنا کافی نہیں ہے۔ اب بھی اچھاؤں سے گلا نہیں چھوٹا، بھرٹ کلپنائیں ابھی پیچھے پڑی ہوئیں ہیں، دناٹک دانائیں ابھی تک من کا منھن کر رہی ہیں۔ بھگون، مجھ پر پرائیتر کی دے دانساؤں کا بھار رکھ دیجیے، ان سیوں کا پریاچٹ کروں گا۔ یہ مجھی یہ استہ ہے کہ ایک یونانی کتھے نے سمست سنار کا پاپ بھار اپنے اوپر لیا تھا، جیسا میں نے کسی سے ایک تھہیا وادی منخیہ کو کہتے سنا تھا، لیکن اس کھما میں کچھ آٹے اوشیہ چھا ہوا ہے جس کی سچائی اب میری سمجھ میں آ رہی ہیں، کیوں کہ اس میں کوئی سندھیہ نہیں ہے کہ بھنا کے پاپ دھرماتھاؤں کی آتماؤں میں پردشت ہوتے ہیں اور وہ اس بھانقی دلیبن ہو جاتے ہیں، مانو کنوئیں میں گر پڑے ہوں۔ یہی کارن ہے کہ پنیہ آتماؤں کے من میں بھناٹل بھرا رہتا ہیں،

اتنا پاپوں کے سن میں کدائی نہیں رہتا۔ اس لیے بھگوان، میں تجھے دھن واد دیتا ہوں کہ تو نے مجھے سنسار کا مل کنڈ بتادیا ہے۔

ایک دن اس پوتر نگر میں یہ خبر اڑی، اور پاپ ناشی کے کالوں میں بھی پہنچی کہ ایک راجہ راجیہ پرادھیکاری، جو اسکندریہ کی جل سینا کا اڑھیکش تھا، فیکھر ہی اس شہر کو سیر کرنے آ رہا ہیں۔ نہیں بلکہ روانہ ہو چکا ہے۔

یہ ساچار ستیہ تھا۔ دیو وردھ کوٹا، جو اس سال نیل ساگر کی ندیوں اور جل مارگوں کا نیریکشمن کر رہا تھا، کئی بار اس مہاتیا اور اس نگر کو دیکھنے کی لہجا پرکٹ کر چکا تھا۔ اس نگر کا نام پاپ ناشی ہی کے نام پر ”پاپ موہن“ رکھا گیا تھا۔ ایک دن پر بھات کال اس پوتر بھوی کے نواسیوں نے دیکھا کہ نیل ندی شویت پالوں سے آھندی ہو گئی ہے۔ کوٹا ایک سنہری نوکا پر، جس پر بیگنی رنگ کے پال لگے ہوئے تھے، اپنی سمت ناوک کھتی کے آگے آگے نشان اڑاتا چلا آتا ہے۔ گھاٹ پر پہنچ کر وہ اتر پڑا اور اپنے منتری تھا اپنے دیدھ آرشی لیس کے ساتھ نگر کی طرف چلا۔ منتری کے ہاتھ میں ندی کے مان چتر آدی تھے، اور دیدھ سے کوٹا سویم باتیں کر رہا تھا۔ وردھا دستا میں اسے دیدھ راج کی باتوں میں آھند ملتا تھا۔

کوٹا کے پیچھے ہسروس نشیوں کا جلوس چلا اور جل تھ پر سینکوں کی وردیاں اور راجیہ کرم چاریوں کے چننے ہی چننے دکھائی دینے لگے۔ ان چنوں میں چوڑی بیگنی رنگ کی گانڈھ لگی تھی، جو روم کی دیو ستھاپک سہا کے سدھیوں کا سنان چنھ تھی۔ کوٹا اس پوتر استھ کے سمیپ رک گیا اور مہاتما پاپ ناشی کو دھیان سے دیکھنے لگا۔ گرمی کے کارن اپنے چننے کے دامن سے منہ پر کا پسینہ وہ پونچھتا تھا۔ وہ سو بھاؤ سے وچر انو بھوؤں کا پرچی تھا، اور اپنی جل یاتراؤں میں اس نے کتنی ہی ادھ بہت باتیں دیکھی تھیں۔ وہ انھیں اسرن رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی اچھا تھی کہ اپنا ورتمان اتھاس گرنتھ سہت کرتے کے بعد اپنی سمست یاتراؤں کا ورتانت لکھے اور جو جو انوکھی باتیں دیکھی ہیں اس کا اولیکھ کرے! یہ ورشیہ دیکھ کر اسے بہت دل چھی ہوئی۔

اس نے کھانس کر کہا۔ وچر بات ہے! اور یہ پڑش میرا مہمان تھا! میں اپنے یاترا ورتانت میں وہ ادھیہ لکھوں گا۔ ہاں، گت ورش اس پڑش نے میرے یہاں دعوت کھائی تھی، اور اس کے ایک ہی دن بعد ایک ورشیہ کو لے کر بھاگ گیا تھا۔

پھر اپنے منتری سے بولا۔ ”ہتھ، میرے ہتھوں پر اس کا اولیٰکھ کر دو۔ اس سمجھ کی لمبائی چوڑائی بھی درج کر دینا۔ دیکھنا، ٹھکڑ پر جو گائے کی مورتی بنی ہوئی ہیں، اسے نہ بھولنا۔ تب پھر اپنا منہ پونچھ کر بولا۔ مجھ سے دشوت پرانیوں نے کہا ہے کہ اس یوگی نے سال بھر سے ایک چمن کے لیے بھی نیچے قدم نہیں رکھا۔ کیوں آرٹھی لیس یہ سمجھو ہے؟ کوئی پُرش پورے سال بھر تک آکاش میں لٹکا رہ سکتا ہے؟“

ارسیٹی نیس نے اثر دیا۔ کسی اسوتھ یا اہمت پرانی کے لیے جو بات سمجھو ہے، وہ سوتھ پرانی کے لیے، جسے کوئی شاریرک یا مانک دکار نہ ہو اسکو ہے۔ آپ کو شاید یہ بات نہ معلوم ہوگی کہ کتنی بے شاریرک اور مانک دکاروں سے اتنی ادھ بہت فکرتی آجاتی ہے جو تندرست آدمیوں میں کبھی نہیں آسکتی۔ کیوں کہ۔ ہمارے میں اچھا سواسٹھیہ یا برا سواسٹھ سویم کوئی دستونہیں ہے۔ وہ شریر کے انگ پر تینگ کی بھن بھن دشاؤں کا نام مارتے ہیں۔ روگوں کے ندان سے میں نے وہ بات سدھ کی ہے کہ وہ بھی جیون کی ادھیک اوستھائیں ہیں۔ میں بڑے پریم سے ان کی میمانا کرتا ہوں، اس لیے کہ ان پر دے پراپت کر سکوں۔ ان میں سے کئی بیماریاں پرھنسیدہ ہیں اور ان میں بہر دکار کے روپ میں ادھت آرگیہ دردھک فکرتی چھپی رہتی ہیں۔ ادھرتہ کبھی کبھی شاریرک دکاروں سے بدھی فکرتیاں پرکھر ہو جاتی ہیں، بڑے دیگ سے ان کا دکاس ہونے لگتا ہے۔ آپ سیردن کو تو جانتے ہیں۔ جب وہ بالک تھا تو وہ تھلا کر بولتا تھا اور مند بدھی تھا۔ لیکن جب ایک سیرگی پر سے گر جانے کے کارن اس کی کپال کر یا ہو گئی تو وہ لچ شرینی کا وکیل نکلا، جیسا کہ آپ سویم دیکھ رہے ہیں۔ اس یوگی کا کوئی گپت انگ ادھیہ ہی وکرت ہو گیا ہے۔ ان کے اتی رکت اس اوستھائیں جیون دغیت کرنا اتنی اسادھارن بات نہیں ہے، جتنی آپ سمجھ رہے ہیں۔ آپ کو بھارت ورش کے یوگیوں کی یاد ہیں؟ وہاں کے یوگی گن اس بھانتی بہت دنوں تک نچھل رہ سکتے ہیں۔ ایک دو ورش نہیں، بلکہ بیس، تیس چالیس ورشوں تک۔ کبھی کبھی اس سے بھی ادھیک۔ یہاں تک کہ میں نے تو سنا ہے کہ وہ زہل، زہار سو سو ورشوں تک سادھیست رہتے ہیں۔

کوٹا نے کہا۔ ایٹور کی سوگندھ سے کہتا ہوں، مجھے یہ دشا جیت کتول جبکہ معلوم ہو رہی ہے۔ یہ نزالے پرکار کا پاگل پن ہے۔ میں اس کی پرھنسا نہیں کر سکتا، کیوں کہ منشیہ کا جنم چلنے اور کام کرنے کے سمت ہوا ہے۔ اور ادھیوگ مینا ساراجیہ کے پرتی اٹھمہ اتیاچار

ہے۔ مجھے ایسے کسی دھرم کا گمان نہیں ہے جو ایسی آپاتی جنگ کریاؤں کا آدیش کرتا ہو۔ سمجھو، عیسائی سمپردائیوں میں اس کی دیوستھا ہو۔ جب میں شام (سیریا) کا صوبیدار تھا تو میں نے 'حرا' نگر کے دوار پر ایک اونچا چوڑا بنا ہوا دیکھا۔ ایک آدمی سال میں دو بار اس پر چڑھتا تھا اور وہاں سات دنوں تک چپ چاپ بیٹھا رہتا تھا۔ لوگوں کو دشاں تھا کہ یہ پرانی دیوتاؤں سے باتیں کرتا تھا اور شام دیش کی دھن دھانیہ پورن رکھنے کے لیے ان سے ونے کرتا تھا۔ مجھے یہ پرتھا زحرک سی جان پڑی۔ کفو میں نے اسے اٹھانے کی چٹھا نہیں کی۔ کیوں کہ میرا دچا رہے کہ راجیہ کرم چاریوں کو پرچا کی ریتی رواجوں میں ہست چھپ نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان کو مریدیت رکھنا ان کا کرتو یہ ہے۔ شاسکوں کی یہ نیتی کدا پی نہ ہونی چاہیے کہ وہ پرچا کو کسی ویشیش مت کی اور کھینچے، بلکہ ان کو اسی مت کی رکشا کرنا چاہیے جو پرچلت ہو، چاہے وہ اچھا ہو یا برا، کیوں کہ دیش، کال اور جاتی کی پرستھتی کے انوسار ہی اس کا جنم اور دکاس ہوا ہے۔ اگر شاشن کسی مت کو دمن کرنے کی چٹھا کرتا ہے تو وہ اپنے کو دچاروں میں کرانتی کاری اور دیوہاروں میں اتیاچاری سدھ کرتا ہے، اور پرچا اس سے گھرنا کرے تو سردتھا چھمی ہے۔ پھر آپ جتنا کے متھیا دچاروں کا سدھار کیوں کر سکتے ہیں اگر آپ ان کو سمجھنے اور انھیں زہیکش بھاؤ سے دیکھنے میں اسرتھ ہیں؟ اریسٹی لیس، میرا دچا رہے کہ اس کچھوں کے بسائے ہوئے میگھ نگر کو آکاش میں لٹکا رہے دوں۔ اس پر نیرنگ کھٹیوں کا کوپ ہی کیا کم ہے کہ میں بھی اس کو اجاڑنے میں اگر سر بنوں۔ اس کے اجاڑنے سے مجھے آپ لیش کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ ہاں، اس آکاش نواسی یوگی کے دچاروں اور دشاؤں کو لیکھ بدھ کرنا چاہیے۔

یہ کہہ اس نے پھر کھانا اور اپنے منتری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ پتر، نوٹ کر لو کہ عیسائی سمپردائے کے کچھ انویائیوں کے مت انوسار آسموں کے شکھر پر رہنا اور دیشیاؤں کو لے بھاگنا سرہیہ کاریہ ہے۔ اتنا اور بڑھا دو کہ یہ پرتھائیں سرشی کرنوالے دیوتاؤں کی اپاسنا کے پرمان ہیں۔ عیسائی دھرم البشور داوی ہو کر دیوتاؤں کے پر بھاؤ کو ابھی تک نہیں مٹا سکا۔ لیکن اس دشنے میں ہمیں سویم اس یوگی ہی سے جگیا سا کرنی چاہیے۔

تب پھر اٹھا کر اور دھوپ سے آنکھوں کو پچانے کے لیے ہاتھوں کی آڑ کر کے اس نے لچ سور میں کہا۔ ادھر دیکھو پاپ ناشی! اگر تم ابھی یہ نہیں بھولے ہو کہ تم ایک بار میرے

مہمان رہ چکے ہو تو میری باتوں کا اثر دو۔ تم وہاں آکاش پر بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ تمہارے وہاں جانے کا اور رہنے کا کیا اودھیہ ہے؟ کیا تمہارا وچار ہے کہ اس آسمان پر چڑھ کر تم دلش کا کچھ کلیان کر سکتے ہو؟

پاپ ناشی نے کوٹا کو کیول پر تہا وادی سمجھ کر تجھ درشتی سے دیکھا اور اسے کچھ اثر دینے یوگیہ نہ سمجھا۔ لیکن اس کا ششیہ پلویں سمپ آکر بولا۔ مانیہ ور، وہ رشی سمت بھومنڈل کے پاپوں کو اپنے اوپر لیتا اور روگیوں کو آروگیہ پر دان کرتا ہے۔
کوٹا۔ قسم خدا کی، یہ تو بڑی دل لگی کی بات ہے۔ تم کہتے ہو ایریسی لیس، یہ آکاش داسی مہاتما چکسا کرتا ہے۔ یہ تو تمہارا پرتی وادی نکلا۔ تم ایسے آکاش روئی دیدھ سے کیوں کر پیش پاسکو گے؟

ایریسی لیس نے سر ہلا کر کہا۔ یہ بہت سمجھو ہے کہ وہ بعض بعض روگی کی چکسا کرنے میں مجھ سے کسل ہو۔ اداہرنتہ مرگی ہی کو لے لیجیے۔ گناری بول چال میں لوگ اسے ”دیورگ“ کہتے ہیں، یدھی سبھی روگ دیوی ہیں، کیوں کہ ان کے سرجن کرنے والے تو دیوگن ہی ہیں۔ لیکن اس دیشیش روگ کا کارن اشدہ کلپناشتی میں ہیں اور آپ یہ سوچا کر کریں گے کہ یہ یوگی اتنی اونچائی پر اور ایک دیوی کے مستک پر بیٹھا ہوا روگیوں کی کلپنا پر جتنا پر بھاؤ ڈال سکتا ہے۔ اتنا میں اپنے چکسالیہ میں کھل اور دستے سے اوشدھیاں گھونٹ کر کدانی نہیں ڈال سکتا۔ مہاشے، کتنی ہی گہت شکلیاں ہیں جو شاستر اور بدھی سے کہیں بڑھ کر پر بھاؤ تپادک ہیں۔

کوٹا۔ وہ کون شکلیاں ہیں؟

ایریسی لیس۔ مورکھتا اور اگیان۔

کوٹا۔ میں نے اپنی بڑی بڑی باتراؤں میں بھی اس سے وچر درشیہ نہیں دیکھا، اور مجھے آشا ہے کہ کبھی کوئی سویوگیہ اتیہاس لیکھک ”موجن نگر کی اتہتی کا سوتار ورنن کرے گا۔ لیکن ہم جیسے بہو دھندی مغشیوں کو کسی دستو کے دیکھنے میں چاہے وہ کتنا ہی کوتل جبک کیوں نہ ہو، اپنا بہت سے نہ گنونا چاہیے۔ چلیے، اب نہروں کا زرخن کریں۔ اچھا پاپ ناشی، نسکار۔ پھر کبھی آؤں گا لیکن اگر تم پھر کبھی پرتھوی پر اتر دو اور اسکندر یہ آنے کا سنیوگ ہو تو مجھے نہ بھولنا۔ میرے دوار تمہارے سوامت کے لیے نیچے کھلے ہیں۔ میرے یہاں آکر اودھیہ بھوجن

کرتا۔

ہزاروں مٹھیوں نے کوٹا کے یہ شہد سنے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ عیسائیوں نے اور بھی نمک مرچ لگایا۔ جتنا کسی کی پرہنسا بڑے ادھیکاریوں کے منہ سے سختی ہے تو اس کی درشتی میں اس پر ہنسیت مٹھیے کا آدرستان شت گن ادھیک ہو جاتا ہے۔ پاپ ناشی کی اور بھی کمپاتی ہونے لگی۔ سرل ہردیہ متانوراگیوں نے ان شہدوں کو اور بھی پریمار جیت اور اتی شیوکٹی پورن روپ دے دیا۔ کیونٹیاں ہونے لگیں کہ مہاتما پاپ ناشی نے استمہ کے ہکھر پر بیٹھے بیٹھے، جل سینا کے ادھیکش کو عیسائی دھرم کا انوکھی بنا لیا۔ اس کے اپدیشوں میں یہ چنکار ہے کہ سننے ہی بڑے بڑے ہنک بھی مستک جھکا دیتے ہیں۔ کوٹا کے اتم شہدوں میں ہکھوں کو گپت آشہی چھپا ہوا پریتیت ہوا۔ جس سواگت کی اس اچ ادھیکاری نے سوچنا دی تھی کہ وہ سادھارن سواگت نہیں تھا۔ وہ داستو میں ایک آدھیجا تمک بھوج، ایک سورگیہ سملین، ایک پارلویک سینوگ کا نمترن تھا۔ اس سمہاشن کی کتھا کا بڑا ادھ بہت اور التکرت دستار کیا گیا، اور جن جن مہانو بھاؤں نے یہ رچنا کی۔ انھوں نے سویم پہلے اس پر دشواس کیا۔ کہا جاتا تھا کہ جب کوٹا نے وشد ترک و ترک کے پشچات ستیہ کو انگی کار کیا اور پر بھومسج کی شرن میں آیا تو ایک سورگدوت آکاش سے اس کے منہ کا پسینہ پونٹھنے آیا۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ کوٹا کے ساتھ اس کے ویدھ اور منتری نے بھی عیسائی دھرم سویکار کیا۔ مکھیہ عیسائی سنسٹھاؤں کے ادھیشٹاؤں نے یہ آلویک ساچار سنا تو اتیہاسک گھنٹاؤں میں اس کا الیکھ کیا۔ اتنے خیاتی لائبھ کے بعد یہ کہنا نکچت ماز بھی اتیشوکتی نہ تھی، کہ سارا سنسار پاپ ناشی کے درشنوں کے لیے اکھنٹ ہو گیا۔ پراچیہ اور پشچاتیہ دونوں ہی دیشوں کے عیسائیوں کی ویسمت آکھیں ان کی اور اٹھنے لگیں۔ اٹلی کے پردھان نمروں نے اس کے نام ابھیندن پتر بھیجے اور روم کے قیصر کانستینٹائن نے، جو عیسائی دھرم کا ہکھش پاتی تھا۔ ان کے پاس ایک پتر بھیجا۔ عیسائی دوت اس پتر کو بڑے آدر سمان کے ساتھ پاپ ناشی کے پاس لائے۔ لیکن ایک رات کو جب یہ نو جات نمگرم کی چادر اوڑھے سو رہا تھا، پاپ ناشی کے کانوں میں یہ شہد سنائی دیے۔ پاپ ناشی، تو اپنے کرموں سے پرسدھ اور اپنے شہدوں سے شتی شالی ہو گیا ہے۔ ایٹور نے اپنی کیرتی کو بقول کرنے کے لیے تجھے اس سراوچ پد پر پہنچایا ہے۔ اس نے تجھے آلویک لیلائیں دکھانے، روگیوں کا آرگیہ پردان کرنے، ناستیکوں کو سنسارگ پر لانے، پاپیوں کا

اڈھار کرنے، ایرین کے متانو یا نیوں کے کھ میں کا لیا لگانے اور عیسائی جگت میں شانتی اور سکھ سامراجیہ استقامت کرنے کے لیے نیوکت کیا ہے۔

پاپ ناشی نے اتر دیا۔ ایثور کی جیسی آگیا!

پھر آواز آئی تھی۔ پاپ ناشی، اٹھ جا، اور دوسری کانٹس ٹینس کو اس کے راجیہ پر ساد میں سنارگ پرلا، جو اپنے پوجیہ بندھو کانٹس ٹین ٹائن کا انوکرن نہ کر کے ایریس اور مارکس کے مٹھیا واد میں چنسا ہوا ہے۔ جا، دلہ نہ کر۔ اٹھ دھاتو کے پھانک تیرے چنچے ہی آپ ہی آپ کھل جائیں گے، اور تیری پادوکاؤں کی دھونی؛ قیصروں کے سنگھان کے سنگھ بچ بھون کی سورن بھوی پر پرتی ادھونیت ہوگی اور تیری پرتمھائے دانی کانٹین ٹائن کے پتر کے ہردیہ کو پرست کر دے گی۔ سینٹ اور اکھنڈ عیسائی سامراجیہ پر راجیہ کرے گا اور جس پرکار جیو دیہہ پر شائن کرتا ہے، اسی پرکار عیسائی دھرم سامراجیہ پر شائن کرے گا۔ دھنی، رئیس، راجیہ ادھیکاری، راجیہ سہا کے سہاسد سبھی تیرے ادھین ہو جائیں گے۔ تو جھٹا کو لوبھ سے مکت کرے گا اور اسکیہ جاتیوں کے اکرمیوں کا نوارن کرے گا۔ وردھ کوٹا جو اس سے نوکا دبھاگ کا پردھان ہے۔ تجھے شائن کا کرنا دھار بنا ہوا دیکھ کر تیرے چرن دھوئے گا۔ تیرے شریرانت ہونے پر تیری مرت دیہہ اسکندریہ جائے گی اور وہاں کا پردھان مٹھ دھاری اسے ایک رشی کا سارک چھہ سبھ کر اس کا جھن کرے گا! جا!

پاپ ناشی نے اتر دیا۔ ایثور کی جیسی آگیا!

یہ کہہ کر اس نے اٹھ کر کھڑے ہونے کی چٹھائی، کنتو اس آواز نے اس کی لچھا کو تاز کر کہا۔ سب سے مہتو کی بات یہ ہے کہ تو میزگی دوارا مت اتر! یہ تو سادھارن ملشیوں کی سی بات ہوگی۔ ایثور نے تجھے ادھ بھت ٹھکتی پردان کی ہے۔ تجھ جیسے پرتی بھاشالی مہاتما کو دایو میں اڑنا چاہیے۔ نیچے کود پڑ، سورگ کے دوت تجھے سنبھالنے کے لیے کھڑے ہیں، ترنت کود پڑ!

پاپ ناشی نے اتر دیا۔ ایثور کی اس سنار میں اسی بھانتی دے ہو جیسے سورگ میں ہے۔

اپنی دشال بانہیں پھیلا کر، مانو کسی ورہ داکار کپشھی نے اپنے جھدرے پنکھ پھیلائے ہوں، وہ نیچے کودنے والا ہی تھا کہ سہا ایک ڈراؤنی، اپھاس سوچک ہاسیہ دھونی اس کے کانوں میں آئی۔ بھے بھیت ہو کر اس نے پوچھا۔ یہ کون ہنس رہا ہے۔

اس آواز نے اُتر دیا۔ چمکتے کیوں ہو؟ ابھی تو ہماری متر کا آرمسہ ہوا ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب مجھ سے تمہارا پرچہ گھٹٹ ہو جائے گا۔ متر، میں نے ہی تجھے اس استمہ پر چڑھنے کی پریا کی تھی اور جس نیراہہ بھاد سے تم نے میری آگیا شرد دھاریہ کی اس سے میں بہت پرسن ہوں۔ پاپ ناشی، میں تم سے بہت خوش ہوں۔

پاپ ناشی نے مجھے بھیت ہو کر کہا۔ پر بھو۔ پر بھو! میں تجھے اب پہچان گیا، خوب پہچان گیا۔ تو ہی وہ پرانی ہے جو پر بھو میسج کو مندر کے کلس پر لے گیا تھا اور بھو منڈل کے سمت سامراجیہ کا دگ درشن کرایا تھا۔

تو شیطان ہے! بھگوان، تم مجھ سے کیوں پران نکھ ہو؟
وہ قمر قمر کا پتا ہوا بھوی پر گر پڑا اور سوچنے لگا۔

مجھے پہلے اس کا گیان نہ ہوا؟ میں ان نیر ہین، دوہیر اور اپنگ منشیوں سے بھی ابھاگا ہوں جو نچہ شرن آتے ہیں۔ میری انتر درشی سرور تھا جیوتی ہین ہو گئی ہیں، مجھے دیوی گھنٹاؤں کا اب لیش ماتر بھی گیان نہیں ہوتا اور اب میں ان بھرٹ بڈھی پاگوں کی بھانٹی ہوں جو مٹی پھاکتے ہیں اور مردوں کی لاشیں کھینٹتے ہیں۔ میں اب نرک کے اسٹکل اور سورگ کے مذہر شبدوں میں بھید کرنے کے یوگیہ نہیں رہا۔ مجھ میں اب اس نوجات ششو کا نیر گلک گیان بھی نہیں رہا جو ماتا کے استخوں کے منہ سے نکل جانے پر روتا ہے، اس کتے کا سا بھی، جو اپنے سوامی کے پد چھوں کی گندھ پہچانتا ہے، ڈاس پودھے کا سا بھی جو سوریہ کی اور اپنا کھ پھیرتا رہتا ہیں۔ میں پرتوں اور پٹاچوں کے پری ہاس کا کیندر ہوں۔ یہ سب مجھ پر تالیاں بجا رہے ہیں تو اب گیات ہوا، کہ شیطان ہی مجھے یہاں کھینچ کر لایا۔ جب اس نے مجھے اس استمہ پر چڑھایا تو دانا اور آہنکار دونوں ہی میرے ساتھ چڑھ آئے! میں کیول اپنی اچھاؤں کے دستار ہی سے شکامان نہیں ہوتا۔ ایوٹی بھی اپنی پروت گہما میں اسے ہی پر لوہنوں سے بیڑت ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سمت پٹاچوں کی کتوار میری دیہہ کو چمید سورگ دوتوں کے سٹکل میری دھجیاں اڑا دی جائیں۔ اب میں اپنی یا تاؤں سے پریم کرنا سکھ گیا ہوں۔ لیکن ایوٹر مجھ سے نہیں بولتا، اس کا ایک شبد بھی میرے کانوں میں نہیں آتا۔ اس کا یہ نزدیہ مون، یہ کھور ستر ہتا آچر یہ جبک ہیں۔ اس نے مجھے تیاگ دیا ہے۔ مجھے، جس کا اس کے سوائے اور کوئی اولب نہ تھا۔ وہ مجھے اس آفت میں اکیلا انسہائے چھوڑے ہوئے ہیں۔ وہ

مجھ سے دور بھاگتا ہے، گھبراتا ہے، لیکن میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں میرے پیرو
جل رہے ہیں، میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچوں گا۔

یہ کہتے ہی اس نے وہ سیزمی تمام لی جو استمہ کے سہارے کھڑی تھی، اس پر بھر
رکے اور ایک ڈنڈا ایچے اتر کر اس کا کھ گوروپی کلش کے ساتھ آگیا۔ اسے دیکھ کر یہ گو
سورتی وچر روپ سے مسکرائی۔ اسے اب اس میں کوئی سندیدہ نہ تھا کہ جس استمان کو اس
نے شانیا بھ اور سکھرتی کے لیے پسند کیا تھا، وہ اس کے سردناش اور تپن کا سدھ ہوا، وہ
بڑے دیگ سے اتر کر زمین پر آ پہنچا۔ اس کے پیروں کو اب کھڑے ہونے کا بھی ابھاس
نہ تھا، وہ ڈنگا تے تھے۔ لیکن اپنے اوپر اس پشاپک استمہ کی پرچھائی پڑتے دیکھ کر وہ زبردستی
دوڑا، مانو کوئی قیدی بھاگا جاتا ہو۔ سنسار عدا میں گمن تھا۔ وہ سب سے چمپا ہوا اس چوک سے
ہو کر نکلا جس کے چاروں اور شراب کی دکانیں، سرائیں، دھرم شالائیں بنی ہوئی تھیں اور ایک
گلی میں گھس گیا، جو لابیہ کی پہاڑیوں کی اور جاتی تھی۔ وچر بات یہ تھی کہ کتابھی بھونکتا ہوا
اس کا پیچھا کر رہا تھا اور جب تک مرد بھونی کے کنارے تک اسے دوڑا نہ لے گیا، اس کا پیچھا
نہ چھوڑا۔ پاپ ناشی ایسے دیہاتوں میں پہنچ گیا جہاں سڑکیں یا پگ ڈنڈیاں نہ تھیں، کیول
دن جنتوں کے پیروں کے نشان تھے۔ اس نرجن پردیش میں وہ ایک دن اور رات لگا تار
اکیلا بھاگتا چلا گیا۔

انت میں جب وہ بھوک، پیاس اور تھکان سے اتنا بے دم ہو گیا کہ پاؤں
لڑکھڑانے لگے، ایسا جان پڑنے لگا کہ اب جیتا نہ بچوں گا تو وہ ایک گھر میں پہنچا جو دائیں
بائیں اتنی دور تک پھیلا ہوا تھا کہ اس کی سیسائیں نیلے چھتچ میں دلیں ہو جاتی تھیں۔ چاروں
اور سبھتتا چھائی ہوئی تھی، کسی پرانی کا نام نہ تھا۔ مکانوں کی کمی نہ تھی، پر وہ دور دور پر بنے
ہوئے تھے، اور ان معمری دیناروں کی بھاتی دکتے تھے جو چ سے کاٹ لیے گئے ہوں۔ سبوں
کی بناوٹ ایک سی تھی، مانوں ایک ہی امارت کی بہت سکی نقلیں کی گئیں ہوں۔ واسو میں یہ
سب قبریں تھیں۔ ان کے دوار کھلے اور ٹوٹے ہوئے تھے، اور ان کے اندر بھیڑیوں اور
لکڑ بھگوں کی چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آتی تھیں، جنھوں نے وہاں بچے دیئے تھے۔ مردے قبروں
کے سامنے باہر پڑے ہوئے تھے، جنھیں ڈاکوؤں نے نوچ کھسٹ لیا تھا۔ اور جنگلی جانوروں
نے جگہ جگہ چبا ڈالا تھا۔ اس مرتجوری میں بہت دیر تک چلنے کے بعد پاپ ناشی ایک قبر کے

سامنے ٹھک کر گر پڑا جو چھوہارے کے درکھوں سے ڈھکے ہوئے ایک سوتے کے سبب تھی۔ یہ قبر خوب بھی ہوئی تھی، اس کے اوپر تیل بوٹے بنے ہوئے تھے، کٹھن کوئی دوار نہ تھا۔ پاپ ناشی نے ایک چھدر میں سے جھانکا تو اندر ایک سندڑ رکھا ہوا تہہ دکھائی پڑا جس میں سانپوں کے چھوٹے چھوٹے بچے ادھر ادھر رینگ رہے تھے۔ اسے اب بھی یہی شککا ہو رہی تھی کہ ایٹور نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا ہے اور میرا کوئی اولمب نہیں ہیں۔

اس نے ایک دن دیر گھنہ شو اس لے کر کہا۔ اسی استھان میں میرا نواس ہوگا، یہی قبر اب میرے پرائیوٹ اور آتم دمن کا آشرہ سٹھانہ ہوگی۔

اس کے پیر تو اٹھ نہ سکتے تھے، لینے لینے کھسکتا ہوا وہ اندر چلا گیا، سانپوں کو اپنے پیروں سے بھاگ دیا اور زنتز اٹھارہ گھنٹوں تک یہی بھومی پر سر رکھے ہوئے اوندھے منہ پڑا رہا۔ اس کے پیچھا وہ اس جل سڑوت پر گیا اور چلو سے پیٹ بھر پانی پیا۔ تب اس نے تھوڑے چھوہارے توڑے اور کئی کسل کی بیلین نکال کر کسل گئے جمائے۔ یہی اس کا بھوجن تھا۔ چھدر کا اور ترشنا شانت ہونے پر اسے ایسا انومان ہوا کہ یہاں وہ سبھی وجہن بادھاؤں سے مکت ہو کر کال چھپ کر سکتا ہے۔ ات ابو اس نے اسے اپنے جیون کا نیم بنا لیا۔ پراہ کال سے سندھیا تک وہ ایک چمن کے لیے بھی سر اوپر نہ اٹھاتا تھا۔

ایک دن جب وہ اس بھاتی اوندھے منہ پڑا ہوا تھا تو اس کے کانوں میں کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ پاشان اجڑوں کو دیکھ، تجھے گیان پراپت ہوگا!

یہ سنتے ہی اس نے سر اٹھایا اور تہہ خانوں کی دیواروں پر درشنی پات کیا تو اسے چاروں اور سماجک درشیہ انکت دکھائی دیے۔ جیون کی سادھارن گھٹنا کیں جیتی جاگتی صورتوں دوارا پرکٹ کی گئیں تھیں۔ یہ بڑے پراچین سے کی چڑکاری تھی اور اتنی اتم کہ جان پڑتا صورتیاں اب بولنا ہی چاہتی ہیں۔ چڑکار نے ان میں جان ڈال دی تھی۔ کہیں کوئی نان بائی روٹیاں بنا رہا تھا اور گالوں کو کھنی کی طرح پھولا کر آگ پھونکتا تھا، کوئی بھٹوں کے پر نوج رہا تھا اور کوئی پتیلیوں میں مانس پکا رہا تھا۔ ذرا اور ہٹ کر ایک شکاری کندھوں پر ہرن لیے جاتا تھا، جس کی دیہہ میں بانڈھ چھپے دکھائی دیتے تھے۔ ایک استھان پر کسان کھیتی کا کام کاج کرتے تھے۔ کوئی بوتا تھا، کوئی کاشتا تھا، کوئی اناج بکھاروں میں بھر رہا تھا۔ دوسرے استھان پر کئی استریاں ویڑا، بانسری اور تمبروں پر ناچ رہی تھیں۔ ایک سندھ یودتی ستار بجا رہی تھی۔ اس

کے کیٹوں میں کل کا پشپ شوبھا دے رہا تھا۔ کیش بڑی سندرہ سے گھسے ہوئے تھے۔ اس کے سوچھ مہین کپڑوں سے اس کے نزل انگوں کی آہٹا جھلکتی تھی۔ اس کے ٹکھ اور وکھ اسٹھل کی شوبھا اودھتہ تھی۔ اس کا ٹکھ ایک اور کو پھرا ہوا تھا، پر کل نیر سیدھے ہی تاک رہے تھے۔ سرداگ انوہم، اوجیہ گدھ کر تھا۔ پاپ ناشی نے اسے دیکھتے ہی آنکھیں پچی کر لیں اور اس آواز کو اتر دیا۔ تو مجھے ان تصویروں کا اولوکن کرنے کا آدیش کیوں دیتا ہے۔ اس میں تیری کیا لیتھا ہے؟ یہ سترہ ہے کہ ان چڑوں میں اس پر جتا وادی پڑش کے سنسارک جیون کا انکن کیا گیا ہے جو یہاں میرے بیروں کے نیچے ایک کنوئیں کی تہہ میں، کالے پھر کے صندوق میں بند، گڑا ہے۔ ان سے ایک مرے ہوئے پرانی کی یاد آتی ہے، اور پدی ان کے روپ بہت چکیلے ہیں، پر۔ تھارتھ میں وہ کیول چھایا نہیں، چھایا کی چھایا ہے، کیوں کہ مانو جیون سونیہ۔ چھایا ماتر ہے۔ مرت دیہہ کا اتنا مہوتا اتنا گرو!

اس آواز نے اتر دیا۔ اب وہ مر گیا ہے لیکن ایک دن جیوت تھا۔ لیکن تو ایک دن مر جائے گا اور تیرا کوئی نشان نہ رہے گا۔ تو ایسا مٹ جائے گا مانو کبھی تیرا جنم ہی نہیں ہوا تھا۔

اسی دن سے پاپ ناشی کا چٹ آنھوں پہر چنچل رہنے لگا۔ ایک پل کے لیے اسے شانتی نہ ملتی۔ اس آواز کی اوشرانت دھونی اس کے کانوں میں آیا کرتی۔ ستار بجانے والی یووتی اپنی لمبی پلکوں کے نیچے سے اس کی اور نکلی لگائے رہتی۔ آخر ایک دن وہ بھی بولی۔ پاپ ناشی، ادھر دیکھ! میں کتنی مایا وینی اور روپ وتی ہوں! مجھے پیار کیوں نہیں کرتا؟ میرے پریم لکن میں اس پریم داہ کو شانت کر دے جو تجھے ویکل کر رہا ہے۔ مجھ سے تو دیرتھ آشنکت ہے۔ تو مجھ سے بچ نہیں سکتا، میرے پریم پاشوں سے بھاگ نہیں سکتا۔ میں ناری سوندریہ ہوں۔ ہت ہڈمی! نورکھ! تو مجھ سے کہاں بھاگ جانے کا دپار کرتا ہے؟ تجھے کہاں شرن ملے گی؟ تجھے سندر پشیوں کی شو بھی میں، کھجور کے درپکھوں کے پھولوں میں، اس کی پھلوں سے لدی ہوئی ڈالیوں میں، کبوتر کے پر میں، مرغافوں کی چھلانگوں میں، جل پرتاپوں کے مدھر کھڑو میں، چاند کی مند جیوتسنا میں، تلیوں کے منوہر رنگوں میں، اور پدی اپنی آنکھیں بند کر لے گا تو اپنے انت اسل میں، میرا ہی سوروپ دکھائی دے گا۔ میرا سوندریہ سرو دیا پک ہے۔ ایک ہزار 1۔

1۔ مصر کے پراچین لوہی مردوں کو تہہ خانے کے اندر، کنوؤں کے نیچے گاڑتے تھے۔

برسوں سے اوجھک ہوئے کہ اس ہڈی نے جو یہاں مہین کنن میں دھنٹ، ایک کالے پتھر پر
 دھرام کر رہا ہے، مجھے اپنے ہرے سے لگایا تھا۔ ایک ہزار برسوں سے اوجھک ہوئے کہ اس
 نے میرا سدا حائے ادھروں کا آتم بار رسا سدا دن کیا تھا اور اس کی دھگہ ندرا ابھی تک اس کی
 سنگدھ سے مہک رہی ہے۔ پاپ ناشی، تم مجھے بھلی بھاتی جانتے ہو؟ تم مجھے بھول کیسے گئے؟
 مجھے پہچانا کیوں نہیں! اسی پر آتم گیانی بننے کا دھوئی کرتے ہو؟ میں تمہائیں کے اسٹکھیز اوتاریں
 میں سے ایک ہوں۔ تم وودان ہو اور جیوؤں کے تھو کو جانتے ہو۔ تم نے بڑی بڑی یاترائیں
 کی ہیں اور یاترائیں ہی سے مٹھیہ آدمی بنتا ہے، اس کے گیان اور ہڈی کا وکاس ہوتا ہے۔
 یاترا کے دنوں میں بھوہو اتنی نوین دستوئیں دیکھنے میں آ جاتی ہیں، جتنی گھر پر بیٹھے ہوئے دس
 برسوں میں بھی نہ آئیں گی۔ تم نے سنا ہے کہ پورو کال میں تمہائیں ہیلن کے نام سے یونان
 میں رہتی تھی۔ اس نے تمہیں میں پھر دوسرا اوتار لیا۔ میں ہی تمہیں کی تمہائیں تھی۔ اس کا کارن
 کیا ہے کہ تم اتنا بھی نہ بھانپ سکے! پہچانو، یہ کس کی قبر ہے؟ کیا تم بالکل بھول گئے کہ ہم
 نے کیسے کیسے دھار کیے تھے۔ جب میں جیوت تھی تو میں نے اس سنسار کے پاؤں کا بڑا بھار
 اپنے سر پر لیا تھا اور اب کیول چھایا ماتر رہ جانے پر بھی ایک چتر کے روپ میں بھی، مجھ میں
 اتنی سار تھہ ہے کہ میں تمہارے پاؤں کو اپنے اوپر لے سکوں۔ ہاں، مجھ میں اتنی سار تھہ
 ہے۔ جس نے جیون میں سمت سنسار کے پاؤں کا بھار اٹھایا، کیا اس کا چتر اب ایک پرانی
 کے پاؤں کا بھار بھی نہ اٹھا سکے گا؟ وسمت کیوں ہوتے ہو؟ آٹھریہ کی کوئی بات نہیں۔ ودھاتا
 ہی نے یہ دیوستھا کر دی کہ تم جہاں جاؤ گے، تمہائیں تمہارے ساتھ رہے گی۔ اب اپنے چر عیگنی
 تمہائیں کی کیوں اوہیلنا کرتے ہو؟ تم ودھاتا کو نہیں توڑ سکتے۔

پاپ ناشی نے پھر کے فرش پر اپنا سر چک دیا اور مجھے ہمیت ہو کر چیخ اٹھا۔ اب یہ
 ستار وادی نیچے پرتی دیوار سے نہ جانے کس طرح الگ ہو کر اس کے سمپ آ جاتی اور مندواش
 لیتے ہوئے اس سے اسٹھ شبدوں میں ورتالاپ کرتی، اور جب وہ ورت پرائی اس کی
 مجھد چھٹاؤں کا پیشکار کرتا تو وہ اس سے کہتی۔ پر تم! مجھے پیار کیوں نہیں کرتے؟ مجھ سے
 اتنی ٹھرائی کیوں کرتے ہو؟ جب تک تم مجھ سے دور بھاگتے رہو گے، میں تمہیں دیکل کرتی
 ہوں گی، تمہیں یا تا نہیں دیتی رہوں گی۔ تمہیں ابھی یہ نہیں معلوم ہے کہ برت استری کی آتما
 کتنی دھریہ شالیسی ہوتی ہے۔ اگر آدھیکتا ہو تو میں اس سے تک تمہارا انتظار کروں گی جب تک

تم مرنے جاؤ گے۔ مرنے کے بعد بھی میں تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں گی۔ میں جادوگرنی ہوں۔ مجھے تنزوں کا بہت اہمیاں ہے۔ میں تمہاری مرث دیہہ میں نیا جیو ڈال دوں گی۔ جو اسے چنید کر دے گا اور جو مجھے وہ دستو پردان کر کے اپنے کو دھنیہ مانے گا جو میں تم سے مانگتے مانگتے ہار گئی اور نہ پاسکی! میں اس پنہ جیوت شریر کے ساتھ من مانا سکھ بھوک کروں گی۔ اور پر یہ پاپ ناشی، سوچو، تمہاری دشا کتنی کرونا جنک ہوتی جب تمہاری سورگ واسنی آتما اس اونچے استھان پر بیٹھے ہوئے دیکھے گی کہ میری ہی دیہہ کی کیا چھچھالیدار ہو رہی ہے۔ سویم ایثور جس نے حساب کے دن کے بعد تمہیں انت کال تک کے لیے یہ دیہہ لوٹا دینے کا وجہ دیا ہے پھر میں پڑ جائے گا کہ کیا کروں۔ وہ اس مانو شریر کے سورگ کے پوتر دھام میں کیسے استھان دے گا جس میں ایک پریت کا نواس ہے اور جس سے ایک جادوگرنی کی مایا لپٹی ہوئی ہے؟ تم نے اس کھن سنسیا کا دچار نہیں کیا۔ نہ ایثور ہی نے اس پر دچار کرنے کا کشت اٹھایا۔ تم سے کوئی پردا نہیں۔ ہم تم دونوں ایک ہی ہیں ایثور بہت دچار شیل نہیں جان پڑتا۔ کوئی ساحارن جادوگر اسے دھوکے میں ڈال سکتا ہے، اور یدی اس کے پاس آکاش، وجر اور میگھوں کی جل سینا نہ ہوتی تو دیہاتی لوٹے اس کی داڑھی نوچ کر بھاگ جاتے، اس سے کوئی بے بہیت نہ ہوتا، اور اس کی دسترت سرشتی کا انت ہو جاتا۔ تمہارتھ میں اس کا پرانا شترو سرپ اس سے کہیں چتر اور دور درشتی ہے۔ سرپ راج کے کوشل کا پراپوار نہیں ہے۔ یہ کلاؤں میں پردین ہے۔ یدی میں ایسی سندری ہوں تو اس کا کارن یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنے ہی ہاتھوں سے رچا اور یہ شو بھا پردان کی۔ اسی نے مجھے بالوں کا گھٹنا، اردھ کو سومت ادھرں سے ہنسا اور آجھوشوں سے انگوں کو جھانا سکھایا۔ تم ابھی تک اس کا مہاتے نہیں جانتے۔ جب تم پہلی بار اس قبر میں آئے تو تم نے اپنے ہیروں سے ان سرپوں کو بھاگ دیا جو یہاں رہتے تھے اور ان کے انڈوں کو کھل ڈالا۔ تمہیں اس کی لیش ماز بھی چھتا نہ ہوئی کہ یہ سرپ راج کے آتمیہ ہے۔ متر، مجھے بے ہے کہ اس اوچار کا تم کو کڑا دٹر ملے گا۔ سرپ راج تم سے بدلا لیے بنا نہ رہے گا۔ تم پر بھی تم اتنا تو جانتے ہی تھے کہ وہ شگیت میں یچن اور پریم کلا میں سدھ ہست ہے۔ تم نے یہ جان کر بھی اس کی اوگیا کی۔ کلا اور سوندریہ دونوں ہی سے جھگڑا کر بیٹھے، دونوں کو ہی پاؤں تلے کچلنے کی چھٹا کی، اور اب تم دیہک اور مانیک آجھوں سے مرست ہو رہے ہو۔ تمہارا ایثور کیوں تمہاری سہایتا نہیں کرتا؟ اس کے لیے یہ آسمو ہے۔

اس کا آکار بھومنڈل کے آکار کے سامان ہی ہے، اس لیے اسے چلنے کی جگہ ہی کہاں ہے، اور اگر اسمھو کو سمھو مان لیں، تو اس کی بھومنڈل دیہی کے کچھ ماتر چلنے پر ساری سریشٹی اپنی جگہ سے کھسک جائے گی، سنسار کا نام ہی نہ رہے گا۔ تمہارے سروگیات ایشر نے اپنی سریشٹی میں اپنے کو قید کر رکھا ہے۔

پاپ ناشی کو معلوم تھا کہ جادو دوارا بڑے بڑے انیسر ملک کاریہ سدھ ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ دچار کر کے اس کو بڑی گھبراہٹ ہوئی۔

شاید وہ مرت پرشوں جو میرے پیروں کے نیچے سادھیست ہے ان منتروں کو یاد رکھے ہوئے ہے جو 'گپت گرنتھ' میں گپت روپ سے لکھے ہوئے ہیں۔ وہ گرنتھ اوشیہ ہی کسی بادشاہ کی قبر کے نیچے کہیں نہ کہیں چمپا رکھا ہوگا۔ وہ استھان یہاں سے دور نہیں ہو سکتا۔ کسی بادشاہ کی قبر کٹ ہوگی۔ ان منتروں کے بل کے مردے وہی دیہہ دھارن کر لیتے ہیں جو انھوں نے اس لوک میں دھارن کیا تھا، اور پھر شورپہ کے پرکاش اور رمیوں کی مند مسکان کا آند اٹھاتے ہیں۔

اس کو سب سے اوجھک بھے اس بات کا تھا کہ کہیں یہ ستار بجانے والی سندری اور وہ مرت پرش نکل نہ آئیں اور اس کے سامنے اسی بھانجی سمھوگ نہ کرنے لگیں، جیسے وہ اپنے جیون میں کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جمن کا شبد سنائی دے رہا ہے۔

وہ مانسک تاپ میں جلا جاتا تھا، اور اب الیشور کی دیا درشتی سے دلچسپ ہو کر اسے دھاروں سے اتنا ہی بھے لگتا تھا، جتنا بھادوں سے۔ نہ جانے من میں کب کیا بھاد جاگرت ہو جائے۔

ایک دن سندھیا سے جب وہ اپنے نیا انوسار اوندھے اوندھے منھ پڑا سجدہ کر رہا تھا، کسی اپرچھت پرانی نے اس سے کہا۔

'پاپ ناشی، پرتموی پر اس سے کتنے ہی اوجھک اور کتنے ہی دچر پرانی بھتے ہیں جتنا تم انومان کر سکتے ہو، اور یدی میں تمہیں یہ سب دکھا سکوں جس کا میں نے انوبھو کیا ہے تو تم اچھر یہ سے بھر جاؤ گے۔ سنسار میں ایسے مکھہ بھی ہے جن کے لٹاٹ کے مدھیہ میں کیول ایک ہی آنکھ ہوتی ہے اور وہ جیون کا سارا کام اسی ایک آنکھ سے کرتے ہیں۔ اسے پرانی بھی

دیکھے گئے ہیں جن کے ایک ہی ٹانگ ہوتی ہے اور اچھل اچھل کر چلتے ہیں۔ ان ایک ٹانگوں سے ایک پورا پرانت بسا ہوا ہے۔ ایسے پرانی بھی ہے تو لیٹھا انوسار استری یا پرش بن جاتے ہیں۔ جن میں ٹنگ بھید ہی نہیں ہوتا۔ اتنا ہی سن کر نہ پکراؤ۔ پرتھوی پر مانو در کچھ ہے جن کی جزیں زمین میں پھیلتی ہیں، بنا سردالے مٹیہ ہیں۔ جن کی چھاتی میں منہ، دو آنکھیں اور ایک ناک رہتی ہے۔ کیا تم خدہ من سے دشواش کرتے ہو کہ پربھوسج نے ان پرانیوں کی کتھی سے نہت ہی شریر تیاگ کیا؟ اگر اس نے ان دیکھوں کو چھوڑ دیا ہے تو یہ کس کی شرن جائیں گے، کون ان کی کتھی کا دائمی ہوگا؟

اس کے کچھ سے بعد پاپ ناشی کو ایک سوپن ہوا۔ اس نے نزل پر کاش میں ایک چھوڑی سڑک، بہتے ہوئے نالے اور لہلہاتے ہوئے ادھان دیکھے۔ سڑک پر ارستوبولس اور جیریاں اپنے عربی گھوڑوں کو سرپٹ دوڑائے چلے جاتے تھے اور اس چوگان دوڑ سے ان کا چت اتنا اُلت ہو رہا تھا کہ ان میں منہ اوڑڑ درن ہوئے جاتے تھے۔ ان کے سمپ ہی کے ایک پیش تاک میں کھڑا کوئی کلی کرانت اپنے کُوت پڑھ رہا تھا۔ سہل درگ اس کے سار میں کانپتا تھا اور اس کی آنکھوں میں چمکتا تھا۔ ادھان میں بیٹا تھمیر پکے ہوئے سیب جن رہا تھا اور ایک سرب کو تھپکیاں دے رہا تھا جس کے نیلے پر تھے۔ ہرموڈورس سویت دستر پہنے، سر پر ایک رتن جلت کٹ رکھے، ایک درکشہ کے نیچے دھیان میں مگن بیٹھا تھا۔ اس درکشہ میں کچھ پھولوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے سرننگ رہے تھے جو مصر دیش کی دیوؤں کی بھانجی گدہ، باج یا بول چندر منزل کا کٹ پہنے ہوئے تھے۔ پیچھے کی اور ایک جل کند کے سمپ بیٹھا ہوا نیاس پنخستروں کی اہت مٹی کا اولوکن کر رہا تھا۔

تب ایک استری منہ پر نقاب ڈالے اور ہاتھ میں مہندی کی ایک ٹہنی لیے پاپ ناشی کے پاس آئی اور بولی۔ پاپ ناشی، ادھر دیکھ! کچھ لوگ ایسے ہیں جو اہت سوندریہ کے لیے لالائت رچے ہیں، اور اپنے نشور جیون کو امر سمجھتے ہیں۔ کچھ ایسے پرانی بھی ہیں جو جز اور دچار شونیہ ہیں، جو کبھی جیون کے توڑوں پر دچار ہی نہیں کرتے لیکن دلوں ہی کیول جیون کے ناطے پر کرت دیوی کی اگیاؤں کا پالن کرتے ہیں، وہ کیول اتنے ہی سے سٹھٹ اور شکھی ہے کہ ہم جیتے ہیں، اور سنسار کے اودتہ کلانیدی کا مگن گان کرتے ہیں کیوں کہ مٹیہ امیشور کی مورتی مان استوتی ہے۔ پرانی ماتر کا دچار ہے کہ سکھ ایک شپاپ، دوشودہ دستو ہے، اور سکھ

بھوک ٹھیکہ کے لیے درجت نہیں ہے۔ اگر ان لوگوں کا دھار سہ ہے تو پاپ ناشی، تم کہیں کے نہ رہے۔ تمہارا جیون نشت ہو گیا۔ تم نے پرکرت کے دیے ہوئے سرنم پدارتھ کو کچھ سمجھا۔ تم جانتے ہو، تمہیں اس کا ڈنڈ ملے گا؟

پاپ ناشی کی نیند ٹوٹ گئی۔

اسی بھاتی پاپ ناشی کو زنتر شاریرک تھا مانسک پرلوہوں کا سامانا کرنا پڑتا تھا۔ یہ دوش پریرنائیں اسے سرور گھیرے رہتی تھیں۔ شیطان ایک پل کے لیے بھی اسے چین نہ لینے دیتا۔ اس زجن قبر میں کسی بڑے مگر کی سڑکوں سے بھی اوجھ پڑانی بے ہوئے جان پڑتے تھے۔ بھوت پشاج ہنس ہنس کر شور مچایا کرتے اور اکنت پریت، چڑیل آدی، اور نانا پرکار کی دُور آتمائیں جیون کا سادھارن دیوہار کرتی رہتی تھیں۔ سندھیا سے جب وہ جل دھارا کی اُور جاتا تو پریاں اور چڑیل اس کے چاروں اُور اکثر ہو جاتیں اور اسے اپنے کاموہجک زنتیوں میں کھینچ لے جانے کی چھٹا کرتیں۔ پشاجوں کو اب اس سے ڈار بھی بھے نہ ہوتا تھا۔ وہ اس کا اپہاس کرتے، اس پر اٹھیل ویک کرتے اور بہودا اس پر مرشٹ پرہار بھی کر دیتے۔ وہ ان ایمانوں سے اتھت دگی ہوتا تھا۔ ایک دن ایک پشاج، جو اس کی ہانہ سے بڑا نہیں تھا، اس رتی کو چرا لے گیا جو وہ اپنی کمر میں باندھے تھا۔ اب وہ بالکل نکا تھا۔ آدورن کی چھایا بھی اس کی دیہہ پر نہ تھی۔ یہ سب سے گھور ایمان تھا جو ایک تیسوی کا ہو سکتا تھا۔

پاپ ناشی نے سوچا۔ من تو مجھے کہاں لیے آتا ہے؟

اس دن سے اس نے نیچے کیا کہ اب ہاتھوں سے شرم (शर्म) کرے گا جس میں دھاریندرویوں کو وہ شانتی ملے جس کی انہیں بڑی اڈھیکتا تھا۔ اکیہ کا سب سے برا پھل گہر دوتیوں کو اکسانا ہے۔

جل دھارا کے ٹٹ، چھوہارے کے درکھوں کے نیچے کئی کیلے کے پودے تھے جن کی چٹیاں بہت بڑی بڑی تھیں۔ پاپ ناشی نے ان کے تنے کاٹ لے اور انہیں قبر کے پاس لایا۔ انہیں اس نے ایک پتھر سے کچلا اور ان کے ریشے نکالے۔ رسی بنانے والوں کو اس نے کیلے کے تار نکالنے دیکھا تھا۔ وہ اس رسی کی جگہ جو ایک پشاج چرا لے گیا تھا کمر میں لپیٹنے کے لیے دوسری رسی بنانا چاہتا تھا۔ پرچوں نے اس کی دن چریا میں یہ پرورتن دیکھا تو کزدھ ہوئے۔ کٹو اسی شن سے ان کا شور بند ہو گیا، اور ستار والی رسی نے بھی اپنی آلوہک

شکیت کلا کو بند کر دیا اور پڑوت دیوار سے جاملی اور چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔
پاپ ناشی جیوں جیوں کیلے کے تنے کو کھلتا تھا، اس آتم دشواش، دھریہ اور دھرم مل
بڑھ جاتا تھا۔

اس نے من میں دھار کیا۔ ایثور کی ایٹھا ہے تو اب بھی اندریوں کا دمن کر سکتا
ہوں۔ ری آتما، اس کی دھرم نطھا ابھی تک نطیل اور ابھید ہے۔ یہ پریت، پشاج، مگو اور وہ
کھلا استری، میرے من میں ایثور کے سبندھ میں بھانتی بھانتی کی شکائیں آتین کرتے رہتے
ہیں۔ میں رشی جان کے شبدوں میں ان کو یہ اثر دوں گا۔ آدی میں شبد تھا اور شبد بھی
دشواش معہیا اور بھرم مولک ہے تو میں دڑھتا سے اس پر دشواش کرتا ہوں۔ داستو میں اسے
مٹھیا ہی ہونا چاہیے۔ یدی ایسا نہ ہوتا تو میں دشواش کرتا، کیول ایمان نہ لاتا، بلکہ انوبھو کرتا،
جانتا۔ انوبھو سے اہت جیوں نہیں پر اہت ہوتا گیان ہمیں کتی نہیں دے سکتا۔ اذار کرنے والا
کیول دشواش ہے۔ اتہہ ہمارے اذار کی بھنتی معہیا اور استیہ ہے۔

یہ سوچتے سوچتے وہ رک گیا۔ ترک اسے نہ جانے کدھر لیے جاتا تھا۔ وہ ان بکھرے
ہوئے ریشوں کو دن بھر دھوپ میں سکھاتا اور رات بھر اوس میں بھگتے دیتا۔ دن میں کئی بار وہ
ریشوں کو پھیرتا تھا کہ کہیں سڑ نہ جائیں۔ اب اسے یہ انوبھو کر کے پرم آندہ ہوتا تھا کہ بالکوں
کے سان سرل اور شکیت ہو گیا ہے۔

ری بٹ پکتنے کے بعد اس نے چٹائیاں اور نوکریاں بنانے کے لیے نرکت کاٹ کر
جمع کیا۔ وہ ساہمی ٹٹلی ایک نوکری بنانے والے کی دوکان بن گئی، اور اب پاپ ناشی جب
چاہتا ایش پرارھتا کرتا، جب چاہتا کام کرتا؛ لیکن اتا ستم اور بچن کرنے پر بھی ایثور کی اس پر
دیا درشتی نہ ہوئی۔ ایک رات کو وہ ایک ایسی آواز سن کر جاگ پڑا جس نے اس کا ایک ایک
زواں کھڑا کر دیا۔ یہ اسی مرے ہوئے آدی کی آواز تھی جو اس قبر کے اندر دفن تھا۔ اور کون
بولنے والا تھا؟

آواز سائیں سائیں کرتی ہوئی جلدی جلدی یوں پکار رہی تھی۔ ”ہیلن، ہیلن، آؤ،
میرے ساتھ انسان کرو!“

ایک استری نے جس کا منہ پاپ ناشی کے کانوں کے سمپ ہی جان پڑتا تھا، اثر
دیا۔ پر تیم، میں اٹھ نہیں سکتی۔ میرے اوپر ایک آدی سویا ہوا ہے۔

سہا پاپ ناشی کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ اپنی گال کسی استری کے ہرے اسقل پر رکھے ہوئے ہے۔ وہ ترنت پہچان گیا کہ وہی ستار بجانے والی پوتی ہے۔ وہ جیوں ہی ذرا سا کھسکا تو استری کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا اور اس نے اپنی چھاتی اوپر اٹھائی۔ پاپ ناشی تب کاموخت ہو کر، اس کوئل، گندھ سے، گرم شریر سے چٹ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اسے پکڑ کر بھیج لیا۔ سرد ناشی دُور بیٹے دانسا نے اسے پراست کر دیا۔ گزرا کر وہ کہنے لگا۔ ٹھہرو، ٹھہرو، پر یہ! ٹھہروں میری جان!

لیکن بڑی ایک چھلانگ میں قبر کے دوار پر جا پہنچی۔ پاپ ناشی کو دونوں ہاتھ پھیلائے دیکھ کر وہ ہنس پڑی اور اس کی مسکراہٹ ششی کی آنکھوں میں چمک اُٹھی۔ اس نے ٹھہرتا سے کہا۔ میں کیوں ٹھہروں؟ ایسے پرپی کے لیے جس کی بھاء شستی اتنی جج اور پرکھر ہو، چھایا ہی کافی ہے۔ پھر تم اب جت ہو گئے، تمہارے جن میں اب کوئی کسر نہیں رہی۔ میری منو کا منا پوری ہو گئی، اب میرا تم سے کیا ناتا؟

پاپ ناشی نے ساری رات رو رو کر کافی اور اوشا کال ہوا تو اس نے پر بھومسج کی دندا کی جس میں بھکتی پورن ویک بھرا ہوا تھا۔ عیسو، پر بھو، تو نے کیوں مجھ سے آنکھ پھیر لی! تو دیکھ رہا ہے کہ میں کتنی بھیاوہ پرستھتیوں میں گھرا ہوا ہو۔ میرے پیارے کتنی داتا آ، میری سہایا کر۔ تیرا پتا مجھ سے ناراض ہے، میری انوئے دنیہ کچھ نہیں سنتا، اس لیے یاد رکھ کہ تیرے سوائے میرا اب کوئی نہیں ہے۔ تیرے پتا سے اب مجھے کوئی آشا نہیں ہے میں اس کے رمیہ کو سمجھ نہیں سکتا اور نہ اسے مجھ پر دیا آتی ہے۔ کنتو نے ایک استری کے گربھ سے جنم لیا ہے، تو نے مانا کا اسپیہ بھوگ کیا ہے اور اس لیے تجھ پر میری شر دا ہے۔ یاد رکھ کہ تو بھی ایک سے مانو دیہ دھاری تھا۔ میں تیری پرا رتنا کرتا ہوں، اس کارن نہیں کہ تو ایٹور کا ایٹور، جیوتی کی جیوتی، پر م پتا کا پر م پتا ہے، بلکہ اس کارن کہ تو نے اس لوک میں، جہاں اب میں ناتا یا تائیس بھوگ رہا ہوں، دوڈر اور دین پرانیوں کا سا جیون وخت کیا ہے؛ اس کارن کہ شیطان نے تجھے بھی کواناؤں کے بھنور میں ڈالنے کی چھٹا کی ہے، اور ماتیک ویدنا نے تیرے بھی ٹکھ کو پسینے سے تر کیا ہے۔ میرے مسج، میرے بندھومسج، میں تیری دیا کا، تیری منٹھیا کا پرا تھی ہوں۔

جب وہ اپنے ہاتھوں کو مل مل کر یہ پرا رتنا کر رہا تھا، تو انہاس کی پرچنڈ دھونی سے

قبر کی دیواریں مل گئیں اور وہی آواز، جو استمہ کے سکھر پر اس کے کانوں میں آئی تھی، اچانک سوچک شدوں میں بولی۔ یہ پارتھنا تو دھری مارکس کے کھ سے نکلنے کے یومیہ ہے! پاپ ناشی بھی مارکس کا چپلا ہو گیا۔ واہ واہ! کیا کہنا! پاپ ناشی دھری ہو گیا!

پاپ ناشی پر مانو درج گھات ہو گیا۔ دھوڑ جھٹ ہو کر پرتھوی پر گر پڑا۔

جب اس نے پھر آنکھیں کھولیں، تو اس نے دیکھا کہ تپوی کالے کنٹوپ پہنے اس کے اُور کھڑے ہیں، اس کے منہ پر پانی کے چھینے دے رہے ہیں اور اس کی جھاڑ پھونک، ستر منتر میں لگے ہوئے ہیں۔ کئی اور آدمی ہاتھوں میں کھجور کی ڈالیاں لیے باہر کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ہم لوگ ادھر سے ہو کر جا رہے تھے تو ہم نے اس قبر سے چلانے کی آواز نکلتی سنی، اور اب اندر آئے تو حصیں پرتھوی پر اچیت پڑے دیکھا۔ نند یہہ پرتوں نے حصیں پچھاڑ دیا تھا اور ہم کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

پاپ ناشی نے سر اٹھا کر جھین سُر میں پوچھا۔ بندھو درگ، آپ لوگ کون ہیں؟ آپ لوگ کیوں کھجور کی ڈالیاں لیے ہوئے ہیں؟ کیا میری مرگ کر یا کرنے تو نہیں آئے ہیں؟

ان میں سے ایک تپوی بولا۔ بندھو در، کیا حصیں خبر نہیں کہ ہمارے پوجیہ پتا اینٹونی، جن کی استحاب ایک سو پانچ برسوں کی ہو گئی ہے، اپنے انم کال کی سوچنا پا کر اس پرت سے اتر آئے ہیں جہاں وہ ایکانت سیون کر رہے تھے؟ انھوں نے اپنے اکوت شیشیوں اور مھکتوں کو جو ان کی آدھیاتھک سنتانے ہیں، اثر داد دینے کے نیت یہ کشت اٹھایا ہے۔ ہم کھجور کی ڈالیاں لیے (جو شانتی کی سوچک ہے) اپنے پتا کی اچھے پرتھنا کرنے جا رہے ہیں۔ لیکن بندھو در یہ کیا بات ہے کہ تم کو ایسا مہان گھٹنا کی خبر نہیں! کیا یہ سمجھو ہے کہ کوئی دیودت یہ سوچنا لے کر اس قبر میں نہیں آیا؟

پاپ ناشی بولا۔ آہ! میری کچھ نہ پوچھو۔ میں اب اس کرپا کے یوگیہ نہیں ہوں اور اس برتھو پوری میں پرتھوں اور پشاپوں کے سیوا اور کوئی نہیں رہتا۔ میرے لیے ایشور سے پارتھنا کرو۔ میرا نام پاپ ناشی ہے جو ایک دھرم شرم کا ادھیکھ تھا۔ پرتھو کے سیوکوں میں مجھ سے ادھک دھکی اور کئی نہ ہوگا۔

پاپ ناشی کا نام سننے ہی سب یوگیوں نے کھجور کی ڈالیاں پلائیں اور ایک سُر میں

اس کی پرھنسا کرنے لگے۔ وہ تپسوی جو پہلے بولا تھا، دسے سے چونک کر بلا۔ کیا تم وہی سنت پاپ ناشی ہو جس کی تعول کرتی اتنی دکھیات ہو رہی ہے کہ لوگ انومان کرنے لگے تھے کہ کسی دن وہ پوجیہ انڈنی کی برابری کرنے لگے گا؟ شردھ پتا، قصیں نے تھاپس نام کی دیوتا کو ایٹور کے چروں میں رات کیا؟ قصیں کو تو دیواٹھا کر ایک اوج استھ کے شکھر پر بیٹھا آئے تھے، جہاں تم نیہ پر بھومج کے بھوج میں سنہلت ہوتے تھے۔ جو لوگ اس سے استھ کے نیچے کھڑے تھے، انھوں نے اپنے بھتروں سے تمھارا سورگ استھان دیکھا۔ دیو دوت کے پر شویت میگا ورن کی بھانتی تمھارے چاروں اور منزل بنائے تھے اور تم داہنا ہاتھ پھیلائے منشیوں کو اشیرواد دیتے جاتے تھے۔ دوسرے دن جب لوگوں نے قصیں وہاں نہ پایا تو ان کی شوک دھونی اس کٹ جین کے شکھر تک جا پہنچی۔ چاروں اور ہاہا کارچ گیا۔ لیکن تمھارے ہیچہ پلے وین نے تمھارے آتمورگ کی کھا کبی اور تمھارے آشرم کا ادیکھ بنایا گیا۔ کتو وہاں پال نام کا ایک مورکھ بھی تھا! شاید وہ بھی تمھارے شیشیوں میں تھا۔ اس نے جنم سنتی کے ورودھ کرنے کی چٹھا کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے سوہن میں دیکھا ہے کہ پشاج قصیں پکڑے لیے جاتا ہے۔ جتنا کو یہ سن کر بڑا کردھ آیا۔ انھوں نے اس کو پتھر سے مارنا چاہا۔ چاروں اور سے لوگ دوز پڑے۔ ایٹور ہی جانے کیسے مورکھ کی جان بچی۔ ہاں، وہ آوشیہ فک گیا۔ میرا نام جوزی مس ہے۔ میں ان تپویوں کا ادیکھ ہوں جو اس سے تمھارے چروں پر گرے ہوئے ہیں۔ اپنے شیشیوں کے بھانتی میں بھی تمھارے چروں پر سر رکھتا ہوں کہ پتروں کے ساتھ پتا کو بھی تمھارے شہ شبدوں کا پھل مل جائے۔ ہم لوگوں کو اپنے اشیرواد سے شانتی دیجیے۔ اس کے بعد ان آلوکک کرتیوں کا بھی ورن کیجیے جو ایٹور آپ کے دوارا پورا کرنا چاہتا ہے۔ ہمارا پرم سو بھاگیہ ہے کہ آپ جیسے مہان پُرش کے درشن ہوئے۔

پاپ ناشی نے آتھر دیا۔ بندھو در، تم نے میرے وٹے میں جو دھارنا بنا رکھی ہے وہ تمھارے کوسوں دور ہے۔ ایٹور کی مجھ پر کرپا درشی ہوتی تو دور کی بات ہے، میں اس کے ہاتھوں کھوڑ غم یا تائیں بھوگ رہا ہوں۔ میری جو دُرگت ہوئی ہے اس کا ورنانت سنانا ویرتھ ہے۔ مجھے استھ کے شکھر پر دیودوت نہیں لے گئے تھے۔ یہ لوگوں کی متعیا کلپنا ہے۔ واستو میں میری آنکھوں کے سامنے ایک پردہ پڑ گیا اور مجھے کچھ سوچ نہیں پڑتا۔ میں سوہن جیون وجت کر رہا ہوں۔ ایٹور وٹکھ ہو کر ماٹو۔ جین سوہن کے سامان ہے۔ جب میں نے

اسکندریہ کی یاترا کی تھی تو تھوڑے ہی سے میں مجھے کتنے ہی دادوں کے سننے کا اوسر ملا اور مجھے گمات ہوا کہ بھرائی کی سیوا گزرتا سے پڑے ہے۔ وہ بچہ میرا چچا کیا کرتی ہے اور میرے چاروں طرف نگینوں کی دیوار کھڑی ہے۔

جوسس نے اثر دیا۔ پوجیہ پیتا، آپ کو اسرار رکھنا چاہیے کہ سنت گمن اور منکھیت ایکانت سیوی سنت گمن بھیگنکریا تاؤں سے چڑت ہوتے رہتے ہیں۔ اگر یہ سنتہ نہیں ہے کہ دیودت تمھیں لے گیا تو اوشیہ ہے ستان تمھاری مورتی اتھوا چھایا کا ہوا ہوگا، کیوں کہ پلے دین، تھوی اور ورشکوں نے اپنی آنکھوں سے تمھیں ومان پر لا پر جاتے دیکھا۔

پاپ ناشی نے سنت انونی کے پاس جا کر ان سے اشیرواد لینے کا نچھہ کیا۔ بولا۔ بندھو جزی مس مجھے بھی کھجور کی ایک ڈالی دے دو اور میں بھی تمھارے لیے پتا انونی کا درشن کرنے چلوں گا۔

جزی مس نے کہا۔ بہت اچھی بات ہے۔ تھویوں کے لے سینک ودھان ہی اُپونک ہے کیوں کہ ہم لوگ ایشور کے سپاہی ہیں۔ ہم اور تم اومسٹھاتا ہے، اس لیے آگے آگے چلیں اور یہ لوگ بھجن گاتے ہوئے ہمارے پیچھے پیچھے چلیں گے۔

جب سب لوگ یاترا کو چلے تو پاپ ناشی نے کہا۔ برہما ایک ہے کیوں کہ وہ ستیہ ہے اور سنسار انیک ہے کیوں کہ وہ استیہ ہے۔ ہمیں سنسار کی سبھی دستوں سے منھ موڑ لینا چاہیے۔ ان میں بھی جو دیکھنے سے سرودا بردوش جان پڑتی ہے۔ ان کی بہوروپا انھیں اتنی منوبارینی بنا دیتی ہے جو اس بات کا پرہنگھ پرمان ہے کہ وہ دوفت ہے۔ اسی کارن میں کسی کمل کو بھی شانت نزل ساگر میں ہلتے ہوئے دیکھتا ہوں تو مجھے آتم دیدنا ہونے لگتی ہے، اور چت مالن ہو جاتا ہے۔ جن دستوں کا گیان اندریوں ذوارا ہوتا ہے، وے سبھی تیاہ ہیں۔ رینو کا ایک اٹو بھی دوشوں سے رہت نہیں، ہمیں اس سے سشاک رہنا چاہیے۔ سبھی دستوں ہمیں بہکاتی ہیں، ہمیں راگ میں رت کراتی ہیں۔ اور استری تو ان سارے پرلھمنوں کا یوگیہ ماتر ہے جو واپو منزل میں پھولوں سے لہراتی ہوئی پرتھوی پر اور سوچھ ساگر میں دھرن کرتے ہیں۔ وہ پڈش دھنیہ ہے جس کی آتم بند ذوار کے سامان ہے۔ ہوی پڈش سوکھی ہے جو کوٹکا، بہرا، اندھا ہونا جانتا ہے، اور جو اس لیے سنسارک دستوں سے اگیات رہتا ہے کہ ایشور کا گیان پرلہت کرے۔

جوزی مَس نے اس کھن سے اچھن پر دھار کرنے کے بعد اثر دیا۔ پوجیہ پتا، تم نے اپنی آتما میرے سامنے کھول کر رکھ دی ہے، اس لیے آدھیک ہے کہ میں اپنے پاؤں کو تمہارے سامنے سوکار کرں۔ اس بھانجی ہم اپنی دھرم پر تھا کے انوسار پرہر اپنے اپنے اپراہوں کو سوکار کر لیں گے۔ یہ برت دھارن کرنے کے پہلے میرا سنسارک جیون اتھت دُر و اسنامیہ تھا۔ مدورا مگر میں، جو میٹھاؤں کے لیے پرشدھ تھا، میں ناا پرکار کے ولاس بھوگ کیا کرتا تھا۔ نیہ پرتی راتری سے جوان ویشہ گامیوں اور دینا بجانے والی استریوں کے ساتھ شراب پیتا، اور ان میں جو پسند آتی اسے اپنے ساتھ گھر لے جاتا۔ تم جیسے سادھو پُرش کلپنا بھی نہیں کر سکتا کہ میری پرچنڈ کا مٹرتا مجھے کس سیمانک لے جاتی تھی، بس اتنا ہی کہہ دینا پرپایت ہے کہ مجھ سے وداہت بچتی تھی نہ دیو کنیا، اور میں چاروں اُور دے بھچپار اور دھرم پھیلایا کرتا تھا۔ میرے ہردے میں کواسناؤں کے سیوا کسی بات کا دھیان ہی نہ آتا تھا۔ میں اپنی اندریوں کو مدیرا سے انجھت کرتا تھا اور -تمہارے میں مدیرا کا سب سے بڑا پیٹو سمجھا جاتا تھا۔ تپس پر میں عیسائی دھرم والی تھی، اور صلیب پر چڑھائے گئے مسیح پر میرا اٹل وشواس تھا۔ اپنی سپورن سمجھتی بھوگ ولاس میں اڑانے کے بعد میں ابھاء کی دیدناؤں سے وکل ہونے لگا تھا کہ میں نے رینگیلے سچروں میں سب سے بلوان پُرش کو یکا یک ایک بھینکر روگ میں گرسٹ ہوتے دیکھا۔ اس کا شریر دنوں دن جھمن ہونے لگا۔ اس کی ٹانگیں اب اسے سنبھال نہ سکتی، اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ پھٹھل پڑ گئے، اس کی جیوتی ہین آنکھیں بند رہنے لگیں۔ اس کے کٹھ سے کراہنے کے سیوا اور کوئی دھونی نہ نکلتی۔ اس کا من، جو اس کی دیہ سے بھی اوجھک آکیہ پریمی تھا، پندرا میں گمن رہتا۔ پشوؤں کی بھانجی دیوہار کرنے کے دڈ سوروپ ایٹور نے اسے پش ہی کا انوروپ بنا دیا۔ اپنی سمجھتی کے ہاتھ سے نکل جانے کا کارن میں پہلے ہی سے کچھ دھار شیل اور سکی ہو گیا تھا۔ کٹھو ایک پرم متر کی دودر شا سے وہ رنگ اور بھی گہرا پر بھاء پڑا کہ میں نے سنسار کو تیاگ دیا اور اس مردوبھوی میں چلا آیا۔ وہاں گت میں برسوں سے میں ایسی شانتی کا آندھ اٹھا رہا ہوں، جس میں کوئی وگمن نہ پڑا۔ میں اپنے تپوی شیشیوں کے ساتھ -تمہا سے جولاء، راج، بڑھی اتھوا لکھ کا کام کیا کرتا ہوں، لیکن جو پوچھو تو مجھے لکھنے میں کوئی آندھ نہیں آتا، کیوں کہ میں گرم کو دھار سے شریشٹھ سمجھتا ہوں۔ میرے دھار ہیں کہ مجھ پر ایٹور کی دیا درشتی ہے کیوں کہ گھور سے گھور پاؤں میں آسکت رہنے پر بھی میں نے کبھی آشا نہیں

چھوڑی۔ یہ نبھاؤ من سے ایک چمن کے لیے بھی دور ہوا کہ پر م پتا مجھ پر اوشیہ کرپا۔
کریں گے۔ آشا دیکھ کو جلائے رکھنے سے اندھکار مٹ جاتا ہے۔

یہ باتیں سن کر پاپ ناشی نے اپنی آنکھیں آکااش کی اور اٹھائیں اور یوں گھہ کی۔
بھگوان! تم اس پرانی پر دیا درشی رکھتے ہو جس پر دیکھی چار، ادھر م اور وشیہ بھوک جیسے پاپوں
کی کھیا پتی ہوئی ہیں، اور مجھ پر جس نے سد یو تیری آگیاؤں کا پالن کیا۔ کبھی تیری اچھا اور
اپدیش کے درودھ آچرن نہیں کیا، تیری اتنی کرپا ہے؟ تیرا نیاے کتنا رہے سے ہے اور تیری
دیو ستیا میں کتنی درگرا ہیہ؟

جوزی مس نے اپنے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ پوجیہ پتا، دیکھیے، چھج کے دونوں اور کالی۔
کالی شکر کھلائیں چلی آرہی ہیں، مانو چینیاں کسی انیہ استھان کو جارہی ہوں۔ یہ سب ہمارے
سہ یاتری ہیں جو پتا اینٹونی کے درشن کو آرہے ہیں۔

جب یہ لوگ ان یاتریوں کے پاس پہنچے تو انھیں ایک وصال درشیہ دکھائی دیا۔
تپسیوں کی سینا تین درحد اردھ گولا کار پنکتنیوں میں دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ پہلی شری میں
مرد بھوی کے درودھ تپسوی تھے، جن کے ہاتھوں میں صلیبیں تھیں اور جن کی داڑھیاں زمین کو
چھو رہی تھیں۔ دوسری پنکتنی میں ایفرایم اور سیرا پین کے تپسوی اور نیل کے عورتی پرانت کے
درت دھاری وراج رہے تھے۔ ان کے پیچھے وے مہاترہ گن تھے جو اپنی دور درتی پہاڑوں
سے آئے تھے؟ کچھ لوگ اپنے سولائے اور سوکھے ہوئے شریر کو بنا سلے ہوئے چھتروں سے
ڈھکے ہوئے تھے۔ دوسرے لوگوں کی دیہہ پر دستروں کی جگہ کیول زکٹ کی ہڈیاں تھیں جو
پنت کی ڈالیوں کو اینٹھ کر بانڈھ لی گئیں تھیں۔ کتنے ہی بالکل ننگے تھے لیکن ایٹور نے ان کی
نگلنا کو بھیر کے گھنے گھنے بالوں سے چھپا دیا تھا۔ سبھی کے ہاتھوں میں کھجور کی ڈالیاں تھیں۔
ان کی شوبا ایسی تھی مانو پنے کے اندر دھنل ہوں اتھوا ان کی اپنا سورگ کی دیواروں سے جی
سکتی تھی۔

اتنے دسترت جن سموہ میں ایسی سو دیو ستا چھائی ہوئی تھی کہ پاپ ناشی کو اپنے اوصین
اسٹھ تپسیوں کو کھوج لگانے میں لیش ماز بھی کھٹائی نہ پڑی۔ وہ ان کے سمپ جا کر کھڑا
ہو گیا، کتھو پہلے اپنے منہ کو کنٹھ سے اچھی طرح ڈھک لیا کہ اسے کوئی پہچان نہ سکے اور ان
کی دھارک آکاٹھا میں بادھا نہ پڑے۔

سہا انکھے کنٹھوں سے سنگن بھیدی ناد اٹھا۔ وہ مہاتما، وہ مہاتما آئے! دیکھو وہ موکت آتما ہے جس نے نرک اور شیطان کو پرست کر دیا ہے۔ جو ایشور کا چیتا، ہمارا پوجیہ پتا اینٹونی ہیں!

تب چاروں اور سناٹا چھا گیا اور پرتیک مستک پرتھوی پر جھک گیا۔ اس دسترن مردستھل میں ایک پربت کے ٹکڑے پر سے مہاتما اینٹونی اپنے دو پر یہ ششویں کے ہاتھوں کے سہارے، جن کے نام کیرلیس اور میتھس تھے آہستہ سے اتر رہے تھے۔ وہ دیرے دیرے چلتے تھے پر ان کا شریر ابھی تک تیر کی بھانتی سیدھا تھا اور اس سے ان کی اسادھارن فحشی پرکٹ ہوتی تھی۔ ان کی شویت داڑھی چوڑی چھاتی پر پھیلی ہوئی تھی اور ان کے منڈے ہوئے چکنے سر پر پرکاش کی ریکھائیں یوں جھگڑا رہی تھیں مانو موسیٰ پیغیر کا مستک ہو۔ ان کی آنکھوں میں عقاب کی آنکھوں کی سی تھیر جیوتی تھی، اور ان کے گول کپولوں پر بالکوں کی سی مدھر مکان تھی۔ اپنے بھٹکوں کو آشیرداد دینے کے لیے وہ اپنی ہانہیں اٹھائے ہوئے تھے، جو ایک شتابدی کے اسادھارن اور ادیشرانت پریشرم سے جر جر ہو گئی تھیں، انت میں ان کے کھ سے یہ پریم سے شبد لہرت ہوئے۔ ”اے جیکب، تیرے منڈپ کتنے وشال، اور اے اسرائیل تیرے شامیانے کتنے سکھ سے ہیں!“

اس کے ایک چھن کے اپرانت وہ جیتی جاگتی دیوار ایک سرے سے دوسرے سرے تک مدھر میکھ دھونی کی بھانتی اس بھجن سے کجھرت ہو گئی۔ دھنے ہے وہ پرانی جو ایشور بھیرود ہیں!

اینٹونی میتھس اور کیرلیس کے ساتھ وردھ تھسویوں، وردھادیوں اور برہماچاریوں کے چچ میں سے ہوتے ہوئے نکلے۔ یہ مہاتما جس نے سوررگ اور نرگ دونوں ہی دیکھا تھا، یہ تھسوی جس نے ایک پربت کے ٹکڑے پر بیٹھ ہوئے عیسائی دھرم کا سچا لٹن کیا تھا، یہ رشی جس نے دھرمیوں اور ناستیکیوں کا قافیہ نگ کر دیا تھا، اس سے اپنے پرتیک پتر سے اسٹیپہ سے شبدوں میں بولتا تھا اور پرسپیہ لٹھ ان سے دوا مانگتا تھا: کتھو آج اس کی سورگ یا نرک کا شبد دوس تھا۔ پریم پتا ایشور نے آج اپنے لاڈلے بیٹے کو اپنے یہاں آنے کا نمٹرن دیا تھا۔

اس نے ایفرام اور سرے چین کے ادھیکشیوں سے کہا۔ تم دونوں بہو سکھیک سیناؤں کے نھرتو اور سچا لین میں گسل ہو، اس لیے تم دونوں سورگ میں سورن کے سینک دستر دھارن

کرد گے اور دیودوتوں کے غیا میکانیکل اپنی سیناؤں کے سینا پتی کی پدوی قصیں پر دان کرو گے۔
 وردھ پالم کو دیکھ انھوں نے اسے آٹکن کیا اور بولے۔ دیکھو، یہ میرے سمست
 پتروں میں بچن اور دیا لوں ہیں۔ اس کی آتما سے ایسی منور سربھی پر سلوٹ ہوتی ہیں جیسی
 گلاب کی کلیوں کے پھولوں سے، جنھیں وہ غیہ بوتا ہے۔“

سنت جوزیس کو انھوں نے ان شبدوں میں سمحودت کیا۔ تو، کبھی الیٹوریہ دیا اور
 چھما سے زراش نہیں ہوا، اس لیے تیری آتما میں الیٹوریہ شانتی کا نواس ہے۔ تیری سوکیرتی کا
 کل تیرے کو کرموں کی کچھڑ سے اودے ہوا ہے۔

ان کے سبھی بھاشاؤں سے دیو بدھی پر کٹ ہوتی تھی۔

وردھجھوں سے انھوں نے کہا۔ الیٹور کے سنگھاسن کے چاروں اور اتی وردھ پڑش
 نقول وستر پہنے، سر پر سورن ٹکٹ دھارن کیے بیٹھے رہتے ہیں۔

یووک ورنڈ کو انھوں نے ان شبدوں میں سائنوتا دی۔ پرسید رہو، ادا سینتا ان لوگوں
 کے لیے چھوڑ دو جو سنسار کا سکھ بھوگ رہے ہیں!

اس بھانتی سب سے فس فس کر باتیں کرتے، اپدیش دیتے اپنے دھرم پتروں کی سینا
 کے سامنے سے چلے جاتے تھے سہا پاپ ناشی انھیں سمپ آتے دیکھ کر ان کے چروں پر مگر
 پڑا۔ اس کا ہر دیہ آشا اور بھے سے ودرین مور ہا تھا۔

میرے پوجیہ چتا میرے دیا لو پتا! اس نے مانک ویدنا سے بیڑت ہو کر کہا۔ پر یہ
 پتا، میری بانہہ پکڑیے، کیوں کہ میں بمنور میں بھا جاتا ہوں۔ میں نے قتالیں کی آتما کو الیٹور
 کے چروں پر سرپت کیا، میں نے ایک اونچے استھ کے ٹکھر پر اور ایک قبر کی کندرا میں تپ
 کیا ہے، بھوی پر رگڑ کھاتے کھاتے میرے متک میں اونٹ کے ٹھنوں کے سامان گھٹنے پڑ
 گئے ہیں۔ تس پر بھی الیٹور نے مجھ سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ پتا، مجھے آشیر داد دیجیے اس سے
 میرا ادھار ہو جائے گا۔

کنٹو اینٹونی نے اس کا کچھ اثر نہ دیا۔ اس نے پاپ ناشی کے شھیوں کو ایسی تھور
 درشتی سے دیکھا جس کے سامنے کھڑا ہونا مشکل تھا۔ اتنے میں ان کی نگاہ مورکھ پال پر جا
 پڑی۔ وہ ذرا دیر اس کی طرف دیکھتے رہے، پھر اسے اپنے سمپ آنے کا سکیت کیا۔ چونکہ
 سبھی آدمیوں کو دسے ہوا کہ وہ مہاتما اس مورکھ اور پاگل آدمی سے باتیں کر رہے ہیں، ات ایو

ان کی ہنکا کا سادھان کرنے کے لیے انھوں نے کہا۔ ایٹور نے اس ویکی پر جتنی تسلسلہ پرکٹ کی ہے اتنی تم میں سے کسی پر نہیں۔ ہتر پال، اپنی آنکھیں اوپر اٹھا اور مجھے ہٹا کہ تجھے سورگ میں کیا دکھائی دیتا ہے۔

بدھی بن پال نے آنکھیں اٹھائیں۔ اس کے کھ پر تیز چھا گیا اور اس کی دانی کت ہوئی۔ بولا۔ میں سورگ میں ایک دیا بھی ہوئی دیکھتا ہوں جس میں سنہری اور بیگنی چادریں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے پاس تین دیو کنیاں بیٹھی ہوئی بڑی چوکی سے دیکھ رہی ہیں کہ کوئی انیہ آتا اس کے کٹ نہ آنے پائے۔ جس سداوت ویکی کے لیے دیا بھائی مئی ہے اس کے سوائے کوئی کٹ نہیں جاسکتا۔

پاپ ناشی نے یہ سمجھ کر کہ یہ دیا اس کی حکیرتی کی پر بچا یک ہے، ایٹور کو دھنیہ واد دینا شروع کیا۔ کتو سنت ایٹونی نے اسے چپ رہنے اور سورکھ پال کی باتوں کو سننے کا سکیت کیا۔ پال اسی آٹولاس کی دھن میں بولا۔ تینوں دیو کنیاں مجھ سے باتیں کر رہی ہیں۔ وہ مجھ سے کہتی ہیں کہ ٹھیکر ہی ایک دودھی مرتیہ لوک سے پرستمان کرنے والی ہیں۔ اسکندریہ کی تھاپس مرتسیہ ہیں؛ اور ہم نے یہ دیا اس کے آدر ستکار کے بہت تیار کی ہے، کیوں کہ ہم تینوں اسی کی دھوتیاں ہیں۔ ہمارے نام ہیں بھکتی، بھے اور پریم!

ایٹونی نے پوچھا۔ پر یہ ہتر، تجھے اور کیا دکھائی دیتا ہے؟

سورکھ پال نے ادھ سے اور ہرو تک شونیہ درشتی سے دیکھا، ایک شیج، سے دوسری شیج تک نظر دوڑائی۔ سہا اس کی درشتی پاپ ناشی پر جا پڑی۔ دیوی بھے سے اس کا منہ پیلا پڑ گیا اور اس کے ہنروں سے اور شہ جوالا نکلنے لگی۔

اس نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ میں تین پٹاچوں کو دیکھ رہا ہوں جو امگ سے بھرے ہوئے اس ٹھیلے کو پکڑنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کا آکار ایک اٹسمہ کی بھاتی ہے، دوسرے کا ایک استری کی بھاتی اور تیسرے کا ایک جادوگر کی بھاتی تینوں کے نام گرم لوہے سے داغ دیے ہیں۔ ایک کا مسک پر، دوسرے کا پیٹ پر اور تیسرے کا چھاتی پر، اور دے نام ہیں، ”آہنگاز“، ولاس۔ پریم اور ہنکا۔ بس، مجھے اور کچھ نہیں سوچتا۔

یہ کہنے کے بعد پال کی آنکھیں پھرنش پر بھ ہو گئیں، منہ نیچے کو لٹک گیا اور وہ

پوروت سیدھا سادہ معلوم ہونے لگا۔

جب پاپ ناشی کے ششیہ گن اینٹونی کی اور بھت اور سنٹک بھاو سے دیکھنے لگے تو انھوں نے یہ شبہ کہے۔ ایٹور نے اپنی بچی دیوستھا سنا دی۔ ہمارا کرتویہ ہے کہ ہم اُس کو شرودھاریہ کریں اور چپ رہیں۔ اسنوش اور گھہ اس کے سیوکوں کے لیے لیکٹ نہیں۔

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ سور یہ نے استا پل کو پران کیا اور اسے اپنے ارون پرکاش سے آلوکیت کر دیا۔ سنت اینٹونی کی چھایا دیوی لیا سے اتیت درگھہ روپ دھارن کر کے ان کے پیچھے، ایک اہت غالیچے کی بھانتی پھیلی ہوئی تھی، کہ سنت اینٹونی کی اسرتی بھی اس بھانتی درگھہ جیوی ہوگی، اور لوگ اہت کال تک اس کا لیش گاتے رہیں گے۔

کنٹو پاپ ناشی وجر اہت کی بھانتی کھڑا رہا۔ اسے نہ کچھ سوچتا تھا نہ کچھ سنائی دیتا تھا یہی شبہ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ تھالیں مرنا سن ہے!

اسے کبھی اس بات کا دھیان ہی نہ آیا تھا۔ بیس درشوں تک زنتر اس نے مومیائی کے سر کو دیکھا تھا، ہرتیو کا سوروپ اس کی آنکھوں کے سنکھہ رہتا تھا۔ پر یہ دچار کہ مرتیو ایک دن تھالیں کی آنکھیں بند کر دے گی، اسے گھور آٹھر یہ میں ڈال رہا تھا۔

”تھالیں مر رہی ہے! ان شبدوں میں کتنا دسمیکاری اور بھینکر آشیہ ہے! تھالیں

مر رہی ہے، وہ اب اس لوک میں نہ رہے گی، تو پھر سور یہ کا، پھولوں کا، سردوروں کا اور سمت سرشی کا آدشیہ ہی کیا؟ اس برہتاٹھ کی کیا آدیشکا ہے۔ سہا وہ جھپٹ کر چلا۔ اسے دیکھوں گا، ایک بار پھر اس سے ملوں گا!“ وہ دوڑنے لگا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے، کنٹو اہت

پریرنا اسے اوٹکل روپ سے لکشہ کی اور لیے جاتی تھی، وہ سیدھے نیل ندی کی اور چلا جا رہا

تھا۔ ندی پر اسے پالوں کا ایک سمو تیرتا ہوا دکھائی پڑا۔ وہ کود کر ایک نوکا میں جا بیٹھا، جسے

حشی چلا رہے تھے، اور وہاں نوکا کے مستول پر پیٹھ ٹیک کر مورت آنکھوں سے یاترا مارگ کا

اسرن کرتا ہوا، وہ کرودھ اور دیدنا سے بولا۔ آہ! میں کتنا مورکھ ہوں کہ تھالیں کو پہلے ہی اپنا

نہ کر لیا جب سے تھا۔ کتنا مورکھ ہوں کہ سمجھا کہ سنار میں تھالیں کے سوا اور بھی کچھ ہے! کتنا

پاگل پن تھا! میں ایٹور کے دچار میں، آتھوڈھار کی چتا میں، اہت جیون کی آکا کٹھما میں

رت رہتا؛ مانو تھالیں کو دیکھنے کے بعد بھی ان پاکھنڈوں میں کچھ مہتو تھا۔ مجھے اس سے کچھ

نہ سوچا کہ اس استری کے جمن میں اہت سکھ بھرا ہوا ہے، اور اس کے بنا جیون نر تھک ہے،

جس کا مولیہ ایک دو سو پن سے ادھیک نہیں، مورکھ! تو نے اسے دیکھا، پھر بھی تجھے پر لوک کے سکھوں کی اچھائی رہی! ارے کار، تو اسے دیکھ کر بھی ایثور سے ڈرتا رہا! ایثور سورگ! اتادی! یہ سب کیا گورکھ دھندا ہے! ان میں رکھا ہی کیا ہے، اور کیا وہ اس آند کا الپانش بھی دے سکتے ہیں جو تجھے اس سے ملتا۔ ارے ابھامکے، ز بدھی، متھیا دادی، مورکھ جو تھالیں کے ادھروں کو چھوڑ کر ایثور یہ کرپا کو انتر کھوجتا رہا! تیری آنکھوں پر کس نے پردہ ڈال دیا تھا۔ اس پرانی کا ستیاناس ہو جائے جس نے اس سے تجھے اندھا بنا دیا تھا۔ تجھے دیوی کوپ کا کیا بھے تھا۔ جب تو اس کے پریم کا ایک جھن بھی آند اٹھا لیتا پر تو نے ایسا نہ کیا۔ اس نے تیرے لیے اپنی بانہیں پھیلا دی تھیں، جن میں مانس کے ساتھ پھولوں کی گندھ مشرت تھی، اور تو نے اس کے املت و کش کے انوپم سدھا ساگر میں اپنے کو پلوت نہ کر دیا۔ تو نیہ اس دویش دھونی پر کان لگائے رہا جو تجھ سے کہتی تھی، بھاگ بھاگ! اندھے! ہا شوک! پچا تاپ! ہا نراش! نرک میں اسے کبھی نہ بھولنے والی گھڑی کی آند اسرتی لے جانے کا اور ایثور سے یہ کہنے کا اوسر ہاتھوں سے نکل گیا کہ میرے مانس کو جلا میری دھمیوں میں جتنا رکت ہے اسے چوس لے، میری ساری ہڈیوں کو چور چور کر دے، لیکن تو میرے ہر دیہ سے اس سکھ اسرتی کو نہیں نکال سکتا، جو چرکال تک مجھے گندھت اور پر مودت رکھے گی! تھالیں مر رہی ہے! ایثور تو کتنا ہاسیہ پد ہے! تجھے کیسے بتاؤں کہ میں تیرے نرک لوک کو تجھ سمجھتا ہوں، اس کی ہنسی اڑاتا ہوں! تھالیں مر رہی ہے وہ میری کبھی نہ ہوگی، کبھی نہیں، کبھی نہیں!

نو کا تیز دھارا کے ساتھ بہتی جاتی تھی اور وہ دن کے دن پیٹ کے بل پڑا ہوا برابر کہتا تھا۔ کبھی نہیں! کبھی نہیں! کبھی نہیں!!

تب یہ وچار آنے پر کہ اس نے اوروں کو اپنا پریم رس پکھایا کیول میں ہی ونجت رہا اس نے سنار کو اپنے پریم کی لہروں سے پلاوت کر دیا اور میں اس کے ہونٹوں کو بھی نہ تر کر سکا۔ وہ دانت پیس کر اٹھ بیٹھا اور انتر ویدنا سے چلانے لگا۔ وہ اپنے نٹوں سے اپنی چھاتی کو کھر وچنے اور اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کانٹے لگا۔

اس کے من میں یہ وچار اٹھا۔ یدی میں اس کے سارے پریمیوں کا سنہار کر دیتا تو کتنا اچھا ہوتا ہے۔

اس ہتھیا کا ٹڈ کی کلپنا نے اسے سرس ہتھیا ترشنا سے آندولت کر دیا۔ یہ سوچنے لگا کہ

وہ نیاس کا خوب آرام سے مزے لے کر دودھ کرے گا اور اس کے چہرے کو دیکھتا رہے گا کہ کیسے اس کی جان نکلتی ہے۔ جب اکسات اس کا کرودھا دیگ دروی بھوت ہو گیا۔ وہ رونے اور سسکنے لگا وہ دین اور نمر ہو گیا۔ ایک اگیات نے شیلٹا نے اس کے چت کو کوئل بنا دیا۔ اسے یہ آکا نکٹھا ہوئی کہ اس نے بال پن کے ساتھی نیاس کے گلے میں ہاتھیں ڈال دیں اور اس سے کہے۔ نیاس، میں تمہیں پیار کرتا ہوں کیوں کہ تم نے اس سے پریم کیا ہے۔ مجھ سے اس کی پریم چرچا کرو۔ مجھ سے وہ باتیں کہو جو وہ تم سے کیا کرتی تھی۔

لیکن ابھی تک اس کے ہر دیہ میں ان واکیہ بان کی نوک زنتر چوبھ رہی تھی۔ تھالیں مر رہی ہے۔

پھر وہ پریمنٹ ہو کر کہنے لگا۔ او دن کے اجالے! اونٹا کے آکاش۔ دیپکوں کی رُدیہ چھٹا۔ او آکاش، او جموتی ہوئی چوٹیوں والے ورکشوں! او دن جنٹوؤں! او گرہ پشوؤں! او منشیوؤں کے چٹت ہر دیہوں! کیا تمہارے کان بہرے ہو گئے ہیں؟ تمہیں سنائی نہیں دیتا کہ تھالیں مر رہی ہے؟ مند سیرن نزل پرکاش، منوہر سنگدھ! ان کی اب کیا ضرورت ہے؟ تم بھاگ جاؤ لپت ہو جاؤ! او بھو منڈل کے روپ اور وچار! اپنے منہ چھپا لو مٹ جاؤ! کیا تم نہیں جانتے کہ تھالیں مر رہی ہے کہ وہ سنار کے مادھر یہ کاکیندر تھی جو دستو اس کے سمپ آتی تھی وہ اس کی روپ جیوتی سے پرتی بہت ہو کر چک اٹھتی تھی۔ اسکندریہ کے بھوج میں جتنے دودان گیانی، وردھ اس کے سمپ بیٹھتے تھے ان کے وچار کتنے چٹا کر شک تھے، ان کے بھاش کتنے سرس! کتنے ہنس مکھ لوگ تھے! ان کے ادھروں پر مدھر مسکان کی شوبھا تھی اور ان کے وچار آند بھوک کی سنگدھ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تھالیں کی چھایا ان کے اوپر تھی، اس لیے ان کے مکھ سے جو کچھ نکلتا وہ سندر، ستیہ اور مدھر ہوتا تھا! ان کے کھنن ایک شھر ابھکتی سے انکرت ہو جاتے تھے۔ شوک! وہ شوک سب اب سوپن ہو گیا۔ اس سکھ سے ابھینے کا انت ہو گیا۔ تھالیں مر رہی ہے! وہ موت مجھے کیوں نہیں آتی۔ اس کی موت سے مرنا میرے لیے کتنا سوا بھاگ اور سرل ہے! لیکن ادا بھاگے، نکٹے، کار پروش، او نراش اور وشاد میں ڈوبی ہوئی در اتھا، کیا تو مرنے کے لیے ہی بنائی گئی ہے؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ تو مرتیو کا سواد چکھ سکے گا؟ جس نے ابھی جیون کا مرم نہیں جانا، وہ مرنا کیا جانے؟ ہاں اگر البشور ہے، اور مجھے دھ دے تو میں مرنے کو تیار ہوں، سنتا ہے او البشور، میں تجھ سے گھربا کرتا ہوں

سنتا ہے! میں تجھے کوستا ہوں! مجھے اپنے انہی دھروں سے مجسم کر دے، میں اس کا بھٹک
ہوں، یہ میری بڑی اہمیت ہے۔ تو مجھے انہی کڈ میں ڈال دے۔ تجھے انجھٹ کرنے کے لیے،
دیکھ، میں تیرے کھ پر تھوکتا ہوں۔ میرے لیے انت نرک واس کی ضرورت ہے۔ اس کے بنا
یہ اپار کر دھ شانت نہ ہوگا جو میرے ہر دیہ میں کھڑک رہا ہے۔

دوسرے دن پرات کال الہنا نے پاپ ناشی کو اپنے آشرم میں کھڑے پایا۔ وہ اس کا
سوامت کرتی ہوئی بولی۔ پوجیہ پتا، ہم اپنے شانتی بھون میں تمہارا سوامت کرتے ہیں کیوں
کہ آپ اوشیہ ہی اس و دوشی کی آتما کو شانتی پردان کرنے آئے ہیں جسے آپ نے یہاں
آشریہ دیا ہے آپ کو ودیت ہوگا کہ الیشور نے اپنی اسم کرپا سے اسے اپنے پاس بلایا ہے۔ یہ
سامچار آپ سے کیوں کر چھا، وہ سکتا تھا جسے سورگ کے دوتوں نے مروستھل کے اس سرے
سے اس سرے تک پہنچا دیا ہے۔؟ تمہارے میں تھالیں کا شہ انت نکٹ ہے۔ اس کے
آتمودھار کی کریا پوری ہوگئی اور میں سوکھمتہ آپ پر یہ پرکٹ کر دینا اچت سمجھتی ہوں کہ جب
تک وہ یہاں رہی، اس کا دیو ہار اور اچن کیسا رہا آپ کے چلے جانے کے پشچات جب وہ
آپ کی مہر لگائی ہوئی کئی میں ایکانت سیون کے لیے رکھی گئی، تو میں نے اس کے بھوجن کے
ساتھ ایک بانسری بھی بھیج دی، جو ٹھیک اسی پرکار کی تھی جیسی زنتکیاں بھوج کے اوسروں پر بجایا
کرتی ہیں میں نے یہ ویوستا اس لیے کی جس میں اس کا چت اداس نہ ہو اور وہ الیشور کے
سامنے اس سے کم سنگیت چاڑھے اور کشا کرتا نہ پرکٹ کرے جتنی وہ منشیوں کے سامنے دکھاتی
تھی۔ انوبھو سے سدھ ہوا کہ میں نے ویوستا کرنے میں دور درشتیا اور چتر پر پیچے سے کام
لیا، کیوں کہ تھالیں دن بھر بانسری بجا کر الیشور کا کیرتی گان کرتی رہتی تھی اور انے دیو
کنیا کیں، جو اس کی جنسی کی دھونی سے آکرشت ہوتی تھیں، کہتیں۔ ہمیں اس گان میں سورگ
کنبوں کی بلبل کی چھک کا آند ملتا ہے! اس کی سورگ سنگیت سے سارا آشرم بکھرت ہو جاتا
تھا۔ جھک بھی اتایا اس کھڑے ہو کر اسے من کر اپنے کان پوڑ کر لیتے تھے۔ اس بھانتی تھالیں
تپشچریا کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ساڈھ دنوں کے بعد وہ دوار جس پر آپ نے موہر لگادی تھی،
آپ ہی آپ کھل گیا اور وہ مٹی کی مہر نوٹ گئی یہ مٹی اسے کسی منشیہ نے چھوا تک نہیں۔ اس
لکشمین سے مجھے گمات ہوا کہ آپ نے اس کے لیے جو پراچھت نیت کیا تھا، وہ پورا ہو گیا
اور الیشور نے ان کے سب اپرادھ چھا کر دیے۔ اسی سے وہ میری انیہ دیو کنیاؤں کے

سادھارن جیون میں بھاگ لینے لگی ہیں۔ انھیں کے ساتھ کام دھندا کرتی ہیں، انھیں کے ساتھ دھیان اپناسا کرتی ہیں۔ وہ اپنے وطن اور دیوہار کی نمرتا سے ان کے لیے ایک آدرش چتر تھی، اور ان کے چھ میں پورتا کی ایک مورتی سی جان پڑتی تھی۔ کبھی کبھی وہ من ملن ہو جاتی تھی۔ کتو دے گٹائیں جلد ہی کٹ جاتی تھیں اور پھر سورہ کا دیست پرکاش پھیل جاتا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ اس کے ہر دیہ میں ایٹور کی پرتی بگھتی، آشا اور پریم کے بھاو اودت ہو گئے ہیں تو پھر میں نے ان کے ابھیہ کلا پیہ کا ایوگ کرنے میں دلچسپی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ میں اس کے سوندریہ کو بھی اس کی بہتوں کی دھرم نیکی کے لیے کام میں لائی۔ میں نے اس سے سدگرنتھ میں وریت دیوکنیاؤں اور ودوشیوں کی کیرتیوں کا ابھینے کرنے کے لیے آدیش کیا۔ اس نے ایٹور، ڈیورا، جوڈتھ، لاج رس، کی بہن مریم، تھا پر بھوسج کی ماتا مریم کا ابھینے کیا۔ پوجیہ پتا، میں جانتی ہوں کہ آپ کا سینم شیل من ان دھارک کرتیوں کے دھار ہی سے کپت ہوتا ہے، لیکن آپ نے بھی یدی اسے ان دھارک درشیوں میں دیکھا ہوتا تو آپ کا ہر دے پلکت ہو جاتا۔ جب وہ اپنے کجور کے پتوں سے سندر ہاتھ آکاش کی اور اٹھاتی تھی تو اس کے لوچنوں سے سچے آنسوؤں کی ورشا ہونے لگتی تھی۔ میں نے بہت دنوں تک استری سودائے پر شاشن کیا ہے اور میرا یہ نیم ہے کہ ان کے سوبھاؤ اور پرورتیوں کی اوہیلنا نہ کی جائے۔ سبھی بیجوں میں ایک سان پھول نہیں نکلتے، نہ سبھی آتماکس سان روپ سے نروت ہوتی ہیں۔ یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے کہ تھالیں نے اپنے کو ایٹور کے چروں پر اس سے ارپت کیا جب اس کا کھ کھل پورن وکاس پر تھا اور ایسا آتم سرپن اگر دھیہ نہیں، تو برلا اوشیہ ہے۔ یہ سوندریہ جو اس کا سوبھاوک آدورن ہے، تیس ماس کے دیشم تاپ پر بھی ابھی تک زہر بھ نہیں ہوا ہے۔ اپنی اس بیماری میں اس کی زنتر یہی لھھا رہی ہے کہ آکاش کو دیکھا کرے۔ اس لیے میں غیہ پراتہ کال اسے آگن میں کنوئیں کے پاس، پرانے انجیر کے درکھش کے نیچے، جس کی چھایا میں اس آشرم کی اومٹھاتریاں اپدیش کیا کرتی ہیں، لے جاتی ہوں۔ دیالوں پتا، وہ آپ کو وہیں لے گی۔ کتو جلدی کیجیے کیونکہ ایٹور کا آدیش ہو چکا ہے اور آج کی رات وہ کھ کنن سے ڈھک جائے گا جو ایٹور نے اس جگت کو لھت اور اتاسہت کرنے کے لیے بنایا ہے۔ یہی سوروپ آتما کا سنہار کرتا تھا، یہی اس کا اڈھار کرے گا۔

پاپ ناشی المینا کے پیچھے پیچھے آگن میں گیا جو سورہ کے پرکاش سے آہٹاوت ہو رہا

تھا۔ اینٹوں کی چھت کے کناروں پر شویت کھوتوں کی ایک مکنا مالا سی بنی ہوئی تھی۔ انجیر کے درکھش کی چھانہد میں ایک حیا پر تھائیں ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا کھ شری وچن ہو گیا تھا۔ اس کے پاس کئی استریاں منہ پر نقاب ڈالے کھڑی اتم سنکار سوچک گیت گا رہی تھیں۔

پر م پتا، مجھ دین پرانی پر

اپنی سپریم دسلسا سے دیا کر

اپنی کردنا درشتی سے

میرے اپرا دھوں کو چھما کر۔

پاپ ناشی نے پکارا۔ تھائیں !

تھائیں نے پلکیں اٹھائیں اور اپنی آنکھوں کی پتلیاں اس کنٹھ دھونی کی اور پھیری۔

الہینا نے دیوکنیاؤں کو پیچھے ہٹ جانے کی آگیاں دی، کیوں کہ پاپ ناشی پر اس کی

چھایا پڑنا بھی دھرم درودھ تھا۔

پاپ ناشی نے پھر پکارا۔ تھائیں !

اس نے اپنا سر دھیرے سے اٹھایا۔ اس کے پیلے اونٹوں سے ایک ہلکی سانس نکل

آئی۔

اس نے جھیمزور میں کہا۔ پتا، کیا آپ ہیں؟ آپ کو یاد ہے کہ ہم نے سوتے سے

پانی پیا تھا اور چھوہارے توڑے تھے؟ پتا، اسی دن میرے بر دے میں پریم کا اجمیودیہ ہوا۔

است جیون کے پریم کا!

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی اس کا سر پیچھے کو جھک گیا۔

نیم دو توں نے اسے گھیر لیا تھا۔ اور اتم پران ویدنا شویت بوندوں نے اس کے ماتھے

کو آدر کر دیا تھا۔ ایک کیوتر اپنے ارون کرندن سے اس استھان کی نیر دتا کو بھنگ

کر رہا تھا۔ تب پاپ ناشی کی سسکیاں دیوکنیاؤں کے بھجوں کے ساتھ بستر ت ہو گئیں۔

مجھے میری گھیمادوں سے بھلی بھانتی پوتر کر دے اور میرے پاؤں کو دھو دے، کیوں کہ

میں اپنے کو کرموں کو سو پکار کرتی ہوں، اور میرے پاتک میرے نھروں کے سنکھ اہستھت

ہیں۔

سہا تھائیں اٹھ کر حیا پر بیٹھ گئی۔ اس کی بیٹنی آنکھیں پھیل گئیں، اور وہ تلین ہو کر

ہانبوں کو پھیلائے ہوئے دور کی پہاڑیوں کی اور تاکنے لگی۔ تب اس نے اسپٹ اور اٹھکل سور میں کہا۔ وہ دیکھو، ایتھ پر بھات کے گلاب کھلے ہیں۔

اس کی آنکھوں میں ایک دچر اسپورتی آگئی، اس کے منکھ پر ہلکا سا رنگ چھا گیا۔ اس کی جیون جیوتی چمک اٹھی تھی، اور وہ پہلے سے بھی ادھک سندر اور پرسن بدن ہو گئی تھی۔

پاپ ناشی گھنٹوں کے بل بیٹھ گیا، اپنی لمبی، پتلی، ہانبیں اس کے گلے م میں ڈال دی، اور بولا۔ ایسے سوروں سے جسے وہ سویم نہ پہچان سکتا تھا کہ یہ میری ہی آواز ہے۔ پر یہ، ابھی مرنے کا نام نہ لے! میں تجھ پر جان دیتا ہوں۔ ابھی نہ مر! تھالیں سن، کان دھر کر سن، میں نے تیرے ساتھ چھل کیا ہے، تجھے دغا دیا ہے۔ میں سویم بھرائی میں پڑا ہوا تھا۔ الیٹور، سورگ، آدی یہ سب زرتھک شبد ہیں، مٹھیا ہیں۔ اس ایک جیون سے بڑھ کر اور کوئی دستو، اور کوئی پدارتھ نہیں ہے۔ مانو پریم ہی سنسار میں سب سے اتم رتن ہے۔ میرا تجھ پر ایتھ پریم ہے۔ ابھی نہ مر۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا، تیرا مہتو اس سے کہیں ادھیک ہے، تو مرنے کے لیے بنائی ہی نہیں گئی۔ آ میرے ساتھ چل! یہاں سے بھاگ چلیں۔ میں تجھے اپنی گود میں اٹھا کر پرتھوی کی اس سیما تک لے جا سکتا ہوں۔ آ، اس پریم میں مگن ہو جائیں پر یہ، سن، میں کیا کہتا ہوں۔ ایک بار کہہ دے، میں جیون گی۔ میں جینا چاہتی ہوں! تھالیں اٹھ، اٹھ!

تھالیں نے ایک شبد بھی نہ سنا اس کی درشتی ایتھ کی اور لگی ہوئی تھی۔

انت میں وہ زنبل سور میں بولی۔ سورگ کے دوار کھل رہے ہیں، میں دیو دوتوں کو، نبیوں کو اور سنتوں کو دیکھ رہی ہوں۔ میرا سرل ہر دے تھیوڈر انھیں میں ہے۔ اس کے سر پر پھولوں کا مٹھ ہے، وہ مسکراتا ہے، مجھے پکار رہا ہے۔ دو دیو دوت میرے پاس آئے ہیں، وہ ادھر چلے آ رہے ہیں..... وہ کتنے سندر ہیں! میں الیٹور کے درشن کر رہی ہوں!

اس نے ایک پرمکھن اٹھتھ واس لیا اور اس کا سر نیچے پر پیچھے گر پڑا۔ تھالیں کا پرانانت ہو گیا! سب دیکھتے ہی رہ گئے، چڑیا اڑ گئی۔

پاپ ناشی نے اتم بار، زراش ہو کر، اس کو گلے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں اسے ترشا، پریم اور کرودھ سے پھاڑے کھاتی تھیں۔

الینا نے پاپ ناشی سے کہا۔ دور ہو، پاپی، پٹاچ!

اور اس نے بڑی کوتاہی سے اپنی اٹھلیاں رت بالیکا کی پلکوں پر رکھیں۔ پاپ ناشی

بیچے ہٹ گیا، جیسے کسی نے دھکا دے دیا ہو۔ اس کی آنکھوں سے جوا لال نکل رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پیروں کے تلے پر تھوی پھٹ گئی ہے۔

دیوانیائیں زکریا کا بھجن گا رہی تھیں۔

اسرائیلوں کے خدا کو کوئی دھنیہ داد

اکسات ان کے کٹھ اور دودھ ہو گئے، مانو کسی نے گلا بند کر دیا انھوں نے پاپ ناشی

کا ٹکھ دیکھ لیا اور بھیڑ ہو چلاتی ہوئی بھاگیں۔ ڈاؤر! ڈاؤر! ڈاؤر!!!!

وہ اتنا گھنٹا ہو گیا تھا کہ جب اس نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر پھیرا، تو اسے سویم

گیات ہوا کہ اس کا سو روپ کتنا وکرت ہو گیا ہے!



شیشی کا آرمیہ

(عدن کی وادیا، تیسرے پہر کا ہے۔ ایک بڑا سانپ اپنا سر پھولوں کی ایک کیاری میں چھپائے ہوئے اور اپنے شریر کو ایک برکش کی شاخاؤں میں لپیٹے پڑا ہے۔ برکش بھلی بھانتی چڑھ چکا ہے، کیونکہ شرشی کے دن ہمارے انومان سے کہیں ادھیک بڑے تھے۔ سرپ اس دیکتی کو نہیں دکھائی دے سکتا جس کو اس کی ودھانتا کا گیان نہیں ہے، کیونکہ اس کے ہرے اور بھورے رنگ کے میل سے ڈھوکا ہوتا ہے۔ اس کے ٹکٹ ہی پھولوں کی کیاری سے ایک اونچی چٹان دکھائی دے رہی ہے۔ یہ چٹان اور برکش، دونوں ایک ہریالی کے کنارے پر ہیں، جس میں ایک ہرن کا بچہ مرا اور سوکھا ہوا پڑا ہے اور اس کی گردن ٹوٹ گئی ہے۔ آدم اپنے ایک ہاتھ کے سہارے چٹان پر جھکا ہوا برت شریر کو بچے بھیت ہو کر دیکھ رہا ہے، اس نے اپنی بائیں اور سرپ کو نہیں دیکھا ہے۔ وہ داہنی اور مڑتا ہے اور گھبرا کر پکارتا ہے۔)

آدم۔ ڈا، ڈا۔

آدم۔ کیا ہے، آدم؟

آدم۔ یہاں آؤ، فیکھر، کچھ ہو گیا ہے!

آدم۔ (دوڑ کر) کیا، کہاں؟ (آدم ہرن کے بچے کی اور سکیت کرتا ہے۔) اوہ! (وہ)

اس کے پاس جاتی ہے اور آدم کو بھی اس کے ساتھ جانے کا سامس ہوتا ہے) اس کی آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے؟

آدم۔ کیول آنکھیں نہیں، یہ دیکھو! (اس کو ٹھکراتا ہے۔)

آدم۔ ارے۔ یہ نہ کرو، یہ جاگتا کیوں نہیں؟

آدم۔ معلوم نہیں، سو نہیں رہا ہے۔

آدم۔ سو نہیں رہا ہے؟

آدم۔ دیکھو تو!

آدم۔ (ہرن کے بچے کو ہلانے اور اٹنے کی جوشٹھا کرتے ہوئے) یہ تو کھنور اور ٹھنڈا

ہو گیا ہے!

آدم۔ کوئی دستو اس کو جگا نہیں سکتی؟

آدم۔ اس میں تو دھڑ گندہ ہے، اوہ! (اپنا ہاتھ جھاڑتی ہے اور اس کے پاس سے

ہٹ جاتی ہے۔) کیا تم نے اسے اسی دشامیں پایا تھا؟

آدم۔ نہیں، ابھی کھیل رہا تھا کہ ٹھوکر کھا کر لڑکھڑاتا ہوا گر پڑا، پھر وہ ہلا تک نہیں اور اس کی گردن میں کوئی دوش ہو گیا ہے۔ (گردن اٹھا کر ڈاکو دکھانے کے لیے جھکتا ہے۔)

ڈا۔ مت چھوڑو، اس کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ (دونوں پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور تھوڑی دور سے اس لوتھ پر بڑھتی ہوئی گھرناسے دُچار کرتے ہیں)

ڈا۔ آدم

آدم۔ ہاں!

ڈا۔ مان لو کہ تم ٹھوکر کھا کر گر پڑو تو کیا تم بھی اسی طرح چلے جاؤ گے؟

آدم۔ اوہو! تمہرا جاتا ہے اور چٹان پر بیٹھ جاتا ہے۔

ڈا۔ (اس کے پارشوں میں بیٹھ کر اور اس کے گھٹنوں کو پکڑ کر) تم کو اس کا دھیان رکھنا چاہیے پر تنکیا کرو کہ دھیان رکھو گے۔

آدم۔ دھیان رکھنے سے لالچ کیا؟ ہم کو یہاں سدیو رہنا ہے، دیکھتی ہو، سدیو کے کیا ارتھ ہیں۔ ایک نہ ایک دن میں بھی ٹھوکر کھا جاؤں گا اور گر پڑوں گا۔ ممکن ہے کل ہی، اور سلسلہ ہے اتنے دنوں بعد جتنی کہ اس باغ میں چٹیاں ہیں اتھو اندی کے کنارے بالو کے کن (काग) ہیں۔ تا تیر یہ یہ کہ میں بھول جاؤں گا اور ٹھوکر کھا جاؤں گا۔

ڈا۔ میں بھی؟

آدم۔ (بیسے بھیت ہو کر) نہیں، نہیں! میں اکیلا رہ جاؤں گا اور سدا کے لیے۔ تم کبھی اپنے کو اس دجتنی میں نہ ڈالنا۔ تم چلا نہ کرو، چپ چاپ بیٹھی رہا کرو، میں تمہاری رکشا کروں گا۔ اور جس دستو کی تم کو آڈھیکتا ہوگی۔ سویم لا کر دوں گا۔

ڈا۔ (کانپتے ہوئے اس کی اور سے منہ پھیر کر اپنی کہنیوں کو پکڑ کر) میں اس طرح جلد گھبرا جاؤں گی۔ اس کے سوا تمہارا یہ پرینام ہوا تو پھر میں اکیلے رہ جاؤں گی۔ اس سے بے کار بیٹھی نہ رہ سکوں گی۔ اور انت میں میرا بھی وہی پرینام ہوگا۔

آدم۔ اور پھر؟

ڈا۔ پھر ہم نہیں ہوں گے کیول پشو پکشی اور سرپ ہوں گے۔

آدم۔ یہ نہ ہونا چاہیے۔

آدم — ہاں، نہ ہونا چاہیے، کتو ہو سکتا ہے۔

آدم — نہیں، کہتا ہوں کہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔

آدم — ہم دونوں جانتے ہیں، لیکن کیسے جانتے ہیں؟

آدم — باغ میں ایک 'شبد' ہے جو جھکو باتیں بتایا کرتا ہے۔

آدم — باغ تو شبدوں سے پورن ہے، جو میرے سر میں نئے نئے دھار لاتے رہتے

ہیں۔

آدم — میرے لیے کیول ایک شبد ہے جو مجھے سے اتنا کٹ ہے، مانو میرے بھیتر

سے آ رہا ہو۔

آدم — آٹھ یہ ہے کہ میں تو پرتیک دستو میں شبد سنتی ہوں اور تم کیول ایک شبد اپنے

بھیتر سنتے ہو مگر کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو شبدوں کے دھارا نہیں، کتو میرے بھیتر سے آتی

ہیں۔ اور یہ دھار کہ 'میرا کبھی ناش نہیں' میرے بھیتر سے آیا ہے۔

آدم — لیکن ہم نفٹ ہو جائیں گے۔ اس ہرن کے بالک کی بھانٹی ہم بھی

گریں گے، اور (اٹھ کر گھبراہٹ میں ادھر ادھر ٹپٹپٹے لگتا ہے۔) میں اس دھارا کا تاج نہیں سہ

سکتا۔ مجھے اس کی آدھیکنا نہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ پھر بھی یہ نہیں

جانتا کہ کس پرکار روکوں۔

آدم — میں بھی یہی انبوہ کرتی ہوں۔ آٹھ یہ کی بات ہے کہ تم اس پرکار کہہ رہے

ہو۔ تم کو کسی دشام میں کل نہیں! تم سدو اپنا دھار بدلتے رہتے ہو۔

آدم — (ڈانٹ کر) یہ کیوں کہتی ہو؟ میں نے اپنا دھار کب بدلا ہے؟

آدم — تم کہتے ہو کہ ہمارا ناش نہ ہونا چاہیے۔ لیکن تمہیں اس کی شکایت کیا کرتے

تھے کہ ہم کو یہاں سدو رہنا ہے، کسی کسی سے تم گھٹنوں مون دھارن کیے ہوئے دھارا کرتے

ہو اور من ہی من میں مجھ پر کردھت رہتے ہو۔ جب میں پوچھتی ہوں کہ میں نے کیا کیا

ہے، تو تم کہتے ہو کہ تمہارے دھپے میں نہیں کتو اپنے یہاں سدو رہنے کی دھتی پر دھیان کر

رہا تھا۔ پرتو میں سمجھتی ہوں کہ جس دستو کو تم دھتی کہتے ہو وہ یہاں سدو میرے ساتھ رہنا

ہے۔

آدم — تم یہ کیوں دھارتی ہو؟ نہیں، تم بھول کرتی ہو (وہ پھر گدھ ہو کر بیٹھ جاتا

ہے) مول و مٹی تو سدیو اپنے ساتھ رہتا ہے۔ میں تم کو چاہتا ہوں، پرنٹو اپنے کو نہیں چاہتا۔ میں کچھ اور ہونا چاہتا ہوں۔ اس سے اچھا میں چاہتا ہوں کہ میرا بار بار پھر سے آرمہ ہوتا رہے۔ جس پرکار سرپ کچل بدلتا رہتا ہے، اسی پرکار میں بھی اپنے کو بدلتا رہوں۔ میں اپنے سے ادب گیا ہوں۔ پرنٹو مجھ کو کسی نہ کسی پرکار سہن کرتا ہے۔ ایک دن یا کئی دن کے لیے ہی کیوں، کتنو سدیو کے لیے یہ ایک بھے بھیت کر دینے والا وچار ہے۔ اسی پر مون ہو کر وچار کیا کرتا ہوں۔ اور کھید کرتا ہوں۔ کیا تم نے کبھی اس پر وچار نہیں کیا؟

آدم۔ میں اپنے دھپے میں وچار نہیں کرتی اس سے کیا لا بھ؟ میں جو ہوں سو ہوں۔ کوئی دستو اس کو بدل نہیں سکتی۔ میں تمہارے سبندھ میں وچار کرتی رہتی ہوں۔

آدم۔ یہ ٹھیک نہیں، تم سدیو میری کھوج میں لگی رہتی ہو۔ تم کو سدیو یہ جاننے کی چتا رہتی ہے کہ میں کیا کرتا رہتا ہوں۔ یہ تو ایک بار گیات ہوتا ہی۔ اس کی جگہ کہ اپنے کو میرے ساتھ لگائے رکھو تم کو یہ یقین کرنا چاہیے کہ تمہارا ایک اپنا نجی استو پر تھک ہو۔

آدم۔ مجھ کو تمہارا دھیان رکھنا ہے۔ تم سست ہو، ملین رہتے ہو، اپنا دھیان نہیں رکھتے۔ پرتی چمن سوپن دیکھتے رہتے ہو۔ یدی میں اپنے کو تمہارے ساتھ لگائے نہ رکھوں، تو تم ذہن بھوجن کرنے لگو گے اور گھرنا کے یوگہ ہو جاؤ گے۔ اس پر میرے اتنے دیکھتے رہنے پر بھی تم کسی دن مستک کے بل گر پڑو گے اور مرینک ہو جاؤ گے۔

آدم۔ مرینک؟ یہ کون سا شبد ہے؟

آدم۔ (ہرن کے بچے کی اور سکیت کر کے) اس کی بھانٹی۔ میں اس کو مرینک کہتی

ہوں۔

آدم۔ (انھ کے بچے کے پاس جاتے ہوئے) اس میں کوئی آپر یہ بات معلوم ہوتی

ہے۔

آدم۔ (آدم کے پاس جاتے ہوئے) یہ تو شویت چھوٹے کیڑوں کے روپ میں

بدل رہا ہے۔

آدم۔ اس کو ندی میں پھینک آؤ۔ یہ اسبہ ہو رہا ہے۔

آدم۔ میں اس کو اسپرٹ کرنے کی سانس نہیں کر سکتی۔

آدم۔ تو میں ہی پھینک آتا ہوں، یہ چھی مجھے اس سے گھرنا ہو رہی ہے۔ یہ ہوا کو

دشے کر رہا ہے۔

(کھروں کو اپنے ہاتھ میں لے کر شو کو۔ جھاسکو اپنے شریر سے دور لٹکائے ہوئے اس اور جاتا ہے، جس اور سے ہوا آئی تھی)

ۛا۔ (اس کی اور ایک چھن تک دیکھتی رہتی ہے، پھر گھرنا کی ایک جھجک کے ساتھ پٹان پر بیٹھ جاتی ہے اور کچھ دھارنے لگتی ہے۔ سرپ کا شریر منوہر نئے رنگوں سے چمکتا ہوا دیکھ پڑتا ہے۔ وہ پٹپوں کی کیاری سے دھیرے سے اپنا سر اٹھاتا ہے اور ۛا کے کان میں ایک ادبوت منوگدھکر، کتو سرلی دھونی میں کہتا ہے۔)

ۛا۔ کون ہے؟

سرپ۔ میں ہوں! تم کو اپنا سندرنوین چھن دکھانے آیا ہوں۔ دیکھو! (سندرنیل میں اپنا چھن پھیلا دیتا ہے۔)

ۛا۔ اہ! کتو تجھ کو بولنا کس نے سکھایا۔

سرپ۔ تم نے اور آدم نے! میں گھاس میں چھپ کر تمہاری باتیں سنا کرتا ہوں۔
ۛا۔ یہ تیری بڑی بدھیمانی ہے۔

سرپ۔ میں اس میدان کے پٹوؤں میں سب سے ادھیک چڑھوں۔
ۛا۔ تیرا چھن بہت سندر ہے (چھن کو چھپتپاتی ہے اور سرپ کو پیار کرتی ہے۔)
اچھے سرپ! کیا تو اپنی دیوی ماما ۛا کو چاہتا ہے؟

سرپ۔ میں اس کو پوجتا ہوں (ۛا کی گردن کو اپنی دوہری جھجھ سے چاٹتا ہے)
خوا۔ (اس کو پیار کرتی ہوئی) ۛا کے پرے سرپ! اب ۛا کبھی اکیلی نہ رہے گی۔
کیوں کہ اس کا سرپ باتیں کر سکتا ہے۔

سرپ۔ بہت سی دستوؤں کے دشے میں میں باتیں کر سکتا ہوں۔ میں بڑا بدھیمان ہوں۔ وہ میں ہی تھا جس نے تمہارے کان میں دھیرے سے وہ شبد کہہ دیا تھا جو تم کو نہیں گیات تھا۔ مرتیو، مرنا۔

ۛا۔ (کانپ کر) اس کی یاد کیوں دلاتا ہے؟ میں تیرا سندر چھن دیکھ کر اس کو بھول گئی تھی۔ تجھ کو اہماگی دستوؤں کی یاد نہیں دلانا چاہیے۔
سرپ۔ مرتیو بھاگیہ ہین دستو نہیں، یدی تم نے اس پر دجے پانا سکھ لیا ہے۔

حوا— میں مرتیو پر دجے کیسے پاسکتی ہوں؟
 سرپ— ایک دوسری دستو کے دوارا، جس کو اتھتی کہتے ہیں۔
 حوا— (اچارن کی جھٹھا کرتے ہوئے) ا..... ت..... پ..... تی۔
 سرپ— ہاں اتھتی۔

حوا— اتھتی کیا ہے؟
 سرپ— سرپ کبھی مرتا نہیں، تم کسی دن دیکھو گی کہ میں اس سندر کینچول سے ایک نیا سرپ بن کر، اور اس سے ادھیک سندر کینچول لے کر باہر نکل آؤں گا۔ یہی اتھتی ہے۔
 حوا— میں ایسا دیکھ چکی ہوں۔ بڑے آٹھریہ کی بات ہے۔

سرپ— میں بڑا چڑھ ہوں، جب تم اور آدم باتیں کرتے ہو تو میں تم کو 'کیوں' کہتے ہوئے سنتا ہوں۔ پرنتی سے کیوں تم میروں سے دستوؤں کو دیکھتی ہو اور کہتی ہو 'کیوں؟' میں سوپن میں دیکھتا ہوں اور کہتا ہوں "کیوں نہیں؟" "کیوں نہیں؟" میں نے مریک شبد کو اپنے آپ بنایا ہے، جس کا تاٹھریہ میری پرانی کینچول ہے، جس کو میں نے اپنی لوبٹا کے سے اتار کر پھینک دیا۔ اس نوین کو میں آتھن ہونا کہتا ہوں۔

حوا— اتھتی ایک سندر شبد ہے۔
 سرپ— کیوں نہیں؟ میری بھاتی بار بار اتھن ہو اور سد یو نوین اور سندر بنی رہو۔
 حوا— میں؟ اس لیے کہ ایسا ہوتا نہیں، اور کیوں نہیں۔

سرپ— کتھو وہ تو "کیسے" ہوا 'کیوں نہیں؟' تو نہیں ہوا۔ بتاؤ 'کیوں نہیں؟'
 حوا— پر میں اس کو پسند نہیں کروں گی۔ پھر سے نیا بن جانا اچھی بات ہے۔ کتھو میرا پرانا چولا پر تھوی پر بالکل میری بھاتی پڑا رہے گا اور آدم اس کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھے گا اور
 سرپ— نہیں، اس کی آدھیکتا نہیں، ایک دوسری اتھتی بھی ہے۔
 حوا— دوسری اتھتی!

سرپ— سنو، تم کو ایک عھاری ٹپٹ بھید بتاتا ہوں۔ میں بڑا بدھیماں ہوں۔ میں وچارتا رہتا ہوں۔ میں سنکپ کا پکا ہوں اور جس دستو کی مجھ کو آدھیکتا ہوتی ہے، اس کو پراہت کر لیتا ہوں۔ میں اپنے سنکپ سے کام لیتا رہتا ہوں اور میں نے وچر وچر دستوئیں کھائی ہیں، چھریب، جن کو کھاتے ہوئے تم بے ہیئت ہوتی ہو۔

ۛۛۛ تمھارا یہ سانس!

سرپ۔ مجھے پرتیک بات کا سانس ہوا اور انت میں مجھے ایسا ڈھنگ گیات ہو گیا جس سے اپنے جیون کا بھاگ اپنے شریر کے بھیتر سور کھٹ رکھ سکوں۔

ۛۛۛ جیون کسے کہتے ہیں؟

سرپ۔ وہ دستو جو مرگ اور جیو ہرن کے بالک میں اتتر کرتی ہو۔

ۛۛۛ کیسے سندر شبد ہیں اور کیسی آٹھر یہ جگ دستو ہے! 'جیون' سب شبدوں میں سب سے پر یہ شبد ہے۔

سرپ۔ ہاں جیون ہی پر وچار اور چٹا کرنے سے میں نے کرامات دکھانے کی شکتی پراپت کی ہے۔

ۛۛۛ کرامات؟ پھر ایک نوین شبد؟

سرپ۔ کرامات اس اسگت بات کو کہتے ہیں۔ جو سادھارنہ نہیں ہو سکتی، پرنو ہو جاتی ہے۔

ۛۛۛ مجھے کوئی کرامات؟ تاؤ، جو تم نے کی ہو۔

سرپ۔ میں نے اپنے جیون کا ایک بھاگ اپنے شریر میں اکثر ت کیا اور اس کو ایک گھر میں بند کیا جو ان پٹھروں سے بنا تھا، جس کو میں نے کھایا تھا۔

ۛۛۛ اس سے کیا لایجھ ہوا؟

سرپ۔ میں نے اس چھوٹے گھر کو دھوپ دکھائی اور سور یہ کی اٹھا (उष्णता) میں رکھ دیا۔ وہ پھٹ گیا اور اس سے ایک چھوٹا سرپ نکل آیا جو پرتی دن بڑھتا گیا، یہاں تک کہ میرے برابر ہو گیا۔ یہی تھی دوسری اتھتی۔

ۛۛۛ اوہو یہ تو اسم آٹھر یہ جگ ہے۔ یہ تو میرے بھیتر بھی چھٹا کر رہی ہے اور مجھ کو گھائل کیے ڈالتی ہے۔

سرپ۔ اس نے مجھے لگ بھگ پھاڑ ڈالا تھا، کٹو اس پر بھی میں جیوت رہا اور پھر اپنے چولے کو پھاڑ کر اپنے کو اسی پر کار اتھن کر سکتا ہوں۔ عدن میں لگ بھگ اتنے سرپ ہو جائیں گے۔ جتنے کہ میرے شریر پر پڑے ہیں۔ اس سے مرتیو کچھ نہ کر سکے گی۔ یہ سرپ اور وہ سرپ مرتے رہیں گے، پرنو سرپ شیش ہی رہے گا۔

ۛا۔ پرتو سرپ کے اتپرکت ہم سب کبھی نہ کبھی مر جائیں گے۔ اور تب کچھ اور شیش نہ رہے گا۔ سردتر سرپ ہی سرپ رہ جائیں گے۔

سَرپ۔ یہ نہ ہونا چاہیے۔ ۛا، میں تم کو پوجتا ہوں، میرے پوجن کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی دستو ہونی چاہیے، جو تمہاری بھانتی مجھ سے نمانت بھن ہو۔ کوئی دستو سرپ سے اُتم اوشیہ ہونی چاہیے۔

ۛا۔ ہاں یہ نہ ہونا چاہیے، آدم کا ناش نہ ہو۔ تم بڑے بدھیمان ہو بتاؤ، کیا کروں؟
سَرپ۔ سوچو، سنکپ کرو، مٹی کھاؤ، شویت پاشان کو چانو، اس سیب کو کھاؤ جس سے تم مجھے بھیت ہوتی ہو، سور یہ تم کو جیون دے گا۔

ۛا۔ سور یہ پر مجھ کو بھروسا نہیں۔ میں سویم ہی جیون دوں گی۔ میں اپنے شریر کو چیر کر دو سرا آدم نکالوں گی، چاہے ایسا کرنے میں میرے شریر کے کلوے کھرے کیوں نہ ہو جائیں!

سَرپ۔ اوشیہ سامس کرو۔ پرتیک بات سمجھو ہے، پرتیک بات سنو۔ میں بوڑھا ہوں۔ آدم اور ۛا سے بھی بوڑھا ہوں۔ مجھے اب تک 'للس' ۛۛ یاد ہے، جو آدم اور ۛا سے پہلے تھی۔ جس پرکار میں تم کو پرے ہوں اسی پرکار اس کو بھی تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اس کے سنگ کوئی پردش نہ تھا۔ جس پرکار ہرن کے بچے کو گرا ہوا دیکھ کر تم نے مرتیو دیکھ لی، اسی پرکار اس نے بھی دیکھ لیا تھا۔

تب اس کو دھیمان ہوا کہ نئے سرے سے اتچق ہونے کا اور میری بھانتی اپنے کو بدلنے کا کوئی اپائے نکالنا چاہیے۔ اس کا سنکپ بلوان تھا۔ وہ پرتین کرتی رہی اور جتنی اس وائیکا کے برکٹوں میں چٹاں ہیں، ان سے بھی ادھیک مہینوں تک وہ سنکپ کرتی رہی۔ اس کی پٹرا بھیا تک تھی اس کے گردن نے عدن کو اندرا سے شونیہ کر دیا تھا۔ اس نے کہا اب ایسا نہ ہونا چاہیے۔ نئے سرے سے جیون کا بھار اسہیہ ہے۔ ان کے لیے یہ کلیش اتجیت ادھیک

ۛۛ سادھارنیتا یہ کدوتی پرسدھ ہے کہ 'للس' آدم کی پہلی استری تھی۔ پتی کے ادھیا کے ڈٹر میں وہ عدن کی وائیکا سے نکال دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اب بھی سنسار میں دوہان ہے، پرتو دکائی نہیں پڑتی۔ وہ ۛا کی سنتان کی شرد ہے، استو جھوگا روگ اسی سے ہونا ماتا ہے، کٹو برناڈ شاللس' کو آدم اور ۛا دونوں کی ماتا سمجھتے ہیں۔

ہے اور جب اس نے اپنا شریر بدلا، تو ایک للٹس نہ تھی ورنہ دو تھیں ایک تمھاری بھانٹی، دوسری آدم کی بھانٹی۔ ایک ڈانٹھی، دوسرا آدم۔

ڈا۔ پر اس نے اپنے کو دو میں کیوں دھجکت کیا اور کیوں ہم کو ایک دوسرے سے دھمکت بنایا؟

سرپ۔ کہتا تو ہوں کہ یہ پریشم ایک کے بہن کرنے سے بہت ادھک ہے۔ اس میں دو کو سہلت رہنا چاہیے۔

ڈا۔ کیا تمھارا یہ تاہم یہ ہے کہ میرے ساتھ آدم کو بھی اس کٹ میں سہلت ہونا پڑے گا؟ نہیں، وہ سہلت نہیں ہوگا۔ وہ اس پریشم کو بہن نہیں کر سکتا اور نہ شریر پر کوئی کٹ اٹھا سکتا ہے۔

سرپ۔ اس کی آویٹھکتا نہیں، اس کے لیے کوئی پریشم نہ ہوگا، وہ سویم سہلت ہونے کے لیے تم سے ہارتھنا کرے گا۔ وہ اپنی بھٹا کے دارا تمھارے دس میں ہوگا۔
ڈا۔ تب تو ضرور کروں گی۔ لیکن کیسے؟ للٹس نے اس چنکار کو کیسے کیا تھا؟
سرپ۔ اس نے دھیان کیا۔

ڈا۔ ”دھیان کیا“ کیا دستو ہے؟

سرپ۔ اس نے مجھ سے لیک ایسی گھٹنا کی چٹ آکر شک کھٹکا درن کیا، جو ایک ایسی للٹس پر کبھی نہیں ہتی اور جو کبھی نہیں تھی۔ للٹس کو اس سے تک یہ نہیں گھیات تھا کہ ’یان‘ اتین کرنے کا آرمھ ہوتا ہے۔ تم بھی، جس دستو کی تم کو اچھا ہو، اس کا دھیان کرو، اس کا سٹکپ کرو، اور انت میں جس دستو کا سٹکپ کرو گی، اسے اتین کر لو گی۔

ڈا۔ کیول ’ناستی‘ سے میں کس پر کار کوئی دستو پیدا کر سکتی ہوں؟

سرپ۔ پرتیک دستو ’ناستی‘ ہی سے اتین ہوئی ہوگی۔ اپنے پٹھوں پر مانس کو دیکھو۔ یہ سدو وہاں نہیں تھا۔ جب میں نے پرتم ہارتم کو دیکھا تو تم برکش پر نہیں چڑھ سکتی تھی۔ پرنتو تم سٹکپ اور پرتین کرتی رہی، اور تمھارے سٹکپ نے کیول ’ناستی‘ سے تمھاری بانہوں پر مانس کا ایک لوتھڑا پیدا کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ تمھاری اچھا پورن ہو گئی اور تم ایک ایک ہاتھ کے بل اپنے کو کھینچ کر برکش کی اس ڈال پر بیٹھ جانے کے یوگیہ ہو گئی جو تمھارے سر سے اونچی تھی۔

ڈا۔ وہ تو ابھیاس تھا۔

سرپ۔ ابھیاں سے دستوں کھس جاتی ہیں، بڑھتی نہیں۔ تمہارے کیش ہوا میں
 رنگیں لے رہیں ہیں جیسے کھنچ کر بڑھ جانے کا پریقن کر رہے ہوں، پر تو ابھیاں کرنے پر بھی
 وہ بڑھ نہیں پاتے، کیوں اس لیے کہ تم نے سنکپ نہیں کیا ہے۔ جب للس نے کچھ دھیان کیا
 تھا، اس کا مون بھاشا میں (کیوں کہ اس سے تک شبد نہیں تھے) مجھ سے ورن کیا، تو میں
 نے اسے سستی دی کہ لٹھا کرو، پھر سنکپ کرو، اور ہم کو یہ دیکھ کر آٹھر یہ ہوا کہ جس دستو کی
 اس نے لٹھا کی تھی، اور سنکپ کیا تھا، وہ اس کے سنکپ کی گتی سے اپنے آپ اس کے بھیتر
 اتہن ہو گئی۔ تب میں نے بھی سنکپ کیا کہ اپنے کو بدل کر ایک کے بدلے دو بنا لوں۔ اور
 بہت دنوں بعد یہ چٹکار پرکٹ ہوا۔ میں اپنے پرانے چولے سے باہر نکلا۔ اس روپ میں
 ایک دوسرا سرپ مجھ سے لپٹا ہوا تھا، اور اب اتہن کرنے کے لیے دو دھیان ہیں، دو لٹھائیں
 ہیں اور دو سنکپ ہیں۔

حوا۔ لٹھا کرنا، دھیان کرنا، سنکپ کرنا، اتہن کرنا، یہ تو بڑی لمبی کہانی ہے۔ مجھے
 اس کے لیے کوئی ایک شبد بتا۔ تو تو شبدوں کا پاردرشی ہے!

سرپ۔ جتنا، اس سے دونوں تاہر یہ ہیں۔ دھیان کر کے آرمھ کرنا اور اتہن پر
 نہایت کر دینا۔

حوا۔ مجھ کو اس کہانی کے لیے کوئی ایک شبد بتا جس کا للس نے دھیان کیا اور جس
 کو تجھ سے مون بھاشا میں ورن کیا، وہ کہانی جو ایسی ادبھت تھی کہ ستیہ نہیں ہو سکتی تھی اور پھر
 بھی ستیہ ہو گئی۔

سرپ۔ ایک شیر۔

حوا۔ للس میری کون تھی؟ اب اس کے لیے کوئی شبد بتا۔

سرپ۔ وہ تمہاری ماما تھی۔

حوا۔ اور آدم کی بھی؟

سرپ۔ ہاں۔

حوا۔ (اٹھ کر) میں جاتی ہوں اور آدم سے جننے کے لیے کہتی ہوں۔

سرپ۔ (ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے)

حوا۔ (ویاٹھل ہو کر اور چونک کر) کیسی گھرنا پیدا کرنے والا شبد ہے۔ تجھ کو ہو کیا

گیا ہے؟ اس سے پہلے کسی کے منہ سے ایسا شبد نہیں نکلا۔

سرپ۔ آدم نہیں جن سکتا۔

حٰا۔ کیوں؟

سرپ۔ لئس نے اس کو ایسا دھیان نہیں کیا۔ وہ دھیان کر سکتا ہے، سنکپ کر سکتا ہے، وہ اپنے جیون کو سمیٹ کر ایک نئی رچنا کے لیے سو رکھت رکھ سکتا ہے۔ وہ سب کچھ اتہن کر سکتا ہے، سوائے ایک دستو کے، اور وہ ایک دستو اس کی اپنی دستو ہے۔

حٰا۔ لئس نے اس کو وچت کیوں رکھا؟

سرپ۔ اس لیے کہ یدی وہ ایسا کر سکتا، تو اس کو حٰا کی آدھلکا نہ ہوتی۔

حٰا۔ ٹھیک ہے، تو جتنا مجھ کو ہوگا۔

سرپ۔ ہاں، اسی کے دوارا اس کا تم سے سبندھ ہے۔

حٰا۔ اور میرا اس سے۔

سرپ۔ ہاں! اس سے تک، جب تک کہ تم دوسرا آدم نہ اتہن کرلو۔

حٰا۔ مجھے اس کا تو دھیان ہی نہ تھا۔ تو بہت بڑا ہے۔ کتو یدی میں دوسری حٰا پیدا کروں، تو سمجھو ہے کہ وہ اس کی اور جھک جائے اور میرے بارہ سکے۔ میں تو کوئی حٰا نہیں اتہن کروں گی۔ کیول آدم ہی آدم اتہن کروں گی۔

سرپ۔ حٰا کے بنا آدم اپنے جیون کو نت نیا نہ کر سکیں گے۔ کبھی نہ کبھی تم ہرن کی بچے کی طرح مر جاؤ گی اور بھی نئے آدم بنا حٰا کے اتہن کرنے میں اسر تھ رہیں گے۔ تم ایسے پرینام کا دھیان تو کر سکتیں ہو، کتو اس کی کا منا نہیں کر سکتیں، اس لیے سنکپ نہیں کر سکتیں، ات ایو کیول آدم ہی آدم اتہن نہیں کر سکتیں۔

حٰا۔ یدی ہرن کے بالک کے بھاتی مجھ کو مر جانا ہے، تو جو کچھ شیش ہے، وہ بھی کیوں نہ مر جائے؟ مجھے اس کی چتا نہیں۔

سرپ۔ جیون کو رکنا نہیں چاہیے۔ یہ سب سے پہلی بات ہے یہ کہنا اگیا تا ہے کہ تم کو چتا نہیں۔ یہی چتا ہے۔ جو تم کو ادھیہ چتا ہے جو تمہارے دھان کو انجٹ کرے گی، تمہاری اچھا کو بھڑکائے گی۔ تمہارے سنکپ کو اٹل بنائے گی۔ اور انت میں کیول ناسی سے اتہنی کرے گی۔

آدم — (سوچتے ہوئے) کیول تانتی جیسی تو کوئی دستونہیں ہو سکتی۔ باغ بھرا ہوا ہے، رکت نہیں ہے۔

سرپ — میں نے اس پر بھلی بھانتی دھیان نہیں کیا تھا۔ یہ ایک بلوان و چار ہے۔ ہاں، کیول تانتی جیسی کوئی دستونہیں۔ رستد یہ ایسی دستوئیں ہیں جن کو ہم دیکھتے نہیں۔ گرگٹ بھی ہوا کھاتا ہے۔

آدم — میں نے ایک اور بات و چاری ہے۔ میں اس کو آدم سے کہوں گی۔ (پکارتے ہوئے) آدم! آؤ! آؤ!

آدم کا شبد — او! او!

آدم — اس سے وہ پرسن ہوگا اور اس کے کھلائے ہوئے پیڑت چت کی چکتسا ہو جائے گی۔

سرپ — اس سے ابھی کچھ نہ کہو، میں نے تم کو بھاری بھید نہیں بتایا ہے۔

آدم — اب اور کیا بتانا ہے؟ یہ چنکار میرا کاریہ ہے۔

سرپ — نہیں، اس کو بھی اچھا اور سنکپ کرنا ہے۔ پرسن اس کو اپنی اچھا اور سنکپ تم کو دے دینا ہوگا۔

آدم — کیسے؟

سرپ — یہی تو بڑا گت بھید ہے۔ چپ، وہ آرہا ہے۔

آدم — (لوتے ہوئے) کیا وائیکا میں ہمارے شبد اور اس 'شبد' کے اتیرکت کوئی اور شبد بھی ہے؟ میں نے ابھی ایک نوین شبد سنا تھا۔

آدم — (اٹھتی ہے اور دوڑ کر اس کے نکٹ جاتی ہے) نکٹ و چار کرو آدم! ہمارے سرپ نے ہماری باتیں سن کر بولنا سکھ لیا ہے۔

آدم — (پرسن ہو کر) چچ چچ؟ (وہ اس کے نکٹ سے ہو کر پتھر کے پاس جاتا ہے اور سرپ کو پیار کرتا ہے)

سرپ — (پیار سے اتر دیتا ہے) ہاں، چچ چچ، پرے آدم!

آدم — مجھ کو اس سے بھی ادھیک آٹھریہ جنک باتیں کہنی ہیں۔ آدم، اب ہم کو سدو رہنے کی آدھشکتا نہیں۔

آدم— (آدیش میں سرپ کا سر چھوڑ دیتا ہے) کیا؟ ھا، اس دشنے میں مجھ سے کھیل نہ کرو۔ ایثار کرے، کسی دن ہماری سہاٹی ہو جاتی اور اس بھاتی کہ مالو نہیں ہوا۔ ایثار کرے، میں سدو رہنے کی دہتی سے چھٹکارا پاؤں۔ ایثار کرے اس وائیکا کا سنوارنا کسی دوسرے مالی کے سپرد ہو جائے۔ اور جو سر کچک اس 'شبد' کی اور سے نیوکت کیا گیا ہے، وہ سوتنز ہو جائے۔ ایثار کرے کہ سوپن اور شانی، جو پرتی دن مجھ کو یہ سب کچھ سن کرنے کے یوگیہ بنائے ہوئے ہے۔ کچھ کال میں اکھیہ ندرا اور شانی ہو جائے۔ کسی نہ کسی پرکار سے سہاٹی ہونی چاہیے۔ مجھ میں اتنی ہمتی نہیں کہ 'سدیوتا' کو سن کر سکوں۔

سرپ— تم کو آگامی گریشم (ग्रीष्म) تک بھی رہنے کی آدیشکتا نہیں اور پھر بھی کوئی سہاٹی نہیں ہوگی۔

آدم— یہ نہیں ہو سکتا۔

سرپ— ہو سکتا ہے۔

ھا— اور ہوگا۔

سرپ— ہو چکا ہے۔ مجھ کو مار ڈالو اور کل وائیکا میں تم دوسرا سرپ دیکھو گے۔ تمہارے ہاتھ میں جتنی انگلیاں ہیں، ان سے بھی ادھک سرپ تم کو ملیں گے۔

ھا— میں دوسرے آدم اور ھا اتین کروں گی۔

آدم— میں نے کہہ دیا کہ کہانیاں نہ گڑھو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

سرپ— مجھے اسرن ہے، جب تم آپ ہی ایک ایسی دستو تھے جو نہیں ہو سکتی تھی، کنتو پھر بھی تم ہو۔

آدم— (آٹھر یہ پورن ہو کر) یہ توج ہوگا۔ (پھر پر بیٹھ جاتا ہے)

سرپ— میں اس بھید کو ھا سے کہہ دوں گا۔ اور وہ تم کو بتادے گی۔

آدم— (ٹھیکھرتا سے سرپ کی اور مڑتا ہے اور اس دشا میں اس کا پیر کسی چٹکھن

(तीक्ष्ण) دستو پر پڑ جاتا ہے۔) اوہ!

ھا— کیا ہوا؟

آدم— کاشا ہے، پرتیک استھان پر کانٹے ہیں۔ وائیکا کو سہاونی بنانے کے لیے ان

کو سدو صاف کرتے کرتے تھک گیا۔

سرپ۔ کانٹے ٹیکھر نہیں بڑھتے۔ ابھی بہت سے تک دانیکا ان سے بھر نہیں سکے گی۔ اس سے تک نہیں بھر سکے گی جب تک کہ تم اپنا بوجھ اتار کر سدیو کے لیے سونے نہیں چلے جاؤ گے۔ تم اس کے واسطے کیوں ڈکھت ہو؟ نوین آدم کو اپنے لیے اپنا استھان آپ ہی صاف کرنے دو۔

آدم۔ یہ ستیہ ہے، تو اپنا بھید ہم کو بتا دے۔ دیکھو حوا! سدیو کے لیے یدی رہنا نہ پڑے۔ تو کیسا انجم ہو۔

حوا۔ (ویا کلتا کے ساتھ بھوی پر بیٹھ کر گھاس اکھاڑتے ہوئے۔) پردش کی یہی دشا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہم کو سدیو کے لیے نہیں رہنا ہے۔ اس پرکار باتیں کرنے لگے، مانو آج ہی ہماری سماپتی ہونے والی ہے! تم کو ان بھیا تک دستوں کو صاف کرنا ہے، نہیں تو جب کبھی اگیاننا میں ہم پیر اٹھائیں گے، تو گھایل ہو جائیں گے۔

آدم۔ ہاں، صاف تو اوشیہ کرنا ہے۔ پرنتو تھوڑا ہی۔ کل میں ان کو صاف کر ڈالوں گا۔

سرپ (ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے)!!!

آدم۔ یہ ادبھت کو لال ہے، مجھے سہانا لگتا ہے۔

حوا۔ مجھ کو تو اچھا نہیں لگتا۔ تو کس لیے چلاتا ہے؟

سرپ۔ آدم نے ایک نئی دستو نکالی ہے۔ ارتقات 'کل'۔ اب جب کہ شیش رہنے کا بوجھ تمھارے سر سے اٹھ گیا ہے، تم نئی دستوئیں نکالا کر دو گے۔

آدم۔ شیش رہنا؟ یہ کیا ہے؟

سرپ۔ یہ میرا شبد ہے جس سے تا تہر یہ سدیو کے لیے جیوت رہنا ہے۔

حوا۔ سرپ نے 'ہونے' کے لیے ایک سندر شبد بنایا ہے۔ 'جیون'۔

آدم۔ میرے لیے کوئی ایسا سندر شبد بتا دے جس سے 'ہونے' کام کرنا ابھیریت ہو، کیوں کہ سمکھوتہ یہ ایک بھاری اور پوتر اوشکار ہے۔

سرپ۔ ٹالنا۔

آدم۔ اتھیت پر یہ شبد ہے۔ البشور کرے، میں بھی سرپ کی سی بولی پائے ہوتا۔

سرپ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے، پر تیک بات سمکھو ہے۔

آدم۔ (اچانک مجھ سے چونک پڑتا ہے!) ارے!

ح۱۔ میری شافی! جیون سے میرا چھٹکارا!

سُرپ۔ 'مرتو'! اس کے لیے یہ شبد ہے۔

آدم۔ ٹالنے میں بڑا مجھ ہے۔

ح۱۔ کیا مجھ ہے؟

آدم۔۔۔ یدی مرتو کو کل پر ٹال دوں تو میں کبھی نہیں مروں گا۔ 'کل' کوئی دن نہیں،

اور نہ ہو سکتا ہے۔

سُرپ۔ میں بڑا بدھیمان ہوں، پرنتو منٹش وچار میں مجھ سے بھی ادھک گمبیر ہے۔

استری جانتی ہے 'کیول ناسی' کوئی دستو نہیں۔ پر دوش جانتا ہے کہ 'کل' کوئی دن نہیں۔ میں ان کو پوجتا ہوں ٹھیک کرتا ہوں۔

آدم۔ یدی مرتو کو پانا ہے تو مجھ کو کوئی سچا دن نیت کرنا چاہیے، کل نہیں۔ مجھ کو

کب مرنا چاہیے؟

ح۱۔ جب میں دوسرا آدم اتہن کر لوں، تو تم مر جانا۔ مگر نہیں، تمہارا جب جی چاہے،

مر جاؤ۔ (وہ اٹھتی ہے اور آدم کے پیچھے سے زپکش بھاؤ سے منبلی ہوئی برکش کے پاس جاتی ہے اور اس کے سہارے کھڑی ہو کر سُرپ کی گردن کو تھپتپاتی ہے۔)

آدم۔ پھر بھی کوئی ٹھیکر تا نہیں ہے۔

ح۱۔ دوت ہوتا ہے کہ تم اس کو 'کل' پر ٹالو گے۔

آدم۔ اور تم؟ کیا تم دوسری ح۱ اتہن کرتے ہی مر جاؤ گی؟

ح۱۔ میں کیوں مروں؟ کیا تم مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو۔ ابھی تم چاہتے تھے کہ

میں چپ چاپ بیٹھی رہوں اور چلا نہ کروں جس سے کہیں ہرن کے بچے کی بھائی ٹھوکر کھا کر مر نہ جاؤں اور اب تم کو میری پرداہ نہیں۔

آدم۔ اب اس میں اتنی ہانی نہیں ہے۔

ح۱۔ (سُرپ سے کردودھ میں) یہ مرتو جس کو دانیکا میں لے آیا ہے، ایک دپتی

ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں مر جاؤں۔

سُرپ۔ (آدم سے) کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مر جائے؟

آدم — نہیں، مرنا مجھ کو ہے حوا کو مجھ سے پہلے نہیں مرنا چاہیے، میں اکیلا رہ جاؤں گا۔

حوا — تم دوسری حوا پاؤ گے۔

آدم — یہ تو ٹھیک ہے پرنتو سمجھو ہے کہ وہ ٹھیک تمہاری جیسی نہ ہو۔ اور ہو نہیں سکتی، اس کو تو میں بھلی بھانٹی انوبھو کر رہا ہوں۔ اس کی وہ استریاں نہ ہوگی۔ وہ کیا ہوگی، میں اس کے لیے ایک شبد چاہتا ہوں۔

سرپ — اجنبی۔

آدم — ہاں، یہ ایک اچھا اور ٹھوس شبد ہے۔ ”اجنبی“۔

حوا — جب نوین آدم اور نوین حوا ہوں گی، تو ہم انبیوں کی وانیکا میں ہوں گے۔ ہم کو ایک دوسرے کی آویںھکتا ہے۔ (پرنتو آدم کے پیچھے آجاتی ہے اور اس کے منھ کو اپنی اور اٹھاتی ہے) آدم اس بات کو کبھی نہ بھولنا، کدراپی نہ بھولنا۔

آدم — میں کیوں بھولوں گا؟ میں نے تو اس کو سوچا ہے۔

حوا — میں نے بھی ایک بات سوچی ہے ہرن کا بچا ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور مر گیا، پرنتو تم چپ چاپ میرے پیچھے آسکتے ہو اور (وہ اچانک اس کے کندھوں کو دھکا دیتی ہے اور اس کو منہ کے بل ڈھکیل دیتی ہے۔) مجھ کو اس پرکار ڈھکیل سکتے ہو کہ میں مر جاؤں۔ یدی میرے پاس یہ ترک نہ ہوتا کہ تم میری مرتیو کی چٹھا نہیں کرو گے، تو میں سوچنے کا سانس نہ کرتی۔

آدم — (مارے بھے کے برکش پر چڑھنے لگتا ہے۔) تمہاری مرتیو کی چٹھا! کیا

بمیانک دپار ہے!

سرپ — مار ڈالنا، مار ڈالنا! یہ شبد ہے۔

حوا — نوین آدم اور حوا ہم کو مار ڈالیں گے۔ میں ان کو نہیں اتھن کر دوں گی۔ (وہ چٹان پر بیٹھ جاتی ہے اور آدم کو نیچے کھینچ کر اپنے پارشو (पार्श्व) میں کر لیتی ہے۔ اور اپنے داہنے ہاتھ سے اس کو پکڑے رہتی ہے)۔

سرپ — تم کو اتھن کرنا ہوگا، کیوں کہ یدی نہیں اتھن کر دوں گی تو ساپتی ہو جائیں گی۔

آدم — نہیں وہ ہم کو مار ڈالیں گے۔ وہ ہمارے بھانٹی انوبھو کریں گے۔ کوئی دستو

ان کو روکے گی۔ دائیکا کا شبد جس طرح ہم کو بتاتا ہے، اسی طرح ان کو بھی بتائے گا کہ مار ڈالنا نہیں چاہیے۔

سرپ— بانغ کا 'شبد' تمہارا اپنا شبد ہے۔

آدم— ہے بھی اور نہیں بھی۔ وہ مجھ سے بڑا ہے اور میں اس کا ایک بھاگ ہوں۔
 ۛۛۛ— دائیکا کا شبد مجھے تو تم کو مار ڈالنے سے نہیں روکتا۔ پھر بھی میں یہ نہیں چاہتی کہ تم مجھ سے پہلے مرو۔ اس کے لیے مجھے کسی شبد کی آویں لگنا نہیں۔

آدم— (اس کی گردن میں بانہ ڈال کر اور پر بھارت ہو کر) نہیں، بنا کسی شبد کے بھی یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے، کوئی نہ کوئی ایسی دستو ہے جو ہم کو ایک دوسرے سے سبندھت کیے ہوئے ہے، جس کے لیے کوئی شبد نہیں ہے۔

سرپ— پریم! پریم! پریم!

آدم— یہ تو ایک اتنی بڑی دستو کے لیے بہت چھوٹا سا شبد ہے۔

سرپ— (ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے)!

ۛۛۛ— (ادھیرتا سے سرپ کی اور مرکز) پھر وہی ہردے کھرپنے والا شبد! اس کو بند کر! تو ایسا کیوں کرتا ہے۔

سرپ— سمجھو ہے، پریم لگ بھگ ایک اتنی چھوٹی دستو کے لیے بہت بڑا شبد ہو جائے، پرنو جب تک یہ چھوٹا ہے، اس سے تک وہ اتنی دھڑکے گا۔

آدم— (دھیان کرتے ہوئے) تو مجھے حیران کر رہا ہے، میری پرانی دہتی یدھی بھاری تھی۔ پرنو سیدھی سادی تھی، جن ادھت دستوؤں کا تو وعدہ کر رہا ہے وہ مجھے مرتیو جیسی دویہ (द्विष) دھوتی دینے سے پہلے میرے استو کو الجھا سکتی ہے۔ میں ادیناشی جیون کے بھار سے دیاگل تھا پرنو میرا چت ملن نہیں تھا۔ یدی مجھ کو یہ گیات نہیں تھا کہ میں ۛۛۛ سے پریم کرتا ہوں، تو یہ بھی گیات نہ تھا کہ سمجھو ہے، وہ میرا پریم چھوڑ دے اور کسی دوسرے آدم سے پریم کرنے لگے۔ کیا تو اس ودھا کے لیے کوئی شبد بتا سکتا ہے؟

سرپ— ایرشا! ایرشا! ایرشا!

آدم— کیسا بھیا تک شبد ہے؟

ۛۛۛ— (آدم کو ہلاتے ہوئے) بہت سوچنا نہیں چاہیے تم بہت سوچا کرتے ہو!

آدم— (کردہ میں) میں سوچنے سے دلت کیسے رہ سکتا ہوں، جب مجھے سند یہہ ہو گیا ہے؟ سند یہہ سے پرتیک دستو اچھی ہے۔ جیون سند گدھ ہو گیا ہے، پریم سند گدھ ہے، کیا اس نوین دشتی کے لیے تیرے پاس کوئی شبد ہے۔

سرپ— بھے، بھے، بھے، بھے۔

آدم اس کی چکسا بھی تیرے پاس ہے؟

سرپ— آشا، آشا، آشا۔

آدم— آشا کیوں ہے؟

سرپ— جب تک تم کو استھرتا کا گمان نہیں، تم کو یہ گمان بھی نہیں کہ استھرتیجے ہوئے سے ادھک روچیکر نہیں ہوگا۔ اسی کو آشا کہتے ہیں۔

آدم— اس سے مجھے دھرج نہیں ہوتا۔ میرے بھیر بھے آشا کی اچکھا ادھک بلوان ہے۔ مجھے لٹچے کی ادھکتا ہے۔ (دھکتا ہوا اٹھتا ہے) یہ دستو مجھے دے، نہیں تو جب تجھ کو سوتا ہوا پاؤں گا، تو مار ڈالوں گا۔

آدم— (سرپ کے آس پاس اپنی ہانہیں ڈال کر) میرا سند سرپ! ارے نہیں یہ بھیا نک دچار تمہارے دچت میں کیسے آسکتا ہے؟

آدم— یہ مجھ سے پرتیک کاریہ کرا سکتا ہے۔ سرپ ہی نے مجھ کو بھے دیا، اب اس سے کہہ دو کہ مجھ کو دشاں دے، نہیں تو میری اور سے بھے لے کر چا دے؟

سرپ— بھوشیہ کو اپنے سنکپ سے باندھ لو اور پرتکیا کر لو۔

آدم— پرتکیا کیا؟

سرپ— اپنی مرتیو کے لیے ایک دن نیت کرو اور اس دن مر جانے کا سنکپ کر لو۔ بھر مرتیو سند گدھ نہ رہے گی۔ دن نچت ہو جائے گی۔ بھر خواہ یہ سنکپ کر لے کہ وہ تمہارے مر جانے تک تم سے پریم کرے گی۔ اس پرکار پریم سند گدھ نہیں رہے گا۔

آدم— ہاں یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اس سے بھوشیہ بندھ جائے گا۔

آدم— (آپرسن ہو کر اور سرپ کی اور سے منہ پھیر کر) پرتو اس سے آشا دشت ہو جائے گی۔

آدم— (کردہ سے) چپ رہو، آشا کمرشت دستو ہے پرتسا بری دستو ہے۔

دشواں منگلے دستو ہے۔

سرپ۔ بری کس کو کہتے ہیں؟ تم نے ایک نیا شہد نکالا ہے۔

آدم۔ جس دستو سے میں ڈرتا ہوں وہ بری دستو ہے۔ اچھا حوا! سنو، اور سانپ تو بھی سن، جس سے تم دونوں میری پرتکیا کو یاد رکھو، میں چاروں ریتوں کے ایک سہتر چکر تک جیوت رہوں گا۔

سرپ۔ درش، درش۔

آدم۔ میں ایک سہتر درش تک جیوت رہوں گا۔ اس کے بعد نہیں رہوں گا۔ میں مر جاؤں گا اور شاتی پراپت کروں گا اور اس سے تک ۱۲ کو سوائے کسی دوسری استری سے پریم نہیں کروں گا۔

۱۲۔ اور یدی آدم اپنی پرتکیہ پر درڑھ رہے گا، تو میں بھی اس کی مرتیو تک کسی دوسرے پردش سے پریم نہیں کروں گی۔

سرپ۔ تم دونوں نے دواہ کا آؤشکار کیا ہے۔ آدم تمہارا پتی ہے جو کسی دوسرے استری کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اور تم اس کی پتی ہو جو کسی دوسرے پردش کے لیے نہیں ہو سکتی۔

آدم۔ (سواہاتہہ ۱۲ کی اور ہاتھ بڑھاتے ہوئے) پتی اور پتی!

۱۲۔ (اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے) پتی اور پتی!

سرپ۔ (ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے)

۱۲۔ (آدم کو اپنے سے الگ کر کے) میں نے کہہ دیا کہ یہ منحوس کولائل نہ کر۔

آدم۔ اس کی بات نہ سن۔ کولائل مجھے بھلا لگتا ہے۔ اس سے میرا ہر دیہ ہلکا

ہوتا ہے۔ تو بڑا پرسن چت سرپ ہے، پر تو نے ابھی کوئی پرتکیا نہیں کی، تو کیا پرتکیا کرتا ہے؟

سرپ۔ میں کوئی پرتکیا نہیں کرتا۔ میں دوسرے لایجھ اٹھاتا ہوں۔

آدم۔ دوسرے؟ اس کا کیا ارتھ؟

سرپ۔ اس کا ارتھ یہ ہے کہ مجھ کو دشواں سے اتنا ہی بچے ہے جتنا تم کو سند یہہ

سے، ارتھات سوائے سند یہہ کے کوئی دستو دشو سیہ نہیں۔ یدی میں بھوشیہ کو باندھ لوں، تو اپنے

سنگلپ کو باندھ لوں گا۔ اور جب سنگلپ کو باندھ لوں گا، تو اتھتی میں رکاوٹ آرمھ ہو

جائے گی۔

ۛۛۛۛ اتہتی میں رکاوٹ نہ ہوئی چاہیے۔ میں نے کہہ دیا کہ میں اتہن کروں گی۔ یدی ایسا کرنے میں مجھے اپنے کو کھنڈ کھنڈ بھی کر دینا پڑے۔

آدم — تم دونوں چپ رہو، میں بھوشیہ کو اوشیہ باندھوں گا۔ میں بھی سے اوشیہ سوشنز ہوؤں گا۔ (خوا سے) ہم اپنی اپنی پرتگیہ کر چکے، یدی تم کو اتہن کرنا ہے تو تم اس پرتگیہ کی سیما کے بھیتز اتہن کرو۔ اب سرپ کی باتیں ادھک نہ سنو۔ (خوا کے کیش پلڑ کر کھینچتا ہے۔)

ۛۛۛۛ چھوڑ مورکھ! ابھی اس نے مجھ کو اپنا بھید نہیں بتایا ہے۔

آدم — (اس کو چھوڑ کر) ہاں ٹھیک ہے مورکھ کس کو کہتے ہیں؟

ۛۛۛۛ میں نہیں جانتی، یہ شبد آپ سے آپ آگیا۔ جب تم بھول جاتے ہو اور دچار کرنے لگتے ہو اور بھی سے پراجت ہو جاتے ہو، اس سے تو جو کچھ ہوتے ہو وہی مورکھ ہے۔ آؤ سرپ کی باتیں نہیں۔

آدم — نہیں، مجھے بھی لگتا ہے، جب وہ بولتا ہے، تو ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ بھوی میرے پیروں کے نیچے بیٹھ رہی ہو۔ کیا تم اس کی باتیں سننے کے لیے ٹھہرو گی؟

(سرب ضحکا مار کر ہنستا ہے۔)

آدم — (کھل کر) اس شبد سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ کیا کو تو مل ہے، سرپ اور استری آپس میں بھید کی باتیں کرنے جا رہے ہیں۔ (ہنستا ہے اور دھیرے دھیرے چلا جاتا ہے یہ اس کی پہلی ہنسی تھی۔)

ۛۛۛۛ اب بھید متا، بھید! (چٹان پر بیٹھ جاتی ہے اور سرپ کے کنٹھ میں بھو جائیں ڈال دیتی ہے سرپ ادھ کے نیچے کچھ کہنے لگتا ہے۔ ۛۛۛۛ کا کٹھ اتہت رو پکتا سے چٹکنے لگتا ہے۔ اس کی رو پکتا بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ پھر اس کے استھان پر امیدھک گھرنا کے چہہ پرکٹ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنا کٹھ اپنے ہاتھوں سے چھپا لیتی ہے۔)

کچھ شتابدیوں کے پشچات۔ پرات کال۔ عراق، عرب میں بھوی کا ایک ہرا بھرا کھنڈ اور وہ بھی لٹھوں سے بنا ہوا ایک بھون ہے جو ایک بائیں وانیکا پر جا کر سکھت ہوتا ہے۔ آدم مدحیہ وانیکا میں بھوی کھود رہا ہے اس کے دکن اور ۛۛۛۛ دوار کے پاس ایک درکش کی چھاؤں میں تپائی پر بیٹھی ہوئی سوت کات رہی ہے۔ اس کا چرخا جس کو وہ ہاتھ سے چلا رہی ہے، ایک بڑے چکر کی بھاتی ہے جو بھاری لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ وانیکا کی دوسری اور کانٹوں کی

ایک بھتی ہے، جس میں ٹی سے بند ایک مارگ ہے۔

دونوں کفایت اور بے پرواہی کے ساتھ مونے کپڑوں اور تہوں کو پہنے ہیں۔ دونوں اپنا بالہ کال اور نرمٹا کو پکے ہیں۔ آدم کی داڑھی بڑھی ہوئی ہے اور اس کے کیش بے ڈھنگے کٹے ہوئے ہیں۔ پرتو دونوں اوستھ ہیں اور ترون اوستھا میں ہیں۔ آدم ایک کرشک کی بھانٹی تھا کہ ہوا درشتی آتا ہے۔ حوالیکھا کرت ادھک پرسن ہے وہ بیٹھی کات رہی ہے اور کچھ دھار کر رہی ہے۔

ایک پردش کا شبد۔۔ آہا، ما۔

۱۔ (درشتی اٹھا کر سنگھ ٹی کی اور دیکھتی ہے) قاتیل آرہا ہے۔

(آدم گھربا پردرشت کرتا ہے اور بنا سراٹھائے ہوئے دھرتی

کھودنے میں لگا رہتا ہے۔)

قاتیل ٹی کو ٹھوکر مار کر مارگ سے الگ کر دیتا ہے اور لمبے لمبے جگوں سے دائیکا میں پردیش کرتا ہے۔ بات چیت اور روپ رنگ سے وہ ایک بیٹلا سپاہی گیات ہوتا ہے۔ وہ ایک لمبے بلم اور جرم کی ایک چھڑی ڈھال سے سوجت ہے۔ ڈھال پر پیتل مڑھا ہوا ہے۔ اس کی لوہے کی ٹوپی سنگھ کے سر سے بنائی گئی ہے۔ اس میں بیل کے سینکھ لگے ہوئے ہیں۔ وہ لال کوچ پہنے ہوئے ہے اور ایک پدک لگائے ہوئے ہے۔ پدک سنگھ جرم پر ٹکا ہوا ہے جس میں سنگھ کے کھ لنگ رہے ہیں۔ جگوں میں کھڑاؤں ہیں جن پر پیتل کا کام بنا ہوا ہے۔ اس کی ہاتھیں پیتل کے آدوں سے سورکش ہیں۔ اس کی سپاہیوں جیسی کھڑی مونچھیں تیل سے چمک رہی ہیں۔ ماما پتا کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا ہے جس سے اس کی اوڈھٹا اور اوگیا کا پتا چلتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے ڈھنگ پسند نہیں کیے جاتے اور نہ وہ جھما کیا گیا ہے۔

قاتیل۔ (آدم سے) ابھی تک دھرتی کھودنا سہت نہیں ہوا؟ تم سدا دھرتی کھودتے رہو گے اور سدا اسی پرانی نالی میں لگے رہے ہو گے۔ کوئی اچھی نہیں، کوئی نیا دھار نہیں، کوئی کیرتی نہیں! یدی میں بھی اسی بھوی کھودنے میں لگا رہتا، جیسا کہ تم نے مجھے سکھایا تھا، تو آج میں کچھ نہ ہوتا۔

آدم۔ تم بھالا اور ڈھال لیے ہوئے اس سے کیا ہو، جبکہ تمہارے بھائی کا رکت دھرتی کے بھیر سے تمہارے درودھ کرنن کر رہا ہے!

قاتل— میں پہلا دھ کرنے والا ہوں تم کیول پہلے منش ہو! پرتیک دیکتی پہلا منش ہو سکتا ہے یہ ایسا ہی سچ ہے جیسا کہ پہلی گولی ہوتا۔ کتھو پہلا بتیارا ہونے کے لیے سامی منشیہ کی آدھٹکا ہے۔

آدم— یہاں سے چلے جاؤ، ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ ہم کو الگ رکھنے کے لیے سنسار بہت دسترت ہے۔

حدا— تم اس کو کیوں بھگاتے ہو؟ وہ میرا ہے۔ میں نے اس کو اپنے شریر سے بنایا تھا۔ میں اپنی بنائی ہوئی دستو کو کبھی کبھی دیکھنا چاہتی ہوں! آدم— تم نے تو ہاتل کو بھی بنایا تھا۔ اس نے ہاتل کو مار ڈالا: اس پر بھی کیا تم اس کو دیکھنے کی کا مٹا کر سکتی ہے۔؟

قاتل— میں نے ہاتل کو مار ڈالا تو یہ کس کا پرادہ تھا؟ مار ڈالنے کا اوشکار کس نے کیا تھا۔؟ میں نے؟ نہیں، اسی نے اوشکار کیا تھا۔ میں تو تمہاری ٹھگھا پر چل رہا تھا۔ میں تو دھرتی کھودا کرتا تھا۔ اور کوڑا کرکٹ صاف کیا کرتا تھا۔ میں پر قھوی کا پھل کھاتا تھا اور تمہاری طرح پر شرم سے جیون زدوا کرتا تھا۔ میں مورکھ تھا، کتھو ہاتل نے دھار اور سامس کا منشیہ تھا۔ وہ کھو جی تھا اور دستوتہ انچی کرنے والا تھا۔ اس نے رکت کا انوسدھان کیا اور ہتیا کا اوشکار کیا۔ اس نے یہ گیات کیا کہ سور یہ کی گئی اوس کی پوندوں کے دوارا نیچے لائی جاسکتی ہے۔ اس نے گئی کو سد پو پر کاٹھان رکھنے کے لیے ایک ملی کا استھان زمان کیا۔ جتنے پشوں کو مارتا تھا، ان کے ماس کو ملی استھان میں گئی سے پکاتا تھا۔ وہ اپنے کو ماس کھا کھا کر جیوت رکھتا تھا۔ اس کو اپنا اہار پراپت کرنے کے لیے کیول اس کی آدھٹکا تھی کہ اپنا دن آکھٹ، جیسے سودا ستھیہ دایک اور گورو پورن کاریہ میں دیئے کرے اور پھر ایک ٹھنڈہ گئی کے ساتھ کھیل کرے۔ تم نے اس سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔ تم پر شرم کرتے رہے اور مجھ سے بھی یہی کام کراتے رہے۔ میں ہاتل کے ہرش اور سوا دھینا پر ارشیہ کرتا تھا۔ میں اپنے کو اس لیے ٹھٹھ سمجھتا تھا کہ تمہارا انوکرن کرنے کے استھان پر اس کا انوکرن نہیں کرتا تھا۔ وہ ایسا بھاگیہ دان تھا کہ اپنے بھوجن میں اس شبد کو بھی سملت رکھتا تھا، جس نے اس کو انیک ٹی باتیں بتائی تھیں۔ وہ کہتا تھا وہ شبد اس گئی کا شبد ہے جو میرا بھوجن پکاتی ہے اور جو گئی بھوجن پکا سکتی ہے وہ کھا بھی سکتی ہے۔ یہ سچ تھا کہ میں نے گئی کو ملی استھان میں بھوجن کو ساپت کر دیتے

ہوئے سوئیم دیکھا، تب میں نے بھی ملی ستان بنایا اور اس پر بھوجن کی بھینٹ چڑھائی۔ اہمول اور پھل سب دیرتھ کچھ نہ ہوا۔ ہاتل مجھ پر ہنستا تھا اور تب ایک بڑی بات میں نے سوچئی، کیوں نہ ہاتل کو مار ڈالیں۔ جس طرح وہ پشوؤں کو مارا کرتا ہے، میں نے وار کیا اور وہ مر گیا، جس پر کار پشو مرا کرتے تھے۔ اس کے بعد میں نے تمھاری مورکھتا اور پڑھرم کے جیون کو چھوڑ دیا اور اس کی طرح زواہ کرنے لگا۔ شکار، رکت بہانا۔ شکار کے دوران کیا میں تم سے شری شت، تم سے ادھک سوا دھین نہیں ہوں؟

آدم۔ تم ادھک بلٹ نہیں ہو، تم ٹھکنے ہو۔ تمھارا جیون ڈوہ ہو سکتا۔ تم نے پشوؤں کو اپنے سے مجھے بھیت کر دیا ہے۔ سرپ نے اپنے کو تم سے بچانے کے لیے دس اتھن کر لیا ہے۔ میں سوئیم تم سے ڈرتا ہوں۔ یدی تم اپنی ماتا کی اور ایک ایک پگ اور بڑے تو میں اپنی کدال سے تم کو اسی طرح مار کر گرا دوں گا، جس طرح تم نے ہاتل کو مار کر گرا دیا تھا۔

آدم۔ وہ مجھ کو مارے گا نہیں، وہ مجھ سے پریم کرتا ہے۔

آدم۔ وہ ہاتل سے بھی پریم کرتا تھا۔ پرنو اس کو اس نے مار ڈالا۔

قاتل۔ میں استریوں کو مارنا نہیں چاہتا، میں اپنی ماں کو نہیں ماروں گا اور اسی کے وچار سے تم کو بھی نہیں ماروں گا۔ یدی مجھے بتا تمھارے کدال کی دھار میں آئے ہوئے اس بھالے کو تمھارے پار کر سکتا ہوں۔ مجھے یہ دھیان نہ ہوتا، تو میں تمھیں مار ڈالنے کی چھٹا کیے بنا نہ رہتا، یدی مجھے ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نہ مجھے مار ڈالو۔ میں نے سٹک اور دنشکر سے سگرام کیا ہے، یہ دیکھنے کے لیے کہ کون کس کو مار ڈالتا ہے۔ میں نے مغیہ کے ساتھ بھی یدھ کیا ہے۔ یہ ہے تو بھیا تک کام، پر اس سے ادھک آئند بھی کسی اور کام میں نہیں۔ میں اس کو لڑائی کہتا ہوں۔ جو کبھی لڑا نہیں ہے۔ جیون کا آئند وہ نہیں جانتا۔ یہی آدھیکتا مجھ کو ماں کے پاس لے آئی ہے۔

آدم۔ اب تم کو ایک دوسرے سے کیا پریوجن؟ وہ اتھن کرنے والی ہے اور تم دناش کرنے والے ہو۔

قاتل۔ میں دناش کیسے کر سکتا ہوں جب تک وہ اتھن نہ کرے؟ میں چاہتا ہوں کہ وہ اور پرورش اتھن کرتی رہے اور ہاں استریاں بھی، جس سے وہ سب اپنی اپنی باری سے

اور ادھک پر دوش اتین کریں۔ اسٹکھ پر دوشوں کی جتنی کہ ستر برکھوں میں پچیاں ہوں گی
 اُن سے بھی ادھک پر دوشوں کی ایک بڑی بھاری رچنا کا دھیان میرے مستحک میں ہے۔ میں
 ان کو دو بڑے بھاگوں میں دھاجت کروں گا۔ ایک کا سینا پتی میں ہوں گا، دوسرے کا وہ ویکتی
 جس سے میں سب سے ادھک بھے کروں اور جس کو سب سے پہلے مار ڈالنا چاہوں۔ تنک
 وچار تو کرو، منٹس کا یہ سارا دل آپس میں لڑتا مرتا رہے گا۔ جنے کی پکار اُنہی کے شبد زاشا کا
 گان دکھ کی دینے فی سند یہہ انیس میں جیون ہوگا۔ ایسا جیون جو پورن روپ سے کار یہ میں
 لایا گیا ہو۔ ایک پر جوت آگ کا اور آدھی کا جیون، جس نے اس کو نہ دیکھا ہوگا، نہ سنا ہوگا،
 نہ انو بھو کیا ہوگا۔ اور نہ پرکھیا کی ہوگی۔ وہ اس آدم کے سٹکھ، جس نے یہ سب کچھ کیا ہوگا،
 اپنے کو اپداتھ اور مورکھ سمجھے گا۔

حوا۔ اور میں! میں کیول ایک سوگم دوار ہوؤں گی پر دوشوں کو اتین کرنے کا، جس سے
 تم ان کو مار ڈالو!

آدم۔ یا وہ تم کو مار ڈالیں!

قاتیل۔ ماتا! پر دوشوں کا اتین کرنا تمہارا ادھیکار ہے، تمہارا کام ہے، تمہارے کشت
 سے تمہارا گورو ہے اور تمہاری وجہ ہے۔ تم میرے پتا کو جیسا کہ تم کہہ رہی ہو اس کے لیے
 کیول اپنا ایک دوار بنا لیتی ہو۔ اس کو تمہارے لیے بھوی کھودنی پڑتی ہے۔ پر شرم کرنا پڑتا
 ہے، چلنا پڑتا ہے، بالکل اس تیل کی بھانتی جو بھوی کھودنے میں سہایا دیتا ہے، یا اس گدھے
 کی بھانتی جو اس کا بوجھا لاتا ہے۔ کوئی استری مجھ سے میرے پتا کا جیون نہیں وعت کرا
 سکتی۔ میں شکار کروں گا، لڑوں گا اور اپنے نس نس کی شتی دیں کروں گا۔ جب اپنے پران
 شکست میں ڈال کر جنگلی سور مار کر لاؤں گا۔ تو میں اپنی استری کے سٹکھ لا کر ڈال دوں گا کہ
 وہ اس کو پکا دے۔ اور اس کے پر شرم کے بدلے میں اس کو بھی ایک کور دے دوں گا۔ اس کو
 کوئی دوسرا بھوجن نہیں ملے گا۔ اس سے وہ میری چیری ہو جائے گی اور جو مجھ کو مار ڈالے گا
 وہ اس استری کو لوٹ کے مال کی طرح لے جائے گا۔ پر دوش استری کا سوامی ہوگا۔ نہ کہ اس
 کا بالک اور مزدور!

(آدم اپنی کدال پھینک دیتا ہے اور دھیان سے حوا کو دیکھنے لگتا ہے)

حوا۔ آدم! کیا تم پرکھیا میں پڑ گئے؟ کیا ہمارے آپس کی پریتی سے تم کو یہ بات

اتم معلوم ہوتی ہے؟

قاتل—پریت کا حال وہ کیا جانے؟ جب وہ لڑ چکے گا تب مجھے اور مرتیہ کا سامنا کر لے گا۔ جب اپنی ہفتی کا اہم آؤش دینے کر کے آندہن کر چکے گا۔ اس سے اس کو کمیات ہوگا کہ داستو میں استری کے اہلکن میں پریم سے شانی پراہت کرنا کس کو کہتے ہیں۔ اس استری سے پوچھو جس کو تم نے اتہن کیا ہے جو میری جتی ہے۔ کیا وہ میری پرانی چال پسند کرے گی جب کہ میں آدم کا انوسرن کرتا تھا۔ کرشی اور مردوری کرتا تھا۔

۱۰— (کردوہ میں چرغا چھوڑ کر) تمہارا منہ کہ تم یہاں آکر لاؤ۔ ۱۱— (وارثن نے اپنے نایک میں قاتل کی استری کا نام آدانتایا تھا۔) پر ابھیمان کرو جو کسی کام کی نہیں جو بے حد بدی لڑکی اور سب سے گتی جتی ہے۔ تم اس کے سوامی ہو۔ تم تو آدم کے بتل یا اپنے رکھک شوان سے بھی کہیں ادھک اس کے داس ہو۔ نی سند یہ جب تم اپنے پران سنکٹ میں ڈال کر جنگلی سور کا شکار کرو گے۔ تو اس کے پڑشرم کے بدلے میں ایک کور اس کے سنکھ بھی ڈال دو گے۔ آہہا! در بھاگیہ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس سے یا اس سے ادھک تم سے پرچیت نہیں ہوں؟ کیا تمہارا پران اس سے بھی سنکٹ میں ہوتا ہے جب تم گھری یا نیلی لومڑی کو مارتے ہو۔ جس سے وہ ان کو اپنے شریر سے لٹکا کر استری سے پشو بن جائے؟ جب تم بے بس اور نلی ہین ٹھہریوں کو جال میں پھنساتے ہو تو کیول اس لیے کہ لوا کو سادھارن اور حلال کھا دکھانے میں کشت ہوتا ہے تو اس سے کیسے سور ما معلوم ہوتے ہو؟ تم سنکھ کو مارنے کے لیے اوشیہ اپنی جان سنکٹ میں ڈالتے ہو کثو اس کا ہم کس کو ملتا ہے، جس کے لیے تم نے مجھے کا سامنا کیا! لوا اس کو اپنا بچھونا بنانے کے لیے لے لیتی ہے اور اس کا سڑا ہوا ماس تمہارے آگے پھینک دیتی ہے، جس کو تم کھا بھی نہیں سکتے۔ تم لڑتے ہو، اس کارن کہ سمجھتے ہو کہ وہ اس سے تمہارا آدر کرتی ہے۔ اور تم کو چاہتی ہے۔ مورکھ! وہ تم کو اس پر یوجن سے لڑاتی ہے کہ تم اس کو سنکھ بھوگ کے سامان اور مارے ہوئے لوگوں کا مال لا کر دیتے ہو۔ اور وہ لوگ جو تم سے ڈرتے ہیں، اس کو سونا چاندی اور دھن دیتے رہتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں آدم کو کیول ایک مادھم بنائے ہوئے ہوں! میں تو چرہ چلاتی ہوں اور گھر کی دیکھ بھال کرتی ہوں، سستان اتہن کرتی ہوں اور ان کا پالن کرتی ہوں۔ میں تو ایک استری ہوں اور پردوشوں کو بھانے اور ان کا شکار کرنے کے لیے کوئی پالتو پشو نہیں ہوں! تم کیا ہو؟ ایک

ابھائیہ داس جو منہ پر ملتے کیے ہو! یا پشوؤں کے بالوں کی ایک ٹھری ہو! جب میں نے اتہن کیا تھا، تو تم ایک منٹ کے بالک تھے، اور لو! ایک منٹ کی بالکا۔ تم لوگوں نے اب اپنے کو کیا بنا ڈالا ہے؟

قائیل — (ہلم کو ڈھال میں پہنا کر مونچھوں کو اینٹتا ہوا) منٹ سے اتم تر بھی کوئی دستو ہے، ٹنڈر اور وہی ہے منٹ شیر مٹی۔

۱۔ نر شیر مٹی! تم تو زرا دم ہو۔ تمہارا انیہ پر دوشوں کے ساتھ وہی سمبندھ ہے جو سفید لومڑی کا ششک کے ساتھ ہے، اور گوا کا تمہارے ساتھ وہ سمبندھ ہے، جو جو تک کا سفید لومڑی کے ساتھ ہے۔ تم اپنے پتا کو چھہ سمجھتے ہو۔ پرتو جب وہ مرے گا، تو سنسار اس کے کارن ادھک پورن ہو چکا ہوگا۔ جب تم مرد گے، تو لوگ کہیں گے وہ بڑا لڑکا تھا۔ سنسار کے لیے یہ اتم ہوتا کہ وہ اتہن نہ ہوا ہوتا اور لو! کے دشتے میں وہ کچھ نہ کہیں گے۔ ورنہ جب اس کو اسرن کریں گے تو اس کے نام پر تھوک دیں گے۔

قائیل — وہ سنگ رکھنے کے لیے تم سے اچھی استری ہے یدی وہ بھی مجھ کو اسی پر کار برا کہتی، جس پر کار تم کہہ رہی ہو یا جس پر کار آدم کو برا کہا کرتی ہو، تو میں مارتے مارتے اس کو نیلا کر دیتا۔ میں نے ایسا کیا بھی ہے اور تم کہتی ہو کہ میں داس ہوں۔

۲۔ اس کارن کہ اس نے دوسرے پردوش پر درشتی ڈالی تھی اور تم اس کے پیروں پر گرے۔ اور ردو کر چھما مٹھنے لگے اور پہلے سے دس گنا اس کے داس ہو گئے۔ اور وہ جب بھلی بھاتی کراہ چکی اور اس کی پیڑا کم ہوئی تو اس نے تم کو چھما کر دیا۔ کیوں سچ ہے کہ نہیں؟

قائیل — وہ مجھ سے پہلے سے ادھک پریم کرنے لگی یہی استری کا واستوک سوبھاؤ ہے۔

۳۔ (اتا کی بھاتی اس پر کرونا کر کے) پریم! تم اس کو پریم کہتے ہو اس کو استری کا سوبھاؤ کہتے ہو۔ میرے بچر! اہل کا نام نہ پردوش ہے نہ استری، نہ اس کو پریم کہتے ہیں، نہ جیون۔ تمہاری استھیموں میں واستوک لڑھل نہیں اور نہ تمہارے شریر میں خون ہے۔

قائیل — ہا! (اپنے ہلم کو پکڑ کر پورے بل سے گھماتا ہے)

۴۔ ہاں! تم کو آپ ہی اپنے بل کا انومان کرنے کے لیے چھڑی گھمانے کی

آؤشکٹا ہوتی ہے۔ تم بنا کڑوا کیے ہوئے اور بنا کھولائے ہوئے جیون کے سواد کا انو بھو نہیں کر سکتے تم لوا کا پریم، جب تک اس کا کھ رنگا ہوا نہ ہو انو بھو نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ وہ گلہری کے بالوں سے ڈھکی نہ ہو۔ تم سوا دکھ کے کچھ نہیں انو بھو کر سکتے اور نہ سوا مٹھیا کے کسی دستو کا دشا اس کر سکتے ہو۔ تم جیون کے ان درشیوں کے دیکھنے کے لیے مستک بھی نہیں اٹھاؤ گے، جو تمھارے چاروں اور ہے کنتو کوئی لڑائی یا مرتیو دیکھنے کے لیے دس میل دوڑتے چلے جاؤ گے۔

آدم۔ بس! بہت کہا جا چکا ہے۔ لڑکے کو چھوڑ دو۔

قائیل۔ لڑکا! ہا ہا!

ح۔ (آدم سے) تم شاید یہ دچار رہے ہو کہ سمجھو ہے، اس کا جیو کو پائے تمھارے جیو کو پائے سے اتم ہو، تم ابھی تک پرکچھا کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ کیا تم بھی میرے ساتھ وہ برتاؤ کرو گے۔ جو وہ اپنی استری کے ساتھ کرتا ہے؟ کیا تم بھی سنگھ اور بھالو کا شکار کرنا چاہتے ہو، جس سے میرے سونے کے لیے چڑوں کی بہتات ہو جائے؟ کیا میں بھی اپنا کھ رنگا کروں اور اپنی بانہوں کو نرم اور کوئل بنا کر خراب کر ڈالوں؟ کیا میں بھی پڑکی، بیڑ اور بکری کے بچوں کا ماس کھانے لگوں جن کا دودھ تم میرے لیے چرا کر لے آیا کرو گے؟

آدم۔ تمھارے ساتھ بسر کرنا یوں ہی ایک پرکچھا ہے۔ جیسی ہو، ویسی رہو۔ میں جیسا ہوں، دیا رہوں گا۔

قائیل۔ تم میں سے کوئی جیون کو نہیں جانتا تم سیدھے سادھے گرامین منش ہو۔ تم ان بیلوں، گدھوں اور کتوں کے داس ہو، جن کو تم نے اپنی آؤشکٹاؤں کے لیے پال رکھا ہے۔ میں تم کو ابھار کر اس سے ادھیک اونچائی پر لا سکتا ہوں۔ میں نے ایک اپائے سوچا ہے۔ کیوں نہ ہم اپنی سیوا کے لیے پردش اور استریوں کو پالیں، کیوں نہ بال او بھتھا ہی سے ان کا اس ریتی سے پالن کریں کہ ان کو کسی دوسرے پرکار جیون کا گیان نہ ہونے پاوے۔ جس میں وہ سونیکار کر لیں کہ ہم دیوتا ہیں اور وہ یہاں کیول اس لیے ہے کہ ہمارے جیون کو گورو شالی بنائے رہیں؟

آدم۔ (پر بھادت ہو کر) وہ تو فی سند یہہ ایک بہت بڑا دچار ہے۔

ح۔ (گھرنا پور دک) بہت بڑا دچار ہے!

آدم—ہاں، جیسا کہ سانپ کہا کرتا تھا، 'کیوں نہیں؟'

حوا— کیوں کہ ایسے بچوں کو میں اپنے گھر میں نہیں رہنے دوں گی، کیوں کہ ایسے پشوؤں سے مجھ کو گھرتا ہے جن کے دوسرے ہوں یا جن کے انگ سوکھے ہوں یا جو کروپ، ہنسی، اور پر کرتی وردہ ہوں میں نے پہلے ہی قاتل سے کہہ دیا کہ وہ پرورش نہیں ہے اور نہ لوا استری ہے۔ دونوں راکشس ہیں، اور اب تم ان سے بھی ادھیک پر کرتی کے وردہ راکشس اتین کرنا چاہتے ہو، جس میں تم کیول ست اور بیکار ہو جاؤ اور تمہارے پالے ہوئے 'مانوی پشو' پر شرم کو ایک جھلنے والی دیادی سمجھیں۔ اچھا سوچیں ہے، کیا کہنا! (قاتل سے) تمہارا پتا تو کیول سادھان ہی مورکھ ہے، کتو تمہارے روم روم میں مورکھا دیا پت ہے۔ اور تمہاری استری تم سے بھی ادھک مورکھا ہے۔

آدم— میں کیوں مورکھ ہوں؟ میں تم سے ادھیک مورکھ کیسے ہو سکتا ہوں۔

حوا— تم نے کہا تھا کہ بدھ کبھی نہ ہوگا، اس لیے کہ 'شبد' ہماری ستان کو اس سے روکے گا۔ اس نے قاتل کو کیوں نہیں روکا؟

قاتل— اس نے منع تو کیا تھا کتو میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ ایک شبد سے ڈر جاؤں۔ 'شبد' نے سمجھا تھا کہ میں اپنے بھائی کا رکھک ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔ اس کو گیات ہو گیا کہ میں 'میں' ہوں اور ہاتل کو بھی وہی ہونا چاہیے اور اپنی دیکھ بھال آپ کرنی چاہیے۔ جس پر کار کہ میں اس کا رکھک تھا، اس سے ادھک وہ میرا رکھک نہیں تھا، پھر اس نے تجھ کو کیوں نہیں مار ڈالا؟ یدی مجھ کو کوئی روکنے والا نہیں تھا، تو اس کو بھی کوئی روکنے والا نہ تھا۔ اور میں جیت گیا۔ میں پہلا دھیتا تھا۔

آدم— جب تم نے یہ سب سوچا تھا تو 'شبد' نے تم سے کیا کہا تھا؟

قاتل— کیوں؟ اس نے مجھ کو ادھیکار دے دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتیہ مجھ پر ایک دھبہ ہے، ایک جلا ہوا دھبہ، جس میں کوئی مجھ کو دودھ نہ کر سکے، جیسا کہ ہاتل اپنے بھیڑوں پر لگا دیتا تھا۔ میں یہاں ٹھیک ٹھیک کھڑا ہوں جن کاروں نے کبھی دودھ نہیں کیا، جو اپنے بھائیوں کے رکھک بننے سے ششٹ ہیں، وہ ترسکرت سمجھ کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں، اور ششٹوں کی طرح مار دیئے جاتے ہیں۔ جو قاتل کے گیان پر چلے گا وہ سنسار پر شاشن کرے گا۔ اور وہ یدی ہار کر گر جائے گا، تو اس کا سات گنا بدلا لیا جائے گا۔ 'شبد' نے یہ کہہ دیا ہے،

اتھ تم کو اور دوسروں کو مجھ سے وڈروہ کرتے سے سادوہان رہنا چاہیے۔

آدم — ڈیک مارنا اور ڈھٹائی چھوڑو اور سچ بتاؤ، کیا شبد یہ نہیں کہتا کہ یدی کوئی دوسرا تم کو تمھارے بھائی کے ودھ کے لیے مار ڈالنے کا سانس نہیں کر سکتا تو تم سوئیم اپنے کو مار ڈالو؟

قابیل — نہیں۔

آدم — یدی تم جھوٹ نہیں بولتے، تو پھر ایٹور یے نیائے کوئی دستو نہیں۔

قابیل — میں جھوٹ نہیں بولتا، ایٹوریہ نیائے اوشیہ ایک دستو ہے، کیوں کہ 'شبد' مجھ سے کہتا ہے کہ میں اپنے کو پرتیک ویکتی کے آگے اوستھ کروں، جس میں یدی وہ مجھے مار ڈال سکے، تو مار ڈالے۔ بنا جو حکم کے میں مہوشانی نہیں ہو سکتا۔ بائیل کا خون بہانا میں اسی روپ میں دیکھ رہا ہوں۔ جو حکم اور مجھے پگ پگ پر میرے پیچھے ہیں۔ بنا اس کے سانس کا کوئی ارتھ نہیں ہوتا اور سانس ہی وہ دستو ہے، جو رکت کو گرما کر لال اور تھج پورن بنا دیتا ہے۔

آدم — (اپنی کدال اٹھا کر پھر کھودنے کی تیاری کرتا ہے) اچھا اب چلے جاؤ۔ تمھارا یہ تھج پورن جیون ایک سہتر ورش تک نہیں رہے گا، اور مجھے ایک سہتر ورش تک رہنا ہے۔ تم سب یدی پر پھر یا ہنسک پٹوؤں کے ساتھ لڑنے سے نہیں مرو گے تو اس ویا دمی سے مر جاؤ گے، جو سوئیم تمھارے بھیتروہان ہے۔ تمھارا شریر منش کے شریر کے سیدرش نہیں، ورنہ اس 'چھتر بھین'..... کے سیدرش پری پالت ہوتا ہے۔ جو ور پکھوں پر انکورت ہوتی ہے۔ سانس لینے کے استھان پر تم چھینکتے ہو اور کھانٹے ہو اور انتھہ مورجھا کر نشٹ ہو جاتے ہو۔ تمھاری آنتیں سڑ جاتی ہیں، تمھارے سر کے کیش جھڑ جاتے ہیں، تمھارے دانت میلے ہو جاتے ہیں اور گر جاتے ہیں اور تم سے سے پہلے مر جاتے ہو۔ اس لیے نہیں کہ تم مرنا چاہتے ہو، بلکہ اس لیے کہ تم کو مرنا پڑتا ہے۔ میں کھیتی کروں گا اور جیوت رہوں گا۔

قابیل — اور تمھارا یہ سہتر ورش کا جیون تمھارے کس کام کا ہے، تم پرانی گھاس ہو، سو ورش تک دھرتی کھودتے رہنے سے کیا اب تم بڑھیا کھودنے لگے ہو؟ میں اتنے سے تک نہیں جیوت رہا ہوں، جتنے سے تک تم جی چکے ہو۔ کنو کھیتی کی کلا سے سبندھ رکھنے والی جتنی باتیں ہو سکتی تھیں، ان کو میں جانتا ہوں اور اب اس کو چھوڑ کر اس سے اٹھم کلاؤں کے

جانے میں ستر ہوں۔ میں لڑنا اور فکار کرنا، ارتقا مار ڈالنے کی ودھا جانتا ہوں۔ تم کو اپنے سسر درش کا ٹپے کیسے ہو سکتا ہے؟ میں ابھی تم دونوں کو مار ڈال سکتا ہوں اور تم دو بھیڑوں سے ادھک اپنی رکشا نہیں کر سکتے۔ میں تم کو چھوڑ دیتا ہوں۔ پرنتو دوسرے تم کو مار ڈال سکتے ہیں۔ کیوں نہ دیرتا کے ساتھ جیون زدواہ کرو اور فیکھر مر کر دوسروں کے لیے استخان رکت کرو؟ میں سوئیم جو تم دونوں کی لیکھا کہیں ادھک ودھاؤں کو جانتا ہوں، اپنے آپ سے درکت ہو جاؤں، یدی لڑنا یا فکار کھیلنا نہ ہو۔ ایسے سسر درش بتانے سے پہلے ہی میں اپنے کو مار ڈالوں، جیسا کہ پرایہ 'شبد' کی اور سے آندولن ہوا کرتا ہے۔

آدم — چھوٹے، ابھی تم کہہ رہے تھے کہ 'شبد' کی ہاتیل کی جان کے بدلے تمھاری جان کا سامنا نہیں کرتا۔

قاتیل — 'شبد' اس پرکار سنگھ نہیں ہوتا، جس پرکار تم سے ہوا کرتا ہے۔ میں ایک یودا پردش ہوں اور تم ایک بوڑھے بچے۔ کوئی بچے اور یودا سے ایک سی باتیں نہیں کرتا اور یودا سن کر چپ چاپ کاپنے نہیں لگتا ورنہ اثر دیتا اور وہ 'شبد' سے اپنا مان کراتا ہے اور اللھ جو چاہتا ہے اس سے کہلانے لگتا ہے۔

آدم — اس بڑے بول پر تمھاری جیھ نشت ہو!

حو — اپنی جیھ کو دش میں رکھو اور میرے بچے کو کوسومت! اللس کی یہ بھول تھی کہ اس نے اتہن کرنے کی پرتی کو استری اور پردش کے چھ میں آسان بھاگوں میں دہاجت کیا۔ قاتیل! یدی ہاتیل کے اتہن کرنے کی بیڑا تم کو سہن کرنی پڑتی یا اس کے مرجانے پر دوسرا منش اتہن کرنا پڑتا۔ تو تم اس کا ددھ نہ کرتے۔ ورنہ اس کی جان کو بچانے کے لیے اپنی جان سنگٹ میں ڈالتے۔ یہی کارن ہے کہ ایسی نزل بات چیت، جس نے ابھی آدم کو بھی بھالیا تھا جب کہ وہ اپنی کدال پھینک کر تھوڑی دیر کے لیے تمھاری اور آکرشت ہو گیا تھا، مجھ کو ایک ودعت ہو جانے والی آلو گیات ہوئی، جو کسی فو پر سے بہہ گئی ہو! یہی کارن ہے کہ اتہن ہونے والی استری اور ناش کرنے والے پردش کے مدھ شترتا ہے میں تم کو جانتی ہوں۔ تم سکھ ابھیلائی اور اندریوں کے داس ہو۔ جیون کو اتہن کرنا پرشرم اور کھٹنا کا کام ہے۔ جس کے لیے ادھک سے کی اوٹھکتا ہے۔ دوسروں کے اتہن کیے ہوئے جیون کو چالے جانا سوگم ہے اور تھوڑی دیر کا کام ہے۔ جب تک تم کرشی کرتے رہے، تم سنسار کو جیوت اور اتہن کرنے

کے یوگیہ بنائے ہوئے تھے، جس پرکار میں جیوت ہوں اور اتہن کرتی ہوں۔ لیس نے تم کو اسی لیے استریوں کے پرشرم سے سوتیز رکھا تھا۔ چوری اور دودھ کے لیے نہیں!

قائیل۔ شیطان اس کا کرنگ ہو، میں اپنے پاؤں تلے کی مٹی کے ساتھ ہتی کا کھیل کھیلنے سے ادھک اتم اپنے سے کا سوئے نکال سکتا ہوں۔

آدم۔ 'شیطان' یہ کون سا نیا شبد ہے؟

قائیل۔ سنو جب کبھی تم نے شبد کی چرچا کی، جو تم کو باتیں بتایا کرتا ہے۔ تو میں نے کبھی پت لگا کر تمہاری بات نہیں سنی ہے۔ دوشبد ہوں گے۔ ایک تو وہ جو تم کو برا کہتا ہے اور تجھ سمجھتا ہے اور دوسرا وہ جو میرا مان کرتا ہے، اور مجھ پر بھروسہ رکھتا ہے۔ میں تمہارے شبد کو 'شیطان' کا شبد کہتا ہوں اور اپنے شبد کو 'ایشر' کا شبد۔

آدم۔ میرا شبد جیون کا شبد ہے اور تمہارا شبد مرتیو کا!

قائیل۔ اچھا تو یہی سہی، کیوں کہ وہ مجھ سے کہتا ہے کہ مرتیو واستو میں مرتیو نہیں ہے۔ ورن دوسرے جیون کا ایک دوار ہے۔ ایسا جیون جو ادھک شکتی شالی اور تیج پورن ہے، جو کیول آتما کا جیون ہے جس میں مٹی کے ڈھیلے اور بسولے یا بھوک اور تھکان نہیں۔

حو۔ اندریہ ولاس اور آکیہ کا جیون، قائیل! میں بھلی پرکار جانتی ہوں۔

قائیل۔ اندریہ ولاس کا جیون! ہاں! کیوں نہیں، ایسا جیون جس میں کوئی اپنے بھائی کی رکھا نہیں کرتا، اس لیے کہ اس کا بھائی اپنی رکھا سویم کر سکتا ہے۔ پرتو کیا میں آلسی ہوں، تمہارے پرشرم کے جیون کو چھوڑ کر کیا مجھے ان سنگوں اور دپتوں کا سامنا کرنا نہیں پڑتا ہے۔ جن کا تم کو کوئی انو بھو نہیں؟ تیر ہاتھ میں بسولے سے ہلکا جان پڑتا ہے۔ کنتو جو شکتی تیر کو لڑنے والے کے ہردے میں اتار دیتی ہے، اور جو شکتی بسولے کو اکھٹ اور استھولمٹی کے بمیتر پروشت کر دیتی ہے، ان دونوں میں آگنی اور جل کا سبندھ ہے۔ میری شکتی اس کی شکتی کے سامن ہے اس لیے کہ میرا من پوتر ہے۔

آدم۔ یہ کیا شبد ہے؟ پوتر کا کیا ارتھ؟

قائیل۔ جو مٹی سے دکھ ہو کر اوپر سورج اور سوچھ آکاش کی اور آکرشت ہو۔

آدم۔ بچے! آکاش تو شونیہ ہے، کنتو بھوی پھلوں سے پورن ہے۔ بھوی ہم کو بھوجن دیتی ہے اور ہم کو وہ شکتی پروان کرتی ہے اس سے ہم نے تم کو اور سمت منش جاتی کو اتہن کیا۔

آج اس مٹی سے سمبندھ رہت ہو جاؤ جس کو تم تجھ سمجھتے ہو تو تم بری طرح نشت ہو جاؤ گے۔
 قاتیل۔ مجھ کو مٹی سے گھرنے سے گھرنے سے تم کہتے ہو کہ بھوی ہم کو
 شکتی پر دان کرتی ہے، کتھو کیا یہی بھوی دھسا ہو کر ہم کو روگوں کا شکار نہیں بناتی؟ مجھ کو اسے
 اتہن کرنے سے گھرنے سے گھرنے ہے جس پر تم کو اور ماتا کو گزو ہے اور جو ہم کو چھاڑ کر پشوؤں کے
 ثلیہ کر دیتا ہے۔ پر نام بھی یدی یہی ہوتا ہے جیسا کہ آرمہ ربا ہے تو منش جاتی کا مٹ جانا
 اچھا۔ یدی مجھ کو بھالو کی بھانتی اُدر بھرتا ہے، یدی لوا کو بھالو کی بھانتی پتے جتنا ہے تو منش
 کے بدلے بھالو ہی ہونا پسند کروں گا۔ کیوں کہ بھالو اپنے سے لباتا نہیں، اس کو اپنے سے اتم
 دستو کا گیان نہیں ہوتا۔ یدی تم بھالو کی بھانتی ترہت ہو تو میں نہیں ہوں۔ تم اس استری کے
 ساتھ رہو، جو تم کو بچے دے۔ میں اس استری کے پاس جاؤں گا جو مجھے 'سو پن' دے۔ تم
 اپنے بھوجن کے لیے بھوی ٹٹولتے رہو، میں اپنا بھوجن اپنے تیر کے دواریا تو آکاش سے
 لے آؤں گا۔ یا اس سے اس کو گرا دوں گا جب کہ وہ اپنے جیون کے بل سے بھوی پر چلتی
 پھرتی ہوگی۔ یدی میرے لیے بس یہی دو آپٹے ہیں کہ بھوجن پراپت کروں یا مر جاؤں، تو
 اپنے بھوجن کو بھوی سے جہاں تک سمکو ہو دوری پر سے پراپت کروں گا۔ نل، اس کے پہلے
 کہ وہ مجھے ملے، گھاس سے بڑھ کر بھوجن پراپت کرے گا۔ اور چونکہ منش نل سے ادھک چنا
 ہوا ہے اس لیے کسی دن میں اپنے شتر کو نل کھانے کے لیے دوں گا۔ اور پھر اس کو مار کر
 آپ ہی کھا جاؤں گا۔

آدم۔ راجھس! سنتی ہو حو؟

۱۲۔ تو اپنے منہ کو سوچھ نزل آکاش کی اور آکرشت کرنے سے یہی تاہر یہ ہے!
 منش بھکھن! بچوں کو کھا جانا! اس کا تو بالکل یہی پر نام ہوگا کہ جو مینوں اور بکری کے بچوں
 کا ہوا تھا، جب کہ ہاتیل نے بھیڑ اور بکری سے پراسمہ کیا تھا۔ اتھ، تم ہچارے مورکھ ہی
 رہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے اس باتوں پر وچار نہیں کیا ہے، جس کو بچ جتنے کی جیزا سنی
 پڑتی ہے اور اس کو بھوجن تیار کرنے کا پرشرم کرنا ہوتا ہے؟ مجھے بھی اپنے بچے کے سمبندھ میں
 یہ وچار تھا کہ شاید میرا شور اور دیر پڑے کسی اتم دستو کا دھیان کرے اور اس کی اچھا کرے اور
 سمکو ہے اس کا سنکپ بھی کرے یہاں تک کہ اس کو اتہن کر لے اور پر نام یہ ہوا کہ وہ
 بھالو ہونا اور بچوں کو کھا جانا چاہتا ہے۔ رچھ بھی آدمی کو نہ کھائے یدی اس کو شہد ملتا رہے۔

قاتل۔ میں رنجھ ہونا نہیں چاہتا اور نہ بچوں کو کھانا چاہتا ہوں۔ میں آپ ہی نہیں جانتا کہ میں کیا چاہتا ہوں، سوائے اس کے کہ اس بوڑھے کرشک سے کچھ اچھا ہونا چاہتا ہوں، جس کو لئس نے اس لیے بنایا تھا کہ مجھ کو اتنی کرنے میں تمہاری سہایت کرے اور جس کو تم اب تجھ سمجھتی ہو، اس لیے کہ وہ تمہاری اوشکتا پوری کر چکا ہے۔

آدم۔ (کردہ سے اُنچٹ ہو کر) جی چاہتا ہے کہ تم کو ابھی دکھا دوں کہ میرا کدال تمہارے بلم کے ہوتے ہوئے تمہارے اومیا پورن سر کے دو ٹکڑے کر سکتا ہے!

قاتل۔ اومیا پورن! ہا ہا! (اپنے بلم کو گھما کر) آؤ سب کے بوڑھے باپ! پرہنگھا کرلو۔ لڑائی کا نیک سواد کچھ لو۔

حوا۔ بس، سب مورکھوں! بیٹھ جاؤ اور چپ ہو کر میری بات سنو (آدم اداں ہو کر اپنے سستروں کو ہلا کر بسولا پھینک دیتا ہے۔ قاتل بھی ہنستا ہوا بلم اور ڈھال کو بھونپ کر ڈال دیتا ہے۔ دونوں بیٹھ جاتے ہیں) میں نہیں کہہ سکتی کہ تم میں سے کون نیک بھی مجھ کو تڑپ کر رہا ہے۔ تم اپنی کھیتی سے یا وہ اپنی گندی ہنسا سے۔ میں سمجھتی رہوں کہ لئس نے تم کو جیون کے ان سوگم اپائیوں سے کسی کے لیے بھی سوتیز نہیں کیا تھا (آدم سے) تم درکشوں کے بھیتر سے ان نکالتے ہو، آکاش سے کوئی المیور پردت بھونچ کیوں نہیں اتارتے؟ وہ اپنے بھونچ کے لیے چوری اور ودھ کرتا ہے مرتیو کے پشچات آجو پر دیرتھ کوتا کرتا ہے اور اپنے بھیا نیک جیون کو سندرشدوں میں اور اپنے رویں دارشریر کو ایتھے دستروں میں، جس سے لوگ چور اور ہتھیارا سمجھ کر کونے کے بدلے اس کی مان پر تشھا کریں، چھپائے ہوئے ہے۔ آدم کے سوا تم سب منش میری سنتان اور میری سنتان کی سنتان ہو۔ تم لوگ میرے پاس آتے ہو اور اپنی پردرشنی کرنا چاہتے ہو، پرنتو تمہاری ساری بدھی اور یوگیتا تمہاری ماتا حوا کے سنگھ پیت ہو جاتی ہے۔

کسان آتے ہیں، لڑنے مرنے والے آتے ہیں، کثو دونوں سے میں، ایک سان ادب جاتی ہوں، کیوں کہ وہ یا تو پچھلی فصل کی شکایت کرتے ہیں یا اپنی پچھلی لڑائی پر تھمنڈ کرتے ہیں، یہی پچھلی فصل بالکل پہلی فصل کے سان ہی ہوتی ہے اور پچھلی لڑائی کیول پہلی لڑائی کی شردہ ہوتی ہے۔ میں یہ سب ہزاروں بار سن چکی ہوں۔ کل لوگ آکر اپنے سب سے چھوٹے بچے کی چرچا کرتے ہیں کہ میرے سب سے سمجھدار اور پیارے بچے نے 'کل' کہا

ہے یا یہ کہ وہ اور بچوں سے ادھک انوکھا اور ہنس کھ ہے۔ اور مجھ کو آٹھر یہ پرستا اور روچی کو پرکٹ کرنا پڑتا ہے۔ یہ جی پچھلا لڑکا بالکل پہلے لڑکے کے سامن ہی ہوتا ہے اور وہ کوئی ایسی نئی بات نہیں کہتا جس کو تمہارے اور ہاتیل کے منہ سے سن کر میں نے اور آدم نے آئندہ نہ اٹھایا ہو، اس لیے کہ تم دونوں سنسار میں سب سے پہلے بچے تھے اور ہم کو اس آٹھر یہ اور آئندہ سے پورن کرتے تھے جس کو، جب تک سنسار کی استھی رہے گی، پھر کوئی دو دیکتی انوبھو نہیں کر سکتے۔ جب میں اتہن کرنے کے یگیہ نہ رہوں گی، تو اپنے پرانے باغ میں جو کوڑا کرکٹ کا ڈیر ہو رہا ہے، چلی جاؤں گی اس دچارے کہ کداجت بات کرنے کے لیے پھر سرپ مل جائے، کنو سرپ کو تم نے ہمارا شتر د بنا دیا ہے۔ اس نے باغ چھوڑ دیا ہے، یا مر گیا ہے، میں اس کو کبھی نہیں دیکھتی۔ اس لیے مجھے لوٹ آنا پڑتا ہے اور آدم کی انہیں باتوں کو سننا پڑتا ہے جو دس ہزار بار سن چکی ہوں۔ پر پوتے کی سوا شرششا (सुश्रुषा) کرنی پڑتی ہے۔ جو اب یوا ہو چکا ہے اور اپنے بڑپن سے مجھ کو بھے بھیت کرنا چاہتا ہے، آہ! کیسا شھل کر دینے والا جیون ہے اور ابھی اسی پرکار لگ بھگ سات سو ورش کا نئے ہوں گے۔

قاتیل۔ دین مانا! دیکھتی ہو، جیون کتنا دشال ہے! منش پر تیک دستو سے تھک جاتا ہے۔ آکاش کے نیچے کوئی نئی دستو نہیں۔

آدم۔ (ہوا سے گھرنا پورن بھاؤ میں) یدی تم کو شکایت کرنے کے ازکت کوئی کام نہیں ہے تو تم کیوں جی رہی ہو؟
خوا۔ اس لیے کہ ابھی آشائیش ہے۔

قاتیل۔ کس بات کی؟

خوا۔ تمہارے اور میرے سوپن کے ستیہ سدھ ہونے کی، نئی اور اتم دستوؤں کے اتہن ہونے کی۔ میری سنخان اور سنخان کی سنخان کرشک ہیں، نہ کہ لڑاکے۔ ان میں سے کچھ لوگ کھیتی کریں گے نہ کہ لڑائی۔ وہ تم دونوں سے ادھک ایچیگی ہیں۔ وہ دریل ہیں، بھیرو ہیں، اور پردرشن کے لپٹھک ہیں۔ پھر بھی وہ میلے کھیلے رچے ہیں اور بال کاٹنے کا کٹ بھی سہن نہیں کرتے۔ وہ رین لیتے ہیں۔ اور کبھی پریشودھ نہیں کرتے۔ اس پر بھی ان کو جس دستو کی آؤٹیک ہوتی ہے لوگ ان کو دے دیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سندر شہدوں میں سندر جھوٹ بولتے ہیں، وہ اپنے سوپن کو اسرن رکھ سکتے ہیں۔ وہ بنا سوئے ہوئے سوپن دیکھ سکتے ہیں۔

ان کی سنگپ شقی ایسی نہیں کہ وہ سوہن دیکھنے کے استحان میں سرجن کر سکیں، کفو سرپ نے کہا تھا کہ وہ لوگ جو دڑھ دھواں رکھتے ہیں پرتیک سوہن کو اپنے سنگپ سے اُتھن کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں، جو بانسری کے کچھ کمرے کاٹ کر ان کو پھونکتے ہیں۔ جن سے دایو میں شبد کے منور شور اُتھن ہوتے ہیں اور کچھ بھانتی بھانتی کے سُوروں کو پر سِرا دیتے ہیں اور تین تین کلڑوں سے ایک ہی سے شبد نکلتے ہیں اور میرے پرانوں کو ابھار کر ان دستوؤں تک پہنچا دیتے ہیں جن کے لیے میرے پاس شبد نہیں ہے۔ اور کچھ مٹی کے پشو بناتے ہیں اور پتھر پر آکرتیاں ٹھونک دیتے ہیں۔ اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ان آکرتیوں کی استریاں اُتھن کرو۔ میں نے اس آکرتیوں پر دُچار کیا ہے اور پھر سنگپ کیا ہے اور لڑکی اُتھن بھی کی ہے، جو اب بڑھ کر ان آکرتیوں سے مل گئی ہے۔ اور کچھ لوگ ہیں۔ جو بنا انگلیوں پر گنے ہوئے سنگیا سوچ لیتے ہیں اور رازی کے سے آکاش کی اُور دیکھا کرتے ہیں۔ یہ لوگ تاروں کے نام رکھتے ہیں اور پورن ہی سے یہ بتا سکتے ہیں کہ سور یہ کب کالے توے سے ڈھک جائے گا۔ تو بال کو دیکھو جس نے اس چرنے کو بنا کر میرے شرموں کو بہت کچھ گھٹا دیا ہے۔ پھر ہنوک کو دیکھو، جو پہاڑیوں پر پھرا کرتا ہے اور براہ شبد کی باتیں سنا کرتا ہے۔ اس نے اپنی اچھا کو اس شبد کی اچھا پوری کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ سویم اس میں بہت کچھ شبد کی مہیما آگئی ہے۔ جب یہ لوگ آتے ہیں تو سد یو کوئی نہ کوئی نئی بات یا نئی آشا اوشیہ ہوتی ہے اور جیوت رہنے کے لیے بہانا مل جاتا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہتے۔ کیوں کہ وہ سد یو سیکھتے رہتے ہیں اور کوئی نہ کوئی انیہ دستو یا ودھا اُتھن کرتے رہتے ہیں۔ اور اُتھن نہیں کرتے تو کم سے کم ان کے سوہن دیکھتے رہتے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی قابل تم اپنی لڑائی اور ناشکاریتا پر مورکھوں کی بھانتی اُتراتے ہوئے آتے ہو اور مجھ سے کہتے ہو کہ یہ سب اتھیت پر بھادشالی ہے، میں شور ہوں اور مرتیو یا مرتیو کے بھے کے اتھرت کوئی دوسری دستو جیون کو پر یہ نہیں بنا سکی۔ بس، دشت بالک! یہاں سے چلے جاؤ اور تم آدم! اپنا کام دیکھو اور اس کی باتیں سننے میں اپنا سے نہ بھٹ کرو۔

قابل — میں کداچت بہت بدھیمان تو نہیں ہوں کفو.....

ۛۛۛ (بات کاٹ کر) ہاں کداچت نہیں ہو، پرتو اس پر ابھیمان نہ کرو۔ یہ کوئی پرتھسا یگیہ بات نہیں ہے۔

قاتل — تو بھی ماما! میرے بھتر ایک زرداد شقی ہے جو مجھ کو بتاتی ہے کہ مرتیو جیون میں اپنا بھاگ اوشیہ لیتی ہے۔ اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ مرتیو کا اوشکار کس نے کیا؟
(آدم چونک پڑتا ہے۔ ۱۱ اپنا چرخہ چھوڑ دیتی ہے۔ دونوں اتھت دسے کا پردرشن کرتے ہیں)

قاتل — تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟
آدم — لڑکے تم نے ہم سے ایک بھیا تک پرشن کیا ہے۔
۱۱ — تم نے دودھ اوشکار کیا، بس اتنا کہہ دینا پریا پت سمجھو۔
قاتل — دودھ مرتیو نہیں ہے۔ تم میرا ابھی پرانے سمجھتے ہو؟ جن کو میں دودھ کرتا ہوں، یدی ان کو میں چھوڑ دوں، تو بھی وہ مر جائیں گے۔ یدی میں دودھ نہ کیا جاؤں تو بھی مر جاؤں گا۔ مجھ کو اس میں کس نے پھنسیا؟ میں پوچھتا ہوں کہ مرتیو کا کس نے اوشکار کیا؟
آدم — لڑکے! بدھی کی بات کرو، کیا تم سدیو کا جیون بہن کر سکتے تھے؟ تمہارا دچار ہے کہ تم بہن کر سکتے تھے، چونکہ جانتے ہو کہ اپنے دچار کی پرکھا نہیں کر سکتے۔ پرنو میں جانتا ہوں کہ اتھت اور اٹھیشنا کے روپ میں بیٹھ کر اپنے بھاگیہ کو ٹھیکھنا کیا اترھ رکھتا ہے۔ تک دچار تو کرو، کبھی چھٹکارا نہ ہوتا اور تم غدی کے تھ پر بالو کے جتنے کن ہیں، ان سے ادھک دنوں تک آدم ہی آدم رہتے اور پھر بھی پرینام سے اتنی دور جتنا کہ پہلے تھے۔ میرے بھتر بہت کچھ ہے جس سے کہ مجھے گھرنا ہے اور جسے میں نکال کر پھینک دینا چاہتا ہوں۔ اپنے ماما پتا کے کرتکیہ بنو، جنھوں نے تم کو اس یوگیہ بنایا کہ اپنا بوجھ نئے اور اچھے منشیوں کو سونپ دو اور اس پر کار تمہارے لیے پرتیک اتھر شاتی کو ہستھت کیا، کیوں کہ ہم ہی نے مرتیو کا بھی اوشکار کیا تھا۔

قاتل — (اٹھ کر) تم نے اچھا کیا میں بھی سدیو جیوت رہنا نہیں چاہتا، کٹو یدی مرتیو کو تم نے اوشکار کیا تو مجھے دوش نہ لگاؤ کیوں کہ میں مرتیو کا پر بندھک ہوں۔
آدم — میں تم کو لانچن نہیں لگاتا۔ دوش اس مان کر چلے جاؤ، مجھے کھیتی کے لیے اور اپنی ماں کو چرخہ کاتنے کے لیے چھوڑ دو۔

قاتل — تم کو اس لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ کٹو میں نے تم لوگوں کو ایک اٹم مارگ دکھادیا ہے (دھال اور بھالا اٹھا لیتا ہے) میں اپنے شور دیر متروں اور ان کی سندھ استریوں

کے پاس چلا جاؤں گا (کانٹوں کی دیوار کی اوپر جاتا ہے) جب آدم دھرتی کھودا کرتا تھا اور
 ۛۛۛ چمچہ چلایا کرتی تھی؟ اس سے سمجھ منٹ کہاں تھے؟ (ٹھہکا کا لگتا ہوا جاتا ہے اور پھر چپ
 ہو کر دور سے پکارتا ہے) ماتا! ودا!

آدم— (بڑبڑاتے ہوئے) پامروان! ٹٹی کو پھر بند کر سکتا تھا۔ (وہ سویم ٹٹی کو مارگ
 میں کھڑا کر دیتا ہے) اس کی اور اسی پرکار کے لوگوں کی بدولت مرتیو جیون پر دے پاتی جاتی
 ہے۔ اسی سے دیکھو میرے بہت سے پوتے اور ناتی جیون کو پورن روپ سے جاننے کے پہلے
 ہی مر جاتے ہیں۔ کچھ پرواہ نہیں۔ (اپنے ہاتھ پر تھوکتا ہے اور اپنی کدال اٹھا لیتا ہے) کھیتی
 سیکھنے کے لیے جیون ابھی تھیوٹ وصال ہے یہی یہ لوگ سلیمت بنا رہے ہیں۔

ۛۛۛ— (سوچتے ہوئے) ہاں کھیتی کے لیے اور لڑنے کے لیے، کتو کیا دوسرے اتھیوٹ
 اوشیک کاموں کے لیے بھی جیون تھیوٹ وصال ہے؟ کیا یہ لوگ اتنے سے تک جیوت
 ہوں گے کہ من کھا سکیں؟

آدم— من کیا ہے؟

ۛۛۛ— وہ آہار، جو آکاش سے لایا جائے، جو دایو سے بنا ہو اور ٹیلن رہتی سے دھرتی
 کھود کر نہ نکالا گیا ہو۔ کیا لوگ اپنی الپایو میں سمت تاروں کی گتی جان لیں گے؟ ہنوک کو
 تو شبد، کا ارتھانتر سیکھنے میں دو سو برس لگ گئے۔ جب وہ کیول اتی برس کا بچا تھا۔ تو اس
 کے شبد کو سمجھنے کے بال پرین قاتیل کے پرلینکاری کرودھ سے ادھک بھیا تک تھے۔ جب
 ان کی پرماپو الپ ہو جائے گی تو لوگ کھیتی کریں گے، لڑیں گے، ماریں گے اور مریں گے۔
 اور ان کے بچے ہنوک ان سے کہیں گے کہ شبد کی اچھا یہی ہے کہ وہ سد یو یا تو کھیتی کرتے
 رہیں یا لڑتے رہیں اور مارتے مرتے رہیں۔

آدم— یدی وہ سویم آلسی ہیں اور ان کا سنکھپ یہی ہے کہ مر جائیں تو میں ان کو
 روک نہیں سکتا۔ میں ایک سسٹر ورش تک جیتا رہوں گا۔ یدی ان کو یہ سویکار نہیں تو وہ مر
 جائیں اور دھکار میں پھنسے رہیں۔

ۛۛۛ— دھکار؟ یہ کیا ہے؟

آدم— یہ ان لوگوں کی دشا ہے جو مرتیو کو جیون سے اچھا کہتے ہیں۔ تم چرا چلائے
 جاؤ، بے کار نہ بیٹھی رہو، جب کہ میں تمہارے لیے روم روم کی ٹھٹی دیے کر رہا ہوں۔

ۛۛۛ (دیرے سے چر خا گھماتے ہوئے) یدى تم مورکھ ہوتے تو ہم دونوں کے لیے کھیتی اور چرنے سے اتم جیون کا کوئی دوار نکال لیتے۔!

آدم۔ اپنا کام کرو، ایٹھا بنا روٹی کے رہنا پڑے گا۔

ۛۛۛ منش کیل روٹی سے جیوت نہیں رہے گا، اور بھی کوئی دستو ہے۔ ہم ابھی نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے، کتھو کسی دن ہم کو گیات ہو جائے گا اور تب ہم اکیلے اس سے جیون نزواہ کریں گے اور پھر نہ کھیتی رہ جائے گی، نہ چر خا، نہ لڑنا ہوگا، نہ مارنا۔

(وہ وڈش ہو کر چر نہ چلاتی ہے، آدم اُدھیرتا کے ساتھ بھومی کھودتا ہے۔)

خطوط بنام پریم چند

ڈاکٹر اقبال کا خط

سمکھوت : جولائی، 1915

آپ نے اس کتاب کی اشاعت سے اردو لٹریچر میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز افسانے جدید لٹریچر کی اختراع ہے۔ میرے خیال میں آپ پہلے شخص ہیں جس نے اس دقیق راز کو سمجھا ہے اور سمجھ کر اسے اہل ملک کو فائدہ پہنچایا ہے۔ ان کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انسانی فطرت کے اسرار سے خوب واقف ہے اور اپنے مشاہدات ایک دلکش زبان میں ادا کر سکتا ہے۔

سیّد جالب دہلوی کا خط

دی ”ہمد“، لکھنؤ

22 ستمبر، 1916

محترمی و کرمی، بندگی!

افسوس ہے کہ ”ہمد“ کی اشاعت اور غیر معین زمانے کے لیے ملتوی ہو جانے کے بعد آپ سے بلواسطہ خط و کتابت کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا اور مجھے آپ کے جدید مقام تبادلہ کی اطلاع نہیں ہونے پائی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، آپ کا پہلا مقام، جہاں سے آپ ”ہمد“ کے لیے کہانیاں ارسال فرماتے تھے، مہوبا تھا، اور میرے رفیق کار قاضی عبدالغفار صاحب نے وہیں آپ کا آخری افسانے کا نظرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ مگر اپریل گزشتہ میں اب دفتر ”صدقات“، کلکتہ سے میں نے افسانے کے لیے آپ کی خدمت میں ایک عرضی ارسال کیا تو کوئی جواب نہیں ملا اور اب لکھنؤ آنے پر بعض احباب کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ آپ وہاں سے تبدیل ہو کر گورکھ پور چلے گئے ہیں، مگر صحیح مقام کسی سے نہ معلوم ہو سکا۔ اس لیے میں اپنے دیرینہ کرم فرماں نشی دیا نارائن گم، مالک و مدیر ”زمانہ“، سے اپنا یہ عارضہ آپ کی خدمت میں بھیجنے اور مجھے آپ کا پتہ تحریر کرنے میں مدد لیتا ہوں۔ آپ کو تکلیف دینے کی غایت یہ ہے کہ لکھنؤ سے ایک جدید روزانہ اخبار بہ زبان

اردو میری ایڈٹری میں جاری ہوتا ہے اور اس کے لیے میں نے اپنے تمام قدیم احباب اور خاص کر معاونین و ہمدرد، جس کی ترتیب و چیف سب ایڈٹری آخری ڈیڑھ سال میں مجھ سے متعلق رہی، قلمی امداد کی استدعا کی ہے۔ ”ہمد“ معاونین کی خدمت گزاری میں ”ہمدرد“ کی سی فراخ دلی کا تو اظہار نہیں کر سکتا، کیونکہ اتنا سرمایہ ہم نہیں پہنچا ہے اور اس وقت اخبار کا خرچ کی کئی پہلوؤں میں بہ مقابلہ سابق بڑھا ہوا ہے، تاہم وہ خاص خاص معاونین کی خدمت میں کسی قدر نظر انداز کرنا چاہتا ہے، جو اگرچہ ان کی دماغ سوزی کے مقابلے میں نہایت حقیر کہا جائے گا، لیکن قومی امید ہے کہ وہ اصحاب اس کی ابتدائی حالات کا لحاظ کر کے اور ملک و زبان کی خدمت کا خیال مد نظر رکھ کر منظور فرمائیں گے۔ جن حضرات سے اس قسم کی استدعا کی گئی ہے، انہیں اپنی ذاتی دلچسپی کے لحاظ سے میں نے سب سے پہلے آپ کا نام نامی لکھا ہے۔ اور اگر آپ کا پتہ دریافت طلب نہ ہوتا تو یہ عارض کئی روز قبل آپ کو پہنچ جاتا۔ اب یہ بالواسطہ خدمت عالی میں بھیجا جا رہا ہے۔ اور چونکہ ”ہمد“ کا ابتدائی پرچہ دو شہد یا سہ شنبہ کو شائع ہو جانے کی توقع ہے، اس لیے میں التماس کرتا ہوں کہ آپ اس عاریضے کا جواب جلد تحریر فرمائیں اور اگر کوئی کہانی، جو ”ہمد“ کے ایک صفحے سے نہ بڑھے، جس کی نقی و ستر ”ہمد“ کے مانند ہوگا، آپ کے پاس تیار ہو تو میرے پاس بھیج دیں، ورنہ کوئی مختصر سا افسانہ نیا لکھ کر ارسال فرمائیں اور ساتھ ہی اطلاع دیں کہ آپ ”ہمد“ کی مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے کم سے کم کتنا نظر انداز قبول کرنے کو تیار ہیں۔ ”ہمد“ کی حالت ذرا تقویت پذیر ہوتے ہی انشا اللہ نذرانے میں اضافہ ہو جائے گا۔

آپ کا قدیم خیر خواہ،

سید جالب دہلوی

ایڈٹر، روزانہ ”ہمد“، لکھنؤ

بیگم حسرت موہانی کا خط

دفتر ”اردوئے معلیٰ“،

از علی گڑھ

2 اپریل، 1917

مکرمی، حلیم!

میں نے بذریعہ ایڈیٹر صاحب ”زمانہ“ ایک جلد ”دیوان۔ حسرت“ آپ کی خدمت میں روانہ کی تھی۔ امید ہے، آپ کے ملاحظہ سے ضرور گزری ہوگی۔ کاش، جناب تکلیف فرما کر اس کی رسید سے مجھے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ اطمینان ہو جاوے۔ اس وقت یہ چند سطریں لکھنے پر جس شے نے مجھے مجبور کیا ہے، اس کی تعریف میرے زبانِ قلم سے کسی طرح نہیں ادا ہو سکتی۔ حق یہ ہے کہ ایک معمولی سے معمولی قصے کو نہایت مؤثر اور دلکش پیرائے میں ادا کرنا آپ ہی کا حصہ ہے۔ چنگی، تحریر اور سلاست بیان غرض کہ شروع سے آخر تک ایک مختصر افسانے کو اس طرح قلم بند کرنا کہ اس میں تصنع اور بناوٹ کا کہیں شائبہ تک نہ ہو، کمال ہے۔ میں آپ کو اس خداداد قابلیت پر مبارک باد دیتی ہوں۔ آج کے آئے ہوئے زمانے میں یہی فعلہ حسن بہت خوب ہے۔

کیا میں امید کروں کہ آپ دیوان کی بچھنے کی رسید سے اطلاع دیں گے اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ بھی دیوان پر اپنے زرخیز خیالات کا اظہار فرمائیں؟

منتظر

بیگم حسرت موہانی

چھوی ناتھ پانڈے کا خط

181، ہری سن روڈ، کلکتہ

12-01-1923

پر یہ بھائی صاحب، وندے،

ہندی پتک بھون کے سچا لک نے آپ کے پاس ایک پتر لکھا ہے۔ آپ کی کہانیوں کا ایک سگرہ وہ چاہتے ہیں۔ ”پریم پرسون“ کے لیے ہی انھوں نے لکھوایا تھا، پر

وہ تو کاکا کا ہو گیا۔ اب بھی وہ مجھے طعنہ ہی دیتے ہیں۔ اگر آپ انہیں اپنی کہانیوں کا ایک سگرہ ابھی دے دیں تو وہ چھوڑ کر پراکٹس کر دیں گے۔ میں بھی بڑا کر تکیہ ہوں گا۔ رادھا کرشن جی انپاس کے بارے میں کئی بار پوچھ چکے ہیں۔ کیا اتر دوں، لکھیے گا۔ رادھا کرشن جی کی پتی کا سورگ واس گت منگل کو ہو گیا۔ آشا ہے، آپ اس بار پٹک بھون کے سچا لک کو بتا ش نہ کریں گے، اور میری بھی بات رکھیں گے۔ مہتاب رائے سے کہہ دیجیے گا کہ ذرا پتر کا اتر دے دیا کریں۔ جب سے میں آیا، کئی پتر لکھے، پر اتر ندارد۔

سلیبی، چھوی ناتھ

چھوی ناتھ پانڈے کا خط

مکتہ،

بھئی نہیں، ستمبر 1923

پر یہ بھائی صاحب، دندے،

کر پا پتر ملا، حال جانا۔ ٹھیک ہے، کسی سے کوئی دستو مانگنا اگر اس کی ہنسی اڑاتا ہے، تو بے شک میں نے آپ کی ہنسی اڑائی۔ ایک بات لکھوں تو شاید اتنی کتنی سمجھی جائے گی، پر لکھ دیتا ہوں۔ لوگ اشوک کے پاس ہی جاتے ہیں ببول کے نہیں۔ اسی سے انھوں نے بھی آپ کو ہی دیکھا اور پھر سے لکھوایا۔ تین ماس بعد ہی سہی۔

اب رادھا کرشن جی کی بات سنئے۔ وہ کہتے ہیں۔ اردو کا سگرہ جو آپ کر رہے ہیں، وہ تو بڑا بازار کمار سجا کے ٹھٹھ لکھا ہی جا رہا ہے، اس کی بات یہاں کیوں؟ رہی انپاس کی بات تو کمانے کمانے والوں کے لیے سنسار میں اینکائیک انپاس پڑے ہیں۔ ان کے لیے تو پٹکوں کی کمی نہیں۔ اگر کسی ہے تو بڑا بازار کمار سجا سدش پر کاشکوں کو، جنہیں ہر طرف قدم چھوٹ چھوٹ کر رکھنا پڑتا ہے۔ اور جن جن کر رتن نکالنا پڑتا ہے۔ آپ کے انپاسوں کو ہم انپاس سمجھ کر نہیں نکال رہے ہیں بلکہ ساہجیہ کی اصولیہ دستو۔ اس لیے اسے آپ کو دیتا ہی پڑے گا۔ ہاں، اگر سجا کو دینے سے آپ کسی طرح کی آرجھک چھتی سمجھتے ہوں گے، اس کی پرتی آپ اس سے بھلی پرکار کروا سکتے ہیں، اور پرتھوا کے

خیال سے تو شاید بڑا بازار کمار سہا کسی انیہ پر کاٹک سے گھٹ کر نہ ہوگی۔

اس سے آپ کمانے والوں کا خیال چھوڑ کر ساہیہ پر چار کرنے والوں پر انوگرہ کر اُنپاس جلد سہاٹ کیجیے، اور چھپنے کے لیے دیجیے۔ اگر آپ نے کسی بھی کارن سے یہ پُستک دوسروں کو دینے کا ارادہ کیا ہے، جو داستو میں نہیں ہی ہے، تو اسے کُریا چھوڑ دیجیے۔ ہادر سہا کی ہی دستو اسے سمجھنے کی کُریا کیجیے۔ ادھک کیا لکھیں۔

”ابنکار“ کے پُرسکار کے روپے کے ساتھ ہی ساتھ 15 روپے گُپ کا پُرسکار بھی بھیج دیا تھا۔ مہتاب کو لکھ بھی دیا تھا۔ پتر میں حساب کا بیورا بھی تھا۔ آٹھر یہ ہے کہ انھوں نے آپ سے کچھ نہیں کہا۔ گُپ ابھی تک چھپی نہیں۔

بھوشیہ میں پتر اگر آپ رادھا کرشن کے نام سے ہی لکھیں گے، تو اچھا ہوگا، کیونکہ اب میں ان کے ساتھ نہیں رہتا۔ شبو ہم ساتھ رہتے ہیں۔ ہمیں پتر ابھنسی کے پتے سے ہی دیجیے گا۔

بھو دیہ، جھوی ناتھ

بیج ناتھ کیٹریا کا خط

کلت

10-03-1923

شری سِت پریم چند جی،

مہو دیہ،

آپ کا کُریا پتر ملا۔ یہ تو دو ہزار ہی آچکے ہیں، دیکھنے کی بھول تھی۔ بینک میں روپے دے دیے گئے ہیں، سب 2051 روپیہ سوا چار آنے اب دینے پڑے ہیں۔ انہی کی در کچھ ٹھیک ہے، اسی سے تمھوڑا فائدہ پڑ گیا۔ 1000 روپے آپ اور دے چکے ہیں۔ باقی روپیوں کا حساب پیچھے ہوتا رہے گا۔ روپیوں کے لیے آپ کا کام نہیں اٹکے گا، اس کی کچھ چٹنا نہ کیجیے گا۔ صرف سڑھٹا دینا اُچٹ تھا، اسی لیے لکھا گیا تھا۔ مال بھوانے کے لیے بینک کو پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ہٹلی آنے پر آپ کی سیوا میں بھیج دی جائے گی۔

”سنگرام“ کی کاپیاں آپ کے کلمے اُتار سب بھیج دی جائیں گی۔ ہروف کی

اخذ ہیاں مجھے بھی کھنک رہی ہیں، پر تو اس سے پریس میں اچھے آدمی ہوتے ہوئے بھی ایسا ہو گیا۔

وڈیا پیٹھ میں رسید کی آؤشیکا نہیں۔ 3 ماس کے بعد دوسرے 3 ماس تک 25 روپیہ ملے اور دینے کا دھار ہے۔

آپ کا، جی ناتھ کیریا

گگ نارائن اُپادھیائے کا خط

کاشی وڈیا پیٹھ،

بنارس

08-04-1923

شری دھپت رائے جی،

پانٹھ شالا و بھاگ کے پھنکر خرچے کے حساب میں آپ کو 8 روپیہ 6 آنا، 30 پھالگن 79 کو دیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب آپ کا حساب ٹھیک ہو جائے گا۔
آپ کا، گگ نارائن اُپادھیائے

گگ نارائن اُپادھیائے کا خط

کاشی وڈیا پیٹھ،

بنارس

22-05-1923

شری دھن پت رائے جی،

آپ کے پاس پانٹھ شالا و بھاگ کے پھنکر حساب کا 10 روپیہ پڑا تھا۔ اس کے وشے میں میں نے کئی بار آپ کو لکھا تھا۔ آپ نے اپنے ایک پتر میں لکھا تھا کہ ”میں نے اس کا حساب کس ماس میں لکھا تھا؟“ جس کے اتر میں لکھا گیا تھا کہ پھالگن ماس میں 8 روپیہ 6 آنا آپ کو بھٹ کر دیے کے حساب میں دیا گیا تھا۔ کرپیا یہ حساب

فلم کر دیجیے۔

آپ کا، یک نارائن لوپا دھیائے
سہایک منتری

رادھا کرشن نیوٹیا کا خط

کلکتہ

(سمکھوتہ: 1923)

پریم چند جی،

کریا پتر ملا۔ حال جانا۔ بڑا بازار کمار سہا سارو جیک سنسٹھا ہو کر بھی لیکھکوں کی
خاطر داری کرنے میں قدم پیچھے نہیں ہٹانا چاہتی۔ اس کے دو ہی تو ادیش ہیں۔ سستی
پنٹکلیں لوگوں تک پہنچانا اور لیکھکوں کو شغف کرنا۔ اس لیے اس سبندھ میں لکھنا انا دھیک
تھا، پر بہت وچار کرنے کے بعد یہی نیچے ہوا کہ آپ کو اس پنٹک کے لیے کٹ نہیں دیا
جائے۔ پنڈت جھوئی ناتھ جی نے مجھ سے سب باتیں کہیں تھیں، پر اس سے ”مادھوری“
کے پرسکار کا خیال نہ تو جھوئی ناتھ جی کو ہی تھا اور نہ مجھے ہی۔ اسی سے اتنا زور دینا پڑا،
پر اب آپ کی آرجیک ہانی نہیں کرانا چاہتا۔ اس سے سہرس لکھ دیتا ہوں کہ آپ دلارے
لال جی کو ہی پنٹک دے دیجیے۔

ربی اردو سنگرہ کی بات۔ اس کے سبندھ میں دو باتیں کہنی ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر
رام زلیش جی کی پنٹک نکل گئی اور آپ نے بعد میں لکھا تو کوئی لا بھ نہیں ہوگا۔ ہندی
ساہتیہ کی اور لوگوں کا جتنا کم انوراگ ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ ایک
وشے پر دو پنٹکلیں ابھی نہیں چل سکتی۔ دوسرے اس سے سہا کے ہاتھ میں دوسری کوئی بھی
پنٹک نہیں ہے۔ اگر آپ کو سنے ہو اور آپ کر سکیں تو اسے جلدی کر دیجیے، جس میں اس
سے پہلے ہم نکال لیں۔ نہیں جیسی آپ کی ایکھا! اس سے ادھیک اس سبندھ میں کیا لکھ
سکتے ہیں! ویش کر پاء، یوگیہ سیوا!

بھودیا، رادھا کرشن نیوٹیا

بیج ناتھ کیڑیا کا خط

126، ہرلین روڈ، کلکتہ،

05-07-1923

شری بیٹ پریم چند جی، کاشی

دیر

آپ کا کرپا پتر ملا۔ بابو شمو پرساد جی کے پتر کا اثر میں دے چکا تھا۔ کھید ہے کہ انھوں نے آپ سے نہیں کہا۔

آپ کا جو حساب انھوں نے لکھا تھا، اس میں ابھی قریب 200 روپے جمع نہیں کیے تھے۔ یہ رقم مشینوں کا جہاز بھاڑا، ڈیوٹی، گاڑی بھاڑا آدمی کا خرچ پڑا تھا۔ اس طرح ”پریم کھیتی“ تک کا پُرکار انوائس آپ کے پاس پہنچ چکا ہے۔

اب جیسی آپ کی مرضی ہو لکھیے، اور پر بندھ کر دیا جائے گا۔ پدی مالک خرچ کے حساب کچھ کچھ لیتے رہیں تو آپ کا بھی کام چل جائے، ہمیں بھی ایک ساتھ پر بندھ نہیں کرنا پڑے، پرنو یہ سب آپ کی اِکشا پر ہے۔ یہ بڑے آئند کی بات ہے اُنچیاں پراہہ تیار ہو چکے ہیں، پرنو کاشی دیا پینے سے سب بندھ توڑنے کا کوئی ویش کارن ہوگا۔ وہاں کام کرتے ہوئے بھی آپ کو سنے کافی مل جاتا تھا۔ آپ کے پریس کا کام کیسا چل رہا ہے؟ اس وقت میں آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ آشا ہے اچھی طرح چل نکلا ہوگا۔ کرپا بتائے رکھیے گا۔

بھودیہ، بیج ناتھ

بیج ناتھ کیڑیا کا خط

126، ہرلین روڈ، کلکتہ،

26-07-1923

دیر

آپ کا کرپا پتر ملا، سنتوش ہوا۔ میں نے بھی یہی انداز لگا لیا تھا کہ آپ براشا کی

حالت میں ہی وہ ہٹر لکھے تھے، پرغ، آپ کے پہلے ہٹر کا اتر تو میں دے چکا ہوں۔ لہزم اس میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ خرچے کے لیے مالک کے حساب آپ دکان سے لیتے رہیں اور آپ کو (جہاں تک یاد ہے) خرچے کے لیے ہی ہاتھ میں کچھ نکلی لکھی تھی، پرغو خیر، اب سب بات ٹھیک ہو گئی۔ انواد بھی آپ کو دوسروں کے لیے کیوں کرنا پڑے، جب امیجینی برابر انوادوت پٹنک بھی پرکاوت کر رہی ہیں۔ مولک پٹنک آہستہ آہستہ جیسا جی چاہے، لکھتے رہے، باقی سنے میں دھڑلے کے ساتھ انواد کرتے جائے۔ جو پٹنک آپ آوشیک کھے، سمیٹول ہو۔ اوم آپ کا من لگتا ہو، اسی میں ہاتھ لگا دیجیے۔

دہلی اور گورکھپور میں دکانیں کھل گئی ہیں۔ اب لکری اور بھی بڑھنے کا ڈھنگ ہو گیا۔ اس سے پرکاشن بھی آوشیہ ہی بڑھانا ہوگا۔ اس مینے میں قریب قریب 4 پٹنکیں تیار ہو چکی ہیں۔ ”را-گنی“ اپنیاس قریب 750 پرشٹھ کا، ”شیواجی“ قریب 650-700 پرشٹھ کا، ”بھارتیہ ویرتا“ 325 پرشٹھ کی اوم ”آکر تئی بدان“، جو چھوٹی ہونے پر بھی 50-60 پتروں کے کارن انھیں کے برابر ہو جائے گی۔ یہ چاروں تو امیجینی مالا میں ہیں۔ اس کے سیوا مول راماٹن چھپ کر تیار ہے جو 42 فرموں کے لگ بھگ ہو گئی ہے۔ سواری دیویکانند جی کا بھکتی یوگ پرکاوت ہو گیا ہے۔ آگے کے لیے یہ پرہندہ کر دیا گیا ہے، جو اپنے یہاں پرکاوت ہو، آپ کو اوم گوڑ جی کو کاشی کی دکان سے خرنٹ مل جایا کرے۔

”پریم پھیمی“ میں ہاتھ لگا دیا گیا ہے۔ وہ بھی شیکھر ہی ختم کھیے۔ پرایہ 8-9 فرمیں تو چھپ چکے ہیں۔ پتھیموں کی مانگ ادھک رہنے کے کارن جج میں ان کو شیکھرتا سے نکالنا پڑتا ہے۔ دوسرے پریس نمبر 1، سرکار لین سے اٹھا لانے کے کارن پرایہ 15-20 دن کام ایک دم ہی بند سا رہ گیا تھا۔ اب اپنی پہلی اوستھاسے بھی اچھی حالت پر آ گیا ہے۔

آپ کے پریس کا کیا ہوا، کچھ اتر بھی نہیں ملا۔ آشا ہے، مزے میں پھل نکلا ہوگا۔ مشینیں کیسی رہیں؟ سب حال کھول کر لکھیے گا۔
کر پاتا نہیں رکھیے گا۔

بھودھیہ، جج ہاتھ

دلارے لال بھارگوکا خط

لکھنو

29-07-1923

پریہ دے

ہم نے نیچے کیا ہے کہ سالو چناتھ آئی ہوئی چٹکیں باہر کے بھوں کے پاس بھیج کر
 ”پتک پر بیچے“ لکھوایا جائے۔ تونوسار کچھ اپنی اس ہم آپ کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔
 پُرکار بھی اس سبندھ میں ”مادھوری“ کا ریا لہ بھیجا کرے گا۔ اتر شیکھر دیجیے۔ کرپا بھاؤ
 رکھیں۔ آشا ہے، آپ پرسن ہیں۔

بھودیہ،

دلارے لال (سمپادک)

رام رکھ سنگھ سہگل، سمپادک ”چاند“، کا خط

الہ آباد

25-08-1923

پریہ دے

میں ہندو سجا میں گیا تھا۔ میں نے آپ سے ایک بار ملنا بھی چاہا، پر در بھاگیہ دس
 بھیٹ نہ ہو سکی۔ پریس میں ایک گھنٹہ بیٹھ کر چلا آیا۔ شاید آپ کو میرا کارڈ ملا بھی ہو۔
 مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے، وہ یہ کہ ”مادھوری“ کی تلسی سنگھیا میں
 ”آبھوشن“ شیرٹک آپ کی جو کہانی چھپی ہے، اسے یڈی وہاں نہ بھیج کر آپ ”چاند“ میں
 بھیجیں تو اس سے ویش پُرکار کی سمبھادنا تھی۔ یہ سچ ہوگا۔ پرچار کی دروشی سے بھی چاند
 800 نہیں چھپتا، پر میرا خیال ہے، اُپو گیتا کی دروشی سے، چاہے چاند کی تھوڑی سی پرتیاں
 ہی چھپتی ہوں، یہ کہانی اس کے لیے بہت موزوں تھی۔ خیر۔

ایک کارڈ پہلے بھی آپ کی سیدھا میں بھیج چکا ہوں۔ آشا ہے، ملا ہوگا۔ یڈی اگلے
 ایک کے لیے آپ کچھ بھیجیں، تو کرپا اس کی سوچنا مجھے ترنت دیں۔ کیونکہ اگلے ماس

میں ”چاند“ دو سکرن 15/15 دن میں پرکاشت ہوں گے۔
 ایک سو ساڑھے لکھتے رہیں گے۔

بھودیہ، رام رکھ سنگھ سہگل

ہری شنکر، سمپادک ”آریہ مٹر“ کا خط

”آریہ مٹر“
 آگرہ

29-09-1923

شری منٹ مانیہ در مہودیہ،
 سادر منستے،

نئے انک کے لیے ایک گھپ لکھ کر انٹر ہیٹ کیجیے، بڑی دیا ہوگی۔ میں پہلے بھی
 پراختیا کر چکا ہوں۔ اب پنہ یاد دلاتا ہوں۔ آشا ہے کہ آپ زراش نہ کریں گے۔ نئے
 بہت تموزا رہ گیا ہے۔

بھودیہ ونیت،
 ہری شنکر

دلارے لال بھارگو کا خط

لکھنؤ

01-10-1923

پریم چند جی،

ہندو یونیورسٹی بنارس، کے شری پوت واسو دیو شرن اگر وال کا ہمیں ایک پتر ملا
 ہے۔ اس میں انھوں نے آپ کی پرفنسا کرتے ہوئے ہمارے سنگھ یہ پرتاؤ دکھا ہے کہ
 پریم چند جی کی آکھیا کائیں دو بھاگوں میں پرکاشت کی جائیں۔ ایک میں سرل اور دوسرے
 میں گمبیر کہانوں کا سنگرہ ہو، جو اسکول اور کالج دونوں میں کام آسکے۔

ہم نے ان کے پتر کا اثر دے دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ شری پوت پریم چند جی
 سے سنتی لے کر ہم فیکھر ہی اس پر وہاں کریں گے۔ استو، لکھیے، آپ کی کیا سنتی ہے؟

آپ کی اکھیا پائیں پرکاشت کرنے کا ہم پر بندھ کریں۔ کیا ایسے نگرہ ٹھیک ہوں گے؟
 بھودیہ،
 دلارے لال (سپادک)

دلارے لال بھارگو کا خط

لکھنؤ

01-10-1923

پریم چند جی، سادر بندے!
 کرپا کر کے لکھیے ”پریم پرسون“ میں کن کن گلوں کا نگرہ کیا گیا ہے۔ ہم
 ”مادھوری“ کی اس سکھیا میں اس کا وگیا پن دینا چاہتے ہیں۔
 500/- روپے تو آپ کی سیوا میں پہنچ ہی چکے ہیں۔ شیش روپے سیوا میں ٹھیکری
 بھیجے جائیں گے۔

بھودیہ، دلارے لال
 چھپے ہوئے فارموں کا ایک سیٹ آپ نے ابھی تک نہیں بھیجا۔ کرپا ٹھیکر بھیجے۔
 آج کل لکھنؤ میں ابھوت پورو باڑھ آئی ہوئی ہے۔ پریس میں بہت کم آدمی آتے ہیں۔
 سب کا دھیان باڑھ کی اور ہے۔ دشمن نارائن سے ابھی باتیں نہیں کر سکا ہوں۔ ات ابو
 آپ کے پتر کا اثر دشمن نارائن سے بات کر کے دوں گا۔

دلارے لال

دلارے لال بھارگو کا خط

لکھنؤ ٹنک لا کارپال،

29-30، امین آباد پارک، لکھنؤ

03-10-1923

پریم ہاشیہ
 کرپا ”پریم پرسون“ کے لیے ایک بیج کا وگیا پن ”مادھوری“ میں چھپنے کے لیے بھیج

دیجیے۔ اٹھوا ”پریم پرسون“ کے کپڑوں کی سوچی تھا انیہ آدھیک سٹچنائیں بھیج دیں۔ ہم یہاں وگیا پن بنوا لیس گے۔ کرپیا بنائے رکھے۔

بھودیہ، سچا لک

پریم چندر شرما، لاہور کا خط

26-10-1923

شیزادہ

خدمت جناب نشی پریم چند جی،
نمتے!

میں نے آگے بھی ایک عدد کارڈ لاہور سے آپ کی خدمت میں لکھا تھا، لیکن آپ کی طرف سے ابھی تک کوئی جواب نہ پا کر مجھے پھر دوبارہ لکھنے کی جرأت ہوئی ہے۔ میں نے اپنے پہلے کارڈ میں لکھا تھا کہ ”گوشہ عافیت“ تاحال چھپا ہے یا نہیں۔ اگر چھپ گیا ہو تو ایک کاپی بذریعہ دی۔ پی بھیج کر مفکور فرمادیں۔ آپ یہ بھی لکھیں کہ وہ کہاں چھپے گی۔ اور اندازاً کتنی قیمت ہوگی۔ میں اور میرے دوست بڑی بے چینی سے اس کتاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ ”پریم آشریہ“ کی تعریف سننے سننے کان اکتا گئے ہیں۔ جواب جلدی۔
الراقم

پریم چندر شرما، نیشل کالج، لاہور،
ہال ”شیزادہ“، ضلع سیال کورٹ، پنجاب

فیجبر، ہندی پُستک ایجنسی کا خط

181، ہرین روڈ، کلکتہ

10-11-1923

شری یوت بابو پریم چند جی،
سرسوتی پریس، مدھیہ میشور، کاشی
پریہ مہودیہ

آپ کی سیوا میں پہلے ایک پتر دیا گیا تھا، کنتو دکھ کی بات یہ ہے کہ اس کا کوئی

اُتر اب تک پر اپت نہ ہوا۔ ہمیں شری بُت پنڈت چھوی ناتھ جی پاٹھے دوارا معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس کہانیوں کا ایک سگرہ ہے۔ جو اب تک پرکاشت نہیں ہوا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے تو کر پا کر کے وہ سگرہ ہمیں بھیج دیجیے گا۔ پُر سار کے لیے جیسا آپ کہیں گے، کر دیا جائے گا۔ ہر دہرے فیکھر دینے کی کر پا کریں۔

بھودیہ،

گنگا پرساد بھولپچھا، منیجر

دلارے لال بھارگو کا خط

گنگا پتک مالا کاریا،

(مادھوری سپادن وبھاگ)

لکھنؤ

12-11-1923

پریہ دے

کر پیا لوتی ڈاک سے لکھیے کہ آپ کی ”رنگ بھوی“ نام کی پتک اندازاً کتنے پرشٹھ کی ہوگی؟ ہم اس کی نوٹس ”مادھوری“ کی اسی سکلیا میں دے رہے ہیں۔ اتنی فیکھر۔
 ”مادھوری“ میں ایک نوٹ پرکاشت ہو رہا ہے جس میں گنگا پتک مالا میں پرکاشت مگرتھوں کی سوچی دی جا رہی ہے۔

بھودیہ

دلارے لال (سپادک)

رام چند ٹنڈن کے خط

16/2 Aminuddowlah Park,

Lucknow

12.11.23

My dear Premchandji,

Many thanks for your kind letter of the 8th instant. I had in

the meantime also received your earlier letter sent along with the book. Thanks for both of them.

I am very sorry to learn of the reappearance of your son's malady. The root of the trouble is there and in my opinion a radical treatment becomes imperative. That treatment can only be an operation of his tonsils and adenoids. At all events the proper man an expert must be consulted; and for expert medical and surgical advice Lucknow is the place.

I can quite understand your wife's nervousness. As to her prejudice, she should be cured of it. In the case of my brother my mother raised similar objections. She actually had it... to me that I should take my brother back home and the operation should not be done. I fear long ignored her wishes and informed her that the operation was imperative, that a date had been fixed for it, that, in short, it must be done. She does not regret my choice now. But what a headlong and obstinate son can do, it may not be given to a loving husband also to do. So try sweet persuasion by all means. Only remember that the continuance of your son's malady is detrimental alike to his physical and mental growth. It will be criminal on your part to neglect his case. You will have to do this same thing sooner or later. The sooner the tendency towards deafness is arrested the better. This operation can only arrest tendency to further deafness; it only rarely restores lost hearing. So you are the judge of the matter now. You know what my own advice is.

If you choose to bring the boy here, as I think you should do without delay, you can put up with us, it will be a pleasure to me if you do so. We have rented a small house here, but it is well situated and quite sanitary. You need not at all bother

about accomodation. We shall be here for at least 3 weeks more. My friend in the medical college and myself will render you what little help we can in the matter of the treatment.

I am glad you are busy with writing a Drama named 'Karbala'. This, I understand from Dularelal Bhargava this morning, was for his Ganga Pustak-Mala. I also understood that you had contributed an article of the same title to the 'Madhuri'.

I confess to not having been able to comprehend your question regarding drama and your difference from what Sanskrit literature makes it out to be. We shall talk it over when you are here.

From two of the latest of Raghupati Sahai's letters I have come to know of his anxiety and devotion for the time being he is making supreme efforts to continue his congress work.

Sincerely yours,

R. C. Tandon

رام رکھ سنگھ سہگل کا خط

”دی چاند“ آفس، الہ آباد

19-11-1923

پریہ دے

اس سے پہلے بھی دو ہڑسیوا میں بھیج چکا ہوں۔ آپ نے دشواس دلایا تھا کہ اکتوبر کے انت تک آپ آدھیہ ایک کہانی ”چاند“ کے لیے بھیجنے کی کراپا کریں گے، کنتو یہ نومبر کا مہینہ ہے پر آج تک آپ کی کہانی ملی نہیں۔

”چاند“ کا اگلا ایک ایک بڑے دھیٹا تک کے روپ نکل رہا ہے جو کہ دمبر کے پہلے پتہ میں پرکاشت ہو جائے گا۔ آپ سے سادر انورودھ ہے کہ اس نئے سال کے

شروع والے اکھ میں کچھ آدھیہ بھیجے کی کرپا کریں گے۔

آپ کا، رام رکھ سنگھ سہگل

لاچیت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاچیت رائے اینڈ سنس، لاہور

19.11.1923

شری مان نشی پریم چند جی،
نمستے!

میں دہلی چلا گیا تھا۔ وہاں جا کر طبیعت خراب ہو گئی۔ میرے پیچھے آدمیوں کو ہال رمانڈ، 'مہابھارت' بھیجی یاد نہیں رہی۔ دو تین دن ہوئے آپ کو بھجوائی ہے، لیکن حیرانی ہے، آپ نے ناول کا مسودہ نہیں بھیجا، تاکہ اسے لکھنا شروع کیا جاوے۔ چونکہ آپ کی کتاب اچھے کاتبوں کے سپرد کی جاتی ہیں اور دیر لگتی ہے۔ آپ کرپا کر کے واپسی ڈاک سے بھیجنے کی کرپا کریں۔ ساتھ ہی رائلی کی نسبت اپنے آخری فیصلے سے اطلاع بخشیں گے، تاکہ میں آپ کی منظوری کی چٹھی بھیج دوں، اور بچوں کے لیے 'راما نند'، 'مہابھارت' کہانیوں کی کتابیں کی نسبت اپنے حالات سے اطلاع بخش کر مشکور فرما دیں گے۔

آپ کا شوبھ چٹک

لاچیت رائے

نوٹ: 'خواب و خیال' دو ہفتے میں تیار ہو جائے گا۔

بھگوتی پرساد باجپئی کا خط

پریم مندر، لکھنؤ،

11-12-1923

پڑیہ پریم چند جی،
پڑ نام!

سیوا میں پتر بھیجا تھا۔ کئی دن ہوئے۔ اس میں نے آپ سے کچھ نویدن کیا تھا۔

آخر نہیں ملا۔ آسا ہے، آپ تو اوشیہ مجھ پر کر پا کریں گے۔

بھودیہ، بھ۔ پر۔ باجی

پریم چندر شرما کا خط

لاہور

13.12.1923

بخدمت جناب نشی پریم چند جی، نمستے!

خط آپ کا بہت عرصہ ہوا ملا تھا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ میرے خیال سے آپ نے اس پرچے میں ”گوشائے آیت“ کے چھوانے کا انتظام کر لیا ہوگا۔ ہندی کی کتاب ”رنگ بھوی“ کا آپ نے اردو میں کیا نام رکھا ہے۔ اور آپ کا دوسرا ناول، جس کا آپ نے پہلے خط میں ذکر کیا تھا، کب چھپے گا اور اس کا کیا نام ہوگا؟ ہندی میں تو ”پریم کوشی“ نکل آئی ہے، مگر اردو میں کہیں ملی ہی نہیں۔ آپ کی ایک کتاب ”سکھ درس“ ہے، وہ بھی نہیں ملی۔ جواب جلدی۔

تابع دار

رام کرشن داس کا خط

18 دسمبر، 1923

F/6، فرسٹ ہاسٹل، ہندو یونیورسٹی

پوچیہ بھائی صاحب، آپ نے نہیں لکھا کہ دویدی جی کی پتک لکھانے کا پر بندھ ہو سکا یا نہیں۔ میرا وچار ہے کہ جنوری کے پرتم پتہ میں کاغذ خرید کر آپ کے یہاں دے دوں۔ چھپائی کے بارے میں آپ نے اپنے بھائی صاحب سے پوچھ لیا؟ مجھے ”مریادا“ کے اس ایک کی ضرورت ہے جس میں آپ نے ”جل پری“ چھاپی تھی۔ کیا کہیں سے مل سکتا ہے؟

”رنگ بھوی“ کے بارے میں آپ نے نیچے کر لیا؟ میرے ساتھ کیول بھی صورت نکل سکتی ہے کہ پہلی دو ہزار پتکوں کا تمام منافع آپ لے لیں۔ دو ہزار کا خرچ سہلہ کا

(900 کاغذ + 750 چھپائی + 500 جلد بندھائی + 150 وگیا پن) = 2300 ہوا اور مولیہ ساڑھ چار روپیہ فی کے حساب سے 900 روپیہ ہوا۔ اُتہ 6700 روپیہ بچے، اس میں انواہمہ پونہ کییشن کا بھی نکال دیجیے، یعنی کم سے کم ساڑھ چار ہزار روپے آپ کا بچ رہیں گے۔ مجھے اس پُتک کے چھپانے سے جو فائدہ ہوگا وہ لکھ ہی چکا ہوں۔ جیسی آپ کی آگیا ہو، سو کرنے کو تیار ہوں۔ پُتک تھا اپہار بہت زیادہ سے زیادہ جتنے کی آپ آشا کر سکتے ہیں، اس سے ادھک اس پرکار آپ پراہت کر سکتے ہیں۔

سیوک، رام کرشن

بھگوتی پرساد باجپئی کا خط

پریم مندر، لکھنؤ،

19-12-1923

شرمدیہ پریم چند جی، پرنام!

کرپا پتر پا کر انوگرہت ہوا۔ پُتک کلکتے سے آتی ہوئی شیکھر ہی سیوا میں پہنچے گی۔ جس دن پراہت ہو، اسی دن کرپا کر کے اس کے پراہت ہونے کی سچنا دے دیں۔ آپ نے میری پراہت سونیکار کر لی، آپ کی اس کرپا کا میں ہر دیہ سے آہاری ہوں۔

کرپا بھاد رکھیں۔

بھودیہ، بھ۔ پر۔ باجپئی

منیجر، ہندی پُتک ایجنسی کا خط

181، ہرین روڈ، کلکتہ

22-12-1923

مانیہ درمہودیہ،

شری یس پندت بھگوتی پرساد جی وانجی کے لکھنے سے ہم ان کا ”پریم پتہ“ آپ

کی سیوا میں بھیجتے ہیں۔ پہنچتے ہی سوچت کیجیے گا۔ ویش کر پا رکھیے گا۔ ہمارے یوگیہ سیوا سے سوچت کیجیے گا۔ اپنی رچنا میں سے ہمیں بھی کچھ دینے کا خیال رکھیے گا۔

بھودیہ، گنگا پر ساد بھولچھا

نمبر

امر ناتھ جھا کا خط

29، ایسٹرن کینال روڈ، دہرہ دون

10/جون 1925

پر یہ پریم چند جی،

رنگ بھوی کے وشیر میں آپ کو پتر لکھنے میں جو اچھی دیری ہوئی ہے اس کے لیے کرپا چھا کر دیں۔ میں نے اب اسے سہت کر لیا ہے۔ میں نے اس کا ایک ایک شبد پڑھا ہے اور اب پہلے سے بھی زیادہ آپ کی ادبھت سرجناتھک پرتیما کا پرفنسک، بہت بڑا پرفنسک ہو گیا ہوں۔ سورداں کو اپنا نامک بنانا اتھت سانس کا کام تھا لیکن اس کے چتر کو آپ نے کتنی سندرنا سے چترت کیا ہے۔ اگر آپ ایک دو بھاؤں کے لیے مجھے معاف کریں تو وہ یہ ہیں۔ پرفشہ 785، پنکتی 6 میں 'سیوک جی' اسپٹ ہی بھول ہے۔ اپنیاس میں دو کتھا پرفسنگ کافی کمزور جان پڑتے ہیں۔ ریل گاڑی میں ونے اور صوفیہ والا درشیر اور دیرپال سنگھ کے گپت اڈے پر ونے کا وہ اتھت جھکا جھکا بلکہ دبا سہا سا بھاؤ۔ انھیں چھوڑ کر میرے خیال میں میرے پاس دوسرا کوئی آلوچنا کا شبد نہیں ہے۔ رنگ بھوی آدھوبک ہندی کا ایک گورو بنے گی۔

سمت شہ کامناؤں کے ساتھ

آپ کا، امر ناتھ جھا

بنارس داس چتر ویدی کا خط

دشال بھارت کاریالیہ

120/2 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ

15 نومبر 1926

پریم چند جی

پرنام! گھاس لیٹ ساہتیہ کے وردھ جو آندون میں کر رہا تھا اس کی میں نے اب اتنی شری کردی ہے۔ اور اتم لیکھ 'گھاس لیٹ وردھی آندون کا اپسہار' دشال بھارت میں لکھ رہا ہوں۔ اس ادھر پر میں آپ کی سستی سرتھن میں ایک چٹھی لکھی تھی۔ کیا اس کی پرتی لپی آپ کے پاس ہے؟ میں نے رکھ چھوڑی تھی پر وہ کھو گئی۔

شری 'ت سندرالال جی سے میں ابھی پریاگ میں ملا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا 'تم نے اس گندے ساہتیہ کے وردھ آندون اٹھا کر جج جج بہت اچھا کاریہ کیا۔ کسی نہ کسی کو یہ کاریہ کرنا ہی چاہیے تھا۔ یہی اس سے پرانہ میں گھاس لینی لیکھوں کو کچھ دیا پن ضرور ملا، پھر بھی یہ کاریہ بہت آویٹک تھا۔'

میرا دشواس ہے کہ آپ کی اس آندون میں میرے ساتھ سہانو بھوتی تھی۔ ساہتیہ درشنی سے چاکلیٹی ساہتیہ جج جج اہیت بھینکر ہے۔ مجھے کھید ہے کہ 'پرتاپ' تھا 'کرم دیز' جیسی راشنریہ پتروں نے اس آندون کو بالکل Ignore کیا۔ کرپا دستار پورک اپنے سستی اس دشنے میں بھیجے۔ میں اس سے اپنے لیکھ میں ادھرت کروں گا۔

دینیت، بنارس داس چتر ویدی

لاہوت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاہوت رائے اینڈ سنس،

3.11.1927

شری مان جی،

نمستے!

کرپا پتر ملا۔ 'نواز کھولے گئے تھے روزے گلے پڑنے' کے مصداق۔ میرا نویدن تھا

کہ ناولوں پر 'خواب و خیال' کی طرح روپیہ لے لیویں اور جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ 'خواب و خیال' کو بھی زمرہ میں شامل کریں۔ ہے نا خوبی قسمت! عام دن برسے مطلب 'خواب و خیال' کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جس کو چھیننے کی ضرورت نہیں۔ آئندہ ناولوں کے واسطے اگر آپ میری درخواست کو قبول نہیں کر سکتے، تو مجھے آپ کے کہے انوسار رائٹلی منظور کرنے میں کوئی اُجر نہیں۔ آپ کو سو صفحے کا ناول پہلے بھیج دیجیے۔ اس کے بعد دوسرا دو سو کا چھاپ لوں گا۔ اس کے بعد پھر حکم تعمیل کروں گا۔ ہاں، رائٹلی بھی دس اور پندرہ فیصدی کے بجائے پندرہ اور بیس کی رقمیں تو مناسب ہوگا۔ آخر میں ناول کا مضمون بھیجتے ہوئے اس کے ساتھ فیصلہ شدہ شرط لکھ دیں۔ میں تعمیل کروں گا۔

'خواب و خیال' کی دس کاپی ڈاک کی ٹرانزیکشن میں خراب ہو گئی۔ اب لکھنے کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ ٹائٹل چھپ گیا ہے۔ اس ماہ میں کتاب تیار ہوگی۔ اس کتاب کے بذریعہ اشتہار ادھار نقد میں آپ کے کام کو Advertise کروں گا۔ اس لیے بھی اس پر رائٹلی دینے کے ناقابل ہوں۔ سابقہ فیصلہ شدہ شرط پر عمل ہوگا۔ بچوں کی 'رام زائن' اور 'مہابھارت' بھیجتا ہوں۔ کہانیاں آپ خود بچوں کی لکھ سکتے ہیں۔ وہاں کتنی ہی اردو ہندی کتب اسکولوں میں پڑھائی جانے والی بچوں کے لیے موجود ہوں گی۔ پہلے آپ 'رام زائن' شروع کیجیے۔ افسوس، میری صحت میرے کام میں سخت حرج ڈال رہی ہے، ورنہ جلدی میں خود کو آپ کی نظر میں اچھا پبلشر ثابت کرنے کی کوشش کرتا۔

میں اگر اپنا کوئی پلاٹ آپ کو دوں تو اس پر آپ ناول لکھ دیں گے، تو اس کا آپ کیا چارج کریں گے؟

آپ کا

لاہوت رائے

جگجیت فلم کمپنی کا خط

Jagjit Film Co.

New Delhi

21st November, 1927

Dhanpat Rai Esq.
Madhuri Office,
Newul Kishore Press
(Book-Depot),
Lucknow

Dear Sir,

Many thanks for your letter dated the 11th instant. It is good of you to have written in connection with our Cinema Enterprise.

Lately we have been busy in the production of a few other stories, and we have not been able to write you in detail.

Our Scenario Department is working at full pressure, and we are afraid we shall have to request you to write scenarios of your own stories for the film production.

We shall be sending a scenario sketch to your address at an early date to explain the different technical points. Also we shall submit a rough idea about the rates etc. for this work.

Thanking you,

we are,

Yours faithfully,
for Jagjit Film Co.
R.B. Mathur
Director

رام رکھ سنگھ سہگل، (مدیر 'چاند') کا خط

'The Chand' Office

Telephone 205

Telegrams 'Chand';

Allahabad, 21.11.1927

Reference No. 4779

My dear Premchand,

I never thought you will raise this question at a time when Marwaries are hot with the 'Chand', you seem to have been bribed by them.

I am amused at your finding. It is a fact the book has occupied much more space than the 'Chand', but I wonder you have deliberately overlooked the fact that it is printed so lavishly in Pica and double laid have been intentionally used to make the book as bulky as you see. My contention is you should not encroach upon the right of the publisher. So far I have been doing my publications in 22 ems instead of 26, as is usually done by others, but I now intend doing in 20 ems. This might annoy you all the more. I remember full well your contributions have all along appeared in small Pica. I have got in files to show that you yourself demanded Rs. 3/8/0 per page for the entire copyright of your writings. I do not remember to have requested you to reduce a pie in any case and thus I have been paying so far. Why then raise it now? Is it because the book is neatly printed on thick paper? What else could make you so greedy?

I am extremely surprised to see your calculation. You say 1000/- will be the entire cost of printing and 4000/- profit. I say 1000/- will only cost me binding. My calculation is—

Cost of 42 Reams paper @ 12/-	504-0-0
Cost of Printing 20 forms 2000	
copies @ 27/.....	540-0-0
Full cloth binding and Golding about.....	800-0-0
Writing charges.....	325-0-0
Interest about.....	250-0-0
	
	Rs. 2419-0-0
Commission 25%.....	1250-0-0
Advertisement charges	500-0-0
	
	Rs. 4169-0-0
Profit.....	831-0-0
	
	Rs. 5000-0-0

I hope this statement will satisfy you that I don't get even 25%.

I have been paying you the highest rate which I have never paid to anybody and am afraid I cannot do anything further. It is hoping against hopes.

I have so far did not receive your contribution, perhaps it does not now pay you to write on the old rate.

I have nothing heard about the Benares writer who has sent

me Antarang although I requested a very early reply.

Yours as ever

R. Saigal,

23.11.27

Sjt. Dhanpat Rai. B.A.

(Alias Prem Chand)

Editor, 'Madhuri'

Nawal Kishore Press,

Lucknow.

حمید علی، لاہور کا خط

7، ریلوے روڈ، لاہور،

05-01-1928

مخدومی و محترمی، تسلیم،

آپ کے عنایت نامے کے جواب میں لکھ چکا ہوں کہ 14,15,16,17 ابواب کی ضرورت ہے۔ امید ہے، آپ نے مجھ سے دریافت کرنے کے بعد ترجمہ شروع کر دیا ہوگا، اور اب دو چار دن میں بھیج دیں گے۔ چونکہ یہ کام کاتب کے ہاتھ میں ہے۔ میں چاہتا ہوں، اسے ختم کر کے ہی دوسرے کام میں لگے۔

جیسے ایک دفعہ پہلے ناکام کوشش کر چکا ہوں، پھر خیال آ رہا ہے کہ بعض کتب کو ہندی میں منتقل کیا جائے۔ کیا گنگا پٹنک مالا والے یہ کام آپ کی وساطت سے کر سکیں گے؟ جن کتب کے ہندی میں لانے کی اشد ضرورت ہے، ان کی تجویز میاں امتیاز کریں، تصدیق آپ کریں۔ ”گنگا پٹنک مالا یہ وعدہ کرے کہ ایک مکررہ میعاد کے اندر شائع کر دیں گے۔ اپنے اخراجات سے شائع کریں۔ ہماری رائٹنگ ریمیں اور سالانہ حساب ہو جایا کرے۔ مجھے یقین ہے، آپ اس سلسلے میں امداد کریں گے۔

ایک نیا قصہ ہو گیا ہے۔ آپ کے مختصر افسانوں میں سے یہاں کے ایک پبلیشر نے

”بازیافت“ وغیرہ اپنے مجموعے میں شامل کر لیے ہیں۔ دیوان میں لکھ دیا ہے کہ بہترین افسانے تمام کتب سے لے کر مجموعے میں شامل کیے جاتے ہیں۔ اب شائقین کو بڑی بڑی کتابیں پڑھنے کی زحمت نہ ہوگی۔ میں ان صاحب پر دھوئی کرنے لگا ہوں۔ آپ کو اس کا کچھ علم ہو تو بہ واپسی ڈاک لکھیے۔

خاکسار، حمید علی

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس

لاہور

11.1.1928

شری مان جی،

میتے!

کرپا چر ملا۔ بد قسمتی سے بوجہ کمزوری اور بیماری کے اور پہلی کیشن کا کام زیادہ کرنے کی وجہ سے میں چارپائی پر پڑ گیا۔ اس وجہ سے نہ تو آپ کا کچھ لکھ سکا اور نہ روپیہ بھیج سکا۔ اب آپ کو جلدی چند دنوں کے اندر روپیہ بھیج دوں گا۔ دس کاپیاں نواب اقبال سے آج بھیجنے کو کہہ دی گئی ہے۔ ٹیکس بک کمپنی کا کل عی سرکر آیا ہے کہ روپے کے پانچ سو صفحے لیتے ہیں، یعنی انھوں نے بذریعہ سرکر لیٹر آرڈر دیا کہ 500 صفحوں کی ایک روپیہ قیمت ہے۔ اگر ہم اس کو 1000 چھاپیں، جو کہ پہلی دفعہ ایک ہزار کپی چھپنی چاہیے، تو لاگت دس آنے فی کتاب بیٹھتی ہے۔ میں نے حساب کر لیا ہے اور اگر دو ہزار چھاپیں تو آٹھ آنے کے قریب اور تین ہزار چھاپی جاویں تو ساڑھے سات آنے کے قریب۔ تینوں لاگتوں میں صرف پیسہ ڈیڑھ کا مارجن ہے۔ وہ اس صورت میں اگر ہمیں لکھائی چھپائی میں کچھ رعایت ملے، جو اچھا ہونے کی صورت میں مشکل ہے۔ ان سب پر ٹرائی بلاک ہوں گے۔ دکاندار کا کیشن زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیے، جو آپ مناسب سمجھیں۔ سب واقعات آپ کے سامنے رکھے جاتے ہیں۔ آپ ایک پرانے اور قابل مصنف ہیں، ہر پہلو کو دیکھ لیں گے۔

’رامائن‘ کے بعد بچوں کے لیے سرل کہانیاں آپ کو لکھنی ہوں گی اور وہ بھی ضرور
منقول ہو جاویں گی۔ اور کوئی سیوا؟

لاچت رائے

دیا نارائن نگم کا خط

کانپور،

29 فروری 1928

بھائی جان، تسلیم!

آپ کا محبت نامہ آیا۔ میں بخار میں مبتلا تھا۔ اس کے جواب میں دیری ہوئی۔ اب
اچھا ہونے پر جواب لکھ رہا ہوں۔ بیٹی جی کا میاہ طے ہو گیا، مجھے اس خوشخبری کو سن کر
بڑی مسرت ہوئی۔ ایٹور ہزار ہزار شکر ہے جو فکر ایک عرصہ سے دامن گیر تھا، اس سے
آپ کو نجات ملی۔ گھر بھی متوّل اور اچھا ہے۔ اس بات کو سن کر اور بھی خوشی ہوئی۔ ایٹور
اس کو اور اس کے مجوزہ دولہا کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ لڑکے کے تعلیم اور گھرانے کے
فادغ البال ہونے کی خبر سے ہمیں بہت مسرت ہوئی ہے۔ ایٹور مبارک کرے۔

آپ کا روپے کے لیے لکھنا بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے خود بھی آپ کے لکھے بغیر ایسے
موقعے پر اس کی فکر کرنا چاہیے۔ پچھلے سال مقدمے میں ہارنے سے انتظامیہ معاملات میں
کچھ گریوڑ رہی۔ اس وقت بھی حالات ناگفتہ ہیں۔ تاہم جو کچھ مجھ سے تیار ہو سکے گا، تیار
کروں گا۔ آپ شادی کی تاریخ سے مطلع کریں۔ غالباً جون تک ہوگی۔ اس وقت میں حتی
الوسع کوشش کروں گا۔ کہ کم سے کم آدھا مطالبہ تو حاضر کر ہی دوں۔ آگے پرمیشور مالک
ہے۔ مجھے اس کی ذات پر بھروسہ ہے۔ مجھے اب آپ سے شرمندگی کا موقع نہ ملے گا۔
آپ شادی کے لیے تیاری کریں۔ اور میرے لائق جو کام ہو بتلائیں۔ مسودہ بھی تیار کریں
اور شادی کا کام بھی کیجیے۔ شادی بھادس سے کرنے میں ہی آپ کو اچھا رہے گا۔ میں
ضرور آپ کی خدمت کروں گا۔ مستورات اور دیگر افراد نسکار۔

کل انتظام ہو جاتے۔ خیر دہاں بھی سب لوگ موجود ہیں۔ ہاتھوں ہاتھ کام ہو
جائیں گے۔ حتی الوسع کفایت سے کام لیجیے، آپ کو سکون ملے گا۔ ابھی ”اردو ادب“ کی

تاریخ کے بلاکوں کا حساب بھی پڑا ہوا ہے۔ خیر، دیکھا جائے گا۔ ہاں، فسانہ آزاد کے حالات کا ضرور خیال رکھیے گا۔ یا تو آپ اپنی جلد بھیج دیجیے، ورنہ مطبع سے دلوا دیجیے۔ آخر میں قیمت بھی دینی پڑے تب لے لیجیے۔ جو دام آپ کو دینے پڑیں گے وہ میں دوں گا۔ اکیڈمی نے تحریک پر گالسوردی کے تین ڈرامے اردو ہندی کے ترجمے کے لیے مجھ کو اور آپ کو مشترکہ دیے ہیں۔ ڈرامے موجود ہیں، تیسرا اور آ رہا ہے۔ میں نے بہ ضابطہ خط لکھا ہے، آجائے تو اس کی نکل بھیجوں گا۔ میں لکھنؤ سے ہو کر اگر آیا تو مفصل باتیں ہوں گی، نہیں تو 17 مارچ کو لاہ آباد میں ملاقات ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت دعا۔

آپ کا، عم

مہادیو پرساد سیٹھ کا خط

کلکتہ

08-03-1928

پر یہ بھائی پریم چند جی، بندے!

آشا ہے کہ ہولی ایک آپ نے دیکھا ہوگا۔ آپ کی کہانی تو لوگوں نے بہت پسند کی۔ بہتوں نے اس کی چرچہ کی۔ لوگوں کی رائے ہے کہ انتم انش میں تو کمال ہے۔ ”کایا کلپ“ اور ”پریم پرنگیاں“ کا وگیاہن آپ کو پسند آیا یا نہیں؟ آرڈر آنے پر پُتلیں کس سے اور کیسے ملیں گی؟ کیٹشن کیا ملے گا؟ یدی پُتک آپ کے پاس ہو تو دس دس پرتیاں بھیج دیجیے۔ یدی آپ سویم بیچنا چاہیں تو میں آپ کا ہی پتہ چھاپا کروں۔ جو ہو، نہہ سکوچ لکھیے گا۔ آپ ”متوالا“ پر جیسی کرپا کرتے ہیں اس سے میں آپ سے کسی پرکار باہر نہیں۔

کرپا بتائے رہیے۔

بھودیہ، مہادیو پرساد سیٹھ

اختر، لاہور کا خط

دی مانسروڈر، سادھو اسٹریٹ، لاہور

30 مارچ، 1928

جناب بھائی صاحب، تسلیات!

نوازش نامہ آیا! شاہ صاحب بھی اسی وقت تشریف رکھتے تھے! وہ خط انھوں نے دیکھ لیا! کچھ زیادہ دوانے کی میں کوشش کر رہا ہوں! آپ اپنے خط میں یہی لکھتے رہے ہیں کہ کچھ زائد ملنا چاہیے، میں ٹھیک کر لوں گا۔ رائیٹی کے لیے میں نے کہا تھا، پر ان کے منہ سے خون لگ چکا ہے۔ ”زلا“ کی بابت میں نے کل سویم پرکاش سے بات کی تھی، تو یہ بھی شاہ صاحب ہی کو دے دیجیے۔ بات چیت میں کر رہا ہوں، مگر جولا کے ہیں، قطعی نا تجربے کار، دیکھیے آپ کے بقیہ رقم جب ملے گی، بھیجوا دوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔

”مان سروڈر“ بھیج رہا ہوں اور بار بار تقاضہ کرتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اقبال درما صاحب آئے تھے۔ ”مان سروڈر کے جنوری نمبر میں میری کہانی ”مدن کلا“ آپ نے دیکھی یا نہیں؟ کیسی ہے، آپ اپنا خیال لکھیے۔ میری کہانیوں کا دوسرا مجموعہ تیار ہو رہا ہے۔ ”ترو تیرتھ“ اس کا پہلا افسانہ ہے۔ کیا آپ اس پر دیباچہ لکھنے کی تکلیف گوارہ کریں گے؟

”ماہوری“ کے لیے ایک مضمون بھیجتا ہوں۔ قامت سے قیمت کا اندازہ نہ کیجیے گا۔ اگر پسند ہو شائع کر دیں، نہ پسند ہو واپس بھیج دیں۔ اپنی رائے لکھیں۔ جن صاحب نے نقل کی ہے وہ نہایت بدخط ہیں۔ جہاں کہیں ترمیم و اضافے کی ضرورت ہو، آپ بہ شوق کر سکتے ہیں۔

جواب سے جلد سرفراز فرمائیے گا۔ ”سونہ وطن“ کا کاپی رائٹ کس کے پاس ہے لکھیے؟ سب باتوں کا جواب دیجیے گا۔

بندا، اختر

گھنشیام شرما (نجر پنڈت رادمے شیام کٹھا واپک) کا خط

پنڈت رادمے شیام
ڈائریکٹر، دی نیو انڈین ٹریڈ میگزین
کمپنی آف میسج، دہلی

12.4.1928

پر یہ فشی جی
جے رام جی کی!

آپ کا تاریخ 6.4.28 کا کرپا پتر ملا۔ بریلی میں پلیک کے اومیک بڑھ جانے کے
کارن پر یوار میں پتا جی کے پاس آگیا ہوں۔ پریس بند نہیں کیا ہے۔ انھی سب کاریوں
کے کارن آپ کو پتر بھی نہیں لکھ سکا۔

یہ پڑھ کر پرستنا ہوئی کہ آپ نے سویم بھی ایک اپنیاس لکھنا آرمہ کر دیا اور اُنیہ
لیکھوں سے بھی لکھوانے کا پر بندھ کر رہے ہیں۔ سرسوتی پریس کے سمبندھ میں ابھی کچھ
نچھہ نہیں کر سکا ہوں۔ بریلی پہنچ کر ہی کچھ نچھت روپ سے لکھوں گا۔ ابھی تو ہم سب
بڑی گڑبڑ میں ہیں۔

پتا جی آپ کو جے رام جی کی لکھواتے ہیں۔ اثر یہیں کے پتے پر دیں۔

آپ کا
گھنشیام شرما

سیتا رام سہاریا کا خط

دھار،

13-04-1928

مانیہ ور شری پریم چند جی، سادر پرنام۔ بہت دنوں سے پربل بیتھا ہو رہی ہے کہ
آپ سے پرستچہ پراپت کروں۔ کچ ماننے، میرے من میں آپ کے پرتی وئی شردھا اور
آدر کے بھاؤں ہیں، جو کسی عجیبے کے من میں اپنے ہتھیہ گرد کے پرتی ہو سکتے ہیں۔

کارن یہ ہے کہ میرے من میں ہندی بھاشا اور ساتھ کے وشے میں جو کچھ پریم ہے اس کے پردھان کارن آپ ہی ہیں۔ جو کچھ ہلکا اور نورنجن میں نے آپ کی گہوں اور اُنپاسوں کے اڑھین دوارا پراپت کیا ہے۔ وہ کدچھت ہندی کے انیہ پنکوں سے نہیں کیا۔ ”سیوا سدن“، ”رنگ بھوی“، ”کر بلا“ آدی کو بار بار پڑھا۔ اور پرتیک بار آدھکا دھک آند کا انوبھو کیا۔ سو پیچھے پچالوے اُنپاس ایسے ہوتے ہیں۔ جنھیں ایک بار پڑھ لینے سے دوسری بار پڑھنے کا جی نہیں چاہتا۔ پر آپ کو اُنپاسوں کی سو بھاوکتا اور مولکتا میں کچھ ایسا وچتر آکرشن ہوتا ہے کہ کبھی اُمتا ہی نہیں۔ ہاسیہ رس بھی پراپت ماترا میں ہوا کرتا ہے اور پھر چتر چرن میں تو آپ منوگیان کے پورن پنڈت کا پر پچے دیتے ہیں۔ اور بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ یہ پرھنا نہیں ستیہ ہے۔

ایک انگریز مشنری مہلا مجھے بھائی کہتی ہے۔ میں کٹر سناتی برہمن ہوں (پرانی لکیر کا فقیر نہیں)۔ میری بہن کو بھارت ماتا اور ہندی بھاشا پر اہیہ پریم ہے۔ جس اُتساہ اور پریم سے انھوں نے ہندی کا اڑھین کیا ہے، اس اُتساہ سے میں نے کسی ہندستانی کو بھی ہندی سیکھتے نہیں دیکھا۔ میرا وشواس ہے کہ اور بھی انیک ودیشیوں کو ہندی بھاشا اور ساتھ سے اس سے بھی ادھک پریم ہوگا، جتنا میری بہن کو ہے، پر کھید اس بات کا ہے کہ سستروں بلکہ لاکھوں ہندستانی اور ہندو ہندی کے کٹر وردھی ہیں، اور اس کے اُنچی کے مارگ میں وردھی ہو رہیں ہیں۔ اس وشے میں مجھے آپ کو بہت کچھ لکھتا ہے اور آپ سریکھے ودوانوں کی صلاح لینا ہے۔ تھاپا ابھی بھی کچھ تھوڑا سا کہتا چاہتا ہوں، پر یہ پرکاشت کرنے کے لیے نہیں ہے کیول آپ کے اور میرے سچ میں ہے۔ میں یہاں کے استھانیہ ہائی اسکول میں ادھیاپک ہوں۔ اس سال کی وارھک پر یکھا میں وہاں کی ”ہانپھ کلاس“ میں انوداد کے لیے ہندی کا جو ”پیں“ دیا گیا تھا، وہ آپ کو منور بنجار تھ بھیج رہا ہوں۔ جیوں ہی پیچہ ودیارتھیوں کو دیا گیا، میں نے ہیڈ ماسٹر کو جو ایک بنگالی تھن ہیں، اس میں لگ بھگ پچاس سندھیان بتائیں اور ونقی کی کہ اس وشے کو میں پڑھاتا ہوں، آپ کی آگیاں ہو تو اسے لحدھ کر کے ودیارتھیوں کو لکھا دوں۔ پر پڑھک مہودیہ نے ان سے کہا کہ اس کی ہندی بالکل لحدھ ہے اور ان کی بات آپ کیوں مانتے ہیں۔ یہ کوئی ہندی کے ”آتھرنی“ تھوڑے ہیں۔ غرض کے کچھ لا بھ نہ ہوا۔ نہ جانے پچارے ودیارتھیوں پر کیا

ہتی۔ یہ سب لکھنے کا کارن یہ ہے کہ اس ہندی کو آپ اس دلہی راجہ کی اسٹینڈرڈ بھاشا سمجھ لیجیے۔ اسٹیٹ کی کاریہ داعی عدالتوں کے لکھا پڑھی میں اسی پرکار کی بھاشا کا پریوگ کیا جاتا ہے۔ یہاں کے کچھ اسکول میں اسی پرکار کی بھاشا سکھائی جاتی ہے۔ کچھ اِنے جمنے جن ان استھتی سے استھٹ ہیں، پر یہ نیچے نہیں کر سکتے کے کیا کریں ادھیکاریوں سے کوئی آشنا نہیں ہے۔ دیون مہودیہ سے جب میں نے اس وشیہ میں کچھ نویدن کیا تو انھوں نے اُتر دیا، ”ہماری ہندی یہی ہے، ہمارے پرانت کی یہی بھاشا ہے، ہمیں دوسری ہندی نہیں چاہیے۔“ مہاراجہ صاحب نابالغ ہیں۔ یہ یہاں کی ہی استھتی نہیں ہے۔ ایک پرکار سے دیوان مہودے کا کہنا بھی سہیہ ہے۔ ہندستان کے مراٹھی بھاشا بھاشی پرائنوں میں اسی پرکار کی ہندی بولی اور لکھی جاتی ہے، پر پائٹھالاؤں میں اس پرکار کی ہندی کی استھتی کی یہاں کیا آشا کی جائے؟

اس وشے میں اور جو کچھ مجھے کہنا ہے، وہ وشیش کر کے آپ کی جڑکا میں پرکاشت کرنے کے پتو سے یدی آپ پرکاشت کریں تو لکھ بھیجوں گا۔ اپنی بہن کی بات میں بالکل بھول گیا۔ ہاں یہ آپ کو دکھا دینا چاہتا ہوں کہ میری بہن اس سے کہیں خدہ اور اچھی ہندی لکھ سکتی ہے۔ اب کچھ تھوڑا ان کے وشے میں کہتا ہوں۔ ان کا نام مس ڈی. ایچ. کلپیٹریک ہے۔ انگریزی بھاشا کی تو وہ پوری پوری پنڈت ہیں۔ حال ہی میں آپ نے کنیڈا دلش میں بھگوان رام چندر جی کے وشے میں ایک انگریزی پُتک لکھی ہے۔ اس کے پہلے سروسنی میں آپ کا ایک لیکھ پرکاشت ہوا ہے۔ اور مجھے آشا ہے کہ یدی آپ کی اکشا ہوگی تو دے ”ما دھوری“ کے لیے بھی بڑے پریم سے لکھیں گی۔ کچھ ماہ سے آپ ایک چھوٹی سی جڑکا کی سپاڈکا ہیں۔ جڑکا کا نام ہے ”بھانودیہ“۔ اس کا وارسک چندہ 1 روپے 2 آنے ہیں۔ گراکوں کی سکھیاں پانچ سو سے بھی کم ہے۔ جڑکا کا اڈیش عیسائی دھرم کا پرچار ہرگز نہیں ہے۔ وہ وشیش کر ہندستانی یودک اور یوتیوں کے لاہارتھ ہے۔ اس سے ابھی تک کوئی واسوک لاہجہ ہوا ہے اتھوانیں، میں نہیں کہہ سکتا۔ تین چار مہینے پہلے میں نے اس جڑکا کا نام بھی نہیں سنا تھا، پرنوگت فردری سے میری بہن سپاڈکا ہوئی ہیں اور نچی لگن سے کاریہ کر رہی ہیں۔ جڑکا کے سچالن کے لیے چندے کی رقم بالکل پریاہت نہیں ہے۔ میری بہن پاس سے بھی بہت کچھ خرچ کرتی ہیں۔ بس پر بھی لیکھ بہت معمولی

ہے اور ایک دو ہمدے بھی ہیں، پر بہن انہی کے لیے کچھ نہیں اٹھا رکھتیں۔

میری بہن کو آپ کی رچناؤں سے بہت پریم ہے۔ ایک سنے میں دے گردو گل
کاغڑی میں آچار یہ رام دیو جی کی اچھی تھیں۔ رام دیو جی نے اپنی پٹکوں کی بہت پر ہنسا
کی۔ جب دے یہاں آئیں تو مجھ سے آپ کی سب پٹکوں کے نام و پتہ لکھ لے گئیں۔
ان کی ہاروک لہتا ہے کہ آپ کی رچناؤں کا دلش میں خوب پرچار ہوا اور ان کے ادرمیں
سے ہندو سماج لالہ اٹھادیں اور انہی کریں۔ اسی ادیش سے انھوں نے ”بھانودیہ“ کے
فروری کے ایک میں ایک سچنا پرکاشت کی ہے۔ جو لیکھ ”سہاس“ پر سرنم گلپ لکھ کر
”بھانودیہ“ میں پرکاشت کرنے بھیجے گا اسے ”رنگ بھومی“ کی ایک پرتی پُر سکار سورپ دی
جائے گی۔ اسی ادیش سے فروری کے ایک میں آپ کے پر سہہ اُنپاس ”نرملہ“ کی
سکھپت کہانی پرکاشت کی گئی ہے۔ یہ لیکھ آپ کے اس ہیچہ نے ہی لکھا ہے۔ اس
چھوٹے سے لیکھ میں انیک دوش ہیں، یہ بھی بھلی بھاتی جانتا ہوں۔ جو کچھ کٹر میری لیکھنی
سے رہ گئی تھی، وہ پریس کی اٹھدھیاں نے پوری کی، جیسے سنکار کے لیے ”سرکار“ چھاپ
ڈالا۔ اپریل ماہ کے ایک میں ”پریکٹیاں“ کی سکھپت کہانی پرکاشت ہو گی اور کرمانوسار
اگامی انکوں میں آپ کے انیہ اُنپاسوں پر اتیاچار کیا جاوے گا۔ پر میرا اور میری بہن کا
ایک ہی ادیش ہے وہ یہ کہ آپ کی پٹکوں کا ادھکا دھک پرچار ہو۔ معلوم نہیں ہم آپ کی
سیوا کر رہیں ہیں یا بدنامی۔ پر میں تو آپ کا ہیچہ ہوں اور جو کچھ کر رہا ہوں بھکتی بھاؤ
سے۔ آشا ہے، آپ میری دھر ہنسا کو شاکریں گے؟ کیا آپ اپنی رائے لکھ بھیجنے کی کرپا
کریں گے؟ فروری کا ایک آپ کی سیوا میں لکھ بھیج رہا ہوں۔ دیا ”بھانودیہ“ کو آپ کے
لیکھوں کا سو بھاگیہ پراپت ہو سکتا ہے؟

آپ کا کرپا بھلاشی اور آگیا کاری ہیچہ،

سیتا رام سہاریا ”ازکت“ ایم۔ اے۔

نیمبر، آنند ہائی اسکول، دھار

مدھ پردیش

کرشن مراری نارائن سنگھ کا خط

Krishna Murari Narayan Singh,

Zamindar,

Badalpura Estate,

P.O. Khagoul, Distt. Patna

Badalpura

14th April, 1928

My dear Premchand ji,

It was my desire to write you from a long time about your Novels. You will be glad to learn that almost all your works upto date are available in my library and am pleased to possess them. Your 'Rangbhumi' is the best among them all. But I am sorry to let you know that it is the most pathetic book and requires a strong heart to read it. My mind remained disturbed for a day and I resolved to write you regarding the same. What is the harm if you do not write tragedy? As the book has been named 'Rangbhumi', it has been as it ought to be. But my only request to you is to write a comedy equally successful as 'Rangbhumi'. A friend of mine told me that Premchandjee cannot be so successful as he has been found in the above mentioned book, which is a tragedy. I have nothing to do with his opinion, but my only request to you is that you cease writing any tragicomic book from henceforth and turn your thought towards writing books ending with happiness. Will you?

I shall be glad if you send me your reply with your opinion, regarding the above and for which I shall be much thankful.

Yours Sincerely,

K.M.N Singh

بنارسى داس چتر ویدی کا خط

دشال بھارت کارایا

61 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ

28 مئی 1928

شریمان پریم چند جی

سارو دندے!

'ماڈرن ریویو' کے جون کے ایک میں جو دو تین دن بعد نکل جاوے گا آپ کی کہانی چھپ گئی ہے۔ ہارڈک بدھائی دیتا ہوں۔ مجھے اس سے اتنا ہی ہر ش ہوا ہے جتنا اپنی ہی کسی رچنا کے پرکاشت ہونے سے ہوتا۔

کہانی کی بھاشا کو ٹھیک کرانے کے لیے مجھے مسٹر اینڈریوز کو کشت دینا پڑا تھا یہی کریکشن انھیں تھوڑے ہی کرنے پڑے۔ پر انھوں نے اسے سہر ش سویکار کر لیا اور بڑی پرستاپوروک یہ کاریہ کر دیا۔ شری راماوند بابو سے بھی میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ یہی وہ ٹھیک سمجھیں تو چھاپیں نہیں تو مجھے واپس دے دیں۔ پہلے ان کا سندیش آیا تھا 'پریم چند جی کی سردتم کہانی ہم پہلے چھاپنا چاہتے ہیں اور یہ کہانی چھپنے لگی ہوئے پر بھی پریم چند کی کرتی کے پرتی نیاے نہیں کرتی' اس پر میں نے یہی کہلا بھیجا کہ آپ اسے نہ چھاپیے دوسری میں جن کر بھجوا دوں گا۔ راماوند بابو کے سویگیہ پتر اشوک چتر جی نے جو کیمبرج کے بی اے ہیں، مجھ سے کہا ہے کہ میں سوئم آپ کی گلب کا انوداد کروں اور وہ (اشوک بابو) اسے ٹھیک کر لیں گے۔ پر مجھے آپ کی کہانیوں کا انوداد کرنے کی ہمت نہیں پرتی کیونکہ جیسی بڑھیا ہندی آپ لکھتے ہیں میں اتنی تو کیا اس کا دواں حصہ اچھی انگریزی نہیں لکھ سکتا۔

کرنا ایک کام کیجیے۔ 'نونیدی' اتیادی کہانیوں کی اپنی سبھی پتلیں مجھے بھیج دیجیے۔ شری رامایشور پرساد سنگھ جی کا پتہ بھی بتائیے۔

شری راماوند بابو، اشوک بابو، 'پرواسی' کے اُپ سپاد کٹر اتیادی سبھی جن آپ کی رچناؤں کو پڑھنے کے لیے انک ہیں اور میری سہتی میں 'بیٹ اسٹوری' کا پہلے انوداد

ہونا چاہیے۔ اس لیے میں نے رامانند بابو سے کہلا بھیجا تھا کہ اسے آپ پہلے نہ چھاپیں پر پھر انھوں نے سوئم ہی چھاپ دی۔ یہ بھی ایک پرکار سے اچھا ہی ہوا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میری سفارش سے آپ کی رہنمائی چھوٹے۔
 You don't stand in need of my recommendation.

مجھے اتنی کھید ہوتا یہی وہ کیوں اسی کارن سے کہ میں کہہ رہا ہوں آپ کی کہانی چھاپتے۔

میں اس دن کا سوہن دیکھ رہا ہوں جب کہ کسی ہندی گھپ لکھ کی کہانیوں کا انوواد رشین، جرمن، فرنچ، اتیادی میں ہوگا۔ یہی آپ ہی کو یہ گورو پراپت ہو تب تو بات ہی کیا ہے۔ میرے ہرے میں آپ کے پرتی شردھا اس لیے ہے کہ آپ دوسری بھاشا والوں کو کچھ دے کر ہندی کا ماتھا اونچا کر سکتے ہیں۔ بلکہ اتیادی سے دان لیتے لیتے ہمارا گورو بڑھ نہیں رہا۔
 آشا ہے کہ آپ سٹھل ہیں۔

بھودیہ

بناری داس چرویدی

شری زور دت جی کے دشنے میں لکھوں گا۔

اکیلا ہونے سے کام کرتے کرتے تنگ آجاتا ہوں۔

مسٹر اینڈر یوز نے مجھ سے کہا تھا کہ پریم چند جی کو لکھ بھیجنا کہ انگریزی میں ان کی گھپ کے انوواد کے پرکاشت ہونے پر میں ان کا اہمبادن کرتا ہوں۔ وہ ولایت چلے گئے ہیں۔

آپ سوئم اپنی کسی گرامر جیون سے سبھہ رکھنے والی گھپ کا انگریزی انوواد کیوں نہ بھیجیں۔

بنارس داس چترویدی کا خط

وشال بھارت کاریالیہ

91 اپر سٹرک روڈ، کلکتہ

10 جون 1928

پریم چند جی

کرپا اپنی سب پتلیں میرا مطلب اپنیاسوں اور کہانیوں سے ہے۔ میرے متر

Mr. Tarachand Roy

Professor of Hindi

Berlin University

Hohenzollendamm 161 b

Berlin-Wilmersdorf, Germany

کو بھیج دیں۔

مسٹر رائے کو جرمن بھاشا پر اذیت ادھیکار ہے۔ یہاں پر میں اتنا اور جوڑ دوں کہ نیگور کی سپورن جرمنی یا ترا میں وہی ان کے در بھائی تھے۔ مسٹر رائے ہمارے سر و شرمہ لیکھکوں کی کہانیوں کا انواد کرنا چاہتے ہیں اور میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ آپ ہی سے شروع کریں۔ آپ کی کہانیوں کو جرمن میں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہوگی گو میں اس بھاشا کا ایک شبد بھی نہیں جانتا۔ مسٹر رائے کو آپ کے ایک سنگھمت جیون ورث کی بھی ضرورت ہوگی۔ پروفیسر گوڈوالا مجھ کو اچھا نہیں لگتا۔ اس میں آتمیا نہیں ہے۔ کیا آپ مجھے اپنے جیون کے بارے میں کچھ نوٹس دینے کی کرپا کریں گے؟ اپنے مولوی صاحب کے کمرے سے شروع کیجیے۔ وہی مولوی جنہیں آپ اتنا پیار کرتے تھے۔ میں کچھ نئی ڈھنگ کی چھوٹی موٹی گفتائیں چاہتا ہوں۔ میں بہت سے لیکھکوں سے زیادہ اچھا سیکھ لکھ سکتا ہوں کیونکہ مجھے وہ کام پسند ہے۔ آپ کے بارے میں میں نے کچھ باتیں ٹانک رکھی تھیں لیکن کہیں ادھر ادھر ہو گئی ہے۔ اس لیے آپ کو مجھے پورے نوٹس دینے پڑیں گے۔ مسٹر گوڈ نے ودوان آلوچک کی طرح لکھا ہے۔ میرے پاس ان کی ودھتا نہیں ہے۔ میں آپ کو آدمی کے روپ میں جانا چاہتا ہوں۔ کرپا مجھے اپنا ایک اچھا چتر بھیج دیں۔ اگر آپ کے پاس

اپنی کہانی پستکوں اور اپنیاسوں کی اتیرکت پرتیاں ہوں تو کرپیا مجھے سب کی ایک ایک پرتی بھیج دیں۔ رنگ بھوی آپ نے مجھے لکھنؤ میں دی تھی۔

میں 1916 سے ہی آپ کی کہانیوں کا ایک تجھ پر ہنسک رہا ہوں۔ اس سے میں چیفس کالج اندرو میں چھ سال سے ادھیا پک تھا۔ اور میں نے آپ کی ایک پستک 'نوبیدھی' پانھیہ کرم میں رکھی تھی۔ مسٹر رائے نے مجھ کو لکھا ہے کہ اب تک کسی ہندی پستک کا انوداد جرمن بھاشا میں نہیں ہوا۔ لہذا آپ کی کہانیاں پہلی چیز ہوں گی۔ ہے نہ زور کی بات؟ میں آپ کی کہانیوں کو جرمن میں دیکھنے کے لیے ادھر ہو رہا ہوں۔ انھیں دیکھ کر کسی کو اتنی خوشی نہ ہوگی جتنی کہ مجھے۔

آپ کا

بنارس داس چترویدی

بنارس داس چترویدی کا خط

The Vishal Bharat Office

91/Upper Circular Road, Calcutta

Dated the 10.6.1928

My dear Premchand ji,

Will you please send all your books-- I mean novels and short stories--to my friend-

Mr. Tara Chand Roy

Professor of Hindi, Berlin University

Hohenzollerndamm 161 b

Berlin- Wilmersdorf

Germany..

Mr. Roy has got a wonderful command over the German language. I may add here that he was Tagore's interpreter in

Germany throughout his tour. Mr. Roy wants to translate the short stories of the best of our writers and I am asking him to begin with you. What a great delight it would give me to see your stories in German, though I do not understand a word of that language! Mr. Roy will also require a brief life-sketch of yourself. I do not like Professor Gaur's. There is no personal touch behind it. Will you please give me some notes about your life? Begin from your Maulvi Saheb's room-the Maulvi whom you loved so much. I want some personal anecdotes. I can write the sketch better than many of our writers for I have a liking for that work. I had my notes about you but I have misplaced them. You will therefore have to give me full notes. Mr. Gaur wrote as a learned critic. I haven't got his learning. I want to know you as a man. Please send me a good photograph of yourself. If you have spare copies of your story books and novels please send me one of each- Rangbhumi you gave me at Lucknow.

I have been an humble admirer of your stories since 1916 when I put one of your books Navnidhi as a textbook in Chief's College Indore where I was a teacher for six years. Mr. Roy writes to me that no Hindi book has yet been translated into German language. So your stories will be the first thing! Isn't it a splendid thing? I am impatient to see your stories in German. None will be more delighted to see them than.

Your humble admirer,
Benarsi Das Chaturvedi

Did you receive my last letter? Mohan Singh's article has not yet come out.

ایڈیٹر ”ریاست“، دلی کا خط

دی ریاست، پوسٹ باکس 82، دلی

27-07-1928

مکرمی، تسلیم!

یاد فرمائی کا شکریہ قبول فرمائیں۔ ”ریاست“ کے مضامین کی اجرت کی انتہائی شرح تین روپے فی صفحہ ہے، مگر آپ کو بالفعل چار روپے فی صفحہ نذر کر دیے جائیں گے۔ آپ اردو اخبارات و رسائل کی حالت سے اچھی طرح واقف ہیں اور امید ہے کہ اس کا لحاظ کرتے ہوئے آپ چار روپیہ فی صفحہ اجرت منظور فرمائیں گے۔ آپ مہینے میں دو دو صفحے کے کم سے کم دو افسانے ارسال فرمانے کی تکلیف گوارہ کریں۔ مطبوعہ مضامین کی اجرت ماہ بہ ماہ ارسال ہوتی رہے گی۔ پرچہ آپ کے نام پر بہ قاعدہ جاری کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ ضروری شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

خادم،

ڈی۔ ڈبلیو، ایم

پرواسی لال ورما (مینجر، سرسوتی پریس) کا خط

55/6، بارامندر، لاٹا، بنارس سٹی،

02-08-1928

شردھاسید بندھوپڑو،

سپریم بندے!

آپ کا کرپا پتہ پتہ پڑا ہے، میں نے پریس میں جا کر حالت دیکھی۔ ادھر بہت خراب حالت ہے۔ میں سمجھتا ہوں، اگر سخت پریجن کیا جائے، تو دو تین مہینوں کے بعد، حالت سدھر سکتی ہے۔ کام کاشی سے ادھک نہیں مل سکتا، باہر کا کام منگانے کی کوشش کرنی ہوگی۔ کوشش میں کیول پڈرٹم اور بدھی کا ہی وسیع نہیں ہوگا: سو پچاس و گیا پن بازی میں بھی خرچ کرنے ہوں گے۔ پستکوں کی نکاسی کا ابھی تک کوئی پر بندھ نہیں ہے۔ میں

چاہتا ہوں، ایک فرم کا سوچی پتر چھپوا کر ورن کرایا جائے۔ باہر کی پٹنیں دینے کا بھی ہم پر بندھ کریں گے۔ اس پرکار کے اڈھوگ سے لایا جاسکتا ہے۔ آپ کی سب شرطیں لگ بھگ مجھے سوکار ہیں۔ ایک نویدن مجھے کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے خرچ بھر کے لائق ایک الاؤنس نچت کر دیا جائے، اور وہ مجھے پڑتی ماس ملے؛ کیونکہ جب میں سب کام چھوڑ کر اس میں لگ جاؤں، تو مجھے خرچ بھر کے لیے ملنا ہی چاہیے۔ یہ الاؤنس حصے داری میں فہم نہ ہو۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ، الاؤنس دے کر آپ حصہ مجھے آدھا نہ دیجیے، کم کر دیجیے، یا الاؤنس پریس کے ذمے رکھیے اور حصے داری پٹنوں میں بھر کر دیجیے، کیونکہ جب آپ بیاج اور ٹائپ گھسائی وغیرہ سب کچھ لگا رہے ہیں، تو میرا خرچ بھر بھی اسی میں جوڑ دیا جائے۔ اس میں نہ آپ کی ہانی اور نہ میرا ہی کوئی ویش سوارتھ۔ خرچہ دینا، تو فی الحال آپ نے سوکار کیا ہی ہے؛ میں اس جھیلے میں نہیں پڑنا چاہتا کہ میں ادھر جو کچھ لوں، وہ آگے حساب میں بچا لیا جائے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ مجھے اپنے پر ویشاں ہے، یدی پڑتین کیا تو دو تین ماس میں بہت کچھ کام جم جائے گا۔ میں باہر کا کام مانگنے کی ہی ادھک چٹھا کروں گا۔ یدی آپ کو میرا مٹو یہ سوکار ہو، تو پریس کو لکھ دیجیے کہ وہ مذکر کی جگہ میرا نام دینے کی درخواست دے دیں۔ آپ سب کچھ باقاعدہ سمجھا دیں۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا میرے رچے شری گرو پرساد بھی پریس میں کام کریں گے؟ کریں گے تو کون سا کام ان کے ذمے ہوگا؟

میں ابھی ایک جھگڑے میں پڑ چکا ہوں؛ ات لہ یہ نہیں چاہتا کہ آگے پھر میرے سامنے کوئی جھیل کھڑا ہو۔ اس لیے میں سب باتیں پہلے ملے کر لینا چاہتا ہوں۔ ولہب ہو جائے تو چٹھا نہیں۔ یہ اچھا نہیں کہ بار بار ادھر ادھر کے کام ہاتھ میں لے کر جلدی جلدی بدلے پڑیں۔ میں اب یہ چاہتا ہوں کہ جس کام کو بھی ہاتھ میں لوں، جی لگا کر کروں اور کچھ کر کے دکھاؤں۔ اب ایسے کام میں میں نہیں پڑنا چاہتا، جو آستانی ہو۔ میں نے خوب سوچ سمجھ کر آپ کو پتر لکھا ہے۔ آپ بھی دھار کر لیجیے اور اڈھت اثر دیجیے۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ دو روز کے لیے کسی پرکار آجائیں، یا مجھے ہی وہاں بلا لیں تو معاملہ ملے ہو جائے۔ پتر دیوار میں کچھ ولہب ہو جائے گا۔ میری باتیں سوکار ہوں، تو لگ بھگ سو پچاس روپے کا وگیا پن کے لیے بھی پڑ بندھ کر دیجیے گا۔ پٹنوں کے آدھن کے لیے کچھ

ہلاک بھی ہواؤں گا۔ سوچی ہر پہچاؤں گا، اور بھی جو جو اُپائے آدھیک سمجھوں گا، کام میں
لاؤں گا۔ ابھی یہ ہی باتیں ہیں۔ آگے جو دھیان میں آئے گا، نکھوں گا۔ اِتی۔

آپ کا، پرواسی لال ورما

کیشورام سہروال کا خط

The Japan Times & Mail,
Tokyo
August 2, 1928

My dear Premchand ji,

I have been too slow in acknowledging receipt of your kind letter and friendly note of May 18, written on the very date. I was born 34 years ago, and 13 years that I left the land of my birth. This is the only letter I have been favoured with from you, for which please accept my hearty thanks.

The first short-story of yours that I translated was 'मर्यादा की वेदी' much against my expectations it has been a complete failure. None of the first rate magazines in Japan would like to accept it. It deals a great deal with Indian history and national sentiment in which the Japanese reading public is not interested. The expenses that I had to undergo in translating it amount to some thing like of 50/- (Rs. 70/-). It is not going to be a complete waste of money. I hope to be able to make use of this translation when I am going to put your stories in a book form.

I next tried my luck on 'मुक्ति-मार्ग' has proud to be the literary sensation in Tokyo during the month of June, when it was published in Kaizo (Reconstruction) of Tokyo. Kaizo is the

greatest magazine not only in Japan, but it is considered to be one of the best magazines in the world. It is an honour and a great honona, in this country if one's work is accepted by Kaizo. Kaizo, by the ways, is sold to the extent of one lakh copies every month.

A copy of the Kaizo in which my translation of 'मुक्ति-मार्ग' appears is being sent under separate cover. It appears on page 110 under the title of 'Seido no michi'. Then comes your name as the author of the story, to be followed by my name as the translator. There is an introduction to it by me. Sato Harno, who while introducing me to the readers gives a few details about my personality and my circle of friends, as well as my past antecedents.

Mr. Sato (the Japanese use their family name first) is one of the five great novelists in Modern Japan, and is one of my dearest friends. He it was who, among all my literary friends, was more enthusiastic in prevailing upon me to take up this work of translating Indian literary pieces into Japanese.

The story itself has been very well received and favourably commented upon by the critics. Japanese are fond of Tcchoff and Tolistoy, and this little tiff between the farmers which ends so beautifully has, therefore, interested them a great deal. It gives them besides a little insight into rural life and the Indian character as well. Your language is too flowery sometimes which modern writers seem to avoid, and one of my friends complained of it. I think he is right, although you are not to be blamed for it as everybody is doing that in India.

Zamana's jubilee number has one of your best stories. I have working on 'मन्त्र' a couple of days after I received the

Zamana, and while the work of translation was still proceeding, came the 'Vishala Bharata' bearing the same story with a few changes here and there.

I have followed the Urdu text except for these few words: यहाँ तो भगत की चारों ओर तलाश होने लगी, और भगत लपका हुआ चला जा रहा था कि बुढ़िया के उठने से पहले घर पहुँच जाऊँ. The words that I have underlined have added some thing like magic to the entire plot. But excuse me for telling you frankly that I do not like the last three paragraphs of the Vishala Bharata version, from 'जब मेहमान लोग चले गए to मेरे सामने रहेगा. My Japanese collaborator who is a writer of no mean abilities also opines that these three paragraphs simply spoil the beauty and exquisiteness with which the idea expressed in the words underlined above, has been carved. Why not be a bit mystic, and why be so explicit and clear in the end and make it a common place thing? Excuse me for this criticism. I do it as your younger brother and sincerely.

'मन्त्र' is still lying with my friend Mr. Sato. He has gone through it and perhaps will find room for it in one of the prominent literary magazines of Tokyo soon. He did not find much of mistakes. he told me, when we had dinner last week, and was further more of the opinion that it was a literary masterpiece. I shall send you a copy of the magazine when it is published.

Some of your stories are good for Indian readers, but the Japanese would not be interested in them, as they deal mostly with social evils or historical facts from which Indians alone can derive the desired inspiration or drink deep from their cup of beauty.

As I wrote to you, I have only three of your books with me. Your publishers have not yet sent me the rest of your works which I had been anxiously waiting for all these days. Will you be good enough to ask them to expedite this affair, as I am in a hurry to translate some more of your stories soon, and strike while the iron is hot. If once the public begins to take interest in your works, it would be the height of foolishness not to go forward and convince them of your superiority as the master artist of our great but undone Hindustan. I am quite prepared to stand all the expenses.

I have received only one copy of 'Madhuri' and found it to be the best of all the half a dozen Hindi magazines that I am receiving regularly through the generosity of Shri Prasad ji Guptaji of Benares. Unfortunately, the subsequent issues have failed to turn up. The one I have received is for चैत्र ३०४ तुलसी संवत्. I shall be obliged if you will make arrangements to have not only the subsequent numbers sent to me soon, but also a copy of it regularly every month.

A Panjabi artist Mr. M.A. Rahman Chughtai of Lahore, who was introduced to me by Dr. James cousins of Madras, asked me to send him some artist brushes from Japan which I did. He owes of Rs. 15/- and I have asked him to remit this sum to you. Kindly be good enough to payout of it Rs. 9/- as my subscription to 'Madhuri' and hand the balance over to your publishers. I shall gladly send your publishers the rest of the money on receipt of their bill. But they should not delay sending the books to me.

Along with Kaizo, I am sending you a copy of 'A spring case', this is the English translation of my friend and brother

Tanizaki Junichiro's novel. It is autographed by him for your sake, as he appreciates your 'मुक्ति-मार्ग' more than all other novelists. He is most enthusiastic of them all. The book itself is a humble present to you from me. I need not say anything about Tanizaki, the translator's note will speak for itself.

I thank you sincerely for all the kind and sympathetic words you have spoken about me, which I appreciate from the core of my heart: and I appreciate moreover the friendship that you have not hesitated to offer me along with permission to translate your works.

Excuse me please for this hastily scribbled letter after a hard days work. I have to work at night also for my livelihood. extra work of course, to keep the wolf away from the door. It is exactly midnight now. नमस्ते ।

Very Sincerely yours.

K.R. Sabarwal

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاہور

24.9.1928

شریوتی منشی پریم چند جی،
نہتے!

خط ملا۔ بلاک کے لیے گنگا آرٹ کو دکھا دیا گیا ہے۔ ہو سکے تو آپ بھی ذرا دریافت کرنے کی تکلیف گوارہ کریں۔ 'رام چچا' کی کتاب صرف تین کاپیاں رہ گئیں ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ پچھلی تاریخ کو ارسال کر دوں گا۔ ستر کاپیاں 'خاک پروانہ' موصول ہوئیں۔ قیمت زیادہ ہی ہے یا کہ اس طرف رواج ہوتی ہے کہ اوپر جو قیمت لکھی ہوتی ہے، اس سے آدمی قیمت چارج کرتے ہیں۔ مطلع کریں کہ 100 کاپیوں کی فروخت پر کیا کمیشن دیں گے؟ 'خواب و خیال' کی قیمت۔ اس کی کھسائی چھپائی بالکل معمولی اور قیمت

بہت زیادہ ہے۔ کم سے کم پنجاب میں تو قیمتیں کم رکھی جاتی ہیں۔
 آج اشتہار دے دیا گیا ہے۔ مفصل کمیشن وغیرہ سے مطلع کریں گے، تاکہ اس کی
 فروخت کا اچھا انتظام کر سکیں۔ قیمت اس کی واقعی بہت زیادہ رکھی گئی ہے۔ جواب سے
 جلد مطلع کریں۔ باقی خیریت، زیادہ آداب۔

سوم پرکاش سہنی

مولوی عبدالماجد دریا بادی کا خط

دریا آباد، بارہ بنگی

28 ستمبر، 1928

بندہ نواز حلیم،

آپ کی 'چوگان ہستی' کو ختم کیے کئی مہینے ہو چکے۔ جی بہت تھا کہ 'بہرہ' کے لیے خود
 ہی ریویو لکھوں گا، لیکن جس تفصیل سے لکھنے کو جی چاہتا تھا اس کی فرصت نہ ملنا تھی نہ ملی۔
 آخر آج ہار کر ایک دوست کے پاس بھیج دیتا ہوں کہ وہ میری مرضی کے موافق ریویو
 کر دیں۔

'بازار حسن' کی سیر البتہ ابھی تک نہیں کی۔ آپ سے یہ دریافت کرنا بھول گیا تھا کہ
 وہ ملے گی کہاں؟

ایک ڈرامے کا منجمل پلاٹ عرصے سے ذہن میں ہے۔ آپ سے بہتر اسے کون لکھے
 گا۔ ایسا ہو کہ اسٹیج پر ضرور آسکے۔ آپ نام ہی سے سارے پلاٹ کو سمجھ لیں گے۔ 'طلسم
 فرنگ' یا زیادہ سادہ و عام فہم نام 'گوری بلا' بس وہی جان سیوک والا کیریکٹر ذرا خوب
 کھول کر دکھا دیا جائے۔ نہرو رپورٹ اور لکھنؤ کانفرنس کے سلسلے میں مجھے پوری طرح
 اندازہ ہوا کہ ہمارے یہاں کے بڑے بڑے آزاد خیال بھی اپنی ساری جنگ 'انگریز' کے
 خلاف محدود رکھنا چاہتے ہیں، نہ کہ 'انگریزیت' کے خلاف۔ انگریز کو نکال کر خود انگریزیت
 کے رنگ میں غرق ہو جانا چاہتے ہیں۔ انگریزیت کے سسٹم کی برائی اب تک ہماری سمجھ
 میں نہیں آئی ہے۔ پانڈے پور والی ترکیبوں اور جان سیوک والے اصول زندگی سارے
 ہندستان میں ہندستانوں کے ہاتھوں پھیلانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اس ذہنیت کو

پوری طرح Expose کرنا ہے۔

اس رنگ کے ڈرامے کو آپ سے بہتر کون لکھ سکتا ہے اور آپ چاہیں تو بہت جلد
لکھ ڈال سکتے ہیں۔ زیادہ تسلیم۔

عبدالماجد

جگت نرائن ایڈوکیٹ کا خط

Fategarh, 3-10-1928

Jagat Narain

B.A., LL.B., M.R.A.S.

Advocate

My dear Premchandji,

Having read most of your Urdu books the other day I had an occasion to read your 'Rang Bhoomi'. I read it once, twice and over again in order to appreciate in my own humble way the greatness of your writings. I do not know, if it will be quite proper for me to make any suggestion to you. The book has acquired a popularity in Hindi which is second to none. But I am of opinion that like the 'Gora' of Rabindra Nath Tagore, it should be translated into English. If only the English translation is published in a periodical like the 'Modern Review', the book will acquire a popularity outside the circle of Hindi reading public also, a popularity acquired by 'Gora' itself. If you permit I might undertake the translation and the publication of the said translation.

With best regards,

Yours as ever,

Jagat Narain

P.S.

With the greatest hesitation I beg to offer a criticism of the book. In the concluding portion of the wonderful masterpiece, the death of Vinai Singh makes the book unnecessarily tragic. It would be presumptuous on my part to remind you that the aim of a true poetry or prose-poetry is to translate into words the infinite of human experiences, feelings, desires and ideals. Life appears as a play thing to the child, to the grown up man as a place of work, where he occupies himself with the 'matter of fact' and sees only the material realities of existence. A time however comes when this 'busy little man' begins to hear the voices from within, and begins to think that what he has been accustomed to regard as the only reality is not really so, and that there are more things in heaven and earth than his narrow philosophy dreamt of. This is the period in which the man, not yet having known the reality, and at the same time burning with an intense longing to search it, and to obtain it, grows gloomy. He begins to doubt himself, his surroundings, his capacities and powers, as also his ultimate destiny. He doubts the existence of the Supreme and ultimate goodness of the universe. He can hardly realise that God is bliss and that there can be no ultimate sorrow. This is the state of extreme restlessness where a man feels that the life is a misery. Tragedy occupies this third stage of a thinker's life. But this is not the condition of a master. This is unreal and is not the work of a man, who has known himself and his latent powers and who has realised that the culmination of life is not misery, but bliss and that the end is not failure but victory.

It is impossible for a really good man ever to perish.

Tragedy is, as you have rightly shown, the outcome of the play of various warring elements in the complex human life, all of which may be working with the best of intentions. But the Supreme power that guides human destiny will not let the really good perish, even in one life time.

Your book at its close leaves such a feeling behind. It leaves an impression of dismay. If only Vinai had been wounded and lived after a prolonged illness to get married to Sophia, I venture to suggest that the effect of the book would have been better and it would be in keeping with the reality and the eternal laws of God. Both could then have been employed with Ranis Janhvi and Indu to do the Seva work, so rightly cherished by you as the ideal of the book.

A friend points out to me that the death of Vinai is necessary to bring home to the Indian Reader the utter misery and helplessness of Indians under the British Raj. I can not agree to this. Your book is a book not for the guidance and inspiration of contemporary political parties and workers, but comes out of the depths of human heart, exploring every avenue of human experience and feeling, and translating them into words, and thus making it a source of delight and inspiration for all time to come. It has to remain a true picture of what is human and what is the ideal of humanity, through the varying circumstances and conditions of future generations. Considerations like this can have therefore no place in a book like yours.

Jagat Narain

کیشو دیوشرما کا خط

’بھارت‘ پشاپک پتر

لیڈر پریس، پریاک

8-10-1928

مانیہ درمہودیہ

آپ کا بھیجی ہوئی ’بھنوی‘ کے لے ایک دھنیہ داد۔ آشا ہے، آپ آگے بھی کرپا کرتے رہیں گے۔ کرپا اپنا فونو بھی بلاک بنوانے کے لیے بھیج دیجیے۔ لوجات ’بھارت‘ کی ابھی یہ تو سارحیہ نہیں ہے کہ وہ آپ کو پڑسکار دے سکے۔ پھر بھی وہ اپنی شق کے انوسار سودا کے چادل کی طرح آپ کی سیوا کرنے میں اپنا گرو کجے گا۔ یدی یہ لکھ بھیجیں کہ یہ عجمہ جینٹ پرتی کالم کتنی ہونی چاہیے، تو بڑی کرپا ہوگی۔

بھودیہ

کیشو دیوشرما

(سہایک سپادک)

دیانرائن نگم کا خط

کانپور

9 اکتوبر، 1928

بھائی صاحب، کارڈ آیا ہے۔

اس درمیان میں اکثر غیر موزوں رہا، مگر اب اچھا ہوں؛ حالانکہ اب کچھ اور غیر درست رہوں گا۔ مگر خیر، یہ تو دنیا کا کارخانہ ہے۔ آپ اشتہار بھیج دیجیے، میں ریڈنگ میٹر میں دے دوں گا، دوسرے پرچوں میں بھی بھیج دوں گا، جو اس وقت کسی ایک طرف پوری ایک طرح سے کام نہیں ہوگا۔ تھوڑا تھوڑا بہت کچھ کرنا ہوتا ہے۔ ”اکبر“ نمبر اور رانا پرتاپ کی جلد کا ذکر کرتا ہوں۔ کورٹ میں ممبری بھی مفت قائم رہی، حالانکہ بابو رام پرساد اور بعض دیگر احباب وہ گئے ممبر، اس کے بابت کچھ خیال نہیں رہا، معاف کیجیے گا۔ آج کی

مبارکباد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کو محبت سے جو اطمینان قلب جو مجھے رہتا ہے، اس کا اظہار زبان سے نہیں ہو سکتا۔ پرسوں 7 اکتوبر کی صبح بر خوردار کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مجھ سے کہا ہے کہ میں اس کی خبر ضرور لکھ دوں۔ یہ اطلاع دے رہا ہوں۔ والد کے بعد ہم میں ایک نسل آگے بڑھ گیا تھا، مگر میرا شمار اب back میں ہو گیا۔ کل ایک کام کے لیے لاہ آباد جا رہا ہوں۔ کسی روز لکھنؤ آنے کا ارادہ ہے۔ اپنا نیا پتہ لکھیں، تاکہ تلاش میں زحمت نہ ہو۔ آپ جب چاہیں، آئیں۔ خوشی ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت دعا۔

آپ کا، دیانارائن

گھنشیام شرما (متر پندت رادھے شیام کٹھا داچک) کا خط

شری رادھے شیام شرما پریس
بریلی

9.10.1928

شریوتی پریم چند جی
25 مارداڑی گلی، لکھنؤ

شری مان با۔ پریم چند جی
جے رام جی کی۔

آشا ہے کہ آپ پرستار سے ہوں گے۔ بہت دنوں سے آپ کا کوئی کربا پتر نہیں ملا۔ کئی ماس ہوئے۔ پتا جی نے آپ کو ایک پتر لکھا تھا۔ اس کا اثر بھی آپ نے نہیں دیا۔ کیا کارن ہے؟ ایسی زھٹنا کیوں؟

بریلی جب آپ پدھارے تھے، اس سے جو اسکیم پاس ہوئی تھی، اس کا کاریہ ابھی تک کچھ نہیں ہوا ہے۔ ٹیکسٹ کرنا چاہیے۔

یوگہ سدا سے سنڈو رکھے گا۔
کرپا بھاؤ بنائے رہے گا۔

آپ کا، گھنشیام شرما

بنارسى داس چترويدى كا خط

Vishal Bharat Office,
91 Upper Circular Road, Calcutta,
Dated 10.10.1928

My dear Prem Chand ji,

I am getting rather impatient. You have not yet sent two copies of your photograph. Nor have you sent me some short story books. You promised to write notes on yourself but you haven't yet sent them! Now please do all these things. I didn't very much like Prof. Gaur's sketch of yourself. There was no personal touch in it. I want the notes full of personal touches-with anecdotes and stories. I would like to know about your Maulvi Saheb and about your first attempts, about the people who encouraged you, about your conversion from Urdu to Hindi and so many other things. Please note down these things in the way of a letter to me in English so that I may make use of them for Tara Chand Roy also. Do sit down for a couple of hours for me. Surely I deserve as much time from you as Mote Ram Shastri!

By the way I would like to kill Mote Ram as early as possible- I do not believe in killing by violence. I would like to leave him to oblivion and wouldn't advertise him any more.

Please give an early reply with two photographs. I shall go home on 20th Oct. in Durga Puja vacations. Before that I want the material, notes, photographs etc. I wish we could meet. Can you come to Firozabad just for a day? It is only 7 hours journey

from Lucknow. I wish, I could come to Lucknow, but if I cannot then you should. We shall spend a happy day together.

Yours Sincerely,

B.Das

Anand Rao Joshi wants a sketch of yourself. I wish to give a good sketch. There is no use giving Gaur's, though I am sending it to him.

بنارسى داس چتر ویدی کا خط

دشال بھارت کاریالیہ

91 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ

17 اکتوبر 1928

پریم چند جی،

پتر کے لیے انیک دھنیہ واد۔ میں میں تاریخ کو گھر جارہا ہوں اور آپ کو سوچنا دوں گا کہ ہماری ملاقات کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہوگا۔ لوٹنے وقت میں الہ آباد میں رکنے کا ارادہ رکھتا ہوں، اس لیے شاید میرا لکھنؤ آنا ممکن نہ ہو پر میں کوشش کروں گا۔

میں سندرلال جی کو ایک دن کے لیے فیروز آباد آنے کو کہہ رہا ہوں۔ وہ آپ کی رچناؤں کے بہت بڑے پرفنسک ہیں اور آپ کے ساہیادانک وچاروں کو دیش روپ سے پسند کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں نے اپنے پتر میں ایک بھی چیز ساہیادانک کے سرغن میں نہیں چھاپی۔ اتنا ہی نہیں میں بہت بار اس کی ترد آلوچنا کر چکا ہوں۔ پہلے ایک میں ہی میں نے لکھا تھا کہ ساہیادانک ایک ایسا پاپ ہے جس کا کوئی پراچیت نہیں ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس پرشن پر ہم دونوں بالکل سمیت ہیں۔ سندرلال جی کے وچار تو اس پرشن پر اور بھی درڑھ ہیں۔ اگر وہ فیروز آباد آنا منکور کرلیتے ہیں تو میں آپ سے بھی آنے کی پراستنا کروں گا اور اگر آپ نہیں آسکتے تو پھر میں لکھنؤ آنے کی کوشش کروں گا۔

ہمارے جنوری کے سوراچہ ایک کے لیے آپ کو ایک کہانی لکھنی ہوگی۔ کرپا اسے
 سینے بھر کے اندر بھیج دیں۔ پریم آشرم کے ڈھنگ کی کوئی چیز بہت اچھی رہے گی۔ لیکن
 میں اپنی بات آپ کے اوپر لانا نہیں چاہتا۔ آپ کلاکار ہیں اور جو من چاہے لکھنے کے
 لیے آپ کو سنتر چھوڑنا ہی ٹھیک ہے۔ تارا چند رائے کو آپ کی کہانی 'سنتر' بہت اچھی لگی
 پر ان کا خیال ہے کہ کہانی 'ایک چلم تمباکو کا بھی روادار نہ ہوا' کے ساتھ ختم ہو جانا چاہیے
 تھی اور میں ان سے سمٹ ہوں۔ آپ کیا چیخوف یا دوسرے کسی لکھک کی کچھ کہانیاں
 انوواد کے لیے بھائیں گے۔ ترکیف کا 'نومو' ہم لوگ اس ایک میں چھاپ رہے ہیں۔
 آپ کا

بنارس داس

گپت جی پر غم کا لیکھ، جس کی آپ نے سفارش کی تھی، سچ بچ بہت سندر ہے۔
 جتنے لیکھ ان کے بارے میں لکھے گئے ہیں سب سے اچھا ہے۔
 کیا آپ کچھ اردو یا ہندی لیکھکوں یا کوئیوں کے سسرن لکھنے کی کرپا کریں گے؟

بنارس داس چتر ویدی کا خط

The Modern Review

91 Upper Circular Road, Calcutta

17.10.1928

My dear Prem Chandji,

Many thanks for your letter. I am going home on 20th and will let you know what arrangement would be best for our meeting. I intend to break my journey at Allahabad on my return journey and so it may not be possible for me to come to Lucknow but I shall try.

I am asking Sunderlalji to come to Firozabad for a day. He is a great admirer of your writings and specially likes your non-communal views. You may have noticed that I have not published a single thing in favour of communalism in my paper.

Not only that, I have condemned it many a time. In the first number I wrote that communalism is a sin for which there is no प्रायश्चित. I am so glad that we are quite agreed here. Sunderlalji is even stronger on this question. If he agrees to come to Firozabad, I shall request you to come, if not then I shall try to come to Lucknow.

You will have to write one short story for our 'स्वराज्यांक' of January. Please send it within one month. Something in the line of 'प्रेमाश्रम' will be very welcome. But I shall not dictate to you. You are an artist and must be left free to write as you like. Tara Chand Roy liked your story मंत्र very much but he is of opinion that the story should have ended with एक चिलम तमाकू का भी स्वाद न हुआ, and I agree with him. Would you recommend some stories of Chekhov or some other writer for translation. We are publishing Mumu of Turgenev in this issue.

Yours Sincerely.

B. Das

Nigam's article on Guptaji, which was recommended by you, is really excellent-the best that has been written about him.

Can you kindly write reminiscences about some Urdu or Hindi writers or poets?

Address-Firozabad, Dt. Agra

مولوی عبدالماجد دریا آبادی کا خط

25 اکتوبر 1928

کرم مختار

'خاک پروانہ پہنچ گئی تھی۔ شکریہ ادا کرنا الگ رہا آج کے قبل رسید تک لکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ بہر حال رسید و شکریہ آج دونوں عرض ہے۔ ریویو بھی اگر خدا کو منظور ہے

کچھ روز میں نکل جائے گا۔

’چوگان ہستی‘ میں نے ایک مسلمان نوجوان دوست کو دے دی تھی جو کلکتہ یونیورسٹی کے تازہ ایم اے (ہسٹری) ہیں اور اردو ادب کا بھی اچھا خاصا مذاق رکھتے ہیں۔ ان سے اور کئی کتابوں پر بھی ریویو لکھوا چکا ہوں۔ آپ کی کتاب جب ان کے پاس بھیجی تو مختصراً بعض Points لکھ دیے تھے کہ ان پہلوؤں کو ریویو میں دکھائیں۔ بد قسمتی سے انھوں نے کتاب کے متعلق ایک بالکل دوسری رائے قائم کی اور آج خدا خدا کر کے ریویو لکھ کر بھیجا۔ میں اس ریویو کو بہ جنس ہی آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ میں اس سے متفق نہیں اور اس لیے اسے شائع بھی نہ کراؤں گا۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ آپ کے نوٹس میں یہ بات آجائے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس کتاب کو اس پہلو سے بھی دیکھ رہا ہے۔ میں ریویو نگار کے دعوے کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ مجھے کہیں بھی Anti-Islamism Aggressive قسم کی ہندوئیت نظر نہیں آئی (حالانکہ میں ریویو نگار صاحب سے کہیں زیادہ Fanatic قسم کا مسلمان ہوں)۔ تاہم آپ کے علم میں یہ ضرور آ جانا چاہیے کہ ایک جماعت کے نزدیک آپ کی عبارت سے ایسا مفہوم بھی نکلا ہے۔

بعد ملاحظہ یہ ریویو واپس فرما دیا جائے۔ میں ان صاحب کو واپس کر کے کسی دوسرے صاحب سے لکھواؤں گا۔ خود لکھنے کی فرصت کہاں سے نکالوں۔ زیادہ تسلیم۔

عبدالماجد

ایڈیٹر ”ریاست“، دلی کا خط

آئندہ موبہن باغیچہ کا پتر

213، دوسرا ہاسٹل، ہندو وشنو دیپالہ، شری کاشی

10-11-28

شری مان!

”رنگ بھومی“ کی سمجھنا کے پبلکشن میں آپ کو بدحالی دینے میں شاید دیر کی، پرنٹو

یہ کیوں اس لیے کہ بدحالیوں کی بھیڑ میں ان جگہوں پر آپ کی درشتی نہ جلتی۔ استو...

آشا ہے کہ ایک لڑچٹ کی لار سے ہار دک بدحالی آپ اب سوکھرت کریں گے۔

میں نے تو ”رنگ بھوی“ کو پہلی ہی بار پڑھ کر اس ستان کی کلپنا کر لی تھی، یہی
اس نئے ہندستانی اکادمی کا استو ہی نہیں تھا۔ ہاں میری کلپنا ہندی کے اس اندھا دھند
کے جگ میں اتنا ہنگامہ دے سکتا کہ روپ لے سکے گی ایسی مجھے آشنا نہ تھی۔ کیونکہ ہندی کے
سالوچوں کو تو ”بگ بھاشا پانڈتہ پرورش“ سے ادکاش کم ملتا ہے نہ؟

ہندی لیکھوں کی پرہنسا میں دے دی اپنے امولہ تھا پوتے کا کوئی چمن دیے کر
ڈالے، تو لوگ یہ نہ سمجھے گے انھوں نے ویشی ساہیہ دیکھا تک نہیں؟

ریشی کا دم بھرنے والا یدہ بڑھیا سے بڑھیا عطر کو سونگھ کر بھی ناک نہ سکوڑے، تو
لوگ اس کی دلاساں بھوتی پر سند یہ نہ کرنے لگیں؟

ادھر کچھ ہماری بھرم کھلیہ ”رنگ بھوی“ اور ”ویشی فیہ“ میں سمبندھ استھاپت کرنے
کے پریاس میں اپنی پرہنسا کا سد اپیگ کیا کریں، مانو چرتکی جیلا کو سیکرنوں کی سہایا
کے سلجھانے کی کسرت کرتے رہے، کرنے دیجیے، منو وود کی یہ بھی اچھی ساگری رہے گی۔
بڑے بڑے براشا وادی کلاود ساہتیک آلیس کی چوٹی پر چڑھ کر کلا بازی کیا کریں،
ہرش ہے، ”رنگ بھوی“ کو تو اپنا استھان ملنا ہی تھا۔ اب نہیں تو سنے آنے پر۔

ہرش ہے کہ اکادمی نے اپنا کرتیہ پالن کر کے اپنی پڑمارجت روچی کا پرتچے دیا
ہے۔

دھرھٹا کو شاکر کے یہ بھینٹ سوکرت کیجیے گا۔

سوئے

آندموہن باجپئی

خواجہ غلام السیدین کا خط

علی گڑھ

12 نومبر 1928

مکرمی، حلیم!

مجھے آپ سے ذاتی طور پر شرف نیاز حاصل نہیں ہے لیکن میں بہت عرصے سے آپ
کی دلشیں تصانیف اور افسانوں کو شوق سے پڑھتا رہا ہوں اور آپ کے ادبی ذوق اور

قابلیت کا ماح ہوں۔ میں نے ابھی حال میں اپنے محترم دوست سید جہاد حیدر صاحب کے توسط سے آپ کا نیا ناول 'چوگان ہستی' پڑھا۔ میں اس تصنیف پر آپ کو نہایت خلوص اور گرم جوشی سے مبارک باد دیتا ہوں۔ میں نے انگریزی اور دوسرے یورپی ممالک کے افسانے بہت بڑی تعداد میں پڑھے ہیں اور میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا یہ ناول ان سے صف اول کے ناولوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ گزشتہ چند ماہ میں ہندستان کی Creative Genius نے دو زبردست چیزیں پیدا کی ہیں۔ ایک نہرو رپورٹ اور دوسری چوگان ہستی۔ میری خواہش اور استدعا ہے کہ آپ اردو ادب کی خدمت اور سرپرستی کو جاری رکھیں۔ اگر آپ نے اس طرف سے اپنی توجہ کو ہٹا لیا تو یہ نہ صرف اردو ادب پر ظلم ہوگا بلکہ خود اپنی غیر معمولی ادبی قابلیت کے ساتھ ناشکری ہوگی۔ امید ہے کہ آپ اس پر خلوص اور دلی ہدیہ تہنیت کو قبول کریں گے۔

نیازمند

خولجہ غلام السیدین

یوسف حسین کا خط

گوال منڈی،

لاہور

20-11-1928

مکرمی محترمی، تسلیم!

آپ کے خط کا جواب دیر سے دے رہا ہوں۔ مصروفیت زیادہ رہی ہے۔ آپ پچاس جلدیں بھیج دیجیے۔ بعد وضع کمیشن کتابیں فروخت کر کے رقم بھیج دی جائے گی۔ کوئی اور بھی آپ کی اردو کتاب ہو تو وہ بھی ساتھ بھیج دیجیے۔ میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔

یوسف حسین

رجسٹرار، علی گڑھ و شوہر دیالہ کا پتر

رجسٹرار آفس، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

21-11-1928

مکرمی، سلام!

آپ کا خط ملا۔ یاد آوری کے لیے شکر گزار ہوں۔ میں نے آپ کا افسانہ ”چوگان ہستی“ پڑھا۔ میں آپ کو ایک ایسی عظیم الشان تصنیف پر سچے دل سے نہایت مودبانہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ کی تصنیف کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ یہ اردو کا ایک بہترین ناول ہے۔ اگرچہ ”بازار حسن“ بھی آپ کی ایک مارکہ اعلیٰ تصنیف ہے، لیکن ”چوگان ہستی“ سے میں اس سے بہتر تصور نہیں کرتا۔ اگر ”بازار حسن“ ایک مخصوص طبقہ ایک محدود جماعت ’سمتِ درگ‘ کی اصلاح اور مفاد کے لیے ایک کامیاب سعی ہے، تو ”چوگان ہستی“ ایک قوم کی بہبود اور بہتری کے لیے بہترین کتاب ہے۔ اس سلسلے میں لکھی گئی چیز نظر نہیں آتی، یہی آپ کی قلم کی خوبی ہے۔ آپ نے عام زندگی اور طرز معاشرت اور اس کی اصلاح پر بہترین خیالات پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد کوئی گنجائش اس سلسلے میں لکھنے کے لیے نہیں چھوڑی۔ پھر ایک مرتبہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

آپ نے اس ناول کو لکھ کر قوم پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں اس کی تعریف لکھنے میں حق بجانب ہوں یا غلط۔ آپ کے تمام افسانے، جو نظر سے گزرتے رہے ہیں، آپ کی قلم کو چوم لینے کو جی چاہتا رہا۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔

خاکسار، جاوید

سمکھو تہ رجسٹرار

مہتاب رائے کا خط

از دارا پور

23 نومبر 1928

جناب بھائی صاحب، قبلہ آداب!

میں بابو خیر الدین کے یہاں اس موقع پر تو نہ جاسکا، پر دیوالی کی چمٹی میں گیا تھا

اور اس لڑکے کی بابت سب باتیں دریافت کیں۔ لڑکا بہت ہونہار اور خوبصورت اور تندرست ہے۔ بی۔اے۔ میں تعلیم پاتا ہے، مگر ماں باپ نہیں ہیں۔ خاندان بڑا ہے، چچا اور کئی بھائی اچھی جگہ پر کام کرتے ہیں۔ چچا وکیل ہیں۔ اس شادی کے طے ہو جانے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ دوسرے لڑکے اور ہیں۔ بلیا ضلع میں ہیں اور وہ سب نج کے لڑکے ہیں اور تعلیم پاتے ہیں۔ ان کی بابت میں خیرالدین سے کہہ آیا ہوں کہ وہاں جا کر ان سے دریافت کریں۔ اور ایک چلر گورکھپور کا لگا لیں۔ اگر بڑے دن کی چھٹی میں ہو سکا تو میں ہی ان کے ہمراہ گورکھپور جاؤں گا۔ والدہ صاحبہ ہوئی میں ہی ہیں اور ان کا لسن وغیرہ بنارس میں۔ اگر ہو سکا تو ایک آدھ مہینہ میں ان کو یہاں لانے کی کوشش کروں گا۔ بھابھ صاحبہ کی طبیعت کا حال کچھ نہیں معلوم ہوا کہ اب کیا حال ہے، اور کوئی تازہ حال نہیں ہے۔

بچوں کو دعا اور پیار!

خادم، مہتاب رائے

رام چند ٹنڈن کے خط

29, Muir Hostel,

Allahabad

26.11.28

My dear Prem Chandji,

It is really long since I heard anything from you. Perhaps you will let me have a line from you now and then. I am sending herewith translation of a story of Chirikov, the famous Russian realist. The original is a veritable gem. I wonder if I have been able to render it properly. Will you please publish it as early as it may be possible? My next story would be Turgenev's 'Dream'.

I am yet unaware of the fate of my story 'Kasauti' translated

from Stevenson. I have long waited for its publication. I like that story very much and perhaps I will revise or rewrite it. So, may I have the MS. along with some other translations of mine from Stevenson, which are with you?

I trust you are doing quite well. Are you not coming to Alahabad recently? When you were here last you didn't come to see me. Remember me to Sri Krishna Behari Misra.

Very sincerely yours,

R.C. Tandon

پروفیسر تارا چند رائے کا خط

Prof. Tarachand Roy (Lahore)

27. 11. 1928

Berlin- Wilmersdorf, den

Hohenzollerndamm 161 BIII r.

Dear Premchand ji,

Pandit Benarasi Das Chaturvedi wrote to me once that he had requested you to favour me with a copy of each of your works. I am sorry to say that I have not heard from you as yet. I have been reading your excellent 'प्रेम-प्रमोद' with my students and they have all enjoyed the wonderful Short-stories in this collection. I shall be highly obliged to you, if you would kindly let me know what the word 'पौरा' on page 144, line 20 means, and how you construe the sentence in the context. I am sorry that I have not been able to find that word anywhere. Swami Satya Deva and Muni Jina Vijaya, whom I have consulted here, have not made out anything either. It is presumably a word current in your province.

I read sometime back in a journal that your works were going to be translated into English. Have the translations been published? If so, where and by whom?

I need not emphasize the fact that you are the greatest Hindi writer of modern times. You have interpreted India as she lives, moves and has her being in our days. You have brought your master mind to bear upon the life-and-death problems of our 'Mother country'. May I request you to give us in the near future the story of your own life cast in the mould of artistic expression and apparelled in the robes of poetic brilliance?

I have been receiving the 'Madhuri' regularly like other Hindi monthlies, but I am sorry, I have not got the 'विशेषांक' up to now. Will you please see to it that the 'Madhuri' is sent to me without break. I am the only pioneer of Hindi and Indian culture in Berlin and will always be thankful for every sort of help I receive from home in this connection.

I have just returned from Wiesbaden, one of the most famous sp as of Germany, where I had been invited to address a gathering of 1500 people in a big-hall on Indian culture. I am glad to inform you that the lecture was a great success. In December I have been invited to speak in the Rhineland. I am trying to contribute my mite to the service of our mother land in foreign countries.

Wishing you best health and success and hoping to hear from you soon.

Sincerely yours.

Tarachand Roy

دشترتھ لال کا خط

(سمکھوتہہ دبہر، 1928)

مہودیہ،

آپ کا پتر ملا۔ ایسا پتر تو سو بھاگیہ اُدیہ سے ہی پراپت ہوتا ہے۔ آپ نے اپنا پورا پرتے نہیں دیا ہے، پر مجھے پتہ چل چکا ہے۔ سورج کو چراغ لے کر نہیں دیکھا جاتا۔ آپ کی طرح مجھ پر ایک مہان اُتر دلتیہ ہے اور اس سے مجھے ابار لینے کے لیے آپ کا سہیوگ بھی اتنا ہی آدھیک ہے۔

یہ آدھیہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ دیہات ہے، سماچک ٹریتیوں کا ابھاؤ یہاں بھی نہیں ہے، یدی مجھے اور انومانہہ میری ساس صلبہ کو بھی اس کی زیادہ پرواہ نہیں ہے۔ تو بھی اس گھر کے لہجاس، اس کی پرتھٹھا اور مریادہ کے پرکاش میں، میرے کرتبیہ پالن میں کچھ ویشٹیا کیں رہیں گی اور مجھے آشا ہے کہ آپ اس کی سوودھا مجھے دیں گے۔ اتہ مجھے پہلے سے معلوم ہو جانا چاہیے کہ شادی میں آپ کتنا خرچ کرنا چاہتے ہیں اور اس خرچ کا کتنا حصہ ایسا ہوگا جس سے مجھے دیوہارک سہایتا مل سکے گی، اور یہ بھی اسپٹھہ کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ کسی رئیس کا گھر نہیں ہے۔ سادھارن زمینداری پر یوار ہے، اور لڑکا اپنے گھر کا آپ مالک ہے۔ ہاں، دال روٹی کا سکھ اسے آدھیہ پراپت ہے۔

آپ کا، دشترتھ لال

آنند موہن باجپئی کا خط

213 دوسرا ہاسٹل

ہندو دتو ودھالیہ

شری کاشی،

10.12.28

شری مان!

’رنگ بھوی‘ کی سھلتا کے اہلکچھیہ میں آپ کو بددھائی دینے میں شاید دیر کی، پرتو یہ کیول اس لیے کہ بدھائیوں کی بھیڑ میں ان ہنکتیوں پر آپ کی درشتی نہ جاتی۔ استو...

آشا ہے کہ ایک آپریشن کی اور سے یہ ہاروک بدھائی آپ اب سو کرتی کریں گے۔

میں نے تو ’رنگ بھوی‘ کو پہلی بار ہی پڑھ کر اس ستان کی کلپنا کر لی تھی۔ یہی اس سے ہندوستانی اکادمی کا اسٹیو ہی نہ تھا۔ ہاں، میری کلپنا ہندی کے اس اندھا دھندگی کے یوگ میں۔ اتنا ہنگامہ و استوکتا کا روپ لے سکے گی، ایسی مجھے آشا نہ تھی، کیوں کہ ہندی کے سالوچکوں کو تو ’جنگ بھاشا پانڈتہ۔ پرورش‘ میں ادکاش کم ملتا ہے نہ؟

ہندی لیکھوں کی پڑھنا میں وہ یدی اپنے امولیتھ تھا پوتر سے کا کوئی ش ڈیے کر ڈالیں، تو لوگ یہ نہ سمجھیں گے کہ انھوں نے وہیٹی ساتھ دیکھا تک نہیں؟

ریشی کا دم بھرنے والا یدی بڑھیا سے بڑھیا عطر کو سونگھ کر بھی ناک نہ سکڑے، تو لوگ اس کی دلاسا بھوتی پر سندھ یہ نہ کرنے لگیں گے؟

ادھر کچھ بھاری بھر کم گڑی تکیہ ’رنگ بھوی‘ اور ’ویشی فیئر‘ میں سمبندھ استھاپت کرنے کے پریاس میں اپنی پرتیما کا سدوپیوگ کیا کریں، مانو چرت کی جلتا کو سمیکرنوں کی سہایت سے سلجھانے کی کسرت کرتے رہیں، کرنے دیجیے۔ منو ونود کی یہ بھی اچھی ساگری رہے گی۔

بڑے بڑے زاشاواوی کلاود، سہایک آپس کی چوٹی پر چڑھ کر کلا باجی کیا کریں۔ ہرش ہے ’رنگ بھوی‘ پر انھوں نے کلا باجی نہیں دکھائی، ایتھا درشکوں کا خاصا منورنجن ہو سکتا۔ پرنو ’رنگ بھوی‘ کو تو اپنا استھان ملنا ہی تھا۔ اب نہیں تو سے آنے پر۔

ہرش ہے کہ اکادمی نے اپنا کرتویہ پالن کر کے اپنی پریجت روچی کا پریچہ دیا ہے۔ گھرشتا کو چھما کر کے یہ بھیٹ سو کرتی کیجیے گا۔

سُنیہ

آند موہن واچن

آنند راؤ جوشي کا خط

आनन्द राव जोशी
फडणीसपुरा, नागपुर सिटी

25th Dec. 1928

Dear Premchandji,

I acknowledge the receipt of your kind letter of the 15th inst. I was exceedingly glad to receive the information I asked for in my previous letters. Be it under strong protest or anything else, I think myself fortunate in that I could exact the necessary information from you for a purpose, the utility and value of which can not be questioned. I am prepared to bear any wrath or displeasure for such a sacred purpose.

You must have received by Book-post a copy of the printed article, I mean 'सुप्रसिद्ध हिन्दी कथालेखक श्री प्रेमचन्द यांचा परिचय' published in the 'महाराष्ट्र' of Nagpur. I wish you could have sent your information when you received my first letter, so that I would have been able to include the same in this 'परिचय'. However I am going to do so in the article 'श्री प्रेमचन्द यांचे चरित्र' which I am going to publish along with the stories. I wish you could oblige me with a copy of your recent photographs to be published along with this 'चरित्र'. How I wish that you could send a copy for my personal use — a copy that I would keep with me as a token of personal appreciation and respect for a distinguished novelist of your type.

I do not know exactly whether your collection of stories entitled 'मोटेराम शास्त्री' has been published or not. I am eager to translate the same before I take-up 'निर्मला'. I wish you could advise me in this connection.

I admit I am not so well versed in Hindi and that I shall be more careful in studying this language. I would like to assure

you that I was not sorry to receive your kind suggestion and that I am trying my level best to improve the same. As regards the article 'पूना के आन्दोलन', I would like to say that it was written probably in August, 1927 and since then, I think, I have made a considerable progress in this direction. Please see that all words written in English with in the brackets are omitted and that this article is duly improved. May I know when would it be published.

I am,
Yours Sincerely,
Anand Rao Joshi

تارا چند رائے کا خط

Hohenzollerndamm
Berlin, Wilmersdorf
Germany
(سکھوتہ: 1929 کا آرمہ)

پریم چند جی،

میرا ہر آپ کو پہنچ گیا ہوگا، پرنٹو مجھے اس کا اثر ابھی تک پراپت نہیں ہوا۔ بنارس کاریالیہ سے 'ہنس' بھی نہیں آیا۔ میں نے آپ سے پراپتہ کی تھی کہ آپ مجھے 'ہنس' برابر بھجواتے رہے گا۔ بنارس کاریالیہ سے بھی میں نے یہی وفتی کی تھی، پرنٹو ابھی تک کوئی اثر نہیں ملا۔ آپ مجھے 'ہنس' کے سب اک روٹہ کروا دیجیے۔ میں ان کو دیکھ کر 'ہنس' کے لیے کوئی نہ کوئی لکھ بھیجوں گا۔ آپ کا نیا اپنیاس 'پریمکیا' ایک بڑی اتم رچنا ہے۔ پڑھتے پڑھتے ہر دیہ آنند سے پلاوت ہو گیا تھا۔

اب میں نے 'کایا کلب' پڑھنا شروع کیا ہے۔ Please favour me with a short autobiography 'ماہوری' کے لیے بھی میں نے لکھ بھیجوں گا۔

بھوویہ، تارا چند رائے

بنارسى داس چترویدی کا خط

Vishal Bharat,
91, Upper Circular Road,
Calcutta.

(सम्भवतः नवम्बर 1929)

My dear Prem Chandji,

Do come to stay with me. We shall be quite happy. The Editor of the 'Vishal Bharat' will cook for you. Though you may not relish his very simple dishes, there will be real श्रद्धा behind them which cannot be found in hotels or public kitchens. I am staying here at the office. Please inform me of your arrival.

I can easily arrange for your ticket. Do not bother about it please. It has almost been arranged.

I have so many things to talk about. I read a letter in the 'Bharat' in my defence. Is it yours?

Hoping you are quite well.

Please send me a story if you can. We want one story for December and one for January.

Yours Sincerely,

B. Das

پروفیسر تارا چند رائے کا خط

Prof. Tarachand Roy (Lahore)
Berlin Korrespondents 'Vishal Bharat'
Kalkutta Europaischer Korrespondent der
'Tribune', Lahore'

Lektor am Indogermanischen Seminar
der Universitai Berlin

Berlin- Wilmersdorf, den
Hohenzollerndamm 161B
29 January, 1929

My dear Premchand ji.

My heartiest thanks for your very kind letter and a number of books that I have just received from the Saraswati Press, Benares City. It would be very kind of you if yon would request the publishers of your other works to send me a copy of these at their earliest convenience.

I am highly thankful to you for 'the explanation of the word 'पौर'. I have noted a few more points in some of your works, but I shall write you about them another time. Since I am in a great hurry at this moment, I am leaving for a town in Eastern Germany within half an hour. I have been invited there to deliver a lecture on my beloved motherland.

May I request you to instruct the office of your paper 'Hans' to send me the journal regularly. I shall be glad to send you something for publication, after I have gone through the issues that have been published up to now.

You will hear from me again a fortnight hence.

With best wishes and kindest regards,

Yours Sincerely,
Tarachand Roy

P.S.

I shall be highly obliged to you, if you would request all the editors and publishers of Hindi magazines and books that you know personally to favour me with their journals and new publications regularly. I may remain in constant touch with..... done in this direction at home.

حنیف ہاشمی، لاہور کا خط

13، بیڈن روڈ، لاہور،

30 جنوری، 1929

مکرمی منشی صاحب، ہدیہ نیاز!

مولانا تاجہ نجیب آبادی کا مکتوب آپ کی خدمت میں پہنچ چکا ہے۔ یہ عرض محض یاد دہانی کے لیے تحریر کیا جاتا ہے۔ ”ادبی دنیا“ کا پہلا پرچہ 15 مارچ کو شائع ہوگا۔ بار ادارت نیاز مند کے دوش پر ہی ہے۔ انتظام یہ کیا گیا ہے کہ اہل وطن کے سامنے مشرق اور مغرب کا جدید و قدیم لٹریچر پیش کیا جائے۔

آپ سے بھی اس قدر عرض کیا چاہتا ہوں کہ لکھ ”ادبی دنیا“ کے لیے عیانت میں فرمائش کو مد نظر نہ رکھیے، کیونکہ فرمائش مضامین قارئین کی طبیعت پر ہی بار نہیں ہوتے بلکہ ان سے مصنف کی شہرت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ انکار جو اخلاص پر مبنی ہو، ہمارے لیے زیادہ عزت افزا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ مجبوراً کچھ لکھ کر ارسال فرمائیں۔

بہ السلام،

جواب خط کا متنی

نیاز آسند، حنیف ہاشمی

ڈاکٹر تارا چند کا خط

Dr. Tara Chand
M.A., D. Phil. (Oxon)
The General Secretary
Hindustani Academy
United Provinces,
Allahabad

Allahabad
Dated Feb. 6, 1929

To,
B. Dhanpat Rai
Naval Kishore Press,
Lucknow

Sir,

I have the honour to inform you that the Council of the Academy has elected the following committee of Judges for the award of prizes on the best work in Urdu-on general literature. I hope you will kindly accept the membership of the said committee and send me an early intimation of your acceptance.

A copy of the suggestion regarding the award of prizes is here with enclosed.

Members—

1. B. Dhanpat Rai
2. M. Syed Sajjad Haider
3. M. Rashid Ahmad Siddiqi (convener)
4. M. Norrul Hasan 'Nayyar'
5. M. Niaz Ahmad Khan, Fatehpuri

I have the honour to be,
Sir,
your most obedient servant .
Tara Chand

سیّد عنایت حسین ”زمانی“ کا خط

24-02-1929

مکرمی، تسلیم!

پریم بھولنے والی چیز نہیں۔ میرا بہت عرصے سے بازو اتر گیا ہے۔ سخت چوٹ آئی تھی، جس کے باعث پابندِ بستر بنا ہوا ہوں۔ دایاں بازوؤں اترتا تھا، جس کے سبب خط و کتابت کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ خط نہ بھیجنے کی یہی وجہ تھی۔

”سوڈ وطن“ مجھے اختر صاحب سے مل گیا تھا۔ ”کربلا“ کا مسودہ ”زمانہ“ نے نہیں بھیجا۔ ایڈیٹر ”زمانہ“ صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ”کربلا“ کے پورے نمبر ان کے پاس محفوظ نہیں ہیں۔ وہ ارسال کیے جائیں گے۔ اگر آپ مکمل کا انتظام کر دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ”کربلا“ کتابت کے لیے دے دیا گیا ہے۔ قصے ”خواب و خیال“ میں 14 آئے ہیں۔ ایسا ”خاکِ پروانہ“ میں اگر افسانے تعدادی 14-15 ہو جائیں تو ارسال فرمادیں۔ فردری ”زمانہ“ نمبر میں اسی طرح دیکھ سکتا ہوں کہ آپ مجھے ارسال فرمادیں۔ ”کشتا“ کہ بابت آپ نے نہیں لکھا کہ وہ ملا یا نہیں۔ اگر ہو سکے تو وہ بھی روانہ فرمادیں، یعنی نئے قصے، مضمون ”کربلا“ والا مکمل فائل۔ ”کشتا“ ناول، شادی کی بابت جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

بفعلِ تعالیٰ امداد میں کوتاہی نہ ہوگی۔ میں چلتے پھرنے کے لائق اور ہاتھ قلم پکڑنے کے لائق ہو گیا تو ان کی اشاعت کا بندوبست ہوگا۔ التوا کا باعث بس یہی شکایت ہے فی الحال زیادہ زیادہ۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

سیّد عنایت حسین ”زمانی“
حضرت سیّد مبارک علی صاحب
مہر کا، 24 فردری، 1929

ہندستانی اکیڈمی کا خط

The Hindustani Academy
United Provinces
Allahabad

Feb. 28. 1929

Dear Sir,

I herewith send you under a separate cover a copy of 'Justice' by Galsworthy. The book is to be translated into Hindi. I hope you will be able to send the MSS. of translation by the end of March next.

The Committee has sanctioned a remuneration of Rs. 2/- per page Royal octave size in English plus 10% royalty on the book sold. A copy of 'strife' and 'Silver Box' by the same author will be sent to you for translation as soon as they are received from the book-sellers.

Yours faithfully,
Satya Jiwan Verma
Superintendent

B. Dhanpat Rai B.A.
Naval Kishore Press,
Lucknow

در شرتھ لال کا خط

اُجین

07-03-1929

شری مان بابو جی، نمستے!

آپ کا کربا پتر و فونو پہلی تاریخ کو ہی یہاں آکر لے گئے، پر میں ایک ہفتہ کے

لےے برودہ دسورت چلا گیا تھا۔ آج ہی واپس آیا ہوں۔ یہی کارن ہے کہ اتر فیکٹر نہ بھیج سکا۔ مجھے کہید ہے کہ آپ کو کچھ نئے تک دیرتھ پر نکلا کرنی پڑی۔

کدلاچت یہ کہنے کی آدھکنا نہیں کہ میں نے یہ چتر آپ کے سنتوش کے لیے نہیں کبئو داسودو کے لیے منگایا تھا۔ لکھنؤ میں آپ کے بات چیت کے پرسنگ میں کچھ ایسی سمسیاویں اور گھٹناؤں کا اُلکھ سنا تھا جن پر در کچھ کا دھیان بہودہ بہت کم رہتا ہے، پرتو یہ سمجھ کر کے آپ جیسے مہانو بھووں کے شری کھ سے نکلا ہوا ایک شبد بھی رراتھ نہیں ہو سکتا، مجھے اپنے اتر دلائو کا بوجھ اور بھی ادھک جان پڑنے لگا ہے۔ اس لیے میں نے آپ سے دوسری فونو کے بے آگرہ کیا تھا۔

دیوری سے آئے ہوئے پتروں سے ویت ہوتا ہے کہ میرے جتر کی دھو نے آپ کی کنیا کے ساتھ کچھ نئے ایکانت میں بھی ویتیت کیا ہے اور پراہیہ سم ویک ہونے کے کارن ایک دوسرے کے بھاؤں کو بھلی پرکار سمجھ بھی سکیں ہیں۔ جتر دھو کا الومان ہے کہ یدی کسی کارن سے یہ پرتاد استھر نہ رہ سکا تو کنیا کو اکھنے کشتھ ہوگا۔ میں بڑے دھرم سنکٹ میں پڑ گیا ہوں۔ میں نہ تو کنیا کو رراش کرنا چاہتا ہوں، نہ درکو۔ میں انھیں اس واسچہ پریم سے پری پورن دیکنا چاہتا ہوں، جو پرتیک یووک کا ویتی کا جنم سدھ ادھیکار ہے۔ آپ میری برستھیتی پر دھار کر لیں اور ایسی بھتی لکائیں جس میں در دھو دونوں سکیں ہوں (جو دیواہ کا مکھہ پتو ہے) اور آپ کو شانتی ملے۔

یدی آپ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سبندھ پکا ہو چکا تو میری اور سے بھی پکا کچھے۔ کیول میری ایک بات آپ کو بھانی ہوگی، جو میں یہاں اسپٹ کر لینا چاہتا ہوں۔ آشا ہے کہ میرے سنکٹیا نوسار آپ نے -/4000 کا جو سنکٹپ کیا ہے، آپ اس پر استھر ہوں گے۔ دیوری سے آئے پتروں کو دیکھ کر آپ کو لکھتا پڑتا ہے کہ آپ بتلک میں -/2000 دو ہزار نفد بھیجیں و -/500 کا دروازہ اور -/500 ودائی کے بست رکھیں، ارقات باقی -/1000 میں دوسرے خرچوں سے پیٹ لیں۔ بات یہ ہے کہ ایک بار -/2000 کا بتلک اسویکار کیا جا چکا ہے، اس لیے یدھی اماں یہ نہیں چاہتیں کہ آپ حیثیت سے زیادہ خرچ کریں، تھاپنی دے یہ آدھ چاہتی ہیں کہ آپ اسے اس پرکار کیوں نہ خرچ کریں کہ جس سے ادھک سے ادھک شو بھا، سنتوش اور شریہ پراپت ہو۔ آپ کی آر بھک سود دھاؤں کا پرتیج میں

پہلے ہی لے چکا ہوں۔ اوپر لکھے اوسار دیئے کرنے میں بھی آپ کو ویشل آہتی نہیں ہو سکتی۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کو زیور کچھ نہ بنانا پڑے گا، صرف نقص بنانا پڑے گی، باقی زیور تو آپ کے عزیز و اقارب اگر دینا چاہیں تو پئے پوجنی یا ودا کے وقت دے سکتے ہیں اور نہ دیں تو کوئی تقاضا نہیں ہے۔ آپ کی ایک ہی لڑکی ہے اور وہ بردھارت سیما کے اندر ہی اترھ دیئے کرنے سے یدی اسے منوا نہجت در ملتا ہے، تو میری سمجھ میں آپ کو اس پوتر کاریہ سے کثرت کرتیہ ہو جانا چاہیے۔ شیش بھوشیہ کے ہاتھ میں ہے۔

میں بہت جلدی دیوری پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ یدی اوپر لکھی دیوستھا آپ کو سویکار ہے (سویکار کرنے کا مجھے کوئی کارن نہیں جان پڑتا) تو آپ پورے نہچت 17 یا 18 مارچ تک دیوری آجائیں۔ میں اس کے پورے ہی دیوری پہنچ جاؤں گا۔ آپ اس پتر کا اتر دیوری بھیجیں اور 17 یا 18 مارچ تک یا تو جھانسی بنیا ساگر ہوتے ہوئے دیوری آ کر رسم ادا کر دیں، اور جبل پور سے واسودیو کو دیکھتے ہوئے لہ آباد ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچ جاویں، اتھوا لہ آباد ہوتے ہوئے جبل پور آئیے اور واسودیو کو دیکھ کر کرلی اسٹیشن کی راہ دیوری آئیے اور رسم ادا کر کے ساگر بنیا جھانسی ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچ جائیے۔ میری سمجھ میں پہلے آپ کو جبل پور ہو کر پھر دیوری آنا چاہیے، جس سے آپ کو کسی پرکار کی ذویدھا یا ہنکا نہ رہ جاوے۔ آپ لڑکے کو دیکھ کر اپنا جی بھر لیں۔

پھلدان کے لیے یہاں چاندی کے کٹورے وغیرہ کا ہراج نہیں ہے۔ صرف ایک ناریل اور جو کچھ نقد آپ دینا چاہیں، اس کی ضرورت ہوگی۔ آپ چاہیں تو 111/- دیجیے، نہیں تو پانچ اشرفیاں ٹھیک ہوں گی۔ اشرفیوں کا پر بندھ نہ ہو سکے تو 5 گنتوں سے بھی کام نکل سکتا ہے۔ یوں تو پھلدان 5 سے بھی ہوتا ہے، پر ایسا کرنا آپ کی شان کے باہر ہوگا۔ آپ جب آئیں تو لڑکی کے ہاتھ کی چوڑی آدھیہ لیتے آئیے یا ہاتھ کا کوئی زیور جو ٹھیک بیٹھتا ہو۔ شیش ٹھہ۔ ماں جی کو پر نام و بچوں کو پیار کہیے گا۔

سنگا کانشی،

دشترھ لال

دشترھ لال کا خط

اجین

07-03-1929

شری مان بابو جی، سادر خدمتے،

آج ہی آپ کو ایک پتر اس کے پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس میں لکھتا دو ہی مسیادوں پر سوکرتی بردھارت کی گئی ہے، ایک تو اسپٹ ہی ہے۔ ارتھات یہ کہ آپ پورو نچت 4000/- کے پئے سنگپ کو اس پرکار وبھاجت کریں کہ 2000/- نقد تلک میں دیویں و دروازے میں 500/- اور ودائی میں 500/-، شیش 1000/- میں کھلانے پلانے اور دوسروں خرچوں کو پھالیں۔ دوسری مسیاتی واسو دیو کو لڑکی کے وشے میں سنتوش کرنا۔ آپ کو پتر بھیجنے کے بعد اس کا پتر ملا۔ اس کے پتر سے مجھے بڑا سانس ملا جس اتر داجو کے بوجھ سے میں گھبرا رہا تھا، وہ ہلکا جان پڑنے لگا، مانو ٹیک مل گئی۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی بہن لکھنوں جا کر لڑکی کو دیکھ لے۔ آشا ہے کہ اس سے آپ کو کچھ آگتی نہ ہوگی۔ لکھنوں میں تو آپ نے تو سویم کہا تھا کہ ماں جی چاہتی ہیں کہ واسو دیو کی ماں خود آ کر لڑکی کو دیکھ لے، اور پھر سب لوگ بتائیں جائیں وگنا انسان کریں، ایادی۔ ات ایویدی باسو دیو کی ماں کے استھان میں بہن آوے تو میری سمجھ میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ آگے جیسا آپ سمجھیں۔ شاید ماں جی نے بھی راجا رام جی کی مامی سے کہا ہے کہ جو چاہے سولڑکی کو دیکھ لیں، مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔

بس یہ دو شرطیں ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو آپ کی سوودھا اٹھوا سامرھتھ کے باہر ہو۔ میری سمجھ میں تو اب آپ کی اور سے سبندھ لکا ہو چکا ہے، اور یدی میری جز ودھو کا انومان غلط نہیں ہے، تو کنیا نے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے، تو ہم لوگوں کو ایک بار سیوا میں پھر آنے کی آگیا دیجیے۔ اس کے بعد آپ آسکتے ہیں اور رسم ادا کر سکتے ہیں یا آپ ہی پہلے لڑکے کو دیکھ لیجیے۔ ایک دن کے لیے دیوری بھی پدھاریے۔ اس کے بعد نچت سمجھ کر ہماری شرطیں سوکرت کیجیے اور لکھنوں آنے کی آگیاں دیجیے۔ جیسا آپ سمجھیں کریں، مجھے اس میں ادھک بھید نہیں معلوم ہوتا۔ پھل دان جیسا دیوری میں ہو سکتا

ہے، ویسا ہی لکھنؤ میں بھی ہو سکتا ہے۔

کرپیا اس پتر کا اتر فیکھر ہی دیوری بھیج دیجیے گا۔ نیچے آپ کے ہاتھ میں ہے۔
میں کیول اپنے اتر دایو کا سپادن اس پرکار کرنا چاہتا ہوں کہ در اور کنیا دونوں سکھی رہیں
اور میرا اور آپ کا ادھیوگ پورن روپ سے بھل ہو۔

منگلا کانشی،

دشترھ لال

مبارک علی شاہ گیلانی، لاہور کا خط

’نیرنگ‘ ہیلی روڈ، لاہور

20-03-1929

مکرمی مشفق، سلامت!

آج ایک ڈرانٹ 400 روپیہ آپ کو روانہ کیا ہے۔ امید ہے، وصول پا کر رسیدگی
ارسال بخشیں گے۔ آج بہ فضل اللہ تعالیٰ ڈیڑھ ماہ سے بیمار تھا، باہر نکلا ہوں، اور اپنے
ہاتھ سے یہ کارڈ لکھ رہا ہوں۔ اگرچہ ہاتھ پورا پورا کام نہیں کر رہا، لیکن اتنا بھی غنیمت
ہے۔ ”زمانہ“ کی طرف سے 23 جنوری، 1929 کا کارڈ برائے اطلاع جلد کرنے نمبر
”زمانہ“ کے آیا ہوا ہے۔ میں اپنے فرض سے باخبر ہوں۔ میں بھی ایک آدمی ہوں۔ اتنے
دنوں تک پابند بستر رہا تھا، بازو اترنے کا بہانا ہو گیا۔ فی الحال زیادہ زیادہ۔

دعا گو

سید مبارک علی شاہ گیلانی

مبارک علی شاہ گیلانی کا خط

محترم و مکرم جناب، حلیم!

حزاج شریف! آپ کے مرسلے ”قصص و کربلا“ مجھے مل گئی، لیکن جتنے قصص آپ
نے مجھے بطور یادداشت لکھ کر دیے تھے، ان میں یہ قصص مجھے آپ نے نہیں روانہ فرمائے۔
”انقام“، ”خونی“، ”مندرو مسجد“، ”الزام“۔ ہاں، ان کے علاوہ میں نے دو قصے ”توبہ“ اور

”راونجات“ ”ریاست“ میں دیکھیں جو مجھے نہایت پسند ہیں۔ دوسرا آپ نے فرمایا تھا کہ ایک قصہ ”زمانہ“ فروری نمبر میں عمدہ نکلا ہے۔ جس کی بابت میں نے لکھا تھا کہ وہ مجھے آپ ہی دلوا سکتے ہیں۔ وہ بھی ارسال نہ فرمایا۔ اگر یہ قصہ مجھے مل جائے تو میں مہربانی کا نہایت ہی بہ جذبہ مبالغہ منکھور ہوؤں گا۔ نیز ”کربلا“ کے متعلق تبادلہ خیال مطلوب ہے۔ اگر آپ ایک آدھ دن کی فرصت میرے لیے نکال سکیں تو میں حاضر خدمت ہو کر تسلی کرنا چاہتا ہوں۔ میں بوڑھا بیمار آدمی، اگر میرے حسبِ فشا آپ مجھے 20 قصبے بھی مرحمت فرما دیں گے تو دعاگو کو نہایت مسرور فرمائیں گے۔ میں زیادہ تاکید سے احساسِ والے وجود مسعود کو فضول سمجھتا ہوں۔

اتنا عرض کرنا شاید باعثِ تکلیف نہ ہوگا کہ ”توبہ“، ”راونجات“ کی بابت صرف اجازت کافی ہوگی۔ ان کے روانہ کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ میرے لڑکے کے پاس ہے۔

فقط دعاگو، مبارک علی شاہ گیلانی

ونودشکر ویاس کا خط

کاش

16-09-1929

شری مان، وندے!

آپ کے دونوں پتر ملے۔ ”مدھوکری“ پر دو طرح کی سٹیپوں کے لیے دھنیہ واد۔ ”میرے آپ کے ساتھ آدرشوں میں کچھ انتر ہے“ یہ کچھ سمجھ نہ پڑا۔ آلوچتا کی کون سی دو ایک باتوں سے آپ سہمت نہیں ہیں؟ آخر کی پر نکلا میں ہوں۔ ویشیش کرپا۔

سہ یو آپ کا، ونودشکر ویاس

برج راج کا خط

مایا کاریالیہ، کیسری بھون

34، جارج ٹاؤن، الہ آباد

10-10-1929

مہودیا،

آپ نے چڑکا کے سچا لک کے بارے میں پوچھا ہے۔ کیا لکھوں؟ شری
بھیندرموہن جی ہی اس کے سچا لک ہیں۔ وہ دینی آدمی ہیں۔ ”مایا“ میں کتنے آدمی لکنا
چاہتے ہیں، کس پر کارسپالین کرنا چاہتے ہیں، ابھی کچھ ٹھیک پتا نہیں۔ کیا آپ کو جو پتر
لکھا تھا اس میں یہ لکھتا رہ گیا تھا کہ ”مایا“ سے جو کچھ ہو سکے گا، وہ اسے آپ جیسے
شری پٹھ لیکھ لکھ کو آڈیشہ دے گی۔ کتنو اسے اس نے آپ لوگوں کے آشریہ دینے کی ہمتی ان
میں نہیں۔ ابھی تو ”میشو“ کی جیسی سیوا کی جاتی ہے، ویسی اس کی سنیہ کے ساتھ کرنی ہو
گی۔ آشا ہے کہ سرتھ ہونے پر وہ بھی کچھ سیوا کر لے گی۔ مجھے وشواس ہے کہ وہ کر سکتا
کے پاس میں بندھی رہ کر بدلے میں کچھ نہ کچھ سیوا آڈیشہ کرے گی۔

میرا چڑکا سے کیا سبندہ ہے؟ اس کے سچا لک نے مجھے چڑیکا کا ”پردھان صلاح
کار“ بنانا چاہا اور شری بخشی جی کو ”ویش صلاح کار“۔ پرارمہ سے ہی انھوں نے مجھ سے
کام لینا شروع کر دیا۔ ہم لوگوں کا وسیعہ میرا اور بخشی جی کا یہ وشواس ہے کہ ہندی کے
شیر میں آپ نے سند یہ ”گھپ سراٹ“ ہیں۔ آپ کی کہانیاں اچھے سے اچھے لکھکوں کے
مقابلے میں رکھی جاسکتی ہیں۔ ”مایا“ کا پرتم ایک پتا آپ کی کرپا درہٹی کے نکل نہ سکے
گا۔ آپ کو ایک کہانی بھیجی ہی ہوگی۔ پریم پرسون کے پرارمہ میں آپ نے کہانیوں کے
سبندہ میں جو وجہ پرکٹ کیے ہیں۔ میں ان سے سمجھتا ہوں۔ کہانی نہ بھیج سکیے تو کہانی
کے سبندہ میں ایک لکھ ہی بھیج دیجیے۔ سب سے پہلے میں آپ کی ہی کہانی رکھنا چاہتا
ہوں اس لیے واپسی ڈاک کی بات لکھی تھی۔ پدی اتنی جلدی سمجھو نہیں، تو کچھ دیر سے ہی
سہی، کتنو مایا پر ”مایا“ کرنی ہوگی۔ اس کے پرتم ایک میں آپ کا کچھ نہ کچھ لکھا ہوا
ضرور رہے گا۔

آپ کی سب ہنکوں کا وگیا پن بھی دینا چاہتا ہوں۔ کیا دے سب ”سرسوتی پرلین“
سے نکل سکتی ہیں؟

نول کشور پرلین کا کچھ وگیا پن مل جاتا تو اچھا تھا، آج ہر بھیجوا رہا ہوں۔
وہیں کرپا۔ یوگ سیدا لکھتے رہے۔

بھودیہ، برج راج

کیشورام سمر وال کا خط

P. O. Box 104

Tokyo

December 5, 1929

My dear Dhanpat Rai ji,

Letter writing was never a strong point with me, and in spite of all the pious resolutions I make every now and then, I find, to my utter regret that I am becoming too old now to get rid of this bad habit of mine. I am simply ashamed to realize that I have not written to you for almost a year and a half notwithstanding that you have been good enough to favour me with two affectionate notes during the interval. Please do not think of me as ungrateful although I am fully conscious of my lack of courtesy towards you for which I beg to offer my sincere apologies.

I thank you for the complementary copies of the 'Madhuri' which through your kindness have been reaching me quite regularly. This year's special number has not yet come. I am expecting it every moment with fond expectations. I find 'Madhuri' to be one of the best magazines in India. It is excellently edited and I assure you that it is not below the standard of any first rate magazine in the world. I find an

exceptional pleasure in going through its pages month by month as it is not only instructive but helps me to keep in touch with some of the literary gems of my own mother tongue as well. I have one criticism to make about the make-up of the 'Madhuri' and I trust you will not be angry with me as I am doing it with the best of motives. It is about the artistic side of 'Madhuri' which I believe is in the hands of rather an amateur. This criticism of mine, I am sorry to state, can be applied equally to all the Hindi magazines in the united provinces. The artists who point for 'Madhuri' are with certain exceptions not upto the standard which Indian art has been reached during the last few decades. Further more they got seem to derive inspiration for their works from Hindu mythology only which makes 'Madhuri' merely a Hindu magazine although it ought to be our earnest endeavour to make Hindi the linguafranca of India, a high class magazine like 'Madhuri' ought to acquire an all India popularity and not cater only to certain colours or creeds.

I am glad you appreciate the 'Japan Times'. I edited the coronation Number with a Japanese friend and am proud to realize that it was appreciated practically every where. The Company made quite a heap of money from this special number, but did not give me or my Japanese colleague even a cent out of their profits. Later on I was working as the Sunday and the Overseas Editor but felt disappointed in a number of ways. There were differences of opinions also and I resigned finally some three months ago. At present I am a free lance journalist, and although I find every now and then that things are not moving very smoothly, I can find enough of work to keep the wolf away from the door. I shall continue sending the

overseas edition to you as I have many friends at the Times, who are very kind and send me as many copies as I care to have of the overseas or other editions.

I am sorry to tell you that the translation of 'Mantra' has not yet been published in any magazine. In view of the high quality of your work, I am not prepared to have it published in any but the first rate magazines. Me-Sato and other friends also are of the same opinion. 'Kaizo' in which the translation of 'Mukati Marg' was published is not only the greatest magazine in Japan, but is also one of the greatest in the world. I saw the President of Kaizo at the beginning of this year and he promised to find room for the translation of 'Mantra' at his earliest possible convenience. But very soon after our meeting he sent one of his staff members asking me to write an article on Mrs. Sarojini Naidu who was expected here in those days. I did write the article and strange to say it was published when the Newspapers had just given publicity to the news that she had postponed her trip to this country.

In Japan it is almost an honour and privilege for a writer to have his stuff published in any of the two or three first rate magazines. The result is that there is always a sort of struggle between the writers to have their compositions go into print. The magazines on their part have made it a point to have one or two compositions only from one writer in the course of a year. They make exceptions of course, but in the case of very very well-known writers or specialists. As I had publicity in the middle of this year the Kaizo people have promised to find room for the translation in the beginning of 1930. I shall send you a copy as soon as it is published.

Now as I have enough time to do the work, I would like very much to translate some seven or eight more of your stories and then bring all the translations out in book form. But the curse of the situation is that my financial Position is not very encouraging now and it requires a great deal of money to pay for the wages of the Japanese gentleman who takes the dictation and polishes the language. Nevertheless, I am now making plans to get rid of this financial difficulty of mine, but, what I lack is material.

In your last year's letter you were good enough to assure me that you had instructed your publishers to send me a number of your works. I am sorry to note that none of them ever reached me. I shall be obliged now if you will kindly look into this matter personally and see to it that a complete set of your works autographed by you is sent to me by Registered Post at the earliest possible opportunity. I have with me a copy each of

1. Sapta Saroj
2. Nava Nidhi
3. Prem Dvodashi

and I would like to have all the other books except these three. Last year I asked my friend Mr. Chughtai of Lahore to send you the few rupees which he owed me and he told me that he did. I shall send you some more money within this month to cover the expenses of all these books.

People in Japan have very high opinion of your writings. It is pity that they have not enough of it to read in their own language and it is my earnest desire to remove their handicap if I can.

Dr. Tagore visited us twice this year, while he was on his

way to America and then when he was on his way back home. I was with him practically every day as he has always been exceptionally kind to me. But, in my humble opinion, your books are sure to find more appreciation in Japan than those of Dr. Tagore. In the first place, the Japanese have read too much of Gurudev and they want to know something different from his line, and then you have a peculiar touch which no other writer in India possesses and which appeals to Japanese nature. Gurudev has a world-wide reputation and people buy his books out of curiosity also. Your works if translated may not command a wide sale but they are sure to be commended on will and reach appreciative hands mostly. If there is any income from the sale of your translation I would like very much to send you in the near future.

I read your stories in the 'Vishal Bharat'. In fact I am subscribing for that magazine because of your stories only and am renewing my subscription for the coming year also. Vishal Bharat, I find, is more or less a replica of the Modern Review. It has pained me to learn that your writings though highly praised throughout the length and breadth of our motherland are not so well patronized by the reading public. As you know well one of the saddest features of our life is that there is practically no appreciation of true art. On the one hand there is the quite spectre of poverty, on the other hand there is the intelligentsia which has been fed on a very spurious education and is thus inclined to patronize spurious writings. Our people, further more, do not yet know how to create a taste and how to educate the reading public to spend its hard earned money on worth reading books. It is the paramount duty of our publishers to do

this as they do in Japan or America.

I have been in the journalistic world for almost fifteen years now and have learnt a great deal from the many vicissitudes of life I have had to pass through. I wish I could be in India to co-operate with you and popularise not only your writings, but those of other high-class writers of our mother tongue as well of the Indian publishers. The proprietors of 'Chand' magazine only so far as I can judge, are making use of modern methods of publicity to push the sale of their publications, no matter whether they are worth their price or not.

The Japanese public is not so indifferent towards India as you could have inferred from the Japan Times. There is a whole lot appearing in the vernacular press on India always and it is the vernacular press which counts in this country. The English language newspapers are published for the foreign residents only and they enjoy a very limited circulation because the Japanese do not care a fig for them. The vernacular press in Japan is very powerful and some of the newspapers compare favourably with many of the best in any part of the world. Everyone subscribes for one or two daily newspapers no matter whether he is a policeman or a street scavenger. The name of Mahatma Gandhi is quite a household term in Japan. He commands more respect than any other Indian, or perhaps European figure in the world today. If he ever cared to come to Japan, the general public would grow crazy to have his 'Darshan' or autograph. It is a pity that the Indian leaders do not come to Japan; they go always to Europe and America, and, it is very difficult for the Japanese to know Indian unless our people care

to come and have heart-to-heart talks with them. A few of us, who live here do all we can to make India known to the Japanese, but our means are more than limited, most especially as we have to eke out a precarious existence also by bone breaking exertions.

The recent floods in India seem to have created quite a havoc in the north. I learn that my people also suffered a great deal. Had it been in Japan the entire nation would have stood by the sufferers and the governmental machinery as well as coffers would have been taxed to their limits to alleviate not only the sufferings of the populace but to restore their homes and re-establish them in their former lives.

Poor Punjab, which has suffered so much from the onslaughts of nature, now finds itself in a reign of terror created by the police persecutions. It is in Punjab only. I should say in India only that you can beat the undertrial prisoners so as to bring blood out of their bodies and let the police go scot free. In view of the atmosphere, which the police has created, one can only infer that the Viceroy's announcement and the hopes held out by the labour government for a Dominion government in India are the latest effort to throw dust into the eyes of the people and furthermore drive a monkey wrench among the ranks of nationalist workers. It is a great pity that while there is an awakening in the Muslims world everywhere, the Indian Muslims only allow themselves to be made tools of by the foreign rulers of their country and block the progress of their common motherland towards Swaraj.

I would, by the way, request you to write a few short stories on patriotic themes by deriving inspiration from the

recent struggles which our youngmen have made to emancipate their down-trodden motherland. The Japanese will be very eager to read their translations which I promise to make as soon as I receive the original stories.

Please be good enough to favour me with one of your latest photographs with your autograph (on the photo itself) and also a short sketch of your life. I would like to write something about you in Japanese.

With best wishes,

Most Sincerely yours,

Keshoram Sabarwal

عبدالحق کا خط

انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن)

20 دسمبر، 1929

میری و مٹھی، حلیم!

ایک زحمت دیتا ہوں، امید ہے کہ آپ ازراہ کرم اسے گوارہ فرمائیں گے۔ مجھے ٹڈل کی ریڈر کے لیے بتارس پر ایک سبق کی ضرورت ہے۔ ہر چند میں نے کوشش کی، کوئی ایسا شخص تلاش کیا جائے جو بتارس شہر سے واقف ہو اور سبق لکھ دے۔ مگر میرے جاننے والوں میں کوئی نہ ملا۔ لاچار مجھے آپ کی خدمت درخواست کرنی پڑی۔ آپ سے بہتر کوئی نہیں لکھ سکتا۔ صرف ریڈر کے چھ صفحے ہوں گے۔ اگر آپ یہ سب لکھ دیں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔

اگر آپ کو فرصت نہ ہو تو کسی دوسرے صاحب سے لکھوا دیجیے گا۔ میں اس کا معاوضہ دینے کے لیے بہ خوشی آمادہ ہوں۔ مجھے امید ہے، آپ میری درخواست ضرور قبول فرمائیں گے۔ میں بے حد مجبوری میں آپ کو یہ تکلیف دے رہا ہوں، ورنہ میں ایسے کام کے لیے آپ کو کبھی تکلیف نہ دیتا۔ کیوں کہ اس کی جلدی ہے، اس لیے امید ہے کہ جلد

جواب سے عنایت فرمایا جائے گا۔

آپ کا نیاز مند،
عبدالحق

پرواسی لال (مینجر، سروسٹی پریس) کا خط

سروسٹی پریس، بنارس سیٹی،

30-12-1929

شرذحاسد بھائی صاحب،

بندے!

آپ کے پتر پتھائے پراپت ہو گئے۔ ورت ورت ہوا۔ ”نہس“ کے گراہک بن رہے ہیں؛ پر ابھی معمولی طور پر ہی۔ شاید ”پرتاپ“ وغیرہ سے کچھ لالچ ہو۔ میں ایک کروڑ پتر ”پرتاپ“ میں بڑانے کی چھٹا میں ہوں؛ کیونکہ وگیاپن میں دام بھی ادھک لگ جاتا ہے، اور پورا وگیاپن بھی نہیں ہو پاتا۔ کروڑ پتر سے ادھک لالچ ہونے کی سمجھاؤ ہے۔

ویاس جی نے ابھی تک کوئی اثر نہیں دیا ہے۔ میں نے تار دیا تھا۔ معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ لگ بھگ 150 روپیہ نکلے گا۔ بل ان کے پاس گیا ہے۔ بہت پہلے۔

”نہس“ کا وگیاپن جب ہم کر چکے تو اب ڈرنے سے کام نہ چلے گا؛ پر میں آپ کو وشواس دلانا ہوں کہ ہانی نہ ہو پائے گی۔ میں شفق پڑھن کر کے گراہک بناؤں گا اور نقصان نہیں ہونے دوں گا۔ تھرم ماس میں ہمیں 200 گراہک اڈیشیل جائیں گے؛ ارتھاتھ دو سو گراہکوں کا چندہ پراپت ہو جائے گا۔ اسی پرکار چھ انکوں تک 500 گراہک ہوئے سمجھ لینا چاہیے۔ نقصان سے جس پرکار آپ ڈرتے ہیں؛ اسی پرکار، بلکہ اس سے بھی ادھک میں بھی ڈرتا ہوں؛ پر کسی ووسائے کو سامس چھوڑ کر کرنا پسند نہیں کرتا۔ ووسائے تو سامس کا ہی ہے۔ یہ آپ نے بہت ہی ٹھہر کیا کہ وپو پار کا حصے دار کھون لیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوتا؟ پر حصے دار کا کیا کیا رہے گا، ذرا یہ مجھے سمجھا دیجیے۔ آج اس حصے داری کی بات پڑھ کر مجھے بھی ایک بات یاد آگئی۔ کچھ نئے ہوا، رائے کرشن داس جی تھا پرساد جی وغیرہ نے بھی پریس کی پرگتی دیکھ کر یہ اکشا بڑے پرل روپ سے پرکٹ کی تھی

کہ ”اگر سرسواتی پولیس کو لمبیڈ کر دیا جائے، تو بڑا لکھ ہو۔ ہم اپنی سیریز بھی اسی میں شامل کر دیں، مکان بھی اسی میں ملا دیں اور 15-20 ہزار نقد خرچ کر کے پولیس کا برہنہ روپ کر دیں۔ پریم چند جی لکھیں، پرساد جی لکھیں، ہم لکھیں، آپ لکھیں، اور ہماری پینکوں کا پرکاشن اپنے ہی یہاں سے ہمیشہ ہو۔ ایک فوٹو بھی کر لی جائے۔“ آدی، پر میں نے کوئی ویش دھیان نہیں دیا۔ بہت سنے ہوا، بھائی صاحب سے بھی ذکر کیا تھا؛ پر یہ سوچا گیا تھا کہ کبھی یہاں آئیں گے، تو چھپا کیا جائے گا۔ پر ابھی تک اوسر نہیں ملا۔ ادھر بھی، باتوں میں ان لوگوں نے اشارہ کیا؛ پر لکھنے کا مجھے اوسر نہیں ملا۔ رائے کبرشن داس جی کا کتھن تھا کہ لمبیڈ کر کے ”ہنس“ کو آج کوئی کا پتر بنایا جائے۔ چروں کا تھا کلاہنک ساہیہ کا ان کے پاس اکھنڈ بھنڈار ہے، وہ سب وہ اس میں پرکاشت کرنے کے لیے دینے کو کہتے ہیں۔ اگر آپ کی سمجھ میں یہ بات آئے، تو لکھیے گا۔ ان سے وچار کیا جائے گا۔ جلدی نہیں ہے، نہ آویک ہی ہے، اگر پخت سمجھیں تو وچار کریں۔ پینک والی بات پر وچار کر کے میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ آپ ایک چیک بک پر ہتا کشر کر کے خرت بھیج دیں۔ میں روپیہ جمع کر کے اتنا ہی آویکٹا نوسار لیتا رہوں گا۔ اس پرکار کچھ جمع ہوتا رہے گا۔ آپ کے پاس جو جمع ہے، انھیں میں ویوہار نہ کروں گا۔ اس پرکار چیک کے ویوہار سے پولیس کی پوزیشن بڑھے گی۔ استو، مجھے پہلے بھی وشواس تھا، اب بھی ہے؛ پر میں یا آپ ہی نے میری جیسی استعفیٰ بنا دی ہے، اس کے لیے اس پرکار کا پینک کا حساب آویک تھا، اب بھی ودھی اٹم ہے؛ نہ آپ کو چلتا، نہ مجھے۔ اپنے بھائی صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، سو ٹھیک ہی ہے۔ میرے ابھی تک کے کاریہ کال میں میں نے کوئی بات ایسی نہ کی جو انھیں معلوم نہ ہو۔ میں نے تو ایک ایک بات خوب وچار کر کے، تب آگے بڑھاتا ہوں اور ان کے ساتوک سادھو ویوہاروں کے پرتی آپ سے ادھک شردها بھگتی رکھتا ہوں۔ میں اپنا بزرگ ہی انھیں سمجھتا ہوں سچے دل سے۔ اسے میرے ہر دیہ میں بیٹھ کر ہی کوئی دیکھ سکتا ہے۔ استو۔

ہاں ایک بات کی آپ کو یاد دلانا ہوں۔ جس سنے آپ نے یہ پولیس مجھے سونپا اور آپ کے میرے سچ جو خط کتابت ہوا تھا، اس میں آپ نے یہ طے کیا تھا کہ 50 روپیہ بیاج، 50 روپیہ لاہجہ ہانی وغیرہ تھا مالیک وطن خرچ اور میرا الاؤنس 50 روپیہ مالیک وطن

دفعہ نکال کر تین حصے ہوں گے، جن میں ایک میرا، ایک آپ کا، ایک بھائی صاحب کا۔
 پر اس سنے کے پتر میں آپ نے حصے داروں کی سکھیا چار کر دی؛ ارقمات شری مہتاب
 رائے جی تھا رگھوپتی سہائے جی کی سکھیا بڑھ گئی۔ پہلے بھائی صاحب اور آپ ہی منگھیہ
 پریس کے حصے دار تھے۔ مجھے اپنے لالچ میں حریٹائش دینے کا وجہ دیا تھا، کیا آپ اس
 بات کو بھول گئے یا اس سنے آپ کو دھیان نہیں رہا؟ ذرا اسپٹ کر دیں۔ حصے دار آپ
 کے ساتھ ہوں، مجھے اعتراض نہیں، میں تو اہم لالچ میں حریٹائش چاہتا ہوں، گو کہ ابھی
 لالچ رکھا ہی کیا ہے، پھر بھی کچھ نہ کچھ ہونے کی آشا ہے ہی۔ آج نہیں، تو کل ہوگا۔
 پُتک دیوسائے میں کیونکہ ہمارا سا جھا ہے ہی نہیں؛ ات ابو اس وشیہ میں کچھ کہنا نہیں
 ہے۔ سالانہ حساب اب 10-8 روز میں بنائے لیتا ہوں۔ آپ کے پاس بھیجوں گا۔ سردی
 یہاں ابھی تک کافی پڑ رہی ہے۔ دو ایک روز میں کچھ کم ہے۔

میڈ پرسوں یا چوتھے روز روانہ کروں گا۔ ادھر کار یا دھک سے چھپ نہیں سکا۔ کل چھے
 گا۔ وودھنکر نے بھی ایک نیوٹونی وود پُتک مالا کا آرمہ کر دیا۔ یہ اچھی پڑھتی سے کام
 کرنا چاہتا ہے۔ دو پُتکیں۔ (1) "ایک گھونگٹ" (پرساد)، (2) "بھولی بات (وود)" اپنے
 یہاں سے چھپی ہے۔ 40 پوڑ لٹک پر۔ چھوٹی چھوٹی ہے، پر کیٹ اپ غضب کا ہے۔ اور
 کتابیں لکھوا رہا ہوں۔ آپ سے ایک آدھ کتاب لینے کی فکر میں ہیں۔

آپ نے جس پرکار کا و گیا پن بنا کر بھیجا تھا۔ اتنی ہی باتوں کو رکھنے کا وچار ٹھیک
 ہوگا۔ کہانیاں تو منگھیہ ہوں گی ہی؛ انیہ وشوں کو بھی چھوڑنا نہ چاہیے۔ اس سے ہمیں سب
 پرکار کے گراہک بچانے میں سود دھا ہوگی۔ پر تھا یک کے لیے کنیش جی کا لیکھ اگر نہ ملے،
 تو چھٹا نہیں۔ "نس" راج پُتک پتر ہی نہ ہوگا یہ ٹھیک ہے؛ پر جہاں تک کے لیے آپ
 وچار کر چکے ہیں، وہاں تک تو کچھ نہ کچھ بہا ہتا ہی چاہیے۔ کسی پرکار یوڈک دل کا ساتھ
 رہنا آدھیک ہی ہے۔ Sexual وشیہ بھی لوک بو یہ ہو سکتا ہے۔

شیو پوجن جی باہر، لہرا سرائے، چلے گئے ہیں۔ پھر بھی ان سے کچھ مل جائے گا۔ وہ
 جلدی ہی آئیں گے شاید۔ باقی یہاں کے سبھی لیکھکوں سے میں ادھیہ ہی کچھ نہ کچھ لیتا
 رہوں گا۔ کچھ لوگوں سے بھینٹ ہو گئی ہے، کچھ شیش ہیں۔ ان سے مل کر کچھ لینے کی بھی
 چھٹا کروں گا۔ آپ درڑھ ہو کر شروعات کیجیے، پھٹنے کی آدھیکا نہیں۔

ہاں، آپ نے جو رنگین چتر بنوایا ہے، کیا اسے میں بھی دیکھ سکوں گا؟ کور پر رنگین چتر رہا کرے گا؟ اگر اندر بھی ایک دو سادے چٹروں کا پر بندھ ہو جائے تو اچتر ہونے کا کلک مٹ جائے گا۔

ریش پر سادہ بشر بھی تو دیکھا ایک وشیہ پر اچھا لکھا کرتے ہیں، آپ سے تو پرچیہ ہوگا، ان سے بھی کچھ لینے کا پر بندھ ہو۔

ادھر جنوری ماس آ رہا ہے۔ پریس کے کرپجاری مگن کب سے جان کھائے ہوئے ہیں کہ دین بردگی ہونی چاہیے۔ گوکہ ابھی سنتوش جنگ اچھی نہیں ہے؛ پر جو کچھ بھی ہے، اس کے اوسار ان کی بات پر دھیان دینا آدھیک ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیا سستی ہے؟

مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے بھائی صاحب کو 125 روپیہ مارگ پیہ کے روپ میں دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں، ادھر بھی کچھ دیا جائے۔ آستھی تو آپ کے سسے سے اچھی ہے۔ ابھی ایک دم دینے کی پرتی تو نہیں ہے؛ پر سسے سسے پر کسی پڑکار پورتی کر دی جائے۔ مرد رام جی سے مجھے معلوم ہوا۔ بھائی صاحب تو کبھی کہنے والے نہیں، ان سے مجھے تو کبھی معلوم ہی نہیں ہوتا۔ سب باتوں کا اثر فکھر دیجیے گا۔

آپ کا، پرواسی

کبھ کے میلے میں دکان رکھا تو جھینٹ ہوگا۔ اس لیے یہ وچار کیا ہے کہ کچھ تو نوٹس بنوا دیے جائیں گے اور سب دکانوں پر کتابیں پکنے کا پر بندھ کر دیا جائے گا۔ یہی کروں گا۔

مہاراج بہادر ”برق“ دہلوی کا خط

گلی پٹاشان، دہلی

19-01-1930

برادر محترم، آداب و نیاز!

اپنے مجموعہ کلام موسومہ ”مطلع النوار“ کی ایک جلد آپ کی خدمت بامدکت میں

سمیل رچسٹرڈ بک پوسٹ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے، آپ اس کی مطالع سے بغایت لطف اندوز ہوں گے۔ براؤ کرم ”مادھوری“ کی کسی قریبی اشاعت میں اس پر ایک برجستہ اور پرزور ریوڈ فرمائیے۔ آپ کو بخوبی یاد ہوگا، اس کتاب کا دیباچہ لکھنے کے لیے سال گزشتہ میں نے آپ سے درخواست کی تھی، لیکن یہ سبب معذرت اور عدم فرصتی آپ نے اسے قابل التفات تصور نہ فرمایا۔ یہ فرض کمری خان صاحب اور اصغر صاحب نے ادا کر دیا۔ اب مجھے یقین واثق ہے کہ آپ ”مطلع انوار“ پر ایک بسیط اور مدلل تنقید فرمانے سے پہلوچی نہ فرمائیں گے۔ کئی رسالوں اور اخباروں میں نثر و نظم پر ریوڈ آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے، لیکن کسی ہندی رسالے میں کوئی تنقید تا بنوز شائع نہیں ہوئی۔ اس لیے آپ اس کمی کو ضرور پورا فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ رسید کتاب سے ممنون فرمائیے۔ اگر آپ ضروری اور درست خیال فرمائیں تو میں اپنی تصویر کا بلاک بھی، جو میرے پاس موجود ہے، ارسال خدمت کر سکتا ہوں۔

خاکسار،

مہاراج بہادر ”برق“ دہلی

مولوی عبدالحق کا خط

سلطنت منزل، صیف آباد، حیدرآباد (دکن)

21 جنوری 1930

میرے عنایت فرما،

تسلیم!

آپ نے از راہ کرم ایک ہفتے میں بنارس پر مضمون لکھ دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں اب تک اس کا منتظر رہا۔ اب یاد دہانی کرتا ہوں۔ مجھے اس کی بہت شدید ضرورت ہے۔ عنایت فرما کر جہاں تک جلد ممکن ہو، روانہ فرمائیے۔ بہت ممنون ہوں گا۔

نیازمند

عبدالحق

مولوی عبدالحق کا خط

معرفت مولوی سید ہاشمی صاحب

لال ٹکری، حیدرآباد (دکن)

محترم بندہ تسلیم!

آپ نے اپنے عنایت نامے مورخہ 2 جنوری میں وعدہ فرمایا تھا کہ ایک ہفتے کے اندر کاشی پر سبق لکھ کر بھیج دوں گا۔ اس وقت سے مجھے اس کا انتظار رہا۔ اس کے بعد میں نے یہاں سے بذریعہ تار آپ کی خدمت میں یاد دہانی کی۔ اس کا جواب بھی نہیں ملا جس سے مجھے بے حد تشویش ہے۔ اس سبق کی وجہ سے کام رکا پڑا ہے۔ میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ ازراہ کرم جہاں تک جلد ممکن ہو لکھ کر بھیج دیں گے۔ اب زیادہ دیر نہ لگائیے گا۔ اس سے بڑا ہرج ہو رہا ہے۔

اللہ آباد میں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی لیکن اس سرسری ملاقات میں سیری نہ ہوئی۔ اگر ممکن ہو تو ضرور حاضر خدمت ہوں گا۔
اس کا جواب جلد عنایت فرمائیے۔

نیاز مند

عبدالحق

گنگا ناتھ جھا کا خط

University of Allahabad,

Senate House, Allahabad

January 23, 1930

Dear Sir,

Your letter of the 21st.

Much as I sympathize with the cause that you have taken up, I think that the only remedy lies in some practical steps that might be devised for bringing home to our young men the futilities of fashionable life. Articles either in newspapers or in

magazines are in the first place read by very few people and even those who read them ridicule them and do not derive any benefit. Fashion, to my mind, has to be combatted by fashion and not by any theoretical disquisitions.

As for contributing an article to your magazine, I am afraid that until the summer vacation I shall be unable to do anything serious. Now-a-days I am spending my days on the banks of the Sangam; after that we shall have the rush of the University meetings and of the University-examinations. I hope you will kindly excuse me.

Premchand, Esq.
Sarasvati Press,
Kashi, Benares.

Yours faithfully,
Ganganath Jha
Vice-Chancellor

چندر گپت ودھا لنکار کا خط

مرکز کنگری (ضلع سہارن پور)

3 فروری، 1930

مانیہ ور پریم چند جی، دندے!

آپ کا کرپا پتر ملا ہے۔ اس سے پورے بھی آپ کی ”سماعت“ کا ساچار، یعنی نوٹس، کسی اخبار میں پڑھ کر مجھے بہت ادجک پرستھا ہوئی تھی۔ ”نہں“ کے لیے جھامسمو مجھ سے جو کچھ بن پڑے گا، کرنے کا پریقین کروں گا۔

کہانیاں میں بہت تھوڑی لکھتا ہوں، ان پر بھی ”وشال بھارت“ نے ایک ادجکار کر رکھا ہے۔ اپنے فنی کے انوکھو پر، چڑویدی جی نے ایک طرح سے مجھے ”شرط بندی کھی پر تھا“ میں باندھ لیا ہے۔ اس سے ٹوٹنے کی میعاد بھی کافی لمبی ہے۔ اس لیے ”نہں“ میں بیست روپ سے کہانیاں دینے کا وعدہ تو میں نہیں کر سکتا۔ ہاں، یہی آپ آگیاں دیں گے تو، اس کے انیہ کالموں کی خانہ پوری میں اوشیہ کر سکوں گا۔ سامپک ساہتیہ کی آلوچتا کرنا

میں بہت پسند کروں گا۔ ساتھ ہی ادھر ادھر کا انفارمیو اور منورجنی سالہ بھی بھیج سکوں گا۔
 راجنیک یہاں کرنا بھی مجھے پسند ہیں۔ کیسے، ان میں سے مجھے آپ کیا کرنے کا آدیش
 دیتے ہیں۔ سمجھو ہوا تو کبھی کبھی کوئی کہانی بھی بھیجتا رہوں گا۔
 پروفیسر رام داس جی گوڑ یہاں ہیں اور صحیح سلامت ہیں۔
 یگیہ سہوا۔

ونیت،
 چندر گپت ودھانکار

رگھوپت سہائے 'فراق' کا خط

ملک محل، کانپور

10 فروری 1930

بھائی جان، حلیم!

آپ کے کارڈ اور اصرار کے جواب میں ایک ادھر ادھر مضمون مشہور اردو شاعر 'فانی' پر
 بھیج رہا ہوں۔ کئی ماہ گزر گئے جب اسے شروع کیا تھا۔ تکمیل اس کی اب تک نہ ہوئی
 تھی۔ مگر کسی کام کا ہو تو پہلے نمبر میں اسے مضمون کی پہلی قسط کر کے آپ شائع کر دیں۔
 بقیہ آخر اپریل تک بھیج سکوں گا۔ اس کے پہلے کیسے بھیج سکوں گا؟
 جو غزل میں نے بھیجی ہے، اس کا ایک شعر شاید چھوٹ گیا ہے۔ ممکن ہے آپ کے
 کام کا ہو۔ وہ یہ ہے:

ہے چوٹ سی چوٹ محبت کی ہے درد سا درد محبت کا

آنکھیں بھی نہ پڑنے پائی تھیں اور منہ پہ ہوائی چھوٹ گئی

دو دیک جس کا میں ایڈیٹر تھا اور جو چند ہفتے کے بعد بند ہو گیا اس میں میرے کچھ
 مضامین ہیں۔ انہیں غیر مطبوعہ ہی سمجھنا چاہیے۔ اول تو اس کو بند ہوئے تین سال ہو گئے
 دوسرے اس کی اشاعت بھی نام کو تھی۔ چلتا یا چلایا جاتا تو اچھی خاصی اشاعت ہو جاتی۔
 ان میں سے کہیے تو کچھ مضامین بھیج دوں۔ دوسروں کے لکھے کچھ دلچسپ افسانے اور نظمیں
 بھی ہیں جو آپ کے کام آسکتی ہیں۔

’نہں‘ کا پہلا نمبر کب تک نکل جائے گا؟ میرا خیال ہے کہ کوشش قائم رہی تو جلد ’نہں‘ کا مہاب اور منفعت رساں ثابت ہوگا۔ امتحان بہت قریب ہے۔ اور کیا عرض کروں۔
جواب سے ممنون فرمائیے گا۔

آپ کا
رگھوپت سہائے

مولوی عبدالحق کا خط

بخارہ روڈ کریم آباد
حیدرآباد (دکن)

14 فروری 1930

برادر محترم، تسلیم!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ 21 جنوری مجھے کل ملا۔ پر یہ اورنگ آباد سے ہوتا ہوا
یہاں پہنچا۔ آپ کی اس عنایت اور شفقت کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ کاشی کا سبق
آپ نے بہت خوب لکھا ہے۔ اسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اور آج ہی میں نے لکھنے
کے لیے دے دیا ہے۔ البتہ معینہ صفحات سے کسی قدر بڑا ہو گیا تھا اس لیے کہیں کہیں سے
چند سطریں کم کردی ہیں لیکن اس سے اس کی شان میں فرق نہیں آنے پایا۔

نیاز مند
عبدالحق

جینندر کمار کا خط

پہاڑی دھیرج، دہلی

20 فروری 1930

بابو جی،

آپ کا پتر ملا۔ وہ کوچہ پاتو رام والا بھی بس ایک Delivery دیر سے مجھے مل گیا۔
کہانی میں نے 14 کو شروع کی تھی، پر ختم اب بھی نہیں ہوئی۔ شروع کرنے کے بعد ہی

میں تو ابھن میں پڑ گیا۔ ادھر آپ کے لاپنے کے بعد بھی دیر لگانا پاپ جان پڑا۔ یہ دو کہانیاں بھیج رہا ہوں۔ ناقصہ رام جی پریمی (سمیٹی) سے واپس مانگ لی ہیں۔ 'دلی میں' آپ کے لیے اور 'نونوگرانی' 'نادھوری' کے لیے۔ اسی سے ابھی تو سنتوش مان لیں، ایسی پراستنا ہے۔ اچھا تو تھی کوئی آپورو چیز سمجھوں پر اچھا پوری نہ ہوئی۔ خیر، آگے دیکھوں گا۔ یہ بھی اگرچہ پورے من کی نہیں ہے پھر بھی امید ہے بری نہیں ہے۔ اتم (والا) پیراگراف بھی آپ سمجھ سکتے ہوں تو کاٹ دیجیے۔ بالکل دیر تھ ہے۔ داستو میں جوڑا بھی بعد میں گیا ہے۔ آپ یی خاص طور پر اسے رکھنا چاہیں تو بات دوسری، نہیں تو اڑا ہی دیں۔ اس میں ایسا لگتا ہے جیسے لیکھک جل بھن رہا ہے۔ لیکھک کی یہ Mentality مٹھات کیوں پرکٹ ہو؟ 'نونوگرانی' میری پہلی کہانی ہے۔ تو بھی 'نادھوری' کے لیے کافی سے زیادہ ہی اچھی ہے، ایسا دشا اس ہے۔ نہ بھی پسند آئے تو کھید نہ ہوگا۔

'میری میڈلین' کی آپ نے سفارش ہی کی۔ مجھے بھی ایسی ہی آشنا تھی۔ زنے کا کب تک پتا چلے گا۔

کیا آپ سکیلن میں جائیں گے؟ اور کیا مجھے وہاں جانے کی صلاح دیں گے؟ پریچہ کا لالچہ ہی یی لالچہ سمجھا جائے تو بات دوسری، نہیں تو سکیلن میں میرے لیے کیا ہے؟ ان (سکیلن) لوگوں میں سے کسی کے درشن کی اُنکٹ چاہ ہو سو بھی بات نہیں ہے۔ صلاح دیں گے۔

آپ کا اپنیاس کیسا چل رہا ہے؟ مجھے بھی بہت اور برابر لکھنے کا منتر بتائیے نہ؟ جب سے آیا ہوں، کیا کہوں، ایک کہانی بھی نہ کی۔ شروع ہی نہ ہوئی۔ طبیعت نہیں حاضر ہوئی۔ کوئی علاج اوشے بتائیے۔ دیش میں میرے پیکیہ سیدالکھیے۔

آپ کا ہی

جینندر

سدرشن کا خط

لائوش روڈ، کانپور

11 مارچ، 1930

بھائی جان، محنت،

کتاب کا مسودہ مل گیا، شکریا۔ ایک دو دن میں کاپی کو بھیج دوں گا۔ کاپیاں آپ پڑھیں گے یا میں ہی پڑھ لوں گا۔ میرے خیال میں آپ ہی پڑھیں تو ٹھیک رہے گا۔ کتاب کی خوبصورتی دیکھ کر آپ یقیناً خوش ہوں گے۔ اب ”شیر و بکری“ تیار کرنی چاہیے۔ یہ کتاب نہ صرف خوب کہے گی، بلکہ ہم دونوں کے دوسری کتابوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی، کیونکہ اس میں یہ اعلان کرنے جا رہا ہوں کہ جو صاحب ٹھیک ٹھیک بتائیں گے کہ کون سی کہانی کہاں تک کس کی تحریر کردہ ہے، اسے سو یا، ڈیڑھ سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس انعامی مقابلے میں جو شریک ہونا چاہیں گے، ان کو ہماری کتابیں پڑھنی پڑیں گی، ورنہ Style کیسے جانے گئیں؟ کیا خیال ہے؟ میں کسی دن آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کب ملوں؟

سدرشن

بنارس داس چتر ویدی کا خط

وشال بھارت کاریالیہ

120/2 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ

11 مئی 1930

پاپیہ پریم چند جی،

پرنام! کرپا پتر ابھی ملا۔ میں آپ کی کٹھینائیوں سے بھلی بھانٹی پر بچت ہوں۔ اس لیے برا نہیں مانتا۔ جب کبھی آپ کو ادکاش ملے، وشال بھارت کے لیے کوئی کہانی لکھیے۔ سند لال جی والا اس کے آپ کو پسند آیا، یہ پڑھ کر مجھے ہر ش ہوا۔ میرا ان کا ساگیاٹ پر پہنچے تو سنہ 1918 میں ہوا تھا پر دیے اپنے دیار تھی جیون میں میں نے ان

کے 'کرم یوگی' سے بہت لالچہ اٹھایا تھا۔ میرے اوپر ان کی بڑی کرپا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انھیں کا بھیجا ہوا میں آج یہاں 'وشال بھارت' میں کام کر رہا ہوں۔

آپ کے ہجر کے دشنے میں کیا لکھوں۔ ایک آتے ہی آفس کے انیہ متر پڑھنے کے لیے لے گئے اور مجھے ابھی تک نہیں ملا۔ اب پڑھ کر اوشیہ لکھوں گا۔

'ہنس' کے لیے اوکاش ملنے پر ضرور کچھ لکھتا چاہتا ہوں لیکن ایک شرط پر، وہ یہ کہ آپ اپنا ہجر مجھے بھیج دیں اور کسی سے Biographical Notes بھیجوا دیں۔ ساتھ ہی ان پرشوں کے اثر بھی دیں۔ میں کسی انگریزی ہجر (مسموئہ: لیڈر) میں آپ پر کچھ لکھتا چاہتا ہوں۔

- 1- آپ نے گلپ لکھنا کب پرانہ کیا؟
- 2- اپنی کون کون سی گلپ آپ کو سردوتم لگتی ہے؟
- 3- آپ کی لکھ شیلی پر دشنی یا دوشی کن کن گلپ لیکھوں کی رچنا کا پرہماؤ پڑا ہے؟

- 4- آپ کو اپنے گرتوں سے رچناؤں سے کیا ماسک آے ہو جاتی ہے؟
- 5- ہندی میں گلپ ساہیہ کی درتمان پرگتی کے دشنے میں آپ کے کیا دچار ہیں؟
- 6- آپ کی رچناؤں کا النوادکن کن بھاشاؤں میں ہوا ہے؟
- 7- آپ کی آکا پنچائیں کیا کیا ہیں؟

میں ایک بار آپ کی گلپ پڑھ جانا چاہتا ہوں اور پھر اس کے دشنے میں اپنی اور سے کچھ لکھتا چاہتا ہوں۔ ان پرشوں کا اثر کرپا وستار پورک چنٹی کے روپ میں مجھے دیجیے۔ میں پرکھیا کروں گا۔ اثر آنے پر میں 'ہنس' کے لیے کوئی لکھ آپ کی سیوا میں بھیجنے کا پریقن کروں گا۔ شرط میں نے اس لیے رکھی ہے کہ آپ سے ہجر مانگتے مانگتے برسوں بیت گئے پر آپ نے ابھی تک نہ بھیجا، اس لیے ہتاش ہو کر دکانداری پر اثر آیا ہوں۔

کرپانی رہے۔

دینت

ہناری داس چرویدی

پتج: ایک اپنا اچھا ہجر آپ 'وشال بھارت' کے لیے Specially کنپھا دیجیے اور اس

کا بل میرے نام بھیج دیجیے۔ جر کی تین پرتیاں بھیجے۔ یہ Arrangement ٹھیک رہے گا
'کوچ' کے 26 روپے دی بی سے بھجواؤں گا۔ تقاضہ کر رہا ہوں۔

آنند راؤ جوشی کا خط

Temporary address for 15 days

Anand Rao Joshi

Fadnis Pura,

Nagpur City

C/o. भय्याजी सोनटक्के

पोस्ट — उमरेड

ज़िला — नागपुर C.P.

14.5.30

Dear Premchandji,

Yours of the 2nd inst. reached me in due time. In it you have asked me to send my quota by the 15th of every month at the latest. But then I received another card from you to the affect that I should hurry up in sending my material for the Marathi section of the 'मुक्ता-मंजूषा'. Accordingly I have sent you yesterday my quota by Regd. B.P. and I hope it shall reach you in good time. I think, I am not too late in sending my quota.

I came here to attend a thread-ceremony of one of my relatives, and hence this delay in supplying my material. I hope, I shall be able to send it henceforth by the 10th of every month. That would facilitate your work also.

I am in due receipt of the 2nd number of 'हंस'. I am pleased to find that it is getting a hearty support from all quarters.

I don't receive 'माधुरी' every month. It is only when it contains my article that I get it. I am, thankful to you for suggesting me some stories for the II part. I am sorry I have not got your recent publications 'पाँच फूल' व 'प्रेमकुंज'. I have got 'नवनिधि', 'प्रेम-पूर्णमा', 'प्रेमद्वादशी' and 'प्रेमपचीसी'. You remember that

you had suggested some stories for the part I of my Marathi book. Some of them are yet to be translated by me. I wish to include them in the II part. But then their sources are not available to me. . Would you let me know the sources of the following :

(१) कामना-तरु, (२) सती, (३) लैला, (४) सौत, (५) नमक का दारोगा, (६) लांछन, (७) मन्त्र ।

I have already translated 'पश्चाताप' and 'पाप का अग्निकुण्ड' from 'नवनिधि'. I also wish to include two stories meant for children 'रक्षा में हत्या' and 'सच्चाई का उपहार'. The first one was already published in 'आलाप' अंक, but it could not be included in part I for want of space.

I have read 'घासवाली'. It is the best of your recent stories. I intend to include all these stories by you. If possible, please send 'पौंच फूल' & 'प्रमकुंज' on the above temporary address.

Yours Sincerely,

Anand Rao Joshi

دیازرائن نگم کا خط

کانپور

9 جون، 1930

بھائی صاحب، تسلیم!

میرا خیال تھا کہ آپ بتارس چلے گئے ہیں، ورنہ میں آپ سے کل ہی ملتا، کیونکہ 4 جون کو گویا گیا ہوا تھا اور آتے جاتے دونوں دفعہ لکھنؤ ٹھہرنے کو جی چاہتا تھا، بلکہ جاتے وقت باپو است پر ساد صاحب کے یہاں گیا بھی تھا، لیکن وہ کسی بارات میں گئے ہوئے تھے۔ ناچار اسٹیشن لوٹ آیا۔ آپ کے قیام کا حال معلوم ہوتا تو ضرور آپ سے ملتا۔ گونا گونا ہو رہا ہے، آپ اس فرض سے بھی سبکدوش (ہو جاتے۔ مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ جیستر

سے بالکل اطلاع نہیں دیتے، جس سے مجھے غمت کا موقع ملتا ہے۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ہم نے ایک پرانا حساب پنجاب نیشنل بینک کا صاف کر دیا ہے، اور دوسرا پرانا حساب اودھ کرسٹل بینک کا بھی قریب قریب صاف ہو گیا ہے۔ بس، اس ماہ مجھے اس کو ایک سو پچھتر روپیہ اور دینا ہے، ورنہ جو رعایت مجھ سے ہوئی ہے، ہو سکا اس کا مستحق بنا رہوں گا۔ اس رقم کے لیے میں نے سو روپے لیے تھے، ختم ہو گئے۔ اب آپ کا حکم پاتے ہی اس لیے خدمت کر رہا ہوں۔ زیادہ کیا لکھوں، یہی بندوبست ہے۔ حساب جو کچھ لکھا ہے، وہ مجھے منظور ہے، دیکھ کر لکھوں گا، لیکن آپ نے ہمیشہ سے میرے ساتھ جو محبت آمیز برتاؤ کیا ہے، اس کے دیکھتے ہوئے حساب کا نام لیتے ہوئے بھی مجھے شرم کرنی چاہیے، خصوصاً جب کہ میں ایسا نا دہندہ رہا ہوں۔ آپ بتائیں کب تک جا سکیں گے، اور کب واپسی ہو گی؟ لکھنؤ کا حال پڑھ کر دل خون ہو رہا ہے۔ کیا آپ بھی اس موقع پر موجود تھے؟

آپ کے اور آپ کے بچوں کی سلامتی کے لیے ہمیشہ دست بہ دعا رہتا ہوں۔ آپ تصانیف کی بدولت زندہ جاوید رہیں گے۔ آپ کو جام شہادت پینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایثار کا فضل و کرم آپ کے ساتھ رہے گا۔ میں اس سال پی۔سی۔ایس۔ کے امتحان میں بیٹھا تھا، پر چار نمبر سے رہ گیا۔ آئیندہ پھر جا رہا ہوں، دیکھیے، کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ رگھوپتی سہائے صاحب حال میں کانپور آئے تھے۔ اب معلوم نہیں، گورکھ پور میں ہیں یا نہیں۔

آپ کا، دیا نارائن گم

جگت رام، سمپادک ”رہنمائے تعلیم“، لاہور کا خط

رام گلی، لاہور،

07.07.1930

خدمت گرامی جناب فشی پریم چند جی،

آداب عرض!

گرامی نامہ 4 جولائی 1930 کو لکھا ہوا ملا۔ کارڈ سے قبل ایک مطبوعہ سرٹفر لیٹر

جناب کی خدمت میں مدارس کے بچے سے بھی مٹی تھی۔ شاید وہ جناب کو نہیں ملی۔ خیر فرض تو جناب کی نیم ملاقات کی تھی، سو ہو گئی۔ عرض یہ ہے کہ میرا رسالہ تعلیمی ہے۔ 25 سال سے بھلی بری تعلیمی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ جس محکمہ کا یہ اخبار یا رسالہ ہے، آپ اس کی ہستی سے بے خبر نہ ہوں گے۔ مدرسین بچارے، جو اس کے خریدار ہوتے ہیں، وہ بہت کم تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ لہذا اس کی قدردانی ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ رسالہ ان لوگوں کا دکیل ہے، جن کی حالت بہت ہی قابلِ رحم ہے۔ بس اس رسالہ کی کاپی حالت نمایاں حیثیت نہیں رکھتی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ان دنوں خاص قربانی اور اسرار سے کام لے رہا ہوں۔ لہذا بڑے ادب سے گزارش ہے کہ آپ بھی اس کے حال زار پر رحم فرمائیں اور خاص رعایت اور اپیشل عنایت کے مد نظر ممنون فرمائیں۔ رقم جو آپ عام طور پر لے رہے ہیں، یہ آپ کے دماغ کی قدرو قیمت تھوڑی ہے۔ آپ کے دماغ کے قدر و قیمت تو جناب، کسی طرح سے پڑ ہی نہیں سکتی۔ ہم لوگ جو حاضر کرتے ہیں وہ محض..... دودھ منٹائی ہو سکتا ہے، معاوضہ محنت کا نام اسے نہیں دے سکتے۔ اس لیے بڑے ادب سے گزارش ہے کہ آپ غریب ”رہنمائے تعلیم“ کم از کم نذر کو قبول فرمائیں اور مجھے سرفراز کریں۔ قبل ازیں کبھی جناب کو اس بارے میں تکلیف نہیں دی گئی، نہ تعارف ہوا تھا۔ پر مانتا نے چاہا تو یہ تعلق مثل زمانہ پختہ و مستقل قائم رہے گا اور میں جناب کی کچھ سیوا متواتر کرتا رہوں گا۔

مجھے امید ہے کہ جناب بھی اس مجازت بھری حقیقی بات کو قبول کریں گے۔ مجھے اپنی نوازشات سے بہر اندوز ہونے کا فخر بخشنے رہیں گے۔ مہربانی فرما کر بجلی نمبر کے لیے جو افسانہ آپ تحریر فرمائیں گے، وہ اس مطلوبہ رسالے کا اخلاقی اور تعلیمی افسانہ ہوگا، جس میں تعلیمی حقوق ثابت کیا گیا ہو، اور شوقِ تعلیمی کے جذبات موجود ہوں، اور قصہ بچوں کا ہو۔ ایک افسانہ اس طرح کا ہو کہ ایک ادنیٰ طبقہ کا آدمی تعلیم کے ذریعے کیوں کر اعلیٰ درجے پر فائز ہو سکتا ہے۔ افسانہ کی طرزِ عبارت کے پرہنے والے کے بدن کے روگٹے کھڑے ہو جائیں اور بار بار اس کے پڑھنے کا جوش مقرر ہو۔ آپ دانا ہیں، بھلا حق کی کیا ہستی کہ ایک باہر فن کے سامنے کچھ ظاہر کر سکوں، مگر حکم تھا، مگر حکم تھا۔ اس لیے شدید خیالات

پیش کر دیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ جناب ہر دو افسانہ کے ساتھ اپنی فونو بھی مرحمت فرمائیں گے، جو بجلی نمبر کی شان کو دوبالا کرنے کی عجیب ہوگی اور میرے لیے باعث فخر۔ یہ نمبر کوئی 64 صفحوں کے معصور رسالہ کا ہوگا 20x30/8 کا سائز ہے۔ نوازش کوئی خدمت؟

خادم، بھکت رام

افسانوں کی مقدار 20x30/8 کے کوٹ 10-10,12-12 صفحے ہو جائیں اور اس کے کم و بیش آپ مختار کل ہیں۔ یہ دونوں افسانے آخر مہینے تک مرحمت کر دیے جائیں۔ رسالہ ارسال خدمت ہے۔ کوئی سیوا! لکھی خط کی رسید اور خوش نوازیے مزاج کے ایما سے واپس شادریں۔

داس، بھکت رام

جگدیش پرساد، چیف سکریٹری، سنیکٹ پرانت کا نوٹس

Notice under section 3 (3) of the Indian Press Ordinance, 1930.

To

The Keeper of the Saraswati Press, Benares.

Whereas it appears to the Governor in Council that the Saraswati Press of which you are the keeper is used for certain of the purposes described in sub-section (1) of section 4 the Indian Press Ordinance, 1930, now therefore in exercise of the power conferred by sub-section (3) of section 3 of the said Ordinance the Governor in Council hereby requires you to deposit with the District Magistrate of Benares a security to the amount of Rs. 1000/- (rupees one thousand only) in cash or the equivalent thereof in securities of the Government of India

within two days from the receipt of this notice by you.

By order,
Jagdish Prasad.

Naini Tal,

Chief Secretary to Government,

Dated July 24, 1930.

United Provinces.

منی لال شکر لال ٹھاکر کا خط

From

Manilal Shankerlal Thakur

C/o Kasturbhai Lalbhai Sheth, Shahibag,
Ahmedabad

24th October, 1930

Ahmedabad

To

Prem Chand ji,

Benares City

Sir,

Recently I received the whole set of your works through my book-seller. On going through it, I found several stories- perhaps written in 1920-21, the days of Non-co-operation, with a particular mission dealing with the fundamental elements of Non-co-operation-viz, 'Lal Fita' and 'Lagdant' in 'Prem-Chaturthi', 'Namaka ka Daroga' and 'Updesha' in 'Sapta-Saroja', 'Satyagraha', 'Premdwadashi', 'Ahinsa Paramo Dharma' and 'Mandir' in 'Prem-tirtha' and some more, I propose to supply the Gujarati reading public with a Gujarati version of them issued in a book or two.

I am a Snatak (Graduate) of the Gujarat Vidyapith, Ahmedabad, of about 6 years standing. If I am allowed to undertake the task, I shall do my best to do full justice as you might expect. What I seek to do is a labour of love inspired by a scene of public service in my own humble way, when I cannot risk going to jail by taking active part in the struggle led by Mahatma ji.

I have every hope that you will kindly grant me the permission to prepare a book as described above and Qblige.

Yours faithfully,
Manilal Shankarlal Thakur

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس

لاہور

8.11.1930

شریوتی فشی پریم چند جی،
نہتے!

میرے خط لےنے سے پہلے مئی آرڈر مبلغ 50 روپے کا مل چکا ہوگا۔ میں نے 20 تاریخ کو روپے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، مگر مجھے دہلی کا ایک ضروری کام درپیش آگیا۔ دہلی سے میں دوسری تاریخ کو واپس آیا، اور جناب کے دوکارڈ ملے، جس کے لیے بہت افسوس ہوا کہ جناب کو خواہ مخواہ کی انتظاری رہی۔ میرے پہلے چالیس روپے 'خاک پروانہ' کے حساب میں وضع کیجیے اور مبلغ پچاس روپے 'رام چرچا' کے حساب میں۔ 'رام چرچا' چھاپی تو بچوں کے لیے ہے، مگر ضخیم ہو جانے کی وجہ سے ہمارا مقصد مفقود ہو گیا ہے، اور اسکولوں والے اسی اعتراض کی بنا پر خریدنے سے بچھکے ہیں۔ چنانچہ میں اس کتاب کو تبادلے کے طریقے سے ہی نکال رہا ہوں۔ چنانچہ چار سو کتابیں تبادلے میں دی گئی ہیں، کیونکہ تبادلے کے حساب سے 1 روپہ 4 آنے کے حساب سے دی گئی ہیں، اس اس کے رائٹلی ایک روپہ

فی کتاب کے حساب سے طے گی، کیونکہ کتاب کی قیمت ایک روپیہ مقرر کی گئی ہے۔
1 روپیہ 4 روپیہ آتا تو تبادلے کے لیے ہے۔ باقی حساب اس طرح ہے۔ 150 روپیہ کی
مالیت کی کتاب وہ حساب تبادلہ وائی فروخت کی گئیں۔

رائٹی۔ 32 روپیہ 13 آنے صفر پائی

رائٹی 100 کتاب۔ 17 روپے 8 آنے صفر پائی

کل 50 روپے 5 آتا

چنانچہ مبلغ 50 روپے بذریعہ منی آرڈر اور آٹھ آنے فیس منی آرڈر حساب میں درج
فرما کر منکود کریں۔ 'خاک پر دانہ' کی رقم ہماری طرف واجب عائد مبلغ میاں روپے تھی،
جس کے عوض جناب کو چالیس روپے نقد اور بموجب جناب کے ارشاد۔ 1 روپے 7 آتا 9
پائی کی کتاب بازار سے خیرد کر ارسال خدمت کی گئیں، اور سات آنے محصول ڈاک یعنی
کل 1 روپے 14 آتا 9 پائی، یعنی کل حساب صاف ہو چکا۔ باقی رہا ناول کے لیے، آپ
سے کئی بار درخواست کی گئی، مگر جناب نے ہمارا ذرہ بھر بھی خیال نہ کیا۔ برائے مہربانی یہ
ناول ضرور ہمارے لیے مخصوص رکھیں گے۔ ناول کب تیار ہوگا؟ اس کی ادائیگی کس طرح
کی جائے، آپ ہی بتائیں۔ میرے لیے لکھیں، بالکل اس پر عمل کیا جائے گا، اور کسی قسم
کی ادائیگی میں دیر یا وعدہ غلطی نہ کی جائے گی۔ کسی قسم کی سیوا ہو تو لکھیں۔

سوم پرکاش

نوٹ: مجھے پوری امید ہے کہ اس بار نراش نہ کریں گے اور ضرور ضرور مجھے یہ
کتاب دے کر منکود کریں گے۔

قدوائی کا خط

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

21 نومبر 1928

مکرمی!

آپ کا کارڈ ملا۔ یاد فرمانے کا شکر گزار ہوں۔ میں آپ کے خط کا انتظار کر کے سجاد
حیدر صاحب سے 'چمکان ہستی' عاریتاً لے کر پڑھی اور میں آپ کو ایک ایسی عظیم الشان

تصنیف پر سچے دل سے نہایت مؤدبانہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ کی تصانیف کے متعلق میرا کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن پھر بھی یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے اردو میں بہت کم ایسی عمدہ اور کامیاب ناولیں پڑھنی نصیب ہوئی ہیں، بلکہ بعض حیثیت کے بنا پر غالباً میں غلط نہیں کہتا کہ یہ اردو کا صرف ایک بہترین ناول ہے۔ اگرچہ 'بازار حسن' بھی آپ کی ایک معرکہ الآرا تصنیف ہے لیکن 'چوگان ہستی' اس سے کہیں زیادہ بڑی ہوئی چیز ہے۔ اگر 'بازار حسن' ایک خاص طبقے، ایک محدود جماعت کے اصلاح اور مفاد کے لیے کامیاب سہی ہے تو 'چوگان ہستی' ایک قوم، ایک ملک کے محدود اور بہتری کی راہ میں ایک کوشش ہے جو ایک طبقے کی اصلاح سے زیادہ مفید، زیادہ بلند ایک چیز ہے اور اس سلسلے میں گئی لہنی باتوں میں میرے خیال میں تمام وہ مسائل آپ نے پیش کر دیے ہیں جو ہمارے زندگی سے متعلق ہیں اور ہماری معاشرت کے اصلاح اور کامیابی کے لیے از بس ضروری ہیں۔ تفصیلی رائے کی اس وقت گنجائش نہیں۔ لہذا میں ایک مرتبہ پھر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مجھے افسوس اس امر کا ہے کہ اردو نے اپنی زبان کے اتنے بڑے محسن کی طرف سے ایسی بے پروائی برتی ہے۔ لیکن میں مایوس نہیں ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ بہت جلد اردو کو اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ میں اس دن کا انتظار کر رہا ہوں جب آپ ڈاکٹر ٹیکور کے ہم پلہ اور نوبل پرائز کے مستحق سمجھے جائیں گے۔

اس کا افسوس ہے کہ آپ کو میرا خط دیر سے ملا، لیکن اسے کیا کیجیے کہ مجھے کتاب کی اشاعت کی خبر دیر سے ملی؟ بہر حال جب آپ مجبور ہیں تو میں بھی خاموش ہو جاؤں گا۔ "خاک پروانہ" اور "خواب و خیال" دیکھنے کی آرزو باقی ہے۔ 'امنام خیالی' انشاء اللہ جلد حاضر خدمت ہوگی۔

خاکسار

سُدرشن کا خط

دی سُدرشن پہلی شک ماؤس، لاہور

17-11-1930

بھائی جان، مسے!

کارڈ ملا، شکریہ! مجھے یہ خیال نہیں کہ کہانی ہندی میں نہ چھپی ہو۔ اندیشہ یہ ہے کہ

کہیں اسے کسی اخبار نے ترجمہ کر کے نہ شائع کر دیا ہو! اردو اخبارات میں یہ عام مرض ہے۔ ایسی حالت میں ”چندن“ کی کرکری ہو جائے گی۔ پہلے ہی پرچے پر لے دے شروع ہو جائے گی۔ میری ناچیز رائے میں اب جو کہانیاں نہیں چھپی، ان پر صاف لکھ دیں۔ ترجمہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس طرح میں جو کچھ ”چندن“ میں لکھ سکوں وقف عام نہ ہونے دوں۔ اس طرح میری چیز میرے کام آسکتی ہے۔ اور بغیر کسی ڈاک زنی کے انڈیشے کے۔

میری دلی خواہش ہے ”چندن“ پر آپ کا نام بھی ایڈیٹر کے طور پر دیا جائے۔ اس سے مجھے بھی فائدہ پہنچنے کا امکان ہے، آپ کو بھی۔ برائے نوازش باقاعدہ اجازت دیں، تو اخبار کے لیے جو کچھ بھیج رہا ہوں، اس میں آپ کا نام بھی دے دوں۔ آپ کے ”مادھوری“ پرچے کے ماہ اکتوبر میں ایک سہ رنگی تصویر ”جو بن“ نگلی ہے۔ یہ تصویر مجھے بہت پسند ہے۔ چاہتا ہوں، اسے ”چندن“ میں دے دوں۔ کیا آپ اس کے بلاک مجھے بھیجا سکتے ہیں؟ 2-4 کرائے کے مانگے تو حاضر ہے۔ تصویر چھپ جانے پر بلاک حفاظت سے لوٹا دیے جائیں گے۔ یہ کام ضرور کر دیجیے گا۔ بھابھی صاحبہ کے مقدمے کا فیصلہ کیا ہوا؟ لکھیے گا۔ سز سدرشن کہتی ہیں۔ دیکھیے، ہماری باری کب آتی ہے؟ بچوں کو پیار!

آپ کا، سدرشن

بھائی جان، کہانی 25-26 نومبر تک بھیج دیں تو بہت نوازش ہو۔ پہلا پرچہ ہے۔ شان سے نکل جائے تو لوگوں میں دھماک بن جائے۔

پانڈیہ پنچن شرما ”اگر“ کا خط

بیسویں صدی ہندکالیہ،

گنٹو گھاٹ، مرزا پور،

نومبر، 1930 کے آس پاس

شرودھیہ،

پتر ملا، آفس پردوتن کی اسودھادوں نے آخر میں ولیم کرایا ہے۔ ”بڑھاپا“ کے بارے میں آپ کی سینہ زوری میں زور نہ لگاؤں گا۔ لگا بھی نہیں سکتا۔ پر آپ مجھے

ہمیشہ ہی اپنے ”ویشٹوں“ سے الگ رکھنے کی چٹھا کریں تو بھلا رہے گا۔ آپ کے سگرہ میں آپ کے بیوپارک سودو دھا چاہے جو ہو، میرا کوئی لا بھ نہیں۔ اور میں لا بھ کا ہندی وکھیات فہمی ہوں۔ اچھا ہوتا یدی آپ مجھے اپنی لکیر پٹیتے جانے دیتے۔ ویش دیا۔۔۔

آپ کا،

پاٹھے بچن شرما

جینندر کمار کا خط

ایٹش جیل، گجرات

4 دسمبر 1930

بابو جی،

آپ کا خط سے پرل گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید دھیشاک نکلنے میں اداکش ہو، ایک کہانی لکھ ڈالوں، اس کے ساتھ ہی پتر کا جواب دے دوں گا۔ لیکن یہاں کی دھوم دھام میں کہانی تو لکھی نہ جا سکی اور وہ وقت آگیا کہ خط کے جواب کو اور ٹالنا دھڑھٹا ہو جاتی۔ اس سے اتنی دیر بعد بھی خالی خط ہی بھیج رہا ہوں۔ چھما کریں۔

کیا دھیشاک نکل گیا؟ ایک (میری) پرتی شیخ محمد علی صاحب، مل آزر گجرات کے پتے پر بھجوا دیں۔ میرا نام نہ لکھیں۔ وہ مجھے یہاں پہنچ جائے گی۔ جیل کے پتے پر بھیجے گئے اخبار نہیں ملنے دیے جاتے۔ کرپاکر دھیان رکھ کر ضرور سوچنا بنارس دے دیں۔

کیا آپ کی جتنی کے جیل جانے پر دھنیہ واد دوں؟ یہ اس لیے بھی دھنیہ واد کا دشنے ہو سکتا ہے کہ آپ کی اس طرح جیل آنے کی راہ اور آدھیکتا روک گئی۔ کتنے پتیوں کو روک رکھا ہے لیکن دے پتی دھنیہ ہیں جن کی پتیاں آگے بڑھ کر جیل میں پہنچ گئیں اور ان کو رکھنے کو لاچار کر گئیں۔

”کنکال“ کی اردھ پرکاشت پرتی میں نے دیکھی تھی۔ پرساد جی کی کرتی ہے بری کیسے ہوتی؟ ”مگر“ جی کے ”شرابی“ کا نمونہ ”متوالا“ کے پرشٹوں میں دیکھا یاد پڑتا ہے۔ ”مگر“ کنڈاز بالکل ہی نیا نام اور نیا کام معلوم ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا میں یہاں کسی سے کوئی چیز مانگ سکتا ہوں۔ ہاں ”شرابی“ اور ”مگر“ کنڈاز پڑھنا ضرور چاہوں گا۔ آپ کے پاس

کاہے کو کوئی پرتی ہوگی؟ اگر 'ننس' کے لیے پراہت ہوئی دو پرتوں میں سے ایک یہاں (ارتھات اوپر دیے پتے پر) بھیجی جاسکیں تو میں آلوچنا 'ننس' میں بھیج دوں گا۔

رشمہ چرن کا خط ملا کہ آپ 'پرکھ' کو پرساد اسکول کے ادھک کٹ سمجھتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ کو وہ پسند آئی ہے اور آپ سالوچنا 'ننس' کے اسی اک میں دے رہے ہیں۔ 'ننس' ملا تو آلوچنا میں دیکھوں گا ہی۔ پر 'پرکھ' میں آپ کے انوسار کہاں کیا ادھک اور کیا کم ہونا چاہیے تھا، یہ میں آپ سے جانے بنا سٹھ نہ ہوں گا۔ پر کچھک کے ڈھنگ سے میں اسے آپ کو سونپنا چاہتا ہوں، انٹر کیول اتنا ہے کہ پر کچھارھی کے نمبر دینے کے ڈھنگ کو بھی سمجھنا چاہتا ہوں۔ رشمہ چرن نے جو اسکول کی بات لکھی اس کا بھی خلاصہ میں جانا چاہوں گا۔

پتا چلا ہے کہ اودھ اپادھیائے جی کی آلوچنا دیوی دت جی نے 'سرسوتی' میں نہیں چھاپی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ وہ تھی بھی اس لائق نہیں۔ لیکن آلوچنا انھیں پسند نہیں آئی، اتنا ہی ہوتا تو اچرج کی بات نہ تھی۔ سنتے ہیں کتاب انھیں اور بھی ناپسند ہے۔ ایک اور متر کے سبندھ میں معلوم ہوا ہے کہ انھیں 'پرکھ' میری پرتھھا کے انوٹول نہیں مچی۔ گویا کہ لکھنے سے پہلے ہی میری لکھنی کی پرتھھا بن گئی تھی۔ ان سب اوٹ پٹانگ سمجھوں کا کیا بتایا جائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر لوگ آپ کو اور پرساد جی کو منگلا پرساد پارٹوشک نہیں دیتے اور پھر بھی یوگیہ دیکتی کو ہی دینا چاہتے ہیں تو وہ مجھے ہی دے سکتے ہیں۔ پارٹوشک کا ستان اسی میں ہے۔

تو 'میری میگڈلین' آپ چھاپیں گے؟ یہ ٹھیک ہے۔ 'نفس' کب تک ختم ہوگا؟ کتنی سوئی چیز ہے؟ کوئی 'رنگ بھوئی' کے فکر کی دوسری چیز بھی لکھیے نہ؟ آپ اور کیا لکھ رہے ہیں؟ نہ جانے کون کہتا تھا کہ اکیڈمی کے لیے Galsworthy کا انوداد کرنا آپ نے شروع کیا ہے؟ کیا یہ ٹھیک ہے؟ مجھ سے آپ پوچھیں اور ناراض نہ ہوں تو میں کہوں گا کہ گالس ورڈی کے انوداد کو تو بہترے نکل آئیں گے پریم چند اس کام کو کرتے ہیں تو ہندی کا در بھاگیہ ہے۔ گالس ورڈی کی چیزوں کو میں نے دلی جیل میں چھ دیکھا تھا، دلائی پن اور دلائی بھاگے کے عجیب پن کے آکرشن کو دور رکھنے کے بعد کیا میں ذرا دیر کے لیے بھی گالس ورڈی کو پریم چند سے اونچا مان سکتا ہوں؟ آپ کہانیاں لکھیں، رنگ بھومیاں لکھیں،

ہم میرا نویدن ہے کہ گالس وردی کے انوداد میں پھنس کر پریم چند سے دچت رکھنے کا انوپکار ہندی ساہتیہ پر نہ کریں۔

’مادھوری‘ والوں نے میرا پندسکار گھر بھیج ہی دیا ہوگا۔ ’مادھوری‘ میں ’پرکھ‘ کی سالوچنا نکلی یا نہیں؟ ’مادھوری‘ کی بھی میری پرتی شیخ محمد علی کے پتے پر بھیجنے کو کہہ دیں تو کر پا ہو۔

آپ سے ملنے کو کیسا جی چاہتا ہے! سدھیہ ساکھات اور وارنالاپ نہیں ہوتا تب تک پتر سے ہی سکی۔

میں یہاں سردھاکھل اور آئند سے ہوں۔ آپ کی بدھائیوں پر پرسن اور کرنگیہ ہوں۔ شاید آپ اس بات پر ایک اور بدھائی بھیج دیں کہ ابھی کچھ دن ہوئے پر اتما نے مجھے ایک پتر کا پتا بنا دیا ہے۔

آپ کا
جینندر کمار

جینندر کمار کا خط

ایشل جیل، گجرات (پنجاب)

17 دسمبر 1930

بابو جی،

بہت دن ہوئے یہاں سے آپ کو ائمن الدولہ پارک کے پتے پر ایک خط ڈالا تھا۔ معلوم نہیں آپ کو وہ ملا بھی یا نہیں۔ آپ کا خط نہ پانے سے جان پڑتا ہے، نہیں ملا۔ ’پرکھ‘ ہندی گرنٹھ رتناکار نے ہی چھاپی ہے۔ آپ کو اوشے مل گئی ہوگی۔ وہ آپ کو کیسی لگی؟ آپ کی کھلی سہتی سننے کی بڑی اچھا ہے۔ ناقورام جی پریمی نے اس پر اودھ اپادھیائے جی کی دسترت سالوچنا کی ایک پرتی میرے پاس بھیجی ہے۔ وہ اپادھیائے جی نے سروسٹی میں بھیجی تھی۔ مجھے تو اخبار مل پاتے نہیں اس سے معلوم نہیں رہتا کہاں کیا لکھا ہے۔ کیا آپ نے بھی اس کے سندھ میں ’ہنس‘ یا ’مادھوری‘ میں کچھ لکھا ہے؟ اپادھیائے جی نے تو کتاب کی بے حد تعریف کر دی ہے۔ آپ جانتے ہیں مجھے ان کی پرکھ پر بہت

بھروسہ نہیں ہے۔ دگیان کی ترازو پر تول کر جو ساہتیہ پرزنے دیا جاتا ہے، اس کے موہ میں میں نہیں پڑنا چاہتا، لیکن آپ کی اور دو ایک سجنوں کی اچھی سہتی مجھے چاہیے ہی۔ آپ کی اور ان کی نگاہوں میں پاس سمجھا گیا تو یہی میرے لیے سب کچھ ہے۔ شیش سے تعریف پانے کی اچھا جیسے یا چتا مجھے بالکل بھی نہیں ہے۔ آپ کو میں 'میری میڈلین' دے آیا تھا۔ نو دس مہینے ہوئے ہوں گے۔ اس کے پرکاشت ہونے کا اب کیا حال ہے؟ جیسے اور جہاں سے اچت سمجھیں چھپوا دیں اور پیسہ گھر بھجوا دیں۔ میں یہاں جیل میں ہوں گھر پر ہر تانبے کے پیسے کی ضرورت ہے۔ اس سندنہ میں میں یہ بھی آپ کی معرفت 'مادھوری' کے دیو ستھاپک جی کو یاد دلوانا چاہتا ہوں کہ شاید اپریل (یا آس پاس کے) میں 'مادھوری' میں پرکاشت کہانی (دلی میں) کا پرکار مجھے نہیں ملا ہے۔ وہ کرپا کر گھر بھیج دیا جانا چاہیے۔ تھوڑا کٹ اٹھا کر یہ کام آپ کرا سکیں گے تو بڑی کرپا ہوگی اور 'میری میڈلین' کا بھی دھیان رکھیں گے تو آہوار ہوگا۔

آپ نے اس سچ کیا لکھا ہے؟ نئی چھپی چیزوں کی ایک ایک پرتی اوشے بھجوا دیجیے۔ جیل میں کتابوں کی قیمت اور ضرورت اور چاہ کتنی رہتی ہے، یہ ہمیں جان سکتے ہیں۔

اور آپ کیسے ہیں، یہ اوشیہ لکھیں۔ یہاں دو ایک آپ کے زبردست مریر ہیں۔ اب انہیں پتا چلا کہ میں آپ سے Writing Terms پر ہونے کا سو بھاگیہ رکھتا ہوں، تو انہوں نے مجھے شیشے انورودھ پورؤک آپ کو ان کی Respects لکھ بھیجنے کو کہا۔ وہ آپ کی کشتیا سننے کے بڑے آکاٹھی ہیں۔ میں انہیں ان آٹھ دس گھنٹوں کا حال سنا چکا ہوں جو مجھے اب تک آپ کے ساتھ بتانے کے لیے ملے ہیں۔ ان کی یاد میرے بھیتر بسی ہے۔ بڑے مزے کی وہ یاد ہے۔ لیکن وہ میں آپ کو نہیں سناؤں گا۔

آشا ہے آپ پرسن اور سوسٹھ ہوں گے اور پتر دیں گے۔

میں یہاں اتنی اچھی طرح ہوں کہ کیا کہوں۔ کھانا بہت اچھا ملتا ہے، جیل کے اندر گھومنے کو اور کھیلنے کو خوب ملتا ہے۔ بس اخبار نہیں ملتے، یہی ذرا کمی ہے۔ سو یہ بھی کچھ نہیں اگر نئی نئی کتاب ملتی رہیں۔

شیش نمسکار اور آدر کے ساتھ۔

آپ کا، جینندر کمار

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور

19.12.1930

شریوتی پوجنئے منشی جی،
نمستے!

خط ملا، دو ہزار کی ایڈیشن یا ایک ہزار میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اردو ایڈیشن چاہے ایک ہزار چھپوا لیا جائے، چاہے دو ہزار، اس میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ البتہ ہندی ایڈیشن دو ہزار ہی چھپوانے میں فائدہ ہوتا ہے۔ اردو ایڈیشن عموماً اور خصوصاً ایک ہزار ہی چھپتے ہیں۔ رائٹنگ کی الجھنوں میں میں پھنسا نہیں چاہتا، کیونکہ اس میں آپ کو بھی خال رہے گا اور مجھے بھی۔ خواہ خواہ کی پابندیوں اور الجھنوں میں پھنسا پڑے گا۔ اس میں خواہ خواہ کے نقص اور شک و شبہات کا احتمال رہتا ہے۔ ریٹ کے متعلق عرض ہے کہ پچھلی خط و کتابت میں ایک روپیہ چھ آنے طے ہوئے تھے، جب کہ ہم ایک روپیہ نو آنے پر زور دیتے تھے، مگر مجھے منظور ہے۔ اس کا لکھا اور آئیگی کلیدیہ حساب یہی ہوگا کہ مال خدمت کیا جائے گا۔ اس کے چھپنے پر پوری رقم کا، جس کی میعاد ایک ماہ ہوگی، بھیج دیا جائے گا۔ ادائیگی میں کسی قسم کا نقص یا خلاف تصفیہ کوئی کام نہ ہوگا۔ کم از کم پہلے بھی آپ کا حساب صاف رہتا ہے۔ 'خواب و خیال' کی تیاری میں خاص وجوہات کا سامنا تھا جو کہ آپ پر روشن ہے۔ میں کامل امید رکھتا ہوں کہ آپ میری درخواست کو سیکار کریں گے۔

جواب کا منتظر،

سوم پرکاش

پطرس کا خط

25، بیڈن روڈ، لاہور

26 دسمبر، 1930

محترم بندہ،

اسی ڈاک سے ایک کتاب ارسال خدمت ہے۔ اس کتاب کے بھیجنے سے آپ کی

نیا فت طبع نہیں، اپنی عزت افزائی مطلوب ہے۔ امید ہے جناب، شرف قبولیت بخشیں گے۔
خاکسار، پطرس

جینندر کمار کا خط

اپیش جیل، ممبڑات

7 جنوری 1931

شردیے بالاجی،

آپ کا پتر سے پر مل گیا تھا۔ آخر آج اس لیے دے رہا ہوں کہ جنوری کا پہلا ہفتہ ختم ہو جاتا ہے اور 'نہس' کے لیے کہانی سمجھنے کے خیال کو پاس رکھنے کی محبتائش بھی بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ بات تو اصل میں یہ ہے کہ کہانیاں ہو گئی ہیں پر بھیجی نہیں۔ پریس آرڈیننس کی خبر پاتے ہی ڈر ہوا کہ 'نہس' کا یہ ایک نکل بھی گیا تو آگے نہیں نکلنے دیا جائے گا۔ اور کیا معلوم دھیشاک بھی نکل پائے یا نہیں۔ پھر سنبھاتا تھی کہ ان کہانیوں کو جلدی ہی ہندی مگر تھ رتا کر بھیجنا پڑ جائے۔ وہ سگرہ چھاپتے ہیں اور کچھ نئی اپرکاشت کہانیاں چاہتے ہیں۔ بات جنوری تک سگرہ کے نکل جانے کی تھی۔ آپ کو کہانی بھیجی گئی اور اخبار بند ہو گیا یا دھیشاک میں اس کے نکلنے کی سنبھادنا نہ رہی تو اس طرح اس کے پھر جلدی سمجھتی جانے میں مگر بڑ پڑ جاتی۔ اس طرح جو چار کہانیاں اس سچ لکھ ڈالی گئی ہیں میرے پاس ہیں۔ پرانی پرکاشت کہانیوں کو ان سے (ناقصوام جی پریمی سے) پانے کی پریشکشا کر رہا ہوں تاکہ ان کو ایک بار پھر دیکھ کر ان کے ساتھ ہی ان نئی کو بھی روانہ کر دوں۔ کر پا کر لکھیے کہ آرڈیننس کی کر پا آپ کے پریس اور پتر پر تو نہیں ہو گئی؟ پتر نکلتا ہو تو کر پا کر میری بھول کو چھما کر دیجیے۔ پتر نکلے تو، اگر پہلے لکھے پتے پر نہ بھیجا گیا ہو تو جیل کے پتے پر ہی بھجوا دیجیے گا۔ 'ماہوری' بھی۔ 'ماہوری' کی اس کہانی کے میرے پر سکار کے بارے میں کیا ہوا، سو آپ نے نہیں لکھا تھا۔ 'ماہوری' کے نام پر وہ بات بھی یاد آگئی ہے تو آپ کو بھی یاد دلا دیتا ہوں۔

مگر کڈا اور شرابی اگر آپ کو پراہت ہو گئے ہیں تو میں دیکھنا چاہوں گا۔ سالو چنا جہاں لکھیں گے بھیج دوں گا۔

’فین‘ تیار ہو گیا؟ اس کے بعد ہی ’میری میڈلین‘ پریس میں جائے گا نہ؟ تیار ہو گیا ہو تو پچھلی کتابوں کے ساتھ ’فین‘ کی ایک پرتی بھی بھیجے گا۔

مارچ کے انت تک میں چھوٹوں گا۔ لکھتے نہیں تو سیدھا میں اسٹریٹ ہو کر سوکھک ہی آپ سے اپنی رچنا کے سندھ میں آدیش اور آلوچنا پراپت کروں گا۔

لیکن اتنا ضرور لکھیے کہ آپ کی رائے میں ’چلبلاہٹ‘ کم ہونی چاہیے نہ؟ شاید میری کرتی میں یہ پراپت سے ادھک مازا میں ہوتی ہے۔

میں نے ابھی ٹھیک پارکی اور آلوچک درشتی سے ساتھ کو جانچنا اور جمانا (Assortment) نہیں سیکھا۔ شرینی اور ’اسکول و بھاجن‘ کا کام میں اپنے لیے من چاہے جیسے کر بھی سکوں دوسری کے لیے اور چھپنے کے لیے نہیں کر سکتا لیکن ’پرساد اسکول‘ شبد کاشی میں سن پڑا تھا۔ سو بھادہ دوسرا اسکول آپ کا ہی ہوگا۔ خیر جو ہو میں تو چاہتا ہوں یہ کام سب اپنے لیے کر لیا کریں۔

میں بالکل پرسن اور سوتھ ہوں۔

آپ کا

جینندر کمار

پریم چندر شرما

08.01.1931

شری بھائی صاحب،

بندے،

پچھلے پتروں کا آڑ اس پر کار ہے۔ ”ہنس“ جھگو گیا، پر اس دلا بھ کا دوش مجھ پر ہی نہیں ہے۔ یہ آپ نے سمجھ لیا ہوگا، ہونے کے کارن اتنا بھڑا بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ستمبر کا ایک بھی 15-20 تک آؤٹ کر دیا جاتا ہے۔

پریس کا حساب جو آپ کے پاس بھیجا گیا۔ اس میں کچھ بھول ہو گئی جو سادھارن دیک ہوتی ہے وہ لکھی گئی ہے۔ جس کے انوسار

سیکرٹری، پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی، لاہور کا خط

From

No. 2008/11

The Secretary,

9th January, 1931

Punjab Text Book Committee, Lahore.

Sir,

I have the honour to forward the publication noted below and should be obliged if you would favour me with your opinion as to whether the author deserves an award from the Patronage of Literature Fund for the production of this book. Will you kindly also let me know whether the committee can recommend it for school libraries or prizes. A copy of the rules governing the award of prizes for good vernacular literature is enclosed herewith.

It would be convenient if your reply could reach me not later than the 5th February, 1931. The book need not be returned.

'Hindi Sahitya Ka Vivechnatmak Itihas' (A History of Hindi Literature), by Surya Kanta with a chapter on Hindi by Dr. Benarsi Das.

I have the honour to be,

Sir,

Your most obedient servant,

Sd./- Secretary

Punjab Text-Book Committee

سوم پرکاش کا خط

لاہور

11-01-1931

شری مان پوہیہ نشی جی، جسے!

میری اب خواہش تھی کہ ایک کے بعد دیگرے سلسلے وار آپ کی کتب شائع کرتا، مگر آپ کے آمدہ خط سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ آپ نے پہلے خیال میں دو ناول مجھے دینے کی رضا مندی ظاہر کی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو کچھ چھاپنے میں کہاں تک کامیابی ہوگی۔ ”خاکہ پروانہ“ کی بابت مجھے پوری طرح معلوم نہیں، تاہم وہی خواہش ہے کہ کم سے کم آپ کا یہ ناول، جو آپ کے ہاتھ میں ہے، ضرور شائع کروں، اگر آپ کی مہربانی شامل حال (شامل) ہو تو۔ میں ضد نہ کرتا، مگر خاص وجہ سے بار بار اشارہ کر رہا ہوں، اور کامل امید کرتا ہوں کہ میری درخواست قبول کریں گے۔ گرمیوں میں کلکتہ جانے کا وچار ہے۔ غالباً ضرور درشن کروں گا۔ جواب میں دیری ہوگئی، معاف کریں گے۔

جواب کا مختصر

سوم پرکاش سہنی

سمجھو ناتھ شرما کا خط

C/o Mr. Hari Ram sethi,
Managing Director,
Panjab Film Co. Ltd.,
Manohar Mansion,
66, Jail Road, Lahore

Jan. 13, 1931

Dear B. Premchand,

I hope you remember the evening a few days back when I had the occasion to see you in your 'Madhuri' office with Mr.

'Nirala ji'. Unfortunately I could not talk with you though I very much liked to do so about films. But till I did not know your views about that. The day after I learnt from Mr. D.K. Bose the film director of one local film company there that you want your books to be produced in films. I also learnt that you sent some of your books 'Sevasadan' and 'Prem Ashram' in some Bombay studios and they wanted you to send the scenerios of them. Unfortunately I could not get time again to see you for the purpose as I had to leave for Lahore.

I am here in the Panjab Film Co. as an Asstt. Director. To tell you sincerely if you do not want to kill your reputation then please do not send your books to Bombay. I have remained in Bombay and I know what sort of stiff they produce. I myself was in search of a company who are really able to produce good films. I have joined the Panjab Films only recently and I can see that they are doing something. Till now they have produced three pictures spending about two lakhs over them. They are not yet released. They are worth International market and arrangements being made for that. I have read your 'Premashram' and I can see that there are much screen possibilities in it.

So I should request you to send 'Premashram' to me for scenerio at once without delay. I shall write the scenerio of it. If you want to know more about me you may ask from Mr. Surya Kant Tripathi 'Nirala'. He is my friend. I need not add that you can make a good fortune in having connection with our film co. We have ample funds and we want to spend it in the right way. I would rather ask you to come to Lahore and see our studio and understand what we are doing.

Nothing more for the present. I should rather ask you to send 'Pramashram' very-very very soon. I being a friend of 'Nirala ji' and you two being friends have got legal rights to force you too for the purpose.

Hoping this shall find you in sound health and to hear soon from you.

Yours very sincerely,
Shambhu Nath Sharma'

B. Premchand, B.A.
Editor 'Madhuri'
Nawal Kishore Press,
Hazrat ganj, Lucknow

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہور

17-01-1931

شری یٹ فشی جی، نمستے!

ہتر ملا، شکریہ۔ آپ نے وعدہ پورا کرنے کے لیے تو لکھا، مگر آدمے سے بھی کم، کیونکہ آپ کو بخوبی یاد ہوگا کہ فی صفحہ بجائے 1 روپیہ 4 آنے کے 1 روپیہ 6 آنے پر تصفیہ ہوا تھا؛ مگر چونکہ اب آپ اسی نرخ پر بعد نظر آتے ہیں، لہذا مزید بار بار لکھنا فضول ہے۔ آپ کے برکھ منظور ہیں، مگر اس کے ساتھ ہماری بات بھی منظور کر کے شکریہ کا موقع دیں۔ آپ نے پہلے ایڈیشن کا ایک روپیہ، دوسرے کے لیے بارہ آنے، تیسرے کے لیے آٹھ آنے کہے ہیں، ٹھیک مگر اس کے بعد ہم اس کے پورے کاپی رائٹ کے حقدار ہیں۔ اب تو آپ کو بھی معقول اجرت مل گئی، اور کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسے نام منظور کریں۔ منظوری کے ساتھ کتاب بھی بھیج دینے کی کربا کریں، تاکہ ساتھ ساتھ کتابت شروع ہو جائے۔ کسی قسم کا کام ہو تو لکھیں۔

آپ کا، سوم پرکاش سہنی

جینندر کمار کا خط

اپیش جیل، مہرات

20 جنوری 1931

بابو جی،

پندرہ تاریخ کو میں نے آپ کو کہانی بھیجی تھی۔ رجسٹری سے بھیجتا کیسے، اس سے بیرنگ بھیجی تاکہ پیسے وصول کرنے کی وجہ سے پوسٹ آفس کو اسے ٹھیک جگہ پہنچانے کی چٹا رہے۔ وہ آپ کو مل گئی نہ؟ وہ لکھی تو چودہ تاریخ کو گئی تھی لیکن ختم نہیں ہوئی تھی۔ جب آپ کو بھیجی، دوبارہ دیکھ بھی نہ پایا۔ ایک جگہ ایک شبہ سوجھ نہیں رہا تھا اس سے Gap چھوڑ دیا تھا۔ مجھے پیچھے اس کا خیال آیا۔ خیر جہاں تہاں کی غلطیوں کو آپ نے سنبھال دیا ہوگا۔ 'ہنس' کب تک آئے گا، لکھیے۔ آپ کی کتابیں اب تک نہیں ملیں۔ شاید سیجنے میں بھول ہو گئی، اب تک بھیج نہیں پائے۔

آپ کا

جینندر کمار

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہوت رائے اینڈ سنس،

لاہور

01-02-1931

شری یت فشی جی، نمستے!

خط ملا، خوش ہوئی۔ میں آپ سے بھی امید رکھتا تھا کہ آپ مجھ پر نظریں عنایت کریں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ میں کام کس خوش اسلوبی سے کرتا ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں فہرست بھیج رہا ہوں اور نئی پبلی کیشن کی لسٹ، جس سے آپ خود اندازہ لگا سکیں گے کہ پنجاب میں کس خوش اسلوبی سے ہماری دکان کام کر رہی ہے۔ آپ بھی ہمیشہ اس دکان کی سرپرستی کرتے رہیں گے۔ مجھے آپ سے پوری پوری امید ہے۔

ہماری دکان کے لیے اس وقت منتخب اور پنجاب کے مانے ہوئے کاتب کام کر رہے ہیں۔ اس بات سے آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی دو کتابوں کی لکھائی جو کی گئی ہے، اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مسودہ جلدی بھیج کر مشکور فرمادیں۔ میرے لائق کوئی سہارا ہو تو حکم کریں۔

خادم، سوم پرکاش سہنی

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہور رائے اینڈ سنس،

لاہور

05-02-1931

شری یت پریم چند جی، نمستے!

تقریباً آدھا مسودہ جتنا کہ آپ نے بھیجا ہے، مل گیا۔ مہلیغات اگلے ہفتے میں آپ کی خدمت میں پہنچ جاویں گے، اور جتنے زیادہ سے زیادہ بھیج سکا، بھیجاؤں گا، نہیں تو باقی آئندہ کچھ دنوں کے بعد۔ کتاب کل کاتب کو دے دی جاوے گی۔ امید ہے، باقی حصہ بھی جلد بھیجنے کی کراپا کریں گے۔ ٹاسٹل رنگین ہو یا کور سپر والا کاغذ لگایا جاوے؟ غالباً سڈرشن صاحب کی ”طلہ و فل“ دیکھی ہو گی۔ اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کریں گے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بیان کریں۔ ابھی نواب اقبال والا کاتب آیا ہے اور مسودہ دے دیا گیا ہے۔

آپ کا، سوم پرکاش سہنی

انپورناتمند کا خط

پرکاشک، انڈین پریس لمیٹڈ،

جبل پور براچ، جبل پور

9-2-1931

مانیہ در،

”پریمیا“ کے آگامی اپریل کا ایک ڈھیٹا ہوگا۔ ”ہائے رس ڈھیٹا“۔ اس کا

سپادن مجھے سوچنا گیا ہے۔ آپ لوگوں کی کرپا کا سہارا ہے۔

اسی کے لیے مجھے ایک چھوٹا سا ہاسیا تک گلب چاہیے۔ یوں تو آپ کی فیکٹی میں ہاسیہ رس کا لاجواب پٹ رہتا ہے، پریدی ویش پرکار سے ہاسیہ رس کی گلب ہوگی تو وہ ایک نایاب چیز ہوگی۔ آشا ہے، آپ کرپا کریں گے۔ سب باتوں کا خیال کرتے ہوئے اس گلب کے لیے آپ جو کچھ سیوہ زرد حارت کریں گے، اسے بنا کسی آنا کافی کے حاضر کر دوں گا۔

آپ سے نہیں کی آشا نہیں ہے۔ فروری کے انت تک بھی آپ بھیج دیں تو کام چل جائے گا، کیونکہ شروع مارچ سے چھپائی آرمہ کر دینے کا دھار ہے۔
کرپا اتر شکھر دیجیے گا، نہیں تو چٹا بنی رہے گی، آشا ہے آپ پرسن ہوں گے۔
کرپیشی، اپورماند

سیّد احمد شاہد، لاہور کا خط

آتم چند کپور اینڈ سنس،

انارکلی، لاہور

11-02-1931

جناب کرمی منشی صاحب، تسلیم!

میں نے اس روز آپ کی بہت انتظار کی اور مجھے خود آپ کے گھر کا پتہ معلوم نہ تھا۔ اس لیے نہایت انسوس کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔
مجھے اس روز آپ سے بہت باتیں کرنی تھیں اور کچھ نہ کچھ فیصلہ ہو ہی جاتا۔ مگر اب آئندہ ملاقات ہوگی، یا آپ نے خط و کتابت کا سلسلہ میرے اوپر کے پریشنگ پتے پر جاری رکھا تو میں خود ضرور اپنے خیالات سے آپ کو اطلاع دوں گا اور شاید یہ ہماری ملاقات ہم دونوں صاحبوں کے لیے ہماری آئندہ زندگی میں آزادی کا پیام دے اور ان سرمایہ داروں کے بچے سے نجات دلائے۔

میں ضرور آپ کو کھلم کھلا لکھ دیتا، کیونکہ میں بھی ابھی تک ملازمت کے جنجال میں پھنسا ہوا ہوں۔ تا وقت کہ آپ مجھے پوری پوری تسلی بذریعہ خط نہ دلو دیں کہ آپ میرے

اس معاملے کے متعلق کسی سے ذکر نہ کریں گے (اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ "Business is secret" تب تک مجھے صاف لکھنے کی جرات نہیں ہو سکتی۔

امید ہے آپ مجھے جواب عنایت فرما دیں گے، تاکہ میں آئندہ خط میں واضح طور پر لکھ سکوں۔

دعا گو، سید احمد شاہد

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہوت رائے اینڈ سنس،

لاہور

18-02-1931

شری یت نشی پریم چند جی، منستے!

بہ وجہ ہڑتالوں کے مطلوبات روانہ نہ کر سکا۔ پرسوں سے بخار میں میں بھی مبتلا ہو گیا۔ آج قدر اتفاق ہے، اس لیے بینک نہیں جا سکا، ورنہ بینک میں روپے دے کر ڈرافٹ بھیجوا دیتا۔ آدمی جلسوں پر گئے ہوئے ہیں۔ کل بھگت سنگھ ڈے پر ہڑتال تھی، چیک مبلغ 50 روپیہ نمبر A-48598 پنجاب نیشنل بینک کا ارسال خدمت ہے۔ اپنے بینک میں اسے دے دیں۔ مزید روپیہ بھیجنے کی کوشش کروں گا اور عنقریب ارسال خدمت کر دوں گا۔ کتاب برائے کتابت دے دی گئی ہے، باقی کا مسودہ جلد بھیج کر مفکور فرمائیں۔

کوئی سیوا؟

سوم پرکاش سہنی

جینندر کمار کا خط

ایڈیشن جیل، گجرات

22 فروری 1931

بلائی،

آپ کا پتہ ملا، اس سے ایک ہی روز پہلے ایک کارڈ میں نے لکھا تھا۔ 'نہس' کی اور

کتابوں کی پرتکھا میں ہوں۔ میں سویم آپ سے ملنے کو بھوکا ہوں۔ آپ ہی گھر پر دلی آ سکیں گے اس سے تو بڑھ کر بھاگیہ ہی کیا ہوگا۔ میں اگلے مہینے کی سہت پر چھوٹوں گا۔ ٹھیک تیتھی لکھنا تو سہمو نہیں۔ ’کلیان‘ کا دھیٹاک کب نکلا ہے؟ میں اوشیہ اس کے لیے لکھوں گا، لیکن جان پڑتا ہے ابھی جلدی نہیں ہے۔ آپ کی سیوا اور آگیا پالن کے لیے میں تیار ہوں ہی۔ جب اور جیسی آگیا ہوگی ’ہنس‘ کے لیے لکھنے کا تین کروں گا۔ آپ کا فروری کا اکب کب تک ٹکے گا کیونکہ اس کہانی کی ہندی گرنہ رتا کر جو میرا سگرہ نکال رہے ہیں اس کے لیے آڈیٹا ہے۔ کیا یہ ہو سکے گا کہ اس کی پرتی ہی بہتی پہنچ جائے؟ اور آپ کیا نول کشور پریس سے سہندھ توڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو گاؤں میں بیٹھ جانے کے بارے میں لکھتے ہیں؟ ’مادھوری‘ کا کیا حال ہے۔ ویش سب کوشل ہے۔

دینت

جیندر کمار

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہوت رائے اینڈ سنس،

لاہور

25-02-1931

شری یت فشی پریم چند جی، نمتے!

آمدہ کارڈ ملا۔ کل میں شادی سے واپس آ رہا ہوں۔ باہر گیا ہوا تھا۔ آپ نے پہلے کارڈ میں لکھا تھا کہ میرے پاس 50 روپے کا انتظام ہو سکا، تو پچاس روپے ارسال خدمت کر دیے گئے۔ اب آپ کو مزید لکھنے پر مبلغ ایک سو روپے کا ایک اور چیک ارسال خدمت کر دیا گیا ہے، اور اتنے کا ہی انتظام ہو سکا ہے۔ امید ہے کہ اسے قبول فرما کر مشکور کریں گے۔

اور کوئی سیوا؟

آپ کا،

سوم پرکاش سہنی

دیوکی کمار بوس کا خط

7, Nabin Sarkar Lane,

Bagbazar, Calcutta

26.2.31

Dear Mr. Premchand,

Hope this letter will find you alright. All these days I had been expecting for a letter from you. And before I learn from you finally about the Royal Film Company's affair, I cannot talk with my film concern here. Have you received a letter from them? Even if they are not willing to accept my services, please let me know of that as soon as you know it. Of course, I am sure, you will exert all your influence in this matter.

I am sorry to trouble you like this but, I admit, I will be greatly relieved after I receive a letter from you very soon.

Thanking you always,

Yours truly,

Debaki Kumar Bose

دیانزائن نگم کا خط

کانپور

13 مارچ، 1931

بھائی صاحب، تسلیم!

آپ کا خط ملا، جواب میں تین چار روز کی دیر ہوئی۔ اس کے لیے خاستکار معافی ہوں۔ آپ نے پہلے سے اطلاع دینے کی کوشش کی، اس کے لیے شکریہ لیکن آخر میں آپ نے لکھا ہے کہ آپ جواب مع چیک کے منتظر ہیں۔ جواب میں دیر کی اصل وجہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ چیک بھیجنے کا خیال تھا۔ حتی المقدور تعمیل ارشاد کر رہا ہوں۔ میں آپ کا

مسنون احسان ہوں اور جب آپ خود بھی تفکرات میں گرفتار ہیں تو اپنے رودات اور آنے والے اخراجات کا ذکر کر کے پریشان نہ کروں گا۔ میں ضرور آرام سے رہتا ہوں، لیکن اصل حالات آپ سے پوشیدہ ہیں۔ باقی ماندہ آئندہ نومبر میں واپس کر دیں گے۔ آنے والے چھ ماہ تک مجھ کو کوئی مدد نہ مل سکے گی۔ لڑکے کی تعلیم کی تکمیل میں پھر ایک سال باقی ہے۔ 1 مئی کو رام سرن جی کی لڑکی کا ۰۰۰ کی بھانجی کا دیواہ ہے۔ رام سرن جی کی لڑکی کی شادی سیتا پور ہی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح آپ کے اصل رقم کی ادائیگی کی شروعات اس سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ البتہ سود کی رقم، جو اب تک جمع ہو گئی ہے، اور کچھ بک انجینی کا حساب صاف کیے دیتا ہوں۔ کل رقم ملا کر 325 یا اس سے کچھ زائد ہوگی۔ البتہ شرح سود xx کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اجر بیجا ہے، کیونکہ آپ خود ایک پرانے خط میں چھ فیصدی کی مانگ کر چکے ہیں۔ سود مرکب نہ پہلے ہی کبھی دیا۔ اور نہ الٹرتبہ اس کے بارے میں پہلے کے خط میں فی صدی کا ذکر جو آپ نے کیا ہے، وہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کو سود کا حق نہیں ہے، مگر سود مرکب کا حق نہیں ہے، مگر ایک دفع بات ہو جانے کے بعد اب ترمیم درست نہیں ہے۔ سو روپے کا چیک پچھلے وقت غالباً میں نے حساب بھی بیجا تھا۔ اس کی نقل میرے پاس موجود ہے۔ اس میں 30 اگست 1930 تک کا حساب یہ کیا گیا ہے۔

Interest of 500/- from 02-06-25 to 30-06-28 @6%	97-8-0
Interest of 300/- from 01-08-25 to 30-08-28 @6%	55-08-0
Interest of 800 from 01-09-28 to 30-08-30 @ 6%	96-0-0
Total	249-0-0
Less paid by cheque on 09-06-30	Rs. 100
Balance to be paid	Rs 149
Add. to this interest of 800/- from 01-09-30 to 28-02-31	24-0-0
Total due up to 28-02-1931	Rs. 173-0-0

وہ چیک محفوظ ہے۔ جس کا مذکورہ حساب سے 1 مارچ، 1931 تک کا سود ادا کیجیے۔

آئینہ سے چونکہ اپنے سود مرکب کا ذکر کیا ہے، اس لیے جب تک کچھ رقم ادا نہ ہو جائے، چھ ماہ میں ہی سود ادا ہو جاوے گا۔ آپ بھی منگا لیا کریں اور میں بھی خیال رکھوں گا۔ اب تک مجھ سے غفلت اور کوتاہی ضرور ہوئی اگر سود مرکب کا ذکر میرے کان میں پر جاتا تو میں کاہلی سے کام نہ لیتا۔

آئندہ اگر چھ ماہ سود کی ادائیگی میں دیر ہوگی تو سود مرکب میرے ذمے ہو جاوے گا۔ کتابوں کا حساب کچھ زائد ہی ہے، صحیح رقم سے جلد مطلع کروں گا۔ اس وقت میرے منبر گھر گئے ہوئے ہیں۔ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ ان کی واپسی پر پرچہ حساب، جیسا آپ چاہتے ہیں، جلد اس لیے ہوگا اور اگلے ماہ تک جلد رقم واجب الادا بیاک ہو جاوے گی۔ جہاں تک میرا خیال ہے، 1929 تک کا حساب بیاک ہے۔ صرف 1930 کا حساب باقی ہے۔ ایک بات ضرور گوش گزار کیے دیتا ہوں، چند کتاب بہت ہی خراب اور بوسیدہ تھیں۔ یہاں بھی چند کو دیمک نے خراب کر دیا۔ ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ میں نام ہو کر آپ کی یہ شرط پوری نہیں کر پاؤں گا، مگر رقم مطلوبہ کے 325 یا اس سے کچھ زائد پہنچ جاویں گے۔ امید ہے، حالت پر غور کر کے آپ یہ نہ تصور کریں گے کہ میں نے قصداً کوتاہی کی ہے۔ حتیٰ الوسع میں نے یہی کوشش کی ہے جو کچھ امکان ہو پیش کر دو۔ رقم کی تبدیلی کے لیے ابھی چھ ماہ کا عرصہ باقی ہے، جب چاہیے گا تبدیل کر دوں گا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، بچوں کو دعا۔ رسید سے مشکور فرمائیں۔

آپ کا،

دیا نارائن گم

جینندر کمار کا خط

اجیریکپ کانگریس، کراچی

23 مارچ 1931

شرورے،

آپ کا پتر ملا تھا۔ ’ضمن‘ بھی مل گیا تھا، پڑھ بھی نہ پایا کہ رشتہ چرن اٹھا لیا گیا۔

اب دہلی جا کر پڑھوں گا اور اپنی ستمی لکھوں گا۔ ستمی اچھی کے بجائے اور کچھ تو ہونے سے رہی۔ کچھ پڑھ نہ پڑھ لیتا، اتنا تو تب بھی کہہ سکتا تھا۔ یہاں کل آیا، پہلی یا دوسری کو ممبئی جاؤں گا۔ اس پتر کا اثر جو آپ لکھیں ممبئی پریم جی کے پتے پر دیں۔ 'ہنس' کا فروری کا ایک بھی وہیں بھجوا دیں۔ آپ نے 'کنکال' اور 'شرابی' کا ذکر تو کیا، بھیجا نہیں۔ مل جائے تو انھیں ممبئی بھجوا سکتے ہیں، راستہ کاٹنے کو کچھ سامان ملے گا، کیوں کہ ساتھ میں میرے کوئی کتاب نہیں ہیں۔

دشیس لکھل ہے۔

یہاں چہل، پہل ہے۔ نوجوانوں نے موقع دیکھا ہے، اٹھ رہے ہیں اور گاندھی جی کو بیٹھا دینا چاہتے ہیں۔ یہ جانتے نہیں کہ گاندھی مر کر ہی بیٹھے گا۔ پڑھے لکھے اہمیت نوجوانوں کی بات تھوڑا بہت تماشہ آدھیہ دیکھائے گی۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ دشیس لکھل ہے۔

آپ کا

جینندر

شری رام شرما کا خط

گرام۔ بکر پور

پ. آ. ماکھنور، ای. آئی. آر.

ج. من پوری

26.3.1931

پریم بابو جی

پرنام!

'ہنس' کی ایک پرتی کل شام کو ملی۔ اس کرپا، اور کرپا سے اڑھیک اسید، کے لیے کورا دھنیہ واد کیوں دوں؟ آپ کی اس کرپا کے لیے آہماری ہوں۔

پنک پڑھنے میں اتنا لپت ہو گیا کہ اسے سہات کر کے ہی چھوڑا اور ایکہ کی دو کیا ریاں بھی نہیں گونزی۔

ابھی ابھی شری مٹی شرما نے اس کا پڑھنا آرمہ کیا ہے۔ آج دیر تک دیا جلے گا۔ بنا
 سہاہت کیے وہ اس پُتک کو رکھنے والی نہیں۔
 اپنی سہتی بھیجوں؟ کبھی کبھی طبیعت کہتی ہے کہ اپنیاس لکھنے کا ساہس کروں۔ پر،
 کداحت، جاننے ہوئے بھی سندھ چر چرن مجھ سے نہ ہو سکے۔ 'شکاں پُتک تو لکھ رہا
 ہوں۔

آپ کا
 شری رام شرما

عبدالحق کا خط

مچ سندیش، بخارا روڈ، حیدرآباد (دکن)

28 مارچ، 1931

مکرمی و مظلومی، جناب تسلیم!

میں آپ سے بہت نامد ہوں کہ میں نے ریڈر کے لیے جو سبق آپ سے لکھوایا
 ہے، اس کا معاوضہ آپ کی خدمت میں اب تک نہ بھیج سکا۔ میں اس غلط فہمی میں رہا کہ
 اوروں کے ساتھ آپ کا معاوضہ بھی جا چکا ہے، لیکن اب جب دیکھا تو جناب اعلیٰ کا نام
 لسٹ میں نہ تھا۔ اس سے مجھے بہت شرمندگی ہوئی۔ امید ہے، آپ اس تاخیر کو معاف
 فرمائیں گے۔ ایک چیک اس میں مصنف کا نام ہے۔ مہربانی کر کے ایک رسید لکھ کر، بھیج
 دیجیے گا۔ نام کی وجہ سے مجھے تامل ہے۔ دونوں نام لکھ دیے ہیں۔ اگر اس کی وجہ سے
 روپے وصول کرنے میں دقت ہو تو چیک واپس بھیج دیجیے۔ میں مئی آرڈر کے ذریعے بھیج
 دوں گا۔

عبدالحق

سکریٹری، انجمن ترقی اردو

گوئند نارائن ہاکر اجین کا خط

اجین

31.3.1931

جناب من
تسلیم!

میں عرصے دارز سے آپ کے فسانے پڑھ کر لطف اٹھا رہا ہوں۔ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں کچھ تصنیف آپ کی پڑھتا رہا ہوں۔ جب آپ نے اردو سے توجہ ہٹا کر ہندی میں خامہ فرسائی شروع کی تو مجھے اردو زبان کی بد قسمتی پر واقعی افسوس ہوا، لیکن اس میں آپ کا کیا قصور تھا؟ آپ نے اپنی بے بسی کا اظہار 'پریم بیتی' کے دباچہ میں صاف الفاظ میں سنہ 29 ویں عیسوی کے آغاز میں ہی کر دیا تھا۔ حال میں حضرت نیاز کی ریشادوانیاں بھی میری نگاہ سے گزریں۔ مجھے حیرت ہے کہ انھوں نے بیہودہ حرکت کس طرح کی ان سے بے نیاز نہیں۔ بھوپال میں جب وہ ملازم تھے تو ان سے ملاقات ہو جاتی تھی، لیکن تعصب کی آگ کچھ ان لوگوں میں ہوتی ہی زیادہ ہے۔

اس وقت ایک خاص غرض سے آپ کو تکلیف دیتا ہوں وہ یہ کہ 'فسانہ آزاد' کی چاروں جلدوں میں سے جلد سازی کے ساتھ تھوڑا سا ظلم کیا گیا ہے، یعنی اس کے چند دلچسپ ابواب اٹھا دیے گئے ہیں۔ 1907 کے بعد سے جو اشاعتیں ہوئی ہیں، ان میں بہت سا حصہ اسی ایڈیشن کا غائب ہے۔ آپ کا نول کشور صاحب کے مطبع پر کافی اثر ہے۔ کیا آپ یہ کوشش نہیں فرما سکتے ہیں کہ اصلی ایڈیشن سے مقابلہ کر کے آئندہ اشاعت میں کوئی حصہ بھی فسانے کا چھوڑا نہ جاوے۔ نکل آدے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ انگریزی افسانوں کے ترجمے آپ نے بہت سے کیے ہیں۔ Maud Diver کی کتابوں کی جانب توجہ کیجیے۔

1. Lilamani 2. Far to Seek

خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں۔ ان معصمہ کی کوشش تو یہ ہے کہ مغرب اور مشرق میں ایک قسم کا سمجھوتہ کرا دیں، لیکن اصلی سڑک کو یہ بھی نہیں چھوٹی۔ یعنی انگریزی ہیرو ہے

تو ہندوستانی ہیروئن۔ آخر Kipling کا کہنا ہی ماننا پڑتا ہے کہ East is East and west is west, and the shall never meet.

جب قصہ گوئی میں بھی ان کو ذرہ و ذرہ کا خیال ہے تو Compromise کا سوال ہی باقی کہاں رہتا ہے۔ کچھ تھوڑا سا تو جھکے، کہیں یہ بھی لکھ ڈالتی ہے کہ کسی Lord کی نور چشمی نے ایک ہندوستانی سے شادی کر لی۔ بے چاری وکنوریا کراس نے Anna Lombared نے اگر اسی قسم کا ایک سچ دکھا دیا تو انگریزی اخباروں نے اس کی دھجیاں اڑا دیں۔ مجھے افسوس ہے کہ بے وجہ کار سرکار اتنا وقت نہیں نکال سکتا ہوں کہ اس قسم کا کام انجام دے سکوں اور کچھ یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھ میں اتنی قابلیت نہیں۔ آپ البتہ ہندوستانی پبلک پر اس قصے کی کتابیں لکھ کر کافی اثر ڈال سکتے ہیں۔ Mrs. Diver's Desmond's Daughter بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ آئندہ ایک ناول ایسا تصنیف فرمائیے جو اس اسکرپٹ کے قطعی خلاف ہو۔ ساتھ ہی اس میں ہندوستانیوں کی بھی تضحیک ہو جو باوجود اعلیٰ خاندان ہونے کے والا جی Shop girls سے ازدواج کر لیتے ہیں۔

خامہ خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ رسالہ 'فنس' کا پرچہ بذریعہ وی. پی. روانہ فرمائیے، بلکہ ماہ جنوری سے کل پرچے بھیج دیجیے۔

فقط بندہ

گوند زرائن ہاکر

Deputy Inspector General

Banks

Dewas gate, Ujjain

جینندر کمار کا خط

ہندی گرنٹھ رتاکار کاریالیہ، رگرگاؤں، بمبئی

6 مارچ 1931

بابو جی،

میں کراچی سے پرسوں یہاں پہنچا۔ 'فمن' جب چلنے والا ہی تھا کہ دلی میں ملا تھا۔ کچھ منٹ پڑھ پاتا ہوں کہ رجبہ اسے اٹھا لے گیا۔ ستمی اب دلی سے ہی لکھوں گا۔ فردری

کا 'نہن' کا ایک مجھے یہاں ملا۔ 'پرکھ' کی آپ کی آلوچنا تو چلتی سی رہی جیسے بہت بھیڑ کے وقت لکھی گئی ہو۔ یہاں سے دو ایک روز میں چلوں گا۔ جہانسی بھی ٹھہرنے کا دھار ہے۔ وہاں سوچتا ہوں سیدھا ورنداون لال جی ورما کے یہاں ہی پہنچوں اور ٹھہروں۔ جانتا نہیں تو کیا۔ آپ کی 'نہن' کی کہانی خوب ہے۔ آپ دلی کے پتے پر لکھیے گا کہ آپ دلی کب پدھاریے گا۔ میں نو دس تک دلی اوشیہ پہنچ جاؤں گا۔ ویش۔

آپ کا

جینندر کمار

جینندر کمار کا خط

پہاڑی دیرج، دلی

16 مارچ 1931

بابو جی،

آپ کا پتر ملا۔ میں یہاں تیرہ تاریخ کی صبح پہنچا۔ اسی دن شری سوامی آنند بھکسو جی سے ملنا ہوا تھا۔ ان سے معلوم ہوا تھا کہ آپ دیو شرما جی کو لاہور جاتے ہوئے سہارنپور کے اسٹیشن پر مل گئے تھے۔ میں اس سے یہ سمجھتا تھا کہ آپ ابھی لاہور ہی ہوں گے اور لوٹتے ہوئے ضرور دلی اتریں گے۔ اور میں ہر روز آپ کے یہاں آنے کی آشا کر رہا تھا۔ اس کے بدلے میں ملا آپ کا خط، جس سے معلوم ہوا کہ آپ لکھنؤ پہنچ گئے اور اب جلدی ادھر آنے والے ہیں نہیں۔ یہ تو سب کچھ بات نہ ہوئی۔ میں یہاں آپ کی صلاح اور مدد سے کچھ اپنی زندگی کی سمیاؤں کو حل کرنے کی سوچ رہا تھا۔ خیر۔ پرسکار کے بیس روپے مجھے پرسوں مل گئے۔ 'نہن' اب پڑھ رہا ہوں۔ کل تک پڑھ چکوں گا۔ پسند نہ آئے یہ تو ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ زیادہ ختم کرنے پر لکھوں گا۔

سوامی جی، آج معلوم ہوا لکھنؤ ہی گئے ہیں۔ وہ شاید آپ کو ملیں۔ ان سے آپ جانیں گے کہ یہاں نہ آکر آپ نے کیا اٹا چار کیا۔ میں آخر دلی آتا تھا ہی۔ اسٹیشن پر ہی نہیں تو ایک دن بعد سکی۔ میں یہاں حاضر ہو ہی جاتا۔ میرا آپ کو دیکھنے کو بڑا جی ہے۔ 'پرکھ' کی آپ کی آلوچنا سے میں اہمت ہوں، سو بات نہیں۔ اس دھمکن دواہ کے

بارے میں تو مجھے اب خیال ہوتا ہے کہ شاید کچھ Extraordinary کے موہ میں پڑ کر، کہ پتک جس سے اسادھارن بھیجیں، میں نے وہ بات اس طرح لکھی۔ اب سچ بچ لگتا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ موہ تھا اور میری کمی تھی۔ اور پتک کا پر سچے دیتے دیتے جو آپ پتک کار پر کچھ شبد لکھ گئے یہ مجھے بڑا پر یہ لگا۔ جیسے آپ اس لکھک کو پائٹک کے کٹ پہنچا دینا چاہتے ہیں اور ان میں آپس میں میل جول ہو جائے۔ لیکن پہلے کارڈ میں جو میں نے لکھا، اس کا آٹھ یہ تھا کہ پتک پر آپ کا وکیمہ اتنا سمجھت ہے کہ پتک کار جسے آپ سے اس کے کٹن دوشوں کی سمجھکا اور آلوچنا سننے کی اٹکلٹھا تھی سنٹ نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بھی وہ جو آپ سے کھری بات سننے کی ضد کرنے کا اپنا ادھکار سمجھنے لگ گیا ہے۔ آپ چاہیں تو 'مادھوری' یا اور کسی میں یا اس سے بھی اچھا مجھے، سمجھنا تک اپنی دسترست سہتی بھیج سکتے ہیں اور اس 'چلت چڑ' کے بارے میں بھی اپنی رائے لکھیں۔ میرے من میں ہو رہا ہے نہ جانے کیسی ہے کیسی نہیں۔ دوبارہ پڑھی تو سچ سچ میں کچھ گڑبڑ سی لگنے لگتی ہے۔ آپ اس پر سمجھک نہیں استاد کی حیثیت سے مجھے کچھ لکھیں۔ آپ کو یاد ہو کہ اس ملاقات کے وقت میں نے جب آپ سے اس کہانی کے قسیم کا ذکر کیا تھا تو آپ نے کچھ سند یہ سا پرکٹ کیا تھا۔ سو ہی سمجھا کر آپ مجھے لکھیں۔

میں یہاں بالکل سوسہ اور پرسن ہوں۔ اور ماتاجی اچھی طرح ہیں۔ اور سب بھی کشل پڑوک ہیں۔
میرے یگیہ سید لکھیں۔

آپ کا وکیمہ،

جیندر کار

جے. این. ورما، سمپادک 'گن سندری' کا خط

9th June, 31

Shriyut Premchandji esq.,

C/o The Saraswati Press

Allahabad.

Dear Sir,

We are in receipt of your kind letter dated 4th inst. and are extremely thankful to you for the frankness and kindness of heart shown there in.

You are quite right when you say that the Gujarati public should pay for the labour of others, and much more so for the labour of an author, enjoying all India reputation like yourself. We do not dispute this fact even for a moment and had it been in our power to pay you straight way for translation rights, we would have readily and gladly done so.

In order to explain our position in this matter, we will frankly put before you our circumstances from which you may be able to judge for yourself. Ours is a lady magazine and although it is the only one of its kind in Gujarati. It has hardly even reached a circulation of 2000 during the last 8 years of its existence. That is because many of our readers are not economically independent and the males are indifferent for their advancement.

The result is that we have to manage the magazine most economically. In fact, the management has lost after it about Rs. 1500/- in the first 3 years and thereafter we have been trying our level best to manage its affairs in a way so as to make it self-sufficient. The editors, the asstt. editors do not get a single pie out of its income. It is a labour of love for us. The contributors likewise are not paid anything. The editor house is its office and his servants are its servants. This is how we manage this magazine. Whatever income there is, is spent after it. We have never dreamt of making an income out of it for ourselves.

Under these circumstances, we have requested you for your

kind help, in the shape of translation rights of your very popular novel the GHABAN. We hope you will kindly accede to our request and help us thereby in serving the cause of our Gujarati sisters in some what better way.

We intend to publish the novel in a serial form in the magazine. But thereafter from the same compose, we intend to put it in a book-form also. That will mean that the printing of the book will cost less than otherwise. From the sale of this book we will be glad to give you some monetary compensation. Under such circumstances, we generally give the author 50 percent from the net profits. In this case we will leave it to you to fix your quota of the profits. Please let us know if that arrangement will satisfy you and you will be pleased to give us the translation rights.

If you are kindly agreeable, we will leave it to you to decide the number of copies to be printed and also to fix the price of the book for sale as well as the rate of commission for the booksellers.

Awaiting your favourable reply.

Yours very truly,
J. N. Varma
Editor

جیندر کمار کا خط

پہاڑی دھیرج، دلی

1931 جون 26

بابو جی،

آپ کے ہر کا جواب میں نے پرسوں دیا ہے یا کل۔ ملا ہوگا۔ 'واتائین' والی کہانی

کل ہی روانہ کر چکا ہوں۔ آج 'غبن' کی آلوچنا لکھتا تھا کہ بند دلارے واجپتی کا بہت بہت انورودھ کا پتر آپہنچا۔ 'بھارت' کے لیے کہانی چاہتے ہیں۔ کیونکہ ایسی آلوچنا لکھ چکے ہیں جو میرے بہت انوکول نہ تھی اس لیے بھی ان کے انورودھ کو ماننا ضروری ہو گیا ہے، کہیں وہ اور نہ سمجھیں۔ اس لیے اب وہیں لکھ رہا ہوں۔ یہ اس لیے آپ کو لکھتا ہوں کہ آپ 'بھارت' میں کہانی دیکھ کر مجھے الاہنا نہ دیں۔ کل آپ کی آلوچنا اور پھر جلدی ہی کہانی لکھوں گا۔ 'بھارت' میں آج ہندستانی اکیڈمی کی پرسکار سوچنا دیکھ پڑی۔ 'پرکھ' اور نئے چھپتے ہوئے سنگریہ 'واتائین' کی -تھاؤفیک پرتیاں -تھاستان بھیجنے کے لیے بھیجی لکھ رہا ہوں۔ مجھے وشواس ہے یہ میرا دستا بس نہیں ہے۔ 'واتائین' چھپتے ہی آپ کے پاس آئے گا۔ جلدی ہی چھپ جائے گا۔
 شیش مکمل ہے۔

ونیت

جینندر کمار

رنکیل داس کپاڑیا کا خط

Maharaj Mansion,

Sandhurit Road, Bombay

29th June, 1931

My dear Prem Chandji,

I am writing to you after months. Since my release from jail where I passed 6 months, I was often thinking of writing to you, but almost constantly on the move in the villages, it had to be put-off till now. You when connected with the 'Madhuri' sent me the monthly & books regularly. In jail I came across a copy of the new monthly 'Hans'. I wonder why you did not place me on list. I should certainly like to keep in touch with it. Besides, I have one more request to make to you. Can you make it convenient to collect all your books-new 'Gabun' includes and

send me a complete set. I am fond of works from the masters pen of Premchand. I am sending you separate a copy of the 'Vanguard' & you will find that I have reviewed several Hindi works there. I am in charge of that. I trust you would judge it.

Thanking you in anticipation,

With regards,

Yours Sincerely,
Rangildas Kapadia

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہور رائے اینڈ سنس،

لاہور

29 جولائی، 1931

شری یت منشی جی، نمستے!

ایک ہفتہ ہوا، میں لاہور واپس آیا۔ قبل اس کے سردار صاحب نے دو عدد خط کا تب کو لکھے، مگر ان کا جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ آپ کے خط ملے تھے۔ میں نے آتے ہی پھر جنوں چٹھی لکھی۔ اس کے جواب کی انتظاری تک جان بوجھ کر خاموشی اختیار کی آج ہی مجھے جنوں سے چٹھی موصول ہوئی ہے۔ وہ مضمون 350 صفحات کا ہے، 250 صفحے تک کتاب ہو چکی ہے۔ باقی کا مضمون جلدی بھیج دیں۔ مضمون کے ساتھ کتاب کا مختصر اشتہار بنا کر بھی دیں گے تاکہ جیوں ہی کتاب ختم ہو، نئی کتاب کا اشتہار ہی کر دیا جاوے۔

تاکیداً عرض ہے، کوئی سیوا میرے یوکیہ؟ جواب سے جلدی فرمادیں گے، کیونکہ میں کشمیر جا رہا ہوں۔ کیا آپ کے پاس اپنا شائع شدہ کتب کا اشاک موجود ہے؟ ہو تو لکھیں گے، تاکہ ان کی چند کاپیاں منگوا لی جائیں۔ اگر اس کتاب کے دو حصے بنوانے ہوں تو پہلا حصہ کہاں تک ہو، یہ آپ ہی لکھیں۔ دو حصوں میں جاویں تو قیمت ٹھیک وصول ہو سکتی ہے۔ پہلے حصے کی اشاعت اپنے ہاتھ میں ہوگی۔

سوم پرکاش

سوم پرکاش سنہنی کا خط

لاہور رائے اینڈ سنس،

لاہور

29-08-1931

شری یٹ فشی جی، محنتی!

بقایا مضمون کی صرف نو کاپیاں بنی ہیں۔ مضمون باقی کا بھیج دیں گے، کیونکہ کتاب ختم ہونے والی ہے۔ کتابوں کے لیے عرض ہے کہ اگر اپنے سو روپے کے مال پر صرف 30% ہی دینا ہے تو کیوں نہ 20-25 روپے کی کتب (کتابیں) منگوا لی جاویں، چاہے اس پر 25% ملیں۔ دکاندار زیادہ رقم کا مال اس شرط پر اٹھا سکتا ہے جب کہ اسے معقول کمیشن ملے۔ مکرر عرض ہے کہ باقی کا مسودہ بہ واپسی ڈاک بھیجنے کی کراپا کریں۔ کوئی سیوا؟

خادم،

لاہور رائے

موہن سنگھ سینگر کا خط

Captain Buildings,

Jodhpur.

5.9.31

Dear Sir,

I am sorry, after leaving 'Abhyudaya', I was not favoured with any letter from you. About a month or so, previously, I had sent you a story headed 'क्रान्तिकारी' for favour of publication in your esteemed monthly, the 'Hans', but I am astonished to find that no reply has yet been received. Would you be kind enough to let me know whether you intend to publish it or not. If not, I shall feel much obliged if you kindly return it by the return of

mail. Hoping it would find you as hail & hearty as it leaves us.

Awaiting your reply,

Very truly yours,

K. Mohan Singh Sengar,

Ex-Editor 'Abhyudaya'

جنارون پرساد جھا ”دویوج“ کا خط

کا کا بھون، سگرا، بنارس،

06-09-1931

میرے آدنیہ ماسٹر صاحب جی،

آپ نے اپنے کرپا پتر میں یہ نہیں لکھا کہ آپ کے اپنیاس گرنقوں کا پرکاشن کس کرم سے ہوا ہے۔ اور ان کا رچنا کرم کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس طرح ہے:

1۔ وردان 5۔ کایا کلپ

2۔ سیواسدن 6۔ نرطا

3۔ پریم آشرم 7۔ پرتیکیا

4۔ رنگ بھومی 8۔ نین

اگر اس کرم ودھان میں کوئی تڑی ہو تو کرپا سداہار کر شکھر بتائیں، میں اب شروع کرنے والا ہوں۔ شیش کھل۔

آپ کا، جنارون پرساد جھا

پرواسی لال کا خط

سرسوتی پریس، کاشی،

08-09-1931

شر بھائی صاحب،

پچھلے پتروں کا اتر اس پر کار ہے۔ ”نہن“ ٹکھڑ گیا؛ پر اس انواریہ ولب کا دوش

مجھ پر نہیں ہے۔ یہ آپ نے سمجھ لیا ہوگا۔ پھر یکساں ہونے کے کارن اتنا بچہرا بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ستمبر کا ایک بھی 15-20 تک آوٹ کر دیا جاتا ہے۔

پریس کا حساب جو آپ کے پاس بھیجا گیا، اس میں کچھ بھرم ہو گیا۔ معمولی طور پر جو سادھارن دینک آئے ہوتی ہے، وہ لکھ دی گئی ہے۔ اس کے انوسار سمجھنے میں گھٹا معلوم ہوگا؛ پر واسٹو میں ایسی بات نہیں ہے۔ یہ سادھارن سی بات ہے کہ کام خرچ سے ادھک ہی ہوتا ہے۔ منظم جی نے معمولی آمدنی۔ جو دینک ہے۔ لکھ دی؛ اور خرچ لکھ دیا، پر واسٹو میں تین مہینوں میں جو کام پریس نے کیا، وہ آمدنی ہے۔ اس حساب سے دینک کاریہ وورن کے انوسار۔ ان تین مہینوں میں 112 فرم چھپے اور اوسط 1232 روپے کا کام ہوا۔ 300 روپے کا کام ٹرڈل پر ہوا۔ لگ بھگ 200 روپے کا دفتری خانے کا۔ اس پر کار کل کام لگ بھگ 1700 روپے کا ہوا۔ یہ دھیان رہے کہ جون کامینہ بھی اسی میں شامل ہے، جس میں بہت ہی کام ہوا کرتا ہے۔ اس مہینے میں انیک پریس پرایہ بند ہو جاتے ہیں۔ اسٹو۔

آپ نے جو 1409 روپے 2 آنا سمجھا ہے، وہ غلط ہے۔ اس میں لگ بھگ 200 روپے تو استھائی خرچ کھاتے کا ہی ہے۔ یہ روپیہ ٹائپ، کیس بلاک، ہاٹ پریس، ٹائپ رائیٹر آدی استھائی وسٹو خرید کھاتے میں دیا گیا ہے۔ اصل میں جلدی کے کارن میں حساب سمجھ نہیں سکا، اور منظم جی کا بنایا ہوا، جیوں کا تہوں بھیج دیا۔ اصل خرچ تو وجین، میرا الاؤنس تھا رکرایا مکان ہے۔ پوسٹیز خرچ کھاتے میں جو 71 روپے 3 آنا پڑا ہے، وہ بھی سب پریس کا نہیں ہے۔ اس پر کار پریس کا واسٹو خرچ 1200 روپے سے بھی کم تین ماس کا رہ جاتا ہے۔ آپ پھر سے سمجھ لیں۔ جولائی اگست میں بھی اشوری کرپا سے اتنا اچھا کام کیا گیا ہے۔ 6-7 سو بلنک سے کم کا نہ اترے گا۔ حساب آپ کو بھلی بھائی سمجھایا نہ جا سکا، اس سے آپ نے نقصان کا خیال کر لیا؛ پر واسٹو میں ایسی بات نہیں ہے۔ میرے پاس تین برسوں کا کاریہ وورن شروع سے ہی بتایا لکھا ہوا تیار ہے، اس سے آپ حساب دیکھیں۔ گو کہ جس نئے آپ آئے تھے، اس نئے بھول سے آپ کو کاریہ وورن نہ دکھلا سکا۔ تو آپ کو ابھی تک برسوں کے کام میں لایہ ہی لایہ دکھے گا، نقصان ذرا بھی نہیں۔ بات بھی دراصل یہی ہے۔ پر لوگوں پر باقی بہت ہے اور میرا تین سال کا انویجو یہ کہتا ہے

کہ بتا 2500-2000 روپے لوگوں پر باقی رہے پرپس کا کام ہی نہیں چل سلا؛ ہاں نیا پڑانا ہوتا رہے گا۔ پچھلا باقی وصول ہوگا، تو نیا لہنا بڑھتا جائے گا۔ آپ ایک بار آکر بمائی صاحب بابو بلدیو لال جی کے ساتھ بیٹھ کر حساب پھر سے سمجھ لیں۔ میرا نیچے مت ہے کہ نقصان کبھی نہیں ہوا، نہ ہوگا۔ سمجھنے کا بھرم ہے، بس۔

آپ نے دین میں 20% کی کرنے کے لیے لکھا ہے، پر پور نیچے کے انوسار 15 جن سے سنے بڑھا دیا گیا۔ 7 سے 8 گھنٹے کر دیے گئے۔ اس سے ادھک اکسمو ہے۔ اتنا کرنے میں جو کٹھنائیاں لایستجھ ہوئی تھیں، انھیں میں ہی جانتا ہوں۔ آپ نے اوپوکت کم معلوم نہ ہونے کے کارن ہی شاید 20% کی کمی والی بات لکھی ہوگی۔ پر اس کی آڈیٹکا نہیں۔ کام بہت ہی کس کر لیا جا رہا ہے، ایسا کہ جس میں ایک چمدام کا بھی نقصان نہ ہو۔ کام ادھک سے ادھک لینے اور لوگوں کو اس کے لیے کافی تنگ کرنے کے لیے تو دوسرے پریس والوں نے مجھے بدنام سا کر دیا ہے۔ مجھ سے بڑھ کر کس کر کام لینے والا شاید ہی دوسرا کوئی ہو۔ یہ ہے کام کے وٹے میں بات۔ اب اگر یہ بھی آپ کو سوکار نہ ہو، تو آپ جیسا کہیں کیا جائے، پر یہ نیچے ہے کہ اس سے آگے ایک پگ بھی نہ بڑھا جائے گا اور بڑھنے کی چھٹا کی گئی تو اوشیہ ہی پریس بند کر دینا پڑے گا۔ جیسی ایکشا ہو، لکھیں۔

آپ نے آگے سے یعنی اسی ستمبر سے پستکالیہ کا روپیہ الگ جمع کرنے کو لکھا ہے، سو ٹھیک ہے۔ مجھے یہ سوکار ہے۔ ابھی تک جو پستکالیہ کی آمدنی پریس میں خرچ کی جاتی تھی، یا ہوگئی، سو پریس کا پستکالیہ کی اور ابھی تک کچھ نہ کچھ باقی ہی ہے، اس لیے روپیہ لیا گیا۔ آگے بھی جو پریس کا باقی ہوگا، وہ دینا پڑے گا۔ آپ کا اور میرا لالہ گت وٹش آوشیہ ہی ”ہنس“ کے نقصان میں گیا۔ رائیٹی آپ کو کہاں سے ملتی؟ جب کہ پریس کا بل ہی چکتا نہیں ہوا۔ اگر کاغذ چھپائی وغیرہ کا روپیہ پریس کو نقد ملتا، تو جو آمدنی پریس نے لی یا لے رہا ہے، وہ آپ ہی کو پہلے ملتی۔ مجھے کھید تو یہ ہے کہ کتابوں کے مدد میں ایک پیسہ آپ نے نہیں دیا اور ہر دیہ میں اتنا ڈکھ ماننے ہیں۔ آپ کی رائیٹی چوکس ہے، صحیح ہے، وہ کہیں جاتی نہیں۔ اب جو کتابیں بچی ہیں، ان سے آپ رائیٹی لیجیے، نفع لیجیے اور مجھے بھی نفع دیجیے۔ اس مہینے سے میں پستکالیہ کی آمدنی الگ جمع کروں گا۔

بیاج والی بات بھی ٹھیک ہے۔ گرت درشوں کا بیاج تو پستکالیہ کی مد میں خرچ ہو گیا تھا۔ اب بیج سکتا ہے۔ پر آگے بیاج آپ پر تنی ماس چاہتے ہیں، تو آگے پٹکیں چھپانے کے لیے روپیہ بھی اپنے پاس سے دیجیے گا۔ سمجھ لیجیے۔

ایک بات اور۔ پہلے سے ہی ایک غلطی ہو گئی ہے۔ 50 روپیہ ملےک ٹاپ مہسائی تو لگ بھگ واجب ہے؛ پر پریس کا مولیہ 10000 قائم کر کے جو آٹھ آنا سیکوے کے بیاج سے 50 روپیہ ماسک نیت کر لیا گیا ہے، وہ کچھ غلط اور انوچت ضرور ہے۔ کیونکہ پریس کی قیمت اب ملا کر 5000 سے ادھک نہیں ہو سکتی۔ پر آپ ہی وچار کر لیں، شانتی پوروک۔ جیسی آپ کی رائے ہو۔ وہ مجھے سوکار ہے۔ جب حساب کی درشی سے پوچھا جا رہا ہے، تو میں نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ ویسے میں نے آج تک اس وشیہ پر وچار ہی نہیں کیا تھا۔ اب آپ جو نچت کریں، بیاج پر تنی ماس یا پر تنی تریامک دیا جایا کرے۔

ایک بات کا کھید مجھے بھی ہے اور بڑا ہے۔ وہ یہ کہ اتنا پر تنی کرنے والے شخص پر بھی یہ روش کیا جا رہا ہے کہ وہ 50 روپیہ ملےک کیوں لیتا ہے۔ بھلا یہ کہنا کہاں تک اچت ہے، اسے آپ ہی سوچیں، بھلا جس آدمی نے اپنی جان لڑا کر، آپ کے پریس کی پر تشھا بڑھائی ہو، سمجھتی بڑھائی ہو، وہ اتنا بھی نہ لے گا، تو کیا کہیں سے چوری کر کے گذر کرتا؟ میں سچے ہر دیہ سے ایشور کو شاکشی کر کے کہتا ہوں کہ جس ہر دیہ سے پر تنی سے میں نے کام کیا ہے، اتنا کام دیا کام میں کہیں بھی کرتا تو 100/150 کی آمدنی نہ گئی تھی۔ پھر بھی مجھ پر لائنچن ہے۔ حساب آپ پائی پائی کا سمجھیں جو اچت ہے؛ پر یہ زبردستی کا دوش تو نہ لگاویں کہ میں نے پریس سے اتنا بے ارتھ وصول کر لیا۔ آپ ہی اپنے بنای ہر دیہ سے وچار کر دیکھیں۔ میرے پر تنی کو جب سب سراہتے ہیں، تب میں اپنے آپ کیا سراہنا کروں؟ خیر۔

میں اس بات کو کبھی سوکار نہیں کر سکتا کہ پریس میں گھاتا ہے۔ آپ نے تو کلکتہ تک یہ بات پھیلا دی ہے۔ جو اچت نہیں ہے۔ آپ میرے بڑے ہیں، آپ سے کیا کہوں، پر یہ میری سمجھ ہی نہیں آتا ہے کہ اتنی تن توڑ محنت کرنے پر بھی گھائے کا نام کیوں آتا ہے؟

اب رعی ”نہس“ کی بات۔ ”نہس“ سے آوشیہ گھاتا ہوا ہے۔ پر، اسی درش پر بھتہ گھاتا

سے بچنے کا ڈول کیا جائے گا۔ اس ورش جو بھی پرتین کیا جائے گا، اس سے پیچھے نہ ہٹا جائے گا۔ اور وشواس ہے، اس سال گھانا نہ رہے گا۔

پریس کا کام بھی سلسلے میں چل رہا ہے۔ کام کی کمی نہیں ہے، نہ رہے گی۔ کام اور بھی بڑھانے کا تین کیا جائے گا۔ اچھا ہو، آپ ادھر کا سب حساب سمجھ کر کسی ماس تک حساب نکال لیں اور آگے کے لیے مجھ سے بھی شرطیں لکھا لیں اور آپ بھی لکھ دیں۔ ویسے، میں آپ کی زبان پر ہمیشہ اعتبار کروں گا، کرتا رہوں گا۔ پر آگے پھر بھرم نہ ہو، اس لیے کہہ رہا ہوں

اگر آپ کے سپہوگ کا مجھے کورو نہ ہوتا، میں کورو نہ سمجھتا، تو ابھی تک یہاں کے بکٹ منزل کے پھیر میں پڑ گیا ہوتا اور نیا پریس چلانے لگتا؛ پر میرا ایسور ہی جانتا ہے کہ میں نے ہر بار صاف انکار کیا ہے اور ہر بات میں، آپ کی پرتشٹھا کو اونچا رکھا اور سدیبوہار کو سراہا ہے۔ آج بھی لوگوں کا پریس کرنے کا وچار ہے، لمیٹڈ روپ میں؛ میں نے بار بار انھیں پریشانی سمجھا کر شانت کیا ہے۔ مطلب یہ کہ میرا ہر ذیہ ہی جانتا ہے کہ آپ کے پرتی میرا وشواس اور شردھا کہاں تک ہے۔ یہی کارن ہے کہ میں نے پریس کو اپنا سمجھ کر چلایا ہے۔ پھر بھی جب مجھے اتنی پھٹکار سننی پڑتی ہے، اور وارثہ، تو ہر ذیہ چھبھہ ہو جاتا ہے۔ ویسے اب ایسور کی کرپا ہے اور آپ کے آئرواد سے 100 روپیہ مہینہ کی آمدنی کر لینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

آپ کے یہاں آنے کا ڈھنگ مجھے معلوم نہیں تھا، ایتھا میں نہیں بلاتا۔ میرا یہ خیال تھا کہ آپ واسٹو میں نوکری چھوڑ رہے ہیں؛ اس لیے جتنی بھی جلدی آجائیں، آئیں پر اب اصلی حالت معلوم ہوئی۔ ایسی وشا میں میں کچھ نہیں کہوں گا؛ پر یڈی آپ یہاں پریس سنبھالنے کے خیال سے آنا چاہیں، تو اوشیہ آئیں، میرا خیال کبھی نہ کریں، کچھ نہ کریں۔ آپ کے آئرواد سے میں بھی کچھ کر ہی لوں گا۔ مجھے اب چٹنا نہیں ہے۔ آپ جس پرکار خوش رہیں، اسی میں مجھے خوشی ہوگی۔ یہ سنیہ کھیے۔ پر، اتنا کہنے کا مجھے ادھکار ہے کہ میرے تین برسوں کو مٹی میں نہ ملا دیا جائے اس کا دھیان رہے، مجھے اس پر پورا موہ ہے پریس کے کام سے پریم ہے۔ پریس اگر کوئی دوسرا آدمی، سستا چلا سکے، تو اس سے بھی پرتین کرا لیجیے۔ میں آپ سے بھی شردھا رکھ کر ہی سچے ہر ذیہ سے لکھ رہا ہوں۔

جیسی لہتا ہو، آپ مجھے سوچت کریں۔ میری اور سے آپ کو کبھی ڈکھت نہ ہونا پڑے، یہی میں چاہتا ہوں۔

میں آٹھ نو دنوں میں آدیش کا دمن کر کے ہی یہ پتر شانت پت سے، خوب سوچ وچار کر لکھا ہے، پھر بھی کچھ انوپت لکھ گیا ہوں، تو چھوٹا سمجھ کر چھما ہی کیجیے گا۔ شیش ٹھہر۔

”ہنس“ جا رہا ہے۔ دی۔ پی۔ تھوڑی تھوڑی کر کے بھیجنے کا پربندہ کر رہا ہوں۔ اب کی بار بکٹ ہی بہت لگ جائے گا۔ پتروتر ثرت دیجیے گا۔

”ہنس“ کے دوسرے ایک کے لیے کہانی بھیجیے۔ ”مکتا۔ نغوشا“ اردو کی بھیجیے۔ اس دھیشاک کے دغیہ میں اپنی سمتی دیجیے۔ انیہ لوگوں نے کیسا پسند کیا، وہ بھی لکھیے۔

رگھوپت سہائے فراق کا خط

کچھری روڈ، الہ آباد

10 ستمبر 1931

بھائی جان، تسلیم!

ہفتوں ہوئے آپ کا خط ملا تھا۔ آپ کو شاید اس کا احساس بھی نہیں کہ مجھ میں قوت ارادی قریب قریب بالکل مفقود ہو چکی ہے اور احباب کی جب کوئی فرمائش کچھ بھی لکھنے پڑھنے کی ہوتی ہے تو ایک صدمہ ہوتا ہے۔ آپ تو مصنف ہیں، مگر جو مصنف نہیں ہے یا جس کے دل و دماغ کو کم از کم تصنیف کی مشق یا عادت نہیں ہے اور جس نے کبھی یوں ہی کچھ لکھ پڑھ دیا ہو، خصوصاً جب بے دلی کا اس پر اٹل تسلط ہو چکا ہو، وہ کیا لکھے پڑھے۔ اس کے علاوہ پانچ چھ برسوں سے سوا کچھ اردو اشعار کے ہندی کے پانچ سطر بھی جو دلچسپی اور انہماک سے نہ پڑھ سکا ہو ایسا شخص کرے تو کیا کرے۔ یقین مایہ اگر میں خود ہندی میں کچھ لکھوں تو دل اسے پڑھنے کو نہ ابھرے گا۔ اس معاملے میں میری روحانی موت ہو چکی ہے۔

فی الحال میرا حال یہ ہے کہ ملازمت یہاں پر ابھی مستقل نہیں ہے۔ ذمہ داریاں میری معمولی نہیں۔ تین اپنے بچے ہیں جو اب بڑھ گئے ہیں۔ دو بھائی ایف اے میں ہیں

جس کی ذمہ داریاں اس کی امیدوں اور خوشیوں یا خوش خیالیوں سے زیادہ ہیں۔ والدہ، بیوی اور میں خود۔ ان سب کے اخراجات کسی طرح کام چلا رہا ہوں اور سکون کی طرف سے اطمینان کی طرف سے ناامید ہو چکا ہوں۔ جو قرضہ لیا ہے اس کا خیازہ الگ بھگت رہا ہوں۔ انسان یہ سب اٹھالے بشرطیکہ کوئی مرکز اس کی دلچسپیوں کا ہو۔ یہی مرکز سہارا ہوتا ہے۔ ایسا بڑا شاعر بھی نہیں ہوں کہ زندگی سے مرکز شعر میں زندہ رہنے کی کوشش کروں۔ یا عمر طبعی کو بالکل تخلیق بنا ڈالوں۔ اس مصرعے کو دہرایا تو گنوار کرتے ہیں لیکن کتنے چپے کی بات ہے۔

’نہ خدا ہی ملا نہ وصال منم، نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے‘

بہر حال سکون یا اس کو ہی غنیمت جان کر صبر کیے رہا ہوں لیکن بھائی، وقت اور عمر کا ایک عجب اثر ہوتا ہے اور ایک بھیا تک اور تکلیف دہ گھبراہٹ اکثر روح کا گلا گھونٹ دیتی ہے اور سانس رک جاتی ہے۔ عمر بھر بے دل رہنے کا ایک تکلیف دہ اثر یہ ہوا کرتا ہے کہ کہنے کے لیے نہیں بلکہ درحقیقت جیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ خیر خود فراموشی کی مشق جھک مار کیے جاتا ہوں۔ ان سطور کو رسی ٹال منول یا ہمدردی حاصل کرنے کا بہانہ شاید آپ نہ تصور کریں گے۔

بھائی جان! گیتاجی کے قرضے کے لیے دو سو روپے سال آپ ضرور دیے جائیے۔ آپ کی فرض شناسی کا بہت سہارا ہے۔ ہاں مجھے اب تک کا حساب اگر ممکن ہو تو لکھ بھیجئے۔ مجھے بدحواسی میں اس کا بھی پتہ نہیں کہ آپ سے کتنا ملنا ہے اور یہ بھی لکھیے کہ دو سو روپے کب تک آپ بھیج سکیں گے۔

پریس سے آپ کو اتنا نقصان ہو رہا ہے۔ کیا نصف نقصان اٹھا کر آپ اسے نکال دینا اچھا نہیں سمجھتے؟

آپ کے بچے کہاں پڑھ رہے ہیں۔ آپ کی ملازمت کب تک قائم رہنے کی امید ہے؟ نول کشور پریس کے لیے آپ فی الحال کیا کام کر رہے ہیں۔ خود کیا لکھ رہے ہیں۔ افسانے یا کوئی ناول۔

کبھی اللہ آباد آنے کی ادھر امید ہے یا نہیں۔

دیکھیے Round Table Conference میں کیا ہوتا ہے۔ یوں ہی وقت ملک پر اور

ساری دنیا پر نازک ہے۔ کہیں ایسے میں پھر انقلاب زندہ باڑ ہوا تو کم از کم ہم لوگوں کی زندگی بھر تو خدا ہی خدا نظر آئے گا۔ اور یوں تو ہندستان سخت جان ملک ہے، زندہ رہے گا اور پھر ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ سکون کے دن بھی اہل ملک کو نصیب ہوں گے۔ مگر کب؟

آپ کا
رکھو پت سہاے

سوم پرکاش سہنی کا خط

پوجیہ نشی جی، نمستے!

آپ کے خط مورخہ 3 اکتوبر کے جواب میں عرض ہے کہ میں کل دلی سے واپس آ رہا ہوں، اس لیے جواب میں دیری ہو گئی۔ پڑھ کر افسوس ہوا کہ آپ نے میرے خط کا الٹا مفہوم نکالا۔ میرے لکھنے کا ہرگز یہ مدعا نہ تھا کہ میں آپ سے ”پردہ مجاز“ کے طے شدہ اجرت سے کفایت چاہوں۔ میرے لکھنے کا مدعا یہ تھا کہ آگے کے لیے مجھے خاص کفایت دیں، اور کس ادبازاری کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ میں ہندی کی کتب شائع کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ آٹھ فرم سے زیادہ نہ ہونے چاہیے، اور نئی کہانیوں کی کتاب ہو۔ آپ کم سے کم کیا لیں گے؟ ”پردہ مجاز“ کا دوسرا حصہ 14 کاپیوں میں ختم ہوا ہے۔ پریس میں دے دی گئی ہے۔ ابجینی کے متعلق عرض ہے، آپ نے ایک خط مورخہ 27-08-1931 میں تیس روپیہ کمیشن دینے کے لیے لکھا ہے، اور پھر دو سو روپیوں کے کتابوں کی گارنٹی۔ لیکن اب آپ 25 روپیہ کمیشن کے لیے کہتے ہیں۔ مجھے بھی اس لیے افسوس ہوتا ہے، ایک بار آپ کچھ تحریر کرتے ہیں، دوسری دفعہ کچھ، کیا آپ کی لکھی ہوئی چٹھی ارسال خدمت کر دوں، اور اب چھ سو کی گارنٹی کرنی پڑے گی۔ یہی مجھے ان شرطوں پر منظوری دے دیں، 30 روپیہ کمیشن دیں یا 25، اور فری ڈیلیوری۔ ہم زیادہ سے زیادہ مال کی نکاسی کی کوشش کریں گے، لیکن گارنٹی نہیں ہو سکتی۔ حساب تین ماہ کے بعد ہوا کرے گا۔ اگر میں اسی وقت ابجینی لینے کی خاطر جھوٹ بول کر گارنٹی کر دوں اور ابجینی لے لوں۔ اگر ایسا نہ ہو سکے، ممکن ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ رقم کی کتب یک جاوے، یہ کوئی بڑی بات نہیں تو خواہ

خواہ برا کیوں بنوں؟ اگر آپ مجھے عزیز سمجھتے ہیں، تو بندہ بھی آپ کو بزرگ اور مہربان سمجھتا ہے۔ میں تو کسی کو بھی نقصان پہنچانا برا سمجھتا ہوں، تو آپ کے لیے کب ممکن ہو سکتا ہے؟ میں ہر طرح سے آپ کی سیوا کے لیے حاضر ہوں۔ امید ہے، دوسروں کی نسبت خاص خیال رکھیں گے۔ کوئی سیوا؟

آپ کا،

سوم پرکاش

نوٹ: اگر ایجنسی کو یہ شرطیں منظور ہوں تو کتب 10-10 فی بھیج دیں۔ جواب سے یاد فرمائیں گے۔

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس

لاہور

28-11-1931

شری مان منشی جی، نمستے،

کرپا پتر ملا۔ مشکور ہوں۔ ناول بھیجنا شروع کیجیے۔ ساتھ ہی ساتھ لکھانا جاؤں گا۔ ”ہالینکین رامائن اردو“ افق کی چاہیے تو میں بھیج سکتا ہوں۔ دوسری ”رامائن“ اب نول کشور پریس سے دیکھ سکتے ہیں۔ ”خواب و خیال“ کے روپے جنوری کے پہلے ہفتے میں بھیج سکوں گا، کیوں کہ 22 دسمبر سے جلسہ شروع ہو رہا ہے۔ بہت سی پہلی کیشن چھپا کر رکھی ہیں، اور بھی بہ وجہ لمبی بیماری، اور چھ ماہ سے دکان سے غیر حاضری۔ وقت کے ساتھ ”خواب و خیال“ بھی پھر دو ہفتے اور لیٹ ہو گیا ہے۔ میں ابھی تک دکان پر کام کرنے میں ناقابل ہوں۔

آپ کا، لاجپت رائے

جیندر کمار کا خط

سینرل جیل، لاہور

16 جولائی 1932

بابو جی،

آپ کا پتر ملان میں ملا تھا۔ خیال تھا کہ جواب دوں تو کہانی کے ساتھ دوں۔ کہانی جو شروع کی تھی شروع کرتے نہ کرتے چھوٹ گئی۔ اور جب آپ کا پتر آیا تب ان کچھ لکھے جنوں کا بھی پتا نہ چلا۔ دوسری کہانی یا وہی کہانی دوسری بار لکھنے کا پھر نہ من ہوا نہ موقع ہوا۔ یہ بھی دھیان ہوا کہ نیا آرڈیننس لگ گیا ہے اور اب آپ کا دھیشاک کیا نکلے گا۔ کیا دھیشاک نکل رہا ہے؟ اور کیا اس میں کچھ دیر ہے؟ سوچنا ملی اور ایک نکلنا ہوا اور اس کے نکلنے اور آپ کے پتر میں کافی سے کم وقت بھی ہوا تو بھی یہاں سے کہانی اوشیہ بھیجوں گا۔ یہاں ملان جیسا جھکٹ نہیں ہے۔

13 تاریخ کو میں یہاں آیا۔ راجیک قیدیوں کو، رہائی کی تیجھی نکٹ آتے ہی یہاں بھیج دیتے ہیں، ملان میں رہا نہیں کرتے۔ یوں میری تیجھی اٹھارہ ہے پر جرمانے کا اور ڈیزہ مہینے یہیں کاٹنا ہوگا۔ سامان قرق کر کے، جرمانہ وصول کر لیا جائے تو بات دوسری پر اس کی آشاکم ہے۔

آپ کا 'کرم بھوی' کتنا ہو گیا؟ جلدی دیکھنے کی آتسکا ہے۔ آپ کو جاننے والا ہر جگہ مل جاتا ہے۔ پر کرتیوں سے، دور دور سے ایسا جانتے ہیں کہ -تھارتھ ہی آپ کو جاننے والے کسی کو سامنے پا کر انھیں ہرش سے دسے ہوتا ہے۔ تب آپ کے پرتی ان کے آدر بھاد کا کچھ پرتی بہت اٹس اتایاس اس جان ہار کو بھی پانا ہوتا ہے۔ اس پر اسے گرد بھی ہوتا ہے، لجا بھی۔ مفت آدر کیا برا؟ مفت ہے اس لیے کیوں اچھا نہیں؟ پر مفت ہے اس لیے وہ نصن ہے، بھاری لگتا ہے۔ ایسے ہی ایک مہاشے اپنا لفاظہ اور کاغذ پیش کر کے ہمشات مجھ سے آپ کو یہ پتر لکھوا رہے ہیں۔ نو یوک ہیں، ہم کیس میں ہیں اور آپ کو جاننے کے میرے سو بھاگیہ کے بدھائی سو روپ میرے پرتی اتیت سیدھت ہو گئے ہیں۔ مجھے لکھتے ہوئے اپنے پتر میں آپ انھیں اوشیہ یاد کریں۔ جیل میں لفاظہ قیمتی چیز ہے اور

میں آپ کو لکھ پڑھ رہا ہوں۔ اس کا تمام شرے ان کو ہے۔
اب آپ گاؤں میں رہتے ہیں یا شہر میں، مکان لے لیے ہیں؟ دونوں بچے کہاں
ہیں؟ شہر میں ہی رہتا ہوتا ہوگا انھیں تو۔ اگر 'نہس' بند ہے تو کیا آپ نیا کچھ نہیں لکھ
رہے؟

'میری میکڈلین' کیا چھپنا آرہی ہوگیا، اور میں نے 'سپردہا' کہانی ٹھیک کر کے رائے
صاحب کو بھجوائی تھی، کیونکہ انھوں نے مجھ سے ایک بار سالورودھ کہا تھا کیا وہ انھیں مل
گئی؟ کچھو کچھ اوشیہ بچت کیجیے گا۔ کیونکہ اس کام کے لیے ایک آدمی کی سہرتا کے دشواں پر
زبھر کرنا ہوا تھا۔

اور کٹھنل ساچار اور ساہیہ ساچار لکھیے گا۔ شری کرپارام شرکی جس کتاب کا ذکر کیا تھا
وہ بھیج سکیں تو اوشیہ بھیجیں۔ ویش سب ٹھیک ہے۔

آپ کا
جیندر کمار

رائے اماناتھ بالی کا خط

Daryabad Estate,
Barabanki (Oudh)

Dated 16-7-1932

My dear Premchandji,

I have seen your two letters last evening addressed to my
brother Rai Somnath Bali. The whole position is this. Mr. Ram
Kumar Varma has not yet sent one part of the book. Pandit
Shree Narain has not yet given the specifications of pictures of
the 3rd part of the book. The title page design etc. is also not
yet settled. The question of types is also yet to be settled with
the government. The time is so short that if extention is not
given, it will be impossible to print the books in time. I am also
tired of the tactics of my Convenor, who wants to do everything

himself; and feels shy even to disclose anything to me. He has been quarrelling with my manager on every point.

I, therefore, thought that I may also in future keep all my plans secret to him till the books are printed and submitted. He does not look like a servant and he expects me to be always ready to carry out his orders. The attitude of Mr. Ram Kumar Varma was very painful to me and I am sure he has taken this attitude at the instance of Saxena.

Mr. Harrof is coming to Lucknow on 18th and I shall go to see him as I have made an appointment with him. I have 90 p.c. hopes that he will give me one month's extension of time and if no I shall advise you to start the printing of 5th book. Yours will be printed here by that time. My press will print one more book and third one will be given to Shukla Press, but if the extension is not given, it is impossible to print the entire set. I do not know when Mr. Varma will send the one part which is still with him. In case extension is not given I will submit your book alone. I am exceedingly sorry for all this and no one will be more sad than I, if the entire set is not submitted. I shall write to you in detail again. I had seen Mr. Harrof on 18th.

Yours Sincerely,
Umanath Bali

ستیه چرن ”ستیه“ کا خط

علی نگر، گورکھ پور

25-07-1932

پوجیہ درمنشی جی،

چرنوں میں سادر منستے۔ آپ کا کرپا پتر ملا۔ انیک دھندلاد۔ پتر پراپت کے لئے میں

کھاٹ پر پڑا تھا۔ اس لیے پتراٹر میں ولہب ہوا، آشا ہے ٹا کریں گے۔ ”مادھوری“ کے لیکھوں کو دیکھ کر جس پر کار آپ نے مجھے پروتساہن دیا ہے، اس کے لیے میں چر کر تلکے ہوں۔ دستوتہ گیمیر ساہتیک لیکھوں کا ہندی میں پرایہ آبھاؤ سا ہی ہے۔ انگریزی میں کارلائل، اسمرن اور رسیکن کی رچناؤں کو دیکھ کر ہر دیہ میں یہ سکرون بھاؤ اٹھتا ہے کہ ہندی میں اس جوڑ کے گدھ گرنٹھوں کا آدر بھاؤ کب ہوگا؟ اسی وچاروں سے ہندی کے گدھ شیر میں پرکوشٹ ہوا ہوں۔ دیکھیں، کہاں تک شکتی اور کبوتی کا سپوگ ملتا ہے۔ آپ نے جو لیکھ سوچی بھیجی تھی، وہ پر مادوش گم ہو گئی۔ کربہا دوسری بھیجیں۔ یدی ”سودیٹاک“ کے پرکاشن میں ولہب ہو اور تھیٹ سئے ہو، تو میں بھی اپنی شردھانجلی آپ کی سیوا میں بھیٹ کروں۔ استھانیہ ڈی۔ اے۔ وی۔ اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہونے کے کارن پر بندھ کرم وشیش رہتا ہے۔ جولائی ماس میں تو دم لینے کا بھی ادکاش نہیں ملتا۔ پھر بھی آپ کی آگیاں ملنے پر میں سہرس پالن کروں گا۔

آپ کا کرپاکلشی،

ستہ چن

جے. این. ورماء، سمپادک ’گن سندری‘ کا خط

The 'Guna Sundari'

Ladies Popular Illustrated Magazine

(In Gujarati)

Editor: J.N. Varma

105, Girgaum,

Back Road,

Bombay

26th July, 1932

Shriyut Prem Chand ji

C/o The Sarasvati Press.

Benares.

Re-sale of 'Gaban'

Dear Sir,

In response to our letter dated 30th June, 1931 and the

terms contained therein you were kind enough to give us your permission to translate the same for our magazine serially and then to publish it in book form.

The first 26 chapters of the book are now complete and we have arranged to publish it in book form as first part. The cover picture for the same is prepared by the well-known artist Mr. Kanu Desai. It will be in two colours.

While this is going on we have tried to negotiate with the book-sellers for the sale of the entire edition of the book, if possible. So far the best offer we have received is that the book-seller will give us Rs. 300/- net for each part, as soon as we hand over the copies of each part. He will pay the press bill of each part direct to the Press. He also wants that each part should be priced at Rs. 180. The press-bill will come to nearly Rs. 650/-. Our original calculation was that it will come to about Rs. 400/-, but the number of forms (25 for each part, i.e., 400 pages for each) having increased it will be up to Rs. 650/- or thereabout. Our original calculation was like this :

2000 copies (1000 of each part)	Rs. An. P
@ Rs. 1/4/0	2500 - 0 - 0
Less 35%Book-sellers Commission	875 - 0 - 0

	1625 - 0 - 0
Less press-bill	400 - 0 - 0

	1225 - 0 - 0
Rs. 800/- for yourself	
Rs. 425/- for translation	

Now that the press-bill has increased the calculation as revised will be like this

2000 copies (1000 of each part)	Rs. An. Po
@ Rs. 1/4/0	2500 - 0 - 0
Less 35% Book-sellers Commission	875 - 0 - 0

	1625 - 0 - 0
Less press-bill	650 - 0 - 0

	950 - 0 - 0

Under the cricumstances the shares of yourself and the translator will be reduced to Rs. 625/- and Rs. 325/- respectively.

On the other hand, your original demand was 15% royalty on the price of each copy sold. At that rate your share will come to Rs. 375/- if the price is kept Rs. 140 or Rs. 450/- if it is kept Rs. 180 as required by the book-seller in question.

We are giving all these calculations to show how much can be realised out of the sale of the book under these two different systems. If we do not give the book-seller the sole selling agency for Rs. 300/- net for each part then we must shall the copies retail at 35% to several book-sellers. The advantages as well as disadvantages of the two systems are apparent. By giving the sole selling agency to one Book-seller, we realise the profits Rs. 200/- for yourself and Rs. 100/- for the translator (for each part i.e. Rs. 400/- for yourself and Rs. 200/- for the translator on the whole) within a definite time. We can get Rs. 300/- of the first part in September, 1932 and Rs. 300/- of the second part in September, 1933. That is the advantage of

getting cash amount within a definite time. It is only Rs. 50/- less than what you originally demanded by way of 15% royalty.

Now, according to the second system, when all the copies are sold to various book-sellers at the retail rate of 35%, we will be able to realise Rs. 950/- net or there abouts. It is, however, difficult to say during what period of time these copies will be sold out. It might take about 3 to 4 years at least. So we must wait for 3 to 4 years if we wish to realise higher profits.

Is the first system of giving sole selling agency appeals to you as favourable, if you prefer to have cash within a definite time, we may accept the offer of the book-seller. If, however, you will like to wait and realise higher profits without carrying for the indefinite lapse of time, we have no objection in adopting that system.

Please, therefore, let us know what you prefer. We have asked the book-seller to wait for a few days for our final reply, which depends upon your choice. So kindly let us know your choice if possible by return post or soon there-after.

Yours faithfully,

J. N. Verma

Manager.

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہور

10 اگست، 1932

شری ہفت نشی جی، جسے!

خط ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ واقعی دیر ہو گئی ہے، لیکن نہ معلوم، آپ نے بات چیت توڑ کر منزل میں سر یا نند کو یہ لکھنے میں کیا ملامت کبھی جو اپنی ہماری بابت لکھ دی۔

دراصل ان دو ماہ میں بہت کچھ ادھر ادھر دیتا ہوں، صرف خانگی معاملات کی وجہ سے آپ نے کتاب تو ”بیوہ“ چھاپی، مگر اس طرح کی جس طرح بازاری کتاب ہوتی ہے۔ لوگ آپ کی اس کتاب کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ”خاک پر دانہ“ کی بابت جو آپ نے لکھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کتاب میرے پاس سردیوں میں آئی تھی، یہ آئی ہے گرمیوں میں، ان دنوں میں جب کہ بہت مندہ ہوتا ہے۔ آپ کی ہندی کتب کا حساب۔ بیوہ کا صاحب، ارجن کی بیٹیگی۔ سب رقم اور حساب ستمبر کے درمیان میں مل جاوے گی۔ آپ یہ تو کہیں گے کہ اتنی دیر کا وعدہ۔ دراصل جو کچھ میں لکھ رہا ہوں بالکل ٹھیک یہی امید کامل (پورے) کرتا ہوں کہ ”بیوہ“ اور ہندی کتب کا حساب چند دنوں میں ہی ملے کر دوں گا۔ ہمارے باہری جلیے شملہ ڈھوڑی ستمبر میں شروع ہوتے ہیں۔ تب سے ہمارا سیزن شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا آپ بالکل کسی قسم کا خیال نہ کریں۔

کمپنی کا باقی کا حصہ بھی بعد ازاں ارسال کریں گے، تاکہ اس ماہ کے آخر میں چھپائی شروع کر سکوں۔ ہندی کی کتب منگا لوں گا۔ کیا بنارس میں اردو کی کتاب کی بکری ہو سکے گی؟ جواب سے یاد فرمائیں۔

خیر اندیش، سوم پرکاش سہنی

رائے اماناتھ بالی کا خط

Rai Umanath Bali
Chairman,
District-Board
Bara Banki

Daryabad Estate
Bara Banki (Oudh)
Dated 11-8-1932

My dear Premchand Ji,

You must have known that your book has been submitted in time and I am doing what I can to get it approved. I have 99p.c. hope that it will be approved. I am so sorry that the other 3 books could not be submitted. Our friend Saxena is the chief

cause for it and then your colleagues Messers Misra and Varma are partial causes. One year has been wasted for nothing. Any how, we have to look to the future.

I have writtten a strong letter to Pt. Shree Narain Pandey. He is very lazy and careless but he is very efficient. He is a perfect gentleman and a very good friend. He is my personal friend and I wish I may keep him engaged for he is such a good man that he will be cheated and mislead by others, if he is let to join others. He cannot be put absolutely incharge of anything, for in his laziness and carelessness he will spoil matters as he did this time but we may take out what he has in him and I am sure what he gives out will be appreciated by you, and it will be something useful too. As for Mr. Varma, I have no idea about him. I am told he is a good Hindi writer, but, not being a Hindi critic myself, I cannot say much about him. I have known him through Pt. Shree Narain, but I don't keep very high opinion about him. Then I don't think you need a Hindi scholar for you are yourself a very able and renowned scholar. I wish you may take the charge solely and I shall personally take charge of printing and canvassing. I intend to get the other three books printed for next year. Now that all the approved books will be in your hands after a few months, you can go through them and improve your books. They will surely be approved next year.

I also want you to kindly write Hindi, Urdu and English Primers for vernacular schools. This work may be started and finished soon. Pandit Shree Narain too has got some ideas about them and you can take his help also. After sometime, when you will have dealings with Pt. ji, you will know what stiff he is made of and you will yourself begin to like him. If

you have any other ideas, please let me know.

I am glad to inform you that Mr. Saxena has secured his connection with my Press and there will now be no intrigues. Every thing will now be done smoothly and efficiently. He has wasted more than 5000/- of mine for nothing. I have never come across a man like him. You can never know what his intentions are even if you talk to him for the whole day and for weeks together. He is a dangerous man to deal.

I shall try to meet you early next month as I intend to go to see my daughter who is a student in the Theosophical School.

I shall expect a reply to this.

Yours Sincerely,

Uma Nath Bali

P.s.- If you know the members of the committee on the reviewers, please exert your influence also over them.

Uma Nath

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہور رائے ایڈنس

لاہور

24-09-1932

شری مان مٹھی جی، نمستے!

میں مورخہ 22-09-32 کو یہاں پہنچا ہوں۔ شملہ سے دہلی وغیرہ گیا تھا۔ آپ کی تین چیزوں کا حساب ارسال ہے۔ ”غبن“ کا اکتوبر کا ایک سو روپیہ ارسال خدمت کر دوں گا۔ ابھی تک ”غبن“ کا بقیہ حصہ نہیں ملا۔ جتنا آپ نے بھیجا تھا، آج ختم ہو کر آ گیا ہے اور آج ہی آیا ہے۔ مبلغ سو روپے کا چیک مورخہ 01-10-32 کا ارسال خدمت ہے۔

روپیہ	آٹا	پا۔
30	0	0
26	4	0
43	12	0
100	0	0

”بیہ“ - 50 کاپی

رام چڑھا - 150 کاپی

ہندی کتب -

اکتوبر کا سو روپیہ اور بھیج دوں گا۔ برائے مہربانی بقیہ حصہ ضرور جلدی خط دیکھتے ہی بھیج دیں، اور اپنے ہندی کتب کی ایک مکمل فہرست بھی۔ کیا آپ اپنی تمام تصنیف کردہ کتب دو دو اپنے اسٹاک میں رکھنا چاہتے ہیں؟ میں آپ کی سب کتب سپلائی کر سکتا ہوں۔ اول تو بنارس میں بھی فروخت ہو سکتی ہے۔ دویم آپ کے اشتہار لکھتے رہتے ہیں۔ رسالوں میں، اخبار میں وہاں ان کا اشتہار دیں گے تو یقیناً آپ کو آرڈر آویں گے۔

آپ کا رسالہ اخبار پنجاب بھر میں لائبریریوں وغیرہ میں پہنچتا ہے۔ کمیشن سیل میں پھر بھی دے سکتا ہوں، اس میں آپ کا کوئی حرج نہ ہوگا۔ جواب سے ضرور یاد فرمادیں گے۔
سوم پرکاش

ہزاری پرساد دویدی کا خط

شانتی نکین

23 مارچ 1933

مانیہ ور، اس دن چندت بناری داس جی کے ساتھ گردویو (کوپور رویندر ناتھ ٹھاکر) سے ملنے گیا تھا۔ باتوں ہی باتوں درتمان ہندی ساہتیہ کے سبندھ میں چڑھا چلی۔ ایسے اوسروں پر آپ کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ اس دن بھی آپ کے رچت ساہتیہ کی چڑھا بڑی دیر تک چلتی رہی۔ ہم لوگوں کی اچھا تھی کہ نو درش کے اوسر پر آپ جیسے آدرنیہ ساہتیوں کو نمسرت کریں اور گردویو سے پرہیج کروائیں۔ گردویو نے ہم لوگوں کے دھار کا اتاہ کے ساتھ سواگت کیا۔ اس لیے ہم لوگوں نے نشیجت کیا کہ استھانیہ ہندی سماج کا وارٹھکسو نو درش (14 مارچ 1935) کو منایا جائے۔ اس دن گردویو کا پردھن ہوتا ہے۔ اس کے پہلے دن بھی جس دن درش ساہت ہوتا ہے ان کا دیا کھیان ہوتا ہے۔ کچھ اور بھی

ساروہ رہتا ہے۔ گرد دیو اور آشرم کی اور سے نمٹن تو تھا سے جائے گا ہی، اس کے پہلے ہی ہم ہندی سماج کی اور سے آپ کو نمٹن کرتے ہیں۔ اس بار آپ ضرور پدھاریں۔ ہمارے آگرہ پورک نمٹن کو آپ اسویکار نہ کریں۔ آپ کو گرد دیو سے ملا کر ہم گرد انوبھو کریں گے۔

آپ کے ساتھ نے ہندی کو سردھ کیا ہے اور ہندی بھاشیوں کو دنیا میں منھ دکھانے لائق۔ اسی لیے آپ کے لیش کو ہم لوگ نروچار بانٹ لیا کرتے ہیں۔ جب ہم رنگ بھوی یا کرم بھوی کو دوسروں کو دکھاتے ہیں تو من ہی من گرد پورک پوچھا کرتے ہیں۔ ہے تمہارے پاس کوئی ایسی چیز! اور اس پر کار گرد کرتے سے ہمیں پریم چند نامک کسی اگنیات اپریچت ویکتی کی یاد بھی نہیں رہی۔ مانو سب کچھ ہماری ہی کرتی ہے! آج اس ویکتی کو پتر لکھتے سے، اس کی آؤستی کے بنا اس کے سپورن یش کو سوامت کر لینے کے اپرا دھ کے لیے جو ہم جھما نہیں مانتے وہ بھی گر کا ہی ایک دوسرا روپ ہے۔ آتمیتا کا سب سے بڑا پرمان ہم کیا دے سکتے ہیں؟ آپ ہمارا آدر اور اھمدن گرہن کیجیے۔

آپ کا

ہزاری پرساد دھیدی

جینندر کمار کا خط

7، دریا سنگ

7 مئی 1933

بابو جی،

پتر ملا۔ کتنی مدت بعد ملا ہے۔ اندور میں میں نے پہلی بات یہ پوچھی کہ آپ آئے ہیں، پتر لگا نہیں آئے۔ تب سوچا تار دوں۔ لیکن پریمی جی، جو اسٹیشن پر ہی مل گئے تھے بولے آپ آئے سکیں گے تب دینا فضول ہوگا۔ اس سے رہ گیا۔ ذرا بھی جانتا کہ آپ اندور جانے کے لیے ادھت بیٹھے ہیں تو ضرور آپ کو بلا ہی لیا جاتا۔ وہاں آپ کو ملنے کو بہت ہی جی بھکتا رہا۔

ہاں فٹی جی وہاں ملے تھے۔ باتیں بھی ہوئیں۔ جو سوچا تھا وہ تو نہ ہوا۔ اس کا بھی

اتہاس ہے۔ ایک سیدھا سادھا سا پرستاد اوشیہ ہوا ہے۔ کمپنی بنی ہے جس میں منشی سنبو جک ہیں۔ اب سب ان پر ہے۔

کام کا کیا ڈھنگ ہو۔ آنے جانے میں خرچ تو بہت پڑتا ہے لیکن پانچ آدمیوں کو مل لینا چاہیے تب کام آگے بڑھ سکتا ہے۔ گاندھی جی، منشی، کالیلکر، آپ اور میں یہ سب لوگ دردھا میں ہی۔ چھا فیکٹر سویدھانو سار مل لیں لیکن یہ منشی پر ہے۔ ان کا پتر آیا تھا۔ لیکن میں نے ادھر اس کا جواب بھی نہیں دیا ہے، اب دوں گا۔

یہ بھی بات ہوئی تھی کہ اپنا الگ پتر نہ نکال کر آپ سے 'منس' ہی دینے کے لیے کہا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس میں آپ کے لیے بھی ایوکت کچھ نہیں ہے۔ جب تک اس سبندھ میں آگے باتیں ہوں آپ 'منس' میں ویش پر یورتن نہ کیجیے۔

آپ کی کاشی چھوڑنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ سائیک غضب کا Egotist ہوتا ہے۔ اس میں اس بچارے کا دوش اتنا کیوں کہیے کیونکہ وہ تو Egotism کا شکار ہوتا ہے۔ کاشی میں میں نے یہ دیکھ لیا ہے۔ پر پریاگ میں بھی ایسا نہیں ہوگا، ایسی آشا آپ کو کس بل پر ہوتی ہے؟ کفو پھر پرش ہے پریاگ بھی یری نہیں تو کیا کیا جائے۔ اس کا اثر میرے پاس نہیں ہے۔ دلی میں یکا یک نہیں کہہ سکتا، کیونکہ دھنو آدی کا بھی سوال ہے۔ اندور میں میرے من میں آیا تھا کہ پریی جی کا کاروبار بھی کچھ Institution کی شکل میں نہیں ہے نہ آپ کا ہی، تب کیوں نہ دونوں کو ملا کر ایک سملت (Limited) فرم کی شکل میں ڈھال دیا جاوے اور چلایا جاوے۔ لیکن یہ سب دوڑ دھوپ کے بنا کیسے ہو۔ وہ کون کرے؟ میں ادھر بہت Handicapped ہو رہا ہوں چلنا پھرنا سرل نہیں ہوتا۔ پھر بھی یہ دیکھتا ہوں کہ آگے کوئی راستہ نہیں ہے۔ جانتا نہیں آپ بمبئی سے کتنا پیسہ جمع کر کے لائے ہیں۔ لیکن جتنا بھی مجھے دکھتا ہے سب اس کاروبار میں ہی جھونکے گا۔

میں نے پرداسی لال جی کو لکھا تھا کہ میٹر کی جب ضرورت ہو دو روز کا نوٹس دے کر مجھے لکھ دیں۔ سولہ صفحے تک کی گارنٹی میں نے دی تھی۔ اب میرا اس میں دوش نہیں ہے کہ وہ وصول نہ کیا جائے۔ جب کلرک پاس ہو تو میٹر دینے میں کٹھنائی کیا ہونی ہے۔ ادھر دس دنوں سے کلرک نہیں تھا اس سے کام سب ٹھپ تھا۔ اب ہے تو میٹر کی کیا چتا۔ کہانی بھیج رہا ہوں۔

ہاں، ساہتیہ پریشد (اندور) میں میں بولا تھا پر 'بھارت' میں تو بھاشن کا کچھ مر تھا۔
 لگ بھگ آدھا گھنٹے تو میں بولا ہوں گا۔ اور 'بھارت' میں جو تھا اس کا تو اترتھ بھی کچھ نہ
 بنتا تھا، ہاں دھونی اس میں مجھے اوشیہ اپنی ہی جان پڑی۔ جان پڑتا ہے شارٹ ہینڈ کی
 رپورٹ اس کی لی گئی ہے۔ آپ انھیں لکھیے نہ کہ یدی رپورٹ ہو تو اس کی پرتی وہ آپ
 کو بھیج دیں۔ میں بھی یہاں سے لکھوں گا۔ یہاں سملین کے بارے میں ایک نے
 Interview لی تھی۔ وہ میں کل یا پرسوں آپ کو بھیجوا دوں گا۔

الہ آباد میں کیا آپ نے مکان آدی پکا کر لیا ہے؟ یدی دلی کی بات کسی طرح بھی
 ویو ہارتھ جان پڑے اور سب بندوبست Shift کا نہ ہوا ہو تو اس پر سوچے گا۔ میں آپ کا
 بہت کچھ لگ بھگ سبھی کچھ بوجھ ہلکا کر سکتا ہوں ایسا مجھے لگتا ہے۔
 اور آپ پتر دینے کے بارے میں ایسا پر ماد نہ کیجیے۔ اس سچ آپ کے پتر نہ پانے
 سے سچ چاہیے مجھے بہت سوچ رہا۔
 باقی ٹھیک ہی سا ہے۔

آپ کا
 چندر

رام چندر ٹنڈن کا خط

10 ساؤتھ روڈ، الہ آباد

20 مئی 1933

پر یہ پریم چند جی!

آپ نے ہندی انوواک منڈل کے سنگھن کی یوجنا کے ساتھ جو پتر بھیجا اس کے
 لیے دھنیہ داد۔ میں نے یہ انومان کیا تھا کہ آپ کی یوجنا کا اوشیہ کچھ دوسرا ہو۔ ارقمات
 پستکوں کا انوواد۔ ہوگا۔ پر اب معلوم ہوا کہ یہ سنواد پتروں سے سنندھ رکھتا ہے۔ آپ
 کی یہ یوجنا جس جھمیر تک سمیت ہے وہاں تک وہ بہت سندر ہے، اور اس کے اندر بہت
 سی سد سنہاؤنائیں۔ نہت ہیں۔ اسے کاریاوت کی چھٹا اوشیہ کی جانی چاہیے۔
 آپ نے اپنے بھویشے کو جس روپ میں اہسجت کیا ہے اس سے کہیں ادھک

دستار کے ساتھ آپ نے اس پر دھار کر لیا ہوگا، ایسا لگتا ہے۔ آپ کے لیکھ میں ایک دھیس کاریہ کرم کی آؤٹلیٹ پر زور دیا گیا ہے، پر اس کے ٹکٹھن کی روپ ریکھا کے سنندھ میں اس میں کچھ بھی نہیں کہا گیا ہے۔ کیا آپ کرپا کر کے اپنی یوجنا کے ٹکٹھن کا سو روپ مجھے بتا سکیں گے؟ اس میں کام کرنے والے کس پرکار کے کاریہ گرتا پراپت ہو سکتے ہیں؟ کاریہ کا سہا جھمڑ کیا رہے گا، کاریہ کرتاؤں کو پارٹشرک کیا لے گا اور کاریہ دہاجن کس روپ سے ہوگا؟

آپ کا اتر ملنے پر میں چاہوں گا کہ اس کاریہ میں دلچسپی رکھنے والے کچھ سمجھوں کو ایکٹر کیا جاوے تاکہ آپ کی یوجنا کی ایک ٹچٹ روپ تیار ہو سکے۔ یدی سمیتی کا ٹکٹھن ہو جاوے گا تو ٹچٹ یوجنا کے دسترت دورن اور کاریہ کرم پر دھار کیا جاوے گا۔ میں اور یہاں کے کچھ میرے متر اس کاریہ میں پورن روپ سے سہوگ دینے کے لیے تیار ہیں۔ کرپا اتر میں دلہب نہ کریں۔

اس چ میں سویم بھی آپ کی یوجنا کی ایک روپ ریکھا آپ کے دھار کے لیے تیار کر رہا ہوں۔
آشا کرتا ہوں آپ سٹھل ہوں گے۔

آپ کا رام چندر ٹنڈن

رام چندر ٹنڈن کا خط

10 ساؤتھ روڈ، الہ آباد

20 مئی 1933

پریم چند جی!

مجھے اس بات کے لیے مکید ہے کہ میں نے آپ کو جس یوجنا کو بھیجے کا دھن دیا تھا اسے اس کے پہلے نہ بھیج پایا۔ میرا سواسھ اچھا نہیں تھا اور اس چ میرا آفس جانا بھی بند رہا۔ اس سے بھی میں آپ کو انوواک منڈل کے ٹکٹھن سے سنندھت دیدھارک مسودہ نہیں بھیج رہا ہوں، اس سنندھ میں میں نے اپنے جو دھار لوٹ کر رکھے ہیں، کیول انھیں کو بھیج رہا ہوں۔ اتم مسودہ تب تیار کیا جائے گا جب آپ میرے بھاؤں کے سنندھ میں

اپنی سہتی دیں گے۔

میں یہ پسند کروں گا کہ ابھنی کا انگریزی نام کرن کیا جائے، ارقعات اس کا نام 'ہندی ٹرانسلیٹن بورڈ' رہے نہ کہ انوداد منزل۔

اس کا اڈیشہ ہندی کے دیک تھا ساہا بک پتروں کو دھن وشیوں پر انوداد لیکھ بھیجتے رہنے کا ہونا چاہیے۔ سنوداد تھا راج نیک لیکھوں سے کوئی سندھ نہیں رکھنا چاہیے۔ ایسا ہونے سے ماسک تھا پھمک پتر بھی اکت ابھنی دوارا لابھ اٹھا سکیں گے۔

بورڈ کا ہیڈ آفس بنارس میں ہونا چاہیے۔ اس کی شاخائیں دلی، الہ آباد، لکھنؤ، کلکتہ اور جبل پور میں کھولی جاسکتی ہیں۔ فی الحال لکھنؤ اور جبل پور کو چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔ پرنٹنگ آفس، چاہے وہ پردھان آفس ہو یا شاخا، کسی ایک سچان کے دیکتی گت برہمن کے ادھین رہے۔

سچان کے اوپر ان باتوں کا اترداتھ ہوگا (1) بھارتیہ تھا ودیشی سنوداد پتروں تھا ماسک پتروں سے لیکھ اتھوا لیکھانوں کا بھین کرنا اور انھیں اپنے آفس سے سنگن انودادوں کو انوداد کے لیے دینا (2) پتر دیوار دوارا پردھان کاریالیہ سے سنترگ میں رہنا اور اس کے ساتھ پرامرش کر کے انودادک ساگری کو پرنٹنگ پتر کی ویش آڈیشکا کے انوسار بھیجتے رہنا۔ (3) آڈیشکا پرنے پر انودادوں کا سنپان کرنا اتھوا اپنے نوٹ ان کے ساتھ جوڑ دینا، آفس سے سندھت وھن انودادوں کو جو پارشرک دیا جائے، اس کے بلوں کی جانچ کرنا، کسی ایک ویش شاخا میں ویشکا پراہت کرنا اور ایک ایسا فائل رکھنا جس میں بورڈ سے سنگن انودادوں کی یوگتاؤں کا دسترت بیورا رہے۔

ڈائریکٹر کو اور بھی ذمہ داریاں سونپی جاسکتی ہیں، پر اس سے میں نے کیول انھیں باتوں کا اٹیکھ کیا ہے جو بنا کسی پریاس کے مجھے سوجھ گئیں۔

بورڈ کو نمین لکھت وشیوں کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔ (1) راج نیتی (سیدھانک) (2) ساہتیہ تھا پھمکا (3) لوک پرچلت وگیان (4) سواسھ سدھار (5) کہانیاں (6) سادھاران گیان۔

جو پتر پتریکائیں ماسک چندا دینا سویکار کریں وہ اہمت وشیوں میں سے اپنی آڈیشکا کے وشیوں کو جن لیں۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، پرتیک کیندر کو کسی ایک شاکھا کے سنندھ میں دھیکچیا پراہت کرنی چاہیے، یہی پرتیک شاکھا کے انودادکوں کا کاریہ سانگیہ ہونا ٹھیک نہ ہوگا۔ کچھ دیشٹ شاکھاؤں کو اپنے ویش و شے سنندھی سامگری اکٹھا کر کے بورڈ کے گراہکوں کے پاس بھیجتے رہنا چاہیے۔

سچا لکوں کو پچاس روپے پرتی ماس دین ملنا چاہیے۔ انھیں بورڈ کے لابھانش کا ادھیکار رہے گا۔ سچا لک سمیتی کی وارٹک بیٹھک میں اس بات کی مھوشنا کر دی جائے گی کہ بورڈ کو کتنا لابھ ہوا ہے۔ کاریالیوں کو چلانے، دھن پتر پتریکاؤں کو پراہت کرنے، تنھا ڈاک ٹکٹ آدی کے لیے سچا لکوں کو پرتی ماس پچیس روپے سے لے کر پچاس روپے تک بھتہ دیا جانا چاہیے۔ پردھان کاریالیہ کو پچاس روپے پرتی ماس اس کے اتی رکت دینا ہوگا۔ اسے شاکھا کاریالیوں کو آفس سنندھی آدھیک چیزیں پہنچاتے رہنا ہوگا۔

ایک لیکھ میں اوسٹا سات سو شبد رہنے چاہیے۔ پانچ سو سے ایک ہزار شبد تک کے لیکھ چل سکتے ہیں۔

یدی کوئی پتر کسی ویش و شے پر لیکھ چاہے تو اس کے لیے ویش در بھی ملے گی جانی چاہیے۔

انودادکوں کو سات سو شبدوں کے لیے ڈیڑھ روپے پاری شرک دیا جانا چاہیے۔ ویش ویش اوسٹا میں اس در میں پری ورتن کیا جاسکتا ہے۔

ایسے لیکھوں پر جو آٹھ ماتر لے کر لکھے گئے ہیں سات سو شبدوں کے لیے ایک روپیہ دیا جانا چاہیے۔

انودادکوں کی یوگتا بہت ان کے ناموں کی ایک سوچی پرتیک آفس میں دینی چاہیے۔ پرتیک آفس کے پاس بورڈ کے سمت گراہکوں کی پوری سوچی دینی چاہیے۔ جس میں پرتیک گراہک کی آدھیکتا کا بھی اٹھیکہ رہے۔

بورڈ کو یہ ادھیکار ہونا چاہیے کہ وہ اپنے گراہکوں کو جو کوئی بھی سامگری بھیجے اسے پتک روپ میں مگر بہت کر سکے۔

چھپے ہوئے لیکھوں کی دو 'کننگ' پردھان کاریالیہ کو بھیجی جاویں ایک پردھان کاریالیہ کے لیے اور ایک شاکھا میں مگر بہت کر سکے۔

گراہوں کو کرم سے تین شیرنیوں میں دھکت کیا جاسکتا ہے۔ تیس روپے پرتی ماس دینے والے گراہک، پندرہ روپے پرتی ماس دینے والے گراہک اور دس روپے پرتی ماس دینے والے گراہک۔

پہلے شرنی کے گراہوں کو پرتی ماس آٹھ لکھ ایسے طیس گے جو کیول انیس کے لیے انودات کیے گئے ہوں۔ دتہ شرنی کے گراہوں کو پرتی ماس چار لکھ ایسے دیے جاویں گے اور تریہ شرنی کے گراہوں کو کیول دو ویش لکھ دیے جاویں گے۔

یہ آشا کی جاتی ہے کہ پہلے شرنی کے پندرہ گراہک پراہت ہو جاویں گے، دتہ شرنی کے بیس اور تریہ شرنی کے پچاس گراہک پراہت کیے جاسکتے ہیں۔ اس پرکار بورڈ کو کل ایک ہزار دو سو پچاس روپے ماسک آے ہو سکے گی۔

یہ موٹے طور پر تیار کی گئی یوجنا ہے۔ میری رائے ہے کہ آپ پردھان کاریالیہ کا بھار لے لیں۔ الہ آباد کے کاریالیہ کا پر بندھ میں کرلوں گا۔ شری بناری داس چڑویدی کلکتے کا اور 'ارجن' کے پروفیسر اندر دلی کا بھار سنبھال لیں گے۔ اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے آپ سونیم ان لوگوں سے پتر دیوار چلا سکتے ہیں۔

یدی آگامی جولائی سے اس کاریہ کا شری کشیش ہو سکے تو بہت اچھا ہو، بہت سنبھو ہے، پرائمک دیوستھا میں ایک پورا مہینہ بیت جاوے۔ پر سے نفع نہیں ہونا چاہیے۔

میں آپ کو سوچت کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے الہ آباد آفس کے لیے انوادوں کی سوچی تیار کر لی ہے۔ ایک پرچار پتر سنی لکوں کے ہتا کشرہت فیکھر ہی تمام پتروں کو بھیج دیا جانا چاہیے جس میں یوجنا سمجھا دی جاوے۔ پرچار پتر کے ساتھ چندے کا فارم بھی رہے۔ پرچار پتر تب تیار کیا جائے جب شری بناری داس جی تھا اندر جی کے اتر آپ کو مل جاویں۔ اس سچ آپ اور میں بھی اس بات پر وچار کر لیں کہ پرچار پتر میں کیا کیا باتیں رہیں گے۔

آپ نے ابھی تک میرے پاس ہندی کے دیک، ساپتاہک تھا ماسک پتروں کی سوچی نہیں بھیجی۔

ایک بات ابھی چھوٹی رہ گئی ہے، وہ ہے قانون سہندھی دوپچا۔ یہ تو اسپٹ ہی ہے کہ ہم لوگوں کی سہنتا کا ادیشے چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو وہ دواسا یک ہی ہوگی اور کیول

دو یا تک ڈھنگ سے اسے چلایا جاسکتا ہے۔ پاشپاتیہ دیشوں میں اس پرکار کی بہت سی اینجینیاں ہیں۔ ہم لوگ ایک ایسا پریوگ کرنے جا رہے ہیں جو میری رائے میں کیول ہندی محتر کے لیے ہی نہیں بلکہ بھارت کے لیے نیا ہے۔ کچھ بھی ہو آپ سے پرارتھا ہے کہ آپ انجینی کے قانونی کچھ پر دھار کر کے اپنی سستی کی سوچنا مجھے بھی دیجیے گا۔

ہتر کافی لہا ہو گیا ہے۔ ادھک آپ کا ہتر ملے پر۔

آپ کا، رام چندر ٹنڈن

رام چندر ٹنڈن کا خط

10 سادھ روڈ، الہ آباد

27 مئی 1933

پریہ پریم چند جی!

آپ کے کرپاڑ کے لیے دھنیہ واد۔ میں یوجنا تیار کر رہا ہوں جسے دو دن کے بھیتر میں آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ یوجنا کی سھلٹا کے لیے مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا۔ مجھے دھواس ہے کہ انت میں ٹپے ہی سھلٹا لے گی۔ پر ہارمھ یدی سامانیہ بھی ہو تو ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔

میرے پاس ہندی کے دیک تھا ساپا تک ہتروں کی سوچی بہت ادھوری ہے۔ یدی آپ کے پاس کوئی سوچی ہو تو بھیجے کی کرپا کریں، تاکہ ایک پوری سوچی تیار کی جاسکے۔ میں آپ کے کہے انوسار ہتروں میں پرچارا تھ ایک مسودہ بھی بھیجوں گا۔

آپ کا، رام چندر ٹنڈن

رام چندر ٹنڈن کا خط

10 سادھ روڈ، الہ آباد

6 جون 1933

پریہ پریم چند جی!

آپ کے ہتر کے لیے بہت دھنیہ واد۔ میں آپ کی سادھانی سے پورن جیہ سمت

ہوں۔ پرانیہ شاکھاؤں کے کھولنے کے سبب میں میں نے جو پرستار کیا تھا اس سے میرا ادیشہ دھندلے کیندروں کے کاریہ کرتاؤں کا شکریہ سہیگ پراپت کرنا تھا۔ ہم لوگ اب اس استھتی پر پہنچ گئے ہیں جب کہ اس دشنے پر باہت چیت کر کے کچھ نچت نرنیوں پر پہنچ سکتے ہیں۔ یڈی آپ اگلے سہتاہ کے انت میں الہ آباد آسکیں تو رڈیوار ۱۱ رجون کو ہم لوگ یوجنا کو نچت روپ دے کر کاررواہی شروع کر سکتے ہیں۔ کرپا اپنے آنے کی سوچنا مجھے پہلے سے دے دیں تاکہ یہاں دو ایک دیکٹیوں کو بھی سے پر سوچنا مل جاوے۔

آپ کا

رام چندر نڈن

سورگیہ پریم چند جی کی ایک یوجنا

دو شبہ

کچھ دن ہوئے پرانے کانڈ پتروں کی صفائی کرتے ہوئے مجھے ایک فائل ملی جس کے استیو کو میں بھول چکا تھا۔ اس فائل میں پریم چند جی کی انوداک منزل سنہدی ایک یوجنا کو لے کر میرا ان کا پتر دیوہار ہے۔ فائل پر کچھ انشوں میں دیکوں کی کرپا ہو چکی ہے۔ اس پتر دیوہار پر پھر سے نظر ڈالتے ہوئے اسے پرکاشت کر دینے کا دچار ہوا۔ وہ اس ادیشہ سے کہ سنہوت سہیک متروں کو اس یوجنا میں دلچسپی اتہن ہو اور وہ اسے اگر سر کرنا چاہیں۔ پریم چند جی داستو میں بہودھندی آدمی تھے اور اس سے میرے پاس بھی اتنا ادکاش نہیں تھا جتنا کہ اس یوجنا کو سہل بنانے کے لیے اکچھت تھا۔ اس لیے ہم لوگوں نے آپس میں دچار کر کے اسے 'کسی آگے کے سنے' کے لیے استھت کر دیا تھا۔ کھید ہے کہ وہ 'آگے' کا سے ان کے جیون کال میں نہ آیا۔ پریم چند جی کے سارک کے روپ میں یہ یوجنا آگے بوہائی جائے تو بھی انوچت نہیں۔

پریم چند جی کا اور میرا پتر دیوہار انگریزی میں ہے۔ اس کا انوداد کرپا کر کے شری الاچند جوشی نے ہندی میں کر دیا ہے۔ میں فائل جیوں کی تیوں سہیلن سگر ہالیہ کو بھینٹ کر دی ہے جس میں کہ شرمکھت رہ سکے۔

رام چندر نڈن

راجیشور پرساد سنگھ کا خط

16 جولائی 1933

شری مان جی،

مئی، 1933 کے ”ہنس“ میں مٹر ور پنڈت ونود سنگھ ویاس دوارا سپاوت تھا ساہیہ منزل، دلی دوارا پرکاشٹ گلپ سنگرہ ”مدھوکری“ (دوہیتے بھاگ) میں سہلیٹ ”انتر دونڈ“ نامک اپنی کہانی پر آپ کی کہانی پر آپ کی سالوچنا دیکھ کر آٹھر یہ ہوا۔ آٹھر یہ اس لیے ہوا کہ آپ جیسے سدھ ہست تھا سُر سدھ گلپکار کی لکھنی سے ایسی زمول سالوچنا نکلی۔ یہی آپ کی آلوچنا۔ تھارتھ پر آدھارت ہوتی تو یہ پتر لکھنے کی آویٹنا نہ پڑتی، لیکن اس میں تو استیہ ہی استیہ ہے۔

آپ کی آلوچنا پر لکھنے سے پہلے ”انتر دونڈ“ کا سارانش دے دینا آویٹک ہے۔ دیواہ ہونے سے پہلے کلا دہپتہ جیون کے سنگھ سوہن دیکھا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سسرال میں اسے آیشوریہ پراپت ہوگا، اور سوای کے اسیہ کی ادھیکارنی ہوکر وہ گرہ سامراجیہ میں ایک چھتر راج کرے گی۔ کنتو سسرال میں آکر اس کے سپنوں کی لڑی بکھر گئی۔ وہاں اسے وہ سب نہ پراپت ہوا جس کی اسے آشا تھی۔ اس کا پتی ہر دیہ نارائن ضلے کا سُر سدھ وکیل تھا۔ اور وہ کلاتا بھی تھیٹ تھا، کنتو وہ کرپن تھا، اور گرہ کاریہ میں بھی کلا کو سوتنرتا نہ دیتا تھا۔ اس لیے کلا کے سوہماؤ اور ہر دیہ نارائن کے سوہماؤ میں یدھ چھڑ گیا۔ کلا ہار گئی اور اس نے آتم سرپن کر دیا۔ گرہستی کی جر جر تری کسی طرح چلتی رہی۔ ایک دن ہر دیہ نارائن کے ساتھ دور کے رشتے کا اس کا ایک بھائی گوپال آیا۔ گوپال ادیواست، فیشن میں ڈوبا ہوا سہر دیہ یودک تھا۔ کلا گوپال کی اور آکرھٹ ہوئی۔ اس نے اس سے دل کھول کر باتیں کیں، اور جب ودا ہو کر گھر سے باہر نکلا تو وہ دروازے کی آر میں اس کی اُور دیکھنے لگی۔ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے گوپال پھر آیا، اور کلا کے لیے بھونولیہ اُپہار لایا۔ کلا کا ہر دیہ کربتلیجا سے بھر گیا، اور گوپال کے پرتی اس کا آکرشن بڑھ گیا۔ دوسرے دن مدھیانہن کے سنے آنے کا وعدہ لے کر اس نے گوپال کو ودا کیا۔ جب دوسرے دن مدھیانہن کے سنے گوپال آیا اور کلا نے دروازہ کھولا تو وہ اسے دیکھ

کر چٹک رہ گیا۔ کلا سر سے جڑ تک لگی ہوئی تھا۔ اس کے شریر ہر گوپال کی دی ہوئی ساری تھی، جیکٹ تھا، اور کپڑوں میں ”یوڈکولون“ لگا ہوا تھا۔ کلا جب گوپال کو ہینا مار میں لوالے گئی تو وہاں پر اسے انیہ دلوں سے ادھک صفائی ستھرائی دکھائی دی۔ اپنے ہر دیہ کی ٹھٹ بھادواؤں سے پرہرت ہو کر، گوپال نے پوچھا، ”کیوں بھابھی، آپ نے آج مجھے اس وقت کیوں بلایا تھا؟“ کلا بڑے انجس میں پڑ گئی، پر اسے ایک آپا بے سوجھ گیا۔ اس نے کہا، ”لالا، میں راماں کئی جگہ سمجھ نہیں پائی، آپ نے سمجھانے کا وعدہ کیا تھا، ذرا بتا دیجیے گا۔“ راماں لے کر گوپال ان پنکھوں کا ارتھ کرنے لگا، کتھو کلا تو کیول گوپال کے ”نور اور شہدوں کا سنگیت سنتا چاہتی تھی، ارتھ سے اسے کوئی پریون نہ تھا!“ نکا دیا کھیا ساہت ہو گئی۔ کلا نے گوپال کو پان دیا۔ پان لیتے تھے گوپال نے کلا کی آنکھوں میں اٹھکاری بھادوں کی چھایا دیکھی۔ وہ تڑپ اٹھا۔ بھاد اُٹھا اس کے ہر دیہ میں تاڈو برتہ کرنے لگا۔ کھڑے ہو کر سار میں اسم وٹے بھر کر اس نے پکارا، ”بھابھی!“ کتھو ”زمین پر آنکھیں گاڑے، گھنٹوں کو کروں سے کس کر باندھے ہوئے، کلا جیسی کی تھیں نچل بیٹھی رہی!“ گوپال کئی چمن مورتی دت کھڑا رہا، پھر ٹوپی اور چھڑی لے کر اوردھ کٹھ سے بولا، ”جاتا ہوں بھابھی!“ چمن لڑکھرائی ہوئی آواز میں کلا نے پوچھا، ”پھر کب آئے گا، لالا؟“ ”کہہ نہیں سکتا! آداب عرض!“ اتر کی پر نکھا کیے بنا ہی گوپال جلدی جلدی سڑیوں سے نیچے اترنے لگا! کلا اپنے استھان سے اٹھ کر پٹنگ پر گر پڑی، اور لوٹنے لگی جیسے جل سے باہر نکل کر پھلی تڑپتی ہے۔ وہ ریشی ساری، وہ جیکٹ، یوڈکولون کی دے پنٹیں اس کے شریر میں ہستروں پھوؤں کے سان ڈمک مارنے لگی، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، اور کمرے کے اس پار میٹھا چھاوت آکاش میں شرادوں کی کالی کالی گھنائیں گرج گرج کر کلا کے ہر دیہ میں ہوک پیدا کرنے لگی۔“

کہانی یہ ہے۔ اس پر آپ یوں آلوچنا کرتے ہیں۔ ”راجیشور پر ساد سنگھ جی کا ”اتر دودھ“ بھی۔ حمارتھ داد کا گکڑا ہوا چتر ہے۔ ہر دیہ نارائن کا دیو ہار کہیں ایسا نہیں دکھایا گیا، جس سے اس کی استری کو اس سے اسٹھٹ ہونے کا کوئی کارن ہوتا۔ اس کی آمدنی کم ہے۔ اور استری کو اچھے اچھے اپہار نہیں دے سکتا۔ کیا اتنا اپرادھ ہی استری کے من کے گوپال کے پرتی ایسی بھادنا اتھن کرنے کے لیے کافی ہے؟ اگر پردوش یا استری اس

طرح اہماروں پر لوٹ پوٹ ہو جانے لگیں تو غریب آدمی کی سکھ شافی کا انت ہی ہو جائے۔“ ان چنگٹیوں کو پڑھ کر گیات ہوتا ہے کہ یا تو آپ نے کہانی دھیان سے نہیں پڑھی یا کسی انیہ بھاد سے پریرت ہو کر ایسی ررمول آلوچنا لکھ ماری۔ دونوں باتیں صحیح ہیں یا ایک ہی، یہ تو آپ ہی کہہ سکتے ہیں۔ ”راجیشور پرساد سنگھ جی کا ”انتر دوند“ بھی بھارتھ واد کا بگڑا ہوا چتر ہے۔“ اس چنگٹی کا واسطوک آشیہ کیا ہے، یہ تو آپ جانیں۔ کنتو اس جے یہ باتیں نکلتی ہیں۔ یا تو آپ نے ”انتر دوند“ کی کھتا کو اسو بھاوک سمجھ لیا ہے یا سانج کو گرانے والا، یا دونوں۔ اسو بھاوکتا کے اتر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انیک بچی گھٹناؤں کے آدھار پر میں نے یہ کہانی لکھی تھی، اور اس پتر کے سہستروں پانٹھک کدلچت میری اس بات کا انومدون کریں گے کہ ہمارے سانج میں ایسی گھٹنائیں آئے دن ہو رہی ہیں۔ کلا اپنے پتی سے اشعث تھی، اور سہر دیہ گوپال سے وہ سب پاتی تھی جس کی ہر دیہ ناراین کی تھی۔ اس کے اجرت پر نیہ کی کریا اگیات روپ سے ہی آرمھ ہوتی ہے۔ اس لیے، کلا کا گوپال کی اور اکرشٹ ہونا اتھیت سو بھاوک تھا۔ رہی سانج کو گرانے والی بات، ”انتر دوند“ کہانی سانج کو گرانے والی نہیں ہے، کیونکہ اس میں آدرش واد بھی ہے۔ کلا اور گوپال کے ہر دیوں میں ایک دوسرے پر پی آسکتی ہے، کنتو دونوں اپنے بھادوں کو کھ سے نہیں نکالتے۔ کیول موک چتر پٹ کے پاتروں کی بھاتی، دونوں اپنا اپنا پارٹ کرتے ہیں۔ جب کلا آگے بڑھتی ہے، تو گوپال پیچھے ہٹا ہے؛ اور جب گوپال آگے بڑھتا ہے، تو کلا پیچھے ہٹی ہے۔ اس طرح کلا کی گوپال کی اور ہندو سانج کی مریدہ کی رکشا ہوتی ہے۔

”نہر دیہ ناراین کا دیو ہار کہیں ایسا نہیں دکھایا گیا، جس سے اس کی استری کو اس سے اشعث ہونے کا کوئی کارن ہوتا۔“ یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ ”انتر دوند“ کے پہلے ادھیائے میں دیکھیے۔ ”دیواہ ہونے سے پورو کلا دہیچہ جیون کا سنگھد سوہن دیکھا کرتی تھی۔ اس کے کلپنا سمین من میں جس بھویہ بھون کا زمان ہوا تھا، وہ الیشوریہ پورٹ تھا۔ اس کی سبھی باتیں انوکھی تھیں۔ اس میں رہنے والے جیو سنسار کے سادھارن پرانی نہ تھے۔ کلا نے سوچا تھا، وہ اس بھون کی سوامنی ہوگی، اور سوامی کے اگادھ اسپیہ اور آدر کی ادھیکارنی، کنتو دیواہ کے بعد سسرال آکر اسے گیات ہوا کہ سنسار کو نویدون کی رنگیلی

آکھیں جیسا دیکھتی ہیں، داستو میں وہ ویسا نہیں۔ اس کی آشاؤں اور امنگوں پر پانی پھر گیا۔ سسرال کی کوئی بات ان سہنوں سے نہ ملتی تھی، جن کی درشنی میں اس نے اپنی ساری کلینا ہفتی خرچ کر دی تھی۔ اس کا گھر ایک سادھارن گھر تھا، اور اس کا تھا۔“ اپنے ماما چا کی اکیلی بیٹی ہونے کے کارن مانگے میں ککلا کا ویش مان تھا۔ اسے پورن سوتنڑا تھی، اس کی اکشا ہفتی پر کسی دوسرے کا ادھیکار نہ تھا، کنتو سسرال میں پرستھتی اور تھی۔ یہاں سوتنڑا نہیں، پرا دھینا تھی۔“

سسرال میں ککلا کے اجرت کوئی دوسری استری نہ تھی، پھر بھی وہ گھر کی سوامنی نہیں تھی۔ پتی دیو کے رائے کے پنا اسے کوئی کام کرنے کا ادھیکار نہ تھا۔ ہر دیہ ناراین اپنے سولہو کے ادھکاروں سے پورا پورا لالچ اٹھائے بنا کیسے رہ سکتے تھے؟ ان کی شاستر نیٹی میں ’کچھ لے، کچھ دے، کے سدھانت کے لیے استھان نہ تھا، دے لے سب کچھ سکتے تھے، دے کچھ نہیں؟‘ جن سوہنوں کو لے کر ککلا سسرال آئی، انھیں دیکھتے ہوئے ہر دیہ ناراین سے اسے کچھ کم بھی ملتا، تو شاید ککلا شفٹ رہتی۔ کنتو ہر دیہ ناراین تو اسے کچھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ اسے نہ اچھا کھانے پینے کو دیتا تھا، نہ گرہ کاریہ میں سوتنڑا۔ ہر دیہ ناراین کا ایسا دیوہار ککلا کو استھٹ رکھنے کے لیے کیا پریا پت نہ تھا؟

”اس کی آمدنی کم ہے، اور وہ استری کو اچھے اچھے اُپہار نہیں دے سکتا۔“ یہ بات بھی زرمول ہے۔ ہر دیہ ناراین دھن جن نہیں، کرپن ہے۔ پہلے ہی ادھیائے میں لکھا ہے ”یہ بات نہ تھی کہ بابو ہر دیہ ناراین دودر ہوں۔ نہیں، آپ کی کنتڑا ضلع کے سُر سدھ وکیلوں میں تھی اور آپ کما تے بھی تھیٹ تھے، کنتو آپ کے اور ککلا کے وچاروں میں آکاش پاتال کا انتر تھا۔ ککلا جن سسکاروں میں پل کر بڑی ہوئی تھی، بابو صاحب پر ان کی چھایا تک نہ پڑی تھی۔ ککلا نے مانگے میں ایک بات سیکھی تھی، دھن منجھہ کی آدھیکادوں کی پورتی کا سادھن ماتر ہے، کنتو بابو صاحب اس سدھانت سے سمجھ نہ تھے؛ دھن کو آدھیکادوں کی پورتی کا سادھن ہی نہیں، اُپاسنا کی دستو بھی سمجھتے تھے۔“ اور، ”ہر دیہ ناراین کے سوبھاؤ میں سوروچی کا ابھاؤ تھا۔ ایک دلش بھوشا کی ہی بات لے لیجیے۔ آپ کا کوئی ایسا دستر نہ تھا جو جیون کی انتم گھڑیاں نہ گمن رہا ہو۔ پرانے کپڑے پڑی صاف ہوں تو اتنے برے نہیں لگتے، کنتو، دھمی دام نے کپڑوں کے بھاگیہ میں شکھ نہ لکھا تھا۔ دے

سپنے سے تر ہو جاتے تھے، ان سے ڈرگندھ لگنے لگتی، کنتو دھوبی کا گھر دیکھنے کا اہمیت سو بھاگیہ پراپت ہونے میں ولیمب ہوتا ہی رہتا۔ جب ہر دیہ ناراین کی سویم اپنی دشا یہ تھی، تو پھر استری کا ”سنوار سنگار“ آپ کن آنکھوں سے دیکھتے؟ ”سنوار سنگار“ میں کیا فضول خرچی نہیں ہوتی؟ سادگی کیا اوٹن ہے؟ پھر، ہر دیہ ناراین اپنی استری کو اس مارگ پر کیسے چلنے دیتے، جس میں تباہی تھی۔ کیول تباہی تھی؟ مانا کہ، وہ مانگے سے - حیثیت کہنے کپڑے لے کر آئی تھی، لیکن روز روز پہننے سے کیا وہ خراب نہیں ہوتے، پھر انھیں دُست کرانے میں کیا کچھ خرچ نہیں ہوتا؟“ ان اُدھرنوں سے سدھ ہے کہ ہر دیہ نارائن سپین تھا، کنتو گھور کر پن تھا۔ پھر، آپ نے کیسے انومان کر لیا کہ ہر دیہ ناراین کی آرتھک دشا اچھی نہیں نہ تھی؟ اچھے اچھے اُپہار نہ دے کر، سُرچی پورن سادگی سے رکھ کر بھی استری کو ششٹ رکھا جاسکتا ہے، کنتو ہر دیہ ناراین کے سو بھاو میں تو سُر وچی کا ہی اجماد تھا۔

”کیا اتنا اپرا دھ ہی استری کے من میں گوپال کے پرتی ایسی بھاونا اتہن کرنے کے لیے کافی ہے؟ اگر پُر دوش یا استری اس طرح اُپہاروں پر لوٹ پوٹ ہو جانے لگیں، تو غریب پر یوار کی سکھ شانی کا انت ہی ہو جائے گا۔“ یہ پتکتیاں بھی کتنی بھرم پورن ہیں۔ گوپال سے اُپہار پانے کے کارن بھی اس کے من میں اس کے پرتی آسکتی اتہن نہیں ہوتی۔ آسکتی کی کریا اسی سئے آرمھ ہو جاتی ہے جب کلا پہلے پہل گوپال کی آواز سنتی ہے، اور آگن میں لیٹ کر اس کی بات سوچنے لگتی ہے۔ گوپال کو دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کے بعد آسکتی بڑھ جاتی ہے۔ اسے اُپہار تو گوپال دوسرے دن بھیٹ کرتا ہے۔ جن کارنوں سے کلا کی آسکتی میں اُگرتا آتی ہے، ان میں گوپال کا اُپہار بھیٹ ایک آوشیہ ہے۔ کنتو انیہ کارن ہیں، سوپنوں کی دھوم کے کارن کلا کا مانسک داتا ورن، ہر دیہ ناراین کے الوچٹ دُروپہار کے کارن اس کا داپہیہ جیون سے استنوش، اور گوپال کا کلا کے آدرش انور وپ ہوتا۔

”استر وڈ“، کہانی سرو تھا بڑو دوش ہو نہ ہو، کنتو اس میں وے دوش نہیں ہے جو آپ نے دکھائے ہیں۔ اس میں اس مٹھر کو بھاونا کی ابھی یوکتی ہے جو کسی پُر دوش یا استری کے ہر دیہ میں کسی استری یا پُر دوش کو اپنے انور وپ پا کر سدا اُشتی رہی ہے اور سدا اُشتی رہے گی، اور اس بھاونا کی ابھی یوکتی کی گئی ہے سو بھاوک تھا سلیٹ ڈھنگ سے۔

کھنڈا تک آلوچنا کا اچھڑا یہ یدی منڈا تک ہو تو وہ سواگت کے یوگیہ ہے۔ کسی لیکھک کو اس کی حشیاں دکھا دینے سے اسے لا بھ ہو سکتا ہے، کنتو کھنڈا تک آلوچنا جب برمول، برادھارتھا استپہ دھارناؤں کو لے کر کی جاتی ہے، تو وہ ہیہ تھا اوہیلنا کے یوگیہ ہی ہوتی ہے۔ آپ کی آلوچنا ایسی ہی ہے۔ ایسی بھرماتھک تھا انیائے پورن سالوچنا لکھ کر نہ تو آپ نے اپنا ہی اُپکار کیا ہے، نہ میرا، نہ ہندی سنسار کا۔ ات اونیائے اسی میں ہے کہ یدی آپ نے اساد دھانی کے کارن یا بھرم دس یہ آلوچنا کی ہو تو اپنی بھول سوکار کیجیے، اور اس کا کارن کوئی انیہ بھاد ہو تو اسے من سے نکال دیجیے۔

انت میں اتنا میں آپ سے اور کہنا چاہتا ہوں، ساپیہ کا شیرت سوترت ہے، وشال ہے۔ اس میں ایک ہی نہیں، انیک سلتیکوں کے لیے منجائش ہے، اس لیے Live and let "live"۔

بھودیہ

راجیشور پرساد سنگھ

(”بھارت“ روپوار 16 جولائی 1933 میں ”سالوچنا کی وڈبنا، پریم چند جی کے نام کھلا پتر“ شیرشک سے پرکاشت)

جگدیش نارائن کا خط

وینک پریس، 1، سرکار لین، کلکتہ،

03-08-1933

پریم چند جی،

”پریم بھجی“ کی باقی ایک کہانی فیکھر بھج دیں یا لکھیں کہ وہ ”ماہوری“ کے کس ایک میں ملے گی۔ ہنسک لگ بھگ چپ چکی ہے۔ کیول اسی ایک کہانی کے لیے ایک فارم رکا ہوا ہے۔ اس کے سبندھ میں یدی کچھ اور لکھنا ہو تو لکھ کر فیکھر بھج دیں۔ شیش کرپا۔ یوگ سیوا لکھیں۔

آپ کا، جگدیش نارائن

کے۔ پی۔ دھر، مینیجر، الہ آباد لاء جرنل پریس کا خط

K.P. Dhar

Manager,

Allahabad Law Journal Press,

5 Prayag street, Allahabad

6.9.1933

Syt. Premchand

Editor 'Hans',

Saraswati Press, Benares

Dear Sir,

As desired by Pt. Jawahar Lal Nehru, we send you a cheque for Rs. 52-12-0 being 1/3 of the royalty payable to him on account of sales of 'Pita ke Patra Putri ke Nam' up to the end of 1932.

Yours very truly,

K.P. Dhar

Manager

پتا لال (کمشنر بنارس ڈویژن) کا خط

Commissioner,

Benares Division.

September 19, 1933

Dear Mr. Dhanpat Rai,

I am glad to get your letter of September 15 about the Kashi number of the 'Hans'. As you know, I have very little spare time at my disposal and therefore it is difficult to write

anything worth publishing, but if you are keen, I can write a very short note on Kashi and Samath with special reference to the new Mulgandh Kuti Vihar, which has recently been built at Sarnath or I can write about the advent of Sri Krishna Chaitanya at Benares. I did not know that you were here all this time. I had an idea some how that you had gone away to Lucknow otherwise why I have not seen you all these months? Why not come over one after noon and have a talk about things in general.

Yours Sincerely,
Panna Lal

بھونیشور پرشاد کا خط

200, Hindu Hostel
Allahabad

1.4.1934

My dear Munshi Prem Chandji,

Excuse me for writing to you in this red ink to which I've taken a fancy these days. I have sent to you a poem only the other day and I am very sorry sending to you a short novel or a big story. Will you kindly see that I receive a little money as I am quite redawn in finance.

Yours,
Bhuvaneshwar Prasad

موہن بھونانی کا خط

Ajanta Cinetone L TD
Producers and Distributors of
High class Talking Pictures

30, Govt. Gate Road,
Parel, Bombay-12

23rd May, 1934

Dear Babu Prem Chand,

I hope you have received my letter dated 12th May, 1934. I am sorry I have not received a reply from you.

The matter is urgent from my point of view, because negotiations are going on with some other people also. I would however very much like you to join us. You need not be afraid by the number of stories, because I will only want you to give me as many stories or dialogues as may be required by me for actual production.

Please let me have a reply immediately so that I may know where I stand.

With kind regards,

Yours Sincerely,

M. Bhavnani

سوم پرکاش سہنی کا خط

لاہور رائے اینڈ سنس،

شملہ

10-09-1934

شری یت فشی پریم چند جی، نمستے!

آپ کا نوازش نامہ لاہور سے رٹرن ہو کر مجھے یہاں ملا۔ آپ کا خط آتا یا نہ آتا، ان دنوں میں کچھ نہ کچھ جو بھی بن پڑتا، آپ کو بھیجنا تھا، کیونکہ آج ہی آریہ سماج کا جلسہ ختم ہوا۔ یہاں دو سماجوں کے جلسے ایک ایک ہفتہ چھوڑ کر ہوتے ہیں۔ دو تین دن سیل ہو جاتی ہے۔ مگر اب کے دونوں سماجوں کے جلسے اکٹھے ہوئے ہیں۔ Dull Market ہے۔ دوسرے، انھوں نے جلسے اکٹھا کر لیے ہیں، جس کی وجہ سے سیل خاص طور پر کم ہوئی

ہے۔ مبلغ سو روپے کا چیک ارسال خدمت ہے، اور جلد ہی سو روپے دوسری قسط ارسال کروں گا۔ میں آپ کو کس طرح یقین دلا سکتا ہوں کہ میری نیت بد نیتی میں تبدیل ہو گئی ہے۔ (یا نیت صاف ہے)۔ اس کا علاج تو ایک ہی ہے کہ آپ کا روپیہ ادا ہو جاتا، ورنہ دوسری صورت میں تو لازمی طور پر بد نیتی کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ کساد بازاری ہے، نہ کہ میری بد نیتی۔ زیادہ کیا لکھوں، نظریں عنایت کریں گے اور جس طرح بھی کوشش ہو سکے گی، آپ کا روپیہ جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔

سوم پرکاش

چندر گپت ودھا لنکار کا خط

میکلین روڈ، لاہور،

25-09-1934

مانیہ در بھائی جی،

آپ کی شروشر-بٹھہ، کہانیوں کو ہم لوگوں نے اب اپنی سریز میں ہی پرکاشت کر دیا ہے۔ پُتک کی ایک کاپی آپ کی سیوا میں ادلوکن اتھ بھیج رہا ہوں۔ یہ Binding بہت جلدی میں کرائی گئی ہے۔ شیش کاپیوں کی Binding اس سے بھی بہت سندر کروائی جا رہی ہے، مگر صرف 50 کاپیوں میں، جنہیں Punjab University میں Submit کرنے کے لیے جلدی میں، اچھا کاغذ نہ ملنے پر، چھپوا دیا گیا تھا۔ باقی کتابیں اس سے بہت بڑھیاں رہیں گی۔ استو۔

اب کے اس پُتک کو ہم نے Matric تھا Hindi Board دونوں کے سٹھ پرست کیا ہے۔ کربیا آپ Registrar, Punjab University کے نام Senate Hall, Lahore کے پتے پر نمٹ لکھت Declaration لوبتی ڈاک سے، رجسٹرڈ لفافے میں بھیجوا دیں۔

To,

The Registrar,

University of Punjab,

Senate Hall, Lahore.

Dear Sir,

I, the author of " Premchand ki sarvashreshth Kahaniyan" have given the said book to "Vishwa Sahitya Granth-Mala" of Lahore on royalty basis, and I Have no portion secret or otherwise in my royalty.

yours faithfully,

کریبا یہ کام بہت شکھڑ کروانے کا کٹ کیجیے گا۔ یہ اتیادھیک ہے۔
شیش سب کھل ہے۔ میں پچھلے دنوں بنارس بھی گیا تھا۔ وہاں معلوم ہوا تھا کہ بمبئی
جا کر آپ کا سواستھ ٹھیک نہیں رہا۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ آشا ہے، آپ آندے سے ہیں۔ آپ
کا کریبا پتر ملنے پر پھر لکھوں گا۔

ونیت، چندر گپت

نندر گپت ودھا لنکار کا خط

میکلین روڈ، لاہور

29-09-1934

مانیہ ور بھائی جی، آپ کا 27 ستمبر، 1934 کا کریبا کارڈ ملا ہے۔ مجھے آسجریہ ہے کہ
اپنے وشو ساپیہ گرنٹھ مالا کو Northern India Publishing House کی شاکھا یا پونچھ کیسے
سمجھ لیا؟ یہ میرا اور پروفیسر وید ویاس کا سانچے کا Firm ہے۔ ہم دونوں نے اس میں
Money Invest کیا ہے۔ اس Firm کا سپورن کاریہ بھار مجھ پر ہے۔ پروفیسر وید
ویاس تو اس Firm کے ایک طرح سے Sleeping Partner ہیں۔ مجھے معلوم نہیں
کہ ”کھپ رتن“ والا معاملہ کیا ہے۔ پرتو وہ چاہے جو کچھ بھی ہو، اس کے لیے مجھے کسی بھی
طرح سے ذمے دار نہیں ٹھرایا جا سکتا۔ آپ وشواس کیجیے، وشو ساپیہ گرنٹھ مالا شرکی وید
ویاس جی کا کھلونا ہرگز نہیں ہے۔ آپ کا میرے ساتھ جو Agreement ہوا تھا، وہ ابھر
شر پالن کیا جائے گا، آپ پوری طرح سے نشچت رہیں۔ میں اس کے لیے ذمے دار
ہوں۔

اب کے ان کہانیوں کو ہم نے وشو ساپیہ گرنٹھ مالا کی اور سے پراکاشیت کیا ہے۔ اس

بار ہم لوگ تین چار انیہ شریٹھ کہانی لیکھکوں کی شروشریٹھ کہانیاں بھی پرکاشت کرنے جا رہے ہیں۔

بچھلی بار، جب یہ پتک آپ کی اور سے Submit کی تھی، سیوکار نہیں ہو سکی تھی۔ ہمارے ساتھ آپ کا پہلے جو پتر دیوہار ہوا تھا، اس کے آدھار پر اس پتک کو اب کے ہم نے اپنی اور سے پرکاشت کیا ہے۔ پتک یڈی ایک درش اسیوکار ہو جائے تو اگلے ورش یوں ہی نئے سرے سے، اتنی ہی کاپیوں کے ساتھ، Submit کرنی پڑتی ہے۔ Author کا Declaration آنا بھی آدھیک ہے۔ ایتمہا پتک اسی Objection پر سیوکار نہ ہو سکے گی۔ آتہ کریا نہیں لکھت Declaration بہت فکھر رجسٹرڈ لفافے میں رجسٹرار کے نام بھیجا دیں

To,
The Registrar,
University of Punjab,
Senate Hall, Lahore.

Dear Sir,

I, the author of "Premchand ki sarvashreshth Kahaniyan" declare that i have 'given this book to "Vishwa Sahitya Granth-Mala" of Lahore on royalty basis, and I have no portions, secret or otherwise in the rate of the said book.

آشا ہے، آپ سٹھل ہوں گے۔

ونیت، چندر پرت

سیکرٹری، پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی لاہور کا خط

From
The Secretary,
Punjab Text-Book Committee, Labore.

No. 1291/93 ,
3rd October 1933

Sir,

In forwarding herewith 'Men Saheli Parts 4th to 7th, by

Sant Gokal Chand Shastri B.A. (Uttam Chand Kapur and Sons, Lahore), I have the honour to request the favour of your kindly furnishing me with a report on their merits as compared with the publications noted below which are already on the list of books approved for use in schools.

I may add for your information that the Committee, while recommending books for use in schools as text-books should not be multiplied, unless new books have some distinctive merit as compared with the publications already prescribed. The publishers in response to our request, have sent us an account of what they consider to be the merits of their books. This is being forwarded to you for your scrutiny and consideration.

It would be convenient if your reply could reach me not later than the 15th November, 1933. Books noted below may kindly be returned along with your report. I may add that Your work will be paid for.

I have the honour to be,

Sir

Your most obedient Servant,

Sd./- Secretary

Punjab Text Book Committee

چندر گپت ودھا لنکار کا خط

میکلین روڈ، لاہور

04-10-1934

مانیہ در مہودیہ،

آپ کا 20 اکتوبر، 1934 کا کرپا کارڈ ملا۔ اتر میں نویدن ہے کہ
1. پروفیسر دید ویاس جی کے دیکتی گت کے Account کے لیے نہ دوشاہیہ گرتھ

مالا ذمے دار ہو سکتی ہے، اور نہ ہی میں۔ پھر بھی ان سے میں نے اس سمبندھ میں پوچھا ہے۔ وہ سویم اپنے ساتھ حساب کتاب صاف کر لینے کو اتنگ ہیں۔ پچھلے اگست ماس کے اتم پستہ میں وہ ایک دن کے لیے بمبئی گئے تھے اور آپ کے ساتھ حساب کتاب صاف کر لینے کی اِکھا سے آپ کے بواسِ امتحان (دادر) پر بھی گئے تھے؛ پرتو آپ اس سئے وہاں نہیں تھے۔ ان کا کتھن ہے کہ ادھر ملتے ہی آپ سے مل کر وہ حساب کریں گے۔ آپ نے بھی تو (بقول ان کے) انھیں ابھی تک کوئی حساب نہیں بھیجا۔

2. پریم چند کی سرڈریشٹھ کہانیاں ان کی نہیں، وشو ساہیہ گرنٹھ مالا کی سمبنتی ہے۔ اس پُتک کا حساب ٹھیک ٹھاک آپ کو ملتا رہے گا، یہ میں آپ کو وشواس دلاتا ہوں۔ وشو ساہیہ گرنٹھ مالا کے سمپورن کاریہ کی دیکھ بھال میں سویم کرتا ہوں۔

3. ”پریم چند کی سرڈریشٹھ کہانیاں“ نامک پُتک آپ نے ہمیں رائٹلی basis پر دی ہوئی ہے۔ آپ سے لکھت اومتی لے کر ہی میں نے اس کا پرکاشن کیا ہے، بلکہ اس پُتک کا تو idea بھی میں نے ہی آپ کو دیا تھا۔ آپ کا وہ سمپورن پتر دیوہار ہمارے پاس موجود ہے۔ اس وشا میں، اب یہ تو پرشن ہی نہیں اٹھتا کہ آپ اُکت پُتک کا پرکاشادھیکار ہمیں دیں یا نہ دیں۔

4. جیسا کہ آپ کو سوچت کیا جا چکا ہے، یہ پُتک اس ورش ہم لوگوں نے Punjab University کے Sanskrit and Hindi Board تھا Matric Board کے سنگھ پیش کی ہوئی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے نیوں کے انوسار پُتک لیکھک کا Declaration اس آشیہ کا آنا ضروری ہے کہ اس کی رائٹلی کا کوئی Portions secret or otherwise ہے یا نہیں۔ آپ سے یہی Declaration بھیجنے کی پراعتنا پچھلے تین پتروں میں کی جا چکی ہیں۔ یہ Declaration 10 اکتوبر، 1934 تک Registrar کے Office میں اوشیہ پہنچ جانا چاہیے؛ ایتھا اس پُتک پر وچار ہی نہ کیا جائے گا۔

5. اُد آپ سے ہنہہ الورودھ ہے کہ کرپا اُکت declaration، جس کا روپ میں اپنے پچھلے 2 اکتوبر کے پتر میں لکھ چکا ہوں، آپ میرے پاس اتھوار رجسٹرار، پنجاب یونیورسٹی کے نام Registered لفافے میں اوشیہ بھیج دیں، ایتھا پُتک پر وچار نہ ہوگا۔

6. یدی آپ ٹیکت Declaration، جتا سمبھو نہیں بھیجیں گے تو اس سے ہمیں جو

loss ہوگا، اس کا اترداتو آپ ہی پر ہوگا۔ اُکت declaration میرے پاس اٹھوا روسترار کے پاس 9 اکتوبر، 1934 تک اوشیہ بچ جانا چاہیے۔ یدی آپ declaration روسترار کے نام پر بھیجے تو اس کی سوچنا مجھے بھی اوشیہ دے دیجیے گا۔
7. میں آپ کو پنہ وٹواس دلاتا ہوں کہ حساب آدی کے سبندھ میں آپ کو وٹو ساچیہ مرنتھ مالا سے کسی قسم کی شکایت نہ ہوگی۔

بھودیہ،

چندر گپت، دوستاپک

چندر گپت وڈھا لنکار کا خط

میکلین روڈ، لاہور

04-10-1934

مانیہ در بھائی جی،

آپ کا 27-12-1934 کا پتر ملا ہے۔ دھنیہ واد۔ اتر میں نودین ہے کہ
1. ”سروشریشٹھ کہانیاں“ اس ورش matric میں سوپکار ہو سکتی تھی۔ سبھی مبروں نے اسے خوب پسند بھی کیا تھا، پرنٹو board میں یہ سدھانت مان لیا گیا کہ کہانیوں کی selection representative ہونی چاہیے اُتہ وہاں نہیں ہو سکی، اور کسی پر یکھا میں کہانیوں کی کتاب اس سال بدلی ہی نہیں۔

2. یو۔ پی۔ میں اس پٹک کے chance ہیں، وہاں ہم کوشش کر رہے ہیں۔

3. ابھی general sale شروع ہی نہیں کی گئی۔ اب شروع کی جائے گی۔

4. رائٹلی کا بتایا شرط نامہ stamp paper پر لکھ کر بھیجنے میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں، پرنٹو ایک بات آپ نے نئی (ہماری درشتی میں) کٹڑی کر دی ہے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے میں نے 15 (چندروہ) پرنٹو رائٹلی آپ سے بتارس میں طے کی تھی۔ اب آپ 25 (بکپس) لکھ رہے ہیں، جو ہمارے لیے سروٹھا امانیہ ہے۔ میں نے آپ کا یہ پتر آنے پر، file نکال کر دیکھی ہے۔ پچھلے پتر میں جو آپ نے ستمبر، 1934 میں بھیجا تھا، رائٹلی کی ماترا انگریزی انگوں میں لکھی تھی۔ وہ ایسی ہے، جسے 15 اور 25 دونوں پڑھا جا سکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تب آپ نے شاید 25 لکھا ہوگا، پرتو ہم لوگوں نے اسے 15 پڑھا اور ہمارا یہ پڑھنا ہمارے پچھلے پتر دیوبار کی دروشی سے بالکل ٹھیک تھا، کیونکہ میں آپ کو 1933 کے پتر دیوبار میں یہ اسپٹ لکھ چکا تھا کہ اس پتک پر ہم لوگ آپ کو 15% Royalty دیں گے۔ مکتبک بھی ہماری یہی بات چیت ہوئی تھی۔ آپ نے شروع میں لکھا تھا، جو رائٹنی آپ دیں گے، مجھے منظور ہوگی۔ آپ کا وہ پتر ہماری فائل میں موجود ہے۔ اب آپ آگیاں دیں تو 15% رائٹنی کے آدھار پر شرط نامہ 12 آنے کے Stamp Paper پر لکھ کر آپ کی سیوا میں بھیج دیا جائے۔

ونیت، چندر گپت

رام چند ٹنڈن کا خط

10 South Road,

Allahabad

31.12.34

My Dear Premchandji,

When you were here last you had taken away certain books from me. I would particularly wish one of these-'Recollections of a Bookman'-to be returned to me. I do not know, if you have it with you at Bombay. If not, you may kindly ask your charged' affairs at Benares to send it to me.

I had hoped to discuss with you personally the question of Lekhak Sangh, if and when we met at Lahore. The sammelan is yet some way off, and you have been treating the public with your views through the columns of the 'Hans'. I have just concluded in the press a controversy on the subject with Pandit Ramnaresh Tripathi and have no wish to enter into another of all persons with you. But you will let me express my whole-hearted dis-agreement with your views. Authors who have also

turned publishers, have it would unfortunately seem, lost their capacity to sympathise with their 'former fellow professionals. You have taken up the typical publisher's attitude. You forget that for his failures a publisher has to thank his own bad knowledge of the business and poor authors are in no way to blame. Moreover, I have advocated the royalty system, which is fair both to the publisher and the author. There is no use publishers crying out that business is slack. They pay all other items of expenditure all right; when it is a question of paying the author, well, 'how the business is going down.' I ask, is it honest? Do you deny that there are sharks among the publishers? It would be good day both for the author and the publisher when a fair relationship came to be established between them. And I look up to you to help, rather than to hold a brief for the publisher.

It is unfortunately not possible for me to join the Lekhak Sangh as it would not seem prepared to come to a grip with realities. But it cannot escape it for long and in the meantime we can only educate it into a sense of earnestness.

How do you do? With all good wishes for the New Year,

Yours sincerely,

Ram Chandra Tandon

چندرگیت کا خط

میکلین روڈ، لاہور

15-01-1935

مانیہ در بھائی جی،

آپ کا 12 جنوری کا کرپا پتر ملا ہے، ہارڈک دھنیہ واد۔ آپ کا زردیش بالکل ٹھیک

ہے۔ دیوہار میں صفائی دینی ہی چاہیے۔ آپ کی سیوا میں شرط نامے کی دو stamped
کاپیاں منگھری بھیج دوں گا۔ ایک آپ اپنے پاس رکھ لیجیے گا اور دوسری، اپنے ہستاکثر کر
کے لوٹا دینے کی کرپا کیجیے گا۔

شیش سب کھل ہے۔ کیا آپ اپنے Bombay کے impressions لکھنے کی کرپا
کریں گے؟ وہاں آپ کا سواستھ تو ٹھیک رہتا ہے نہ؟

ونیت بھائی، پندر گیت

اشفاق حسین کا خط

میرٹھ کالج، اجمیر

3 فروری 1935

برادر، حلیم!

آپ کا خط مع خطبے کے ملا۔ خطبے میں آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان
سے مجھے قریب قریب پورے طور پر اتفاق ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کا ترجمہ اردو
رسائل میں شائع کیا جائے تو بہتر ہوگا، میری نظر میں دو رسائل ہیں اور آخری خط جو میں
نے آپ کو لکھا تھا اس کی غرض یہی تھی کہ یہ تحریک ان رسائل کے ذریعہ اٹھائی جائے۔
(1) جامعہ ہے (2) معلومات۔ معلومات کو شاید آپ کو معلوم ہو، میاں والی نے پھر سے
زندہ کیا ہے۔ دسمبر میں والی سے لکھنؤ میں بات چیت بھی ہوئی تھی۔ ان کی رائے ہوئی تھی
کہ وہ حشٹی خط 'معلومات' کو بھیج دوں اور وہ اس پر اپنی رائے ظاہر کر کے دوسروں کو دعوت
دیں گے کہ وہ بھی اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ ان دو رسالوں کے علاوہ اگر رائے ہو تو
کسی پنجابی رسالے کو بھی شامل کر لیا جائے۔ یہ خیالات تھے آپ کے خطبے کی خبر سے
پہلے۔ اب غالباً یہی بہتر ہو کہ پہلے آپ کے خطبے کا اردو ترجمہ ان رسالوں کو بھیجا جائے
اور اس کے بعد وہ حشٹی خط۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

سینما کے بارے میں میں آپ سے اتفاق نہیں کرتا ہوں۔ آج کل جو ہمارے سینما
کی حالت ہے وہ یقیناً نفرت انگیز ہے، مگر ساتھ ہی اس کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ
اس کا اثر ہماری معاشرت پر بہت وسیع اور گہرا ہوگا۔ وہ اثر برا ہو یا بھلا۔ یہ ان لوگوں پر

منحصر ہے جو سینما چلاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ کام تجارت کا ہے۔ کاروباری آدمی کی نظر روپے پر ہوگی اور روپے لوگوں کو خوش کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ فی الحال جبکہ عوام کی تعلیم اور تربیت اتنی گری ہوئی ہے ان کا مذاق بھی بھونڈا ہوگا۔ مگر اسی سینما سے وہ مذاق بہت کچھ درست بھی کیا جاسکتا ہے۔ اب اگر تمام متقول لوگ جو اس میں شامل ہیں ماحول کی گندگی کے خیال سے علاحدہ ہو جائیں تو پھر عوام کا مذاق سدھارنے والا یا ان کے خیالات درست کرنے والا کون ہوگا۔ ایک اتنی اہم چیز صرف خود غرض جابلوں کے ہاتھ رہ جائے گی۔ خود کو کام اس وقت آپ کے پیش نظر ہے اس میں سینما سے بے حد مدد مل سکتی ہے۔ اتنی ہی خدمت کیا کم ہوگی۔ میری تو رائے یہ ہرگز نہ ہوگی کہ آپ عاجز ہو کر چھوڑ دیں۔ آپ رفتہ رفتہ ایک خاصا بڑا کام بھی کر سکیں گے۔ یہ میری رائے ہے، مگر آپ حالات سے میری بہ نسبت کہیں زیادہ واقف ہیں، اور مجھ سے بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں۔

اس خطبے کا اردو ترجمہ جلد بھیج دیجیے۔ یا تو خود براہ راست رسالوں کو بھیج دیجیے یا (ایک اور خیال آتا ہے) وہ ششٹی خط اور یہ خطبہ مجھے بھیج دیجیے۔ وہ خط بطور اس خطبے کے نیچے کے میں اپنی طرف سے ساتھ ہی بھیج دوں، جیسی آپ کی رائے ہو۔

آپ کا مخلص
اشفاق حسین

جینندر کمار کا خط

7، دریائے گنج

یکم مارچ 1935

بابو جی،

ہزار کا اتر دینا جان بوجھ کر ملا رہا۔ اس کا کارن تھا۔ ایک جگہ سے کچھ سننے کی آشا تھی، اور سوچتا تھا وہاں سے ہزار آجائے تبھی آپ کو لکھوں۔ اب سنا ہے آپ کی کمپنی ٹوٹ گئی اور اب اس ہزار کو پدی پائیں گے بھی تو آنے کی تیاری میں۔ ایسی کیا بات ہوئی یہ شاید آپ غلامہ لکھیں گے ہی۔ کیا آپ دردنا جا رہے ہیں؟ کیا وہاں سے اس اُور آویں گے۔ میری کہنا ہے کہ ہماری داس جی آپ کو اس اُور ملیں گے۔ وہ پھر شانتی کھین

میں اسی طرح سے جماؤ کرنے کی دھن میں ہیں، کیا آپ جادیں گے۔
 ہنس سے ایک کہانی (ایک رات) آپ کو ملی ہوگی۔ ذرا لمبی ہوگئی۔ لیکن غور سے
 پڑھیں اور مجھے اپنی رائے لکھیں۔ اور وہ چھٹی بھی چاہیے۔

آپ کے ہر میں ”گرامفون کا ریکارڈ“ کہانی کا ذکر تھا۔ اس استری کے پھسلنے کے
 چاروں اور جو ایک والو اور وائٹرون کہانی میں بھر دیا گیا ہے اس میں کیا استری کی اور
 سے Self-deception کی گندہ آپ کو بالکل نہیں ملی؟ اسے وہاں سے بالکل انوبہت
 کرنے کا میرا ابھی پرانے نہ تھا۔ بلکہ مجھے معلوم ہوتا ہے وہ دھونی ہے۔ وہ دھونی نہ ہو تو
 سنپورن کرتیہ نمانت Justified ٹھہرتا ہے۔ لیکن وہ میرا ابھی پرانے نہیں ہے۔ میرا تو
 اشٹ ماز اتا ہے کہ ہم کہانی میں اس ناری کے سکھلن پر گھربا سے نہ بھر جائیں پرتوت
 ہمیں کرونا ہو، اور وہ ناری ہماری سہانوبھوتی سے سورتھا وچت نہ ہو جائے۔ ’وشواتما‘ آدی
 آدی باتوں کے ساولش کی اتی ہی سارٹھکتا ہے۔ کہانی میں یہ تو اسپٹ ہی ہے کہ ناری
 میں اپراوہ چیتا Guilty Conscience ہو جاتی ہے۔ پھر یہ Guilty Conscience ہی
 اسے اپنے ہتی کے پریم اور سرکھن کی چھایا کے نیچے سے ہٹ کر چلے جانے کو لاچار
 کرتی ہے۔ لیکن کیا وہ اپنا گھائی بھرا ہر دیہ باہر کی اور کھلنے دے؟ یہ وہ نہیں کر سکتی، اسی
 سے ہتی سے جھگڑا مول لینے کو اتادولی اور حیر وہ دکھائی دیتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں ان میری
 اوپر کی باتوں کے پرکاش میں وہ کہانی آپ کو اسلم کا سرقمن کرتی نہ جان پڑے گی جیسی
 کہ اس سے آپ کو لگی ہے۔

خیر آپ اپنے سندھ میں غلامہ لکھیے گا۔ ابھی تک کسی بھی بھاتی ’ہنس‘ کے بارے
 میں وہ پرانی باتیں سوچنا نہیں چھوڑ سکا ہوں۔ میں اب بھی یہی سوچتا ہوں کہ ’ہنس‘ کا
 سپادن آپ بالکل مجھ پر چھوڑ دیں۔ ایک Organ کی بڑی سخت ضرورت جان پڑتی ہے۔
 کہانی میں کتنا کپ سکتی ہے مشکل سے تین۔ تین کہانیاں میرا کچھ بھی سے نہیں
 بھرتیں اور نہ تین کہانیوں کا Production کوئی من میں Purpose کی بھاتی جم پاتا
 ہے۔ اس Purpose کو سامنے پالیں اسی کے سہارے کوئی بڑی کتاب اپنی اس آدی ہاتھ
 میں لی جاسکتی ہے دھکا خالی خالی سا لگتا ہے۔ ابھی یوں بھی جتنے ہندی میں ہر ہیں من
 کوئی بھی نہیں چڑھتا۔ فوس، اسٹینڈرڈ ہر کی کی ہندی میں کھلتی ہی ہے۔

میں ادھر مدھیہ مارچ میں آپ کی اور ذرا سیر کرنے کے منصوبے بنانے میں لگا تھا کہ آپ ہی چل دیے۔

وردھا جائیں اور گاندھی جی سے ملیں تو میرا پر نام کہیے گا۔ اور کہیے گا کہ جینندر کو آپ کا پتر ملا ہے اور وہ ساہس سنگر بہ کر لے گا تب انہیں از لکھے گا۔ پتر دیجیے گا۔

آپ کا
جینندر

ناتھو رام پریمی کا خط

ہندی گرنٹھ رتناکار کاریالیہ

ہیرا باغ، پوسٹ گرگاؤں، بمبئی

19-03-1935

مانیہ ور، پرناٹاوا!

اب کے روپوار کو میں آپ کی سیوا میں ہستی نہ ہو سکا، اس لیے یہ پتر لکھ رہا ہوں۔

اس دن آپ کی کہانیوں کا سنگرہ چھپانے کے سببندھ میں اور سب باتیں تو قریب قریب طے ہو چکی تھی، پرنو سماج کیا رہے گا، یہ اسپٹ نہیں ہو سکا تھا۔ میری سمجھ میں وہ اس پر کار ہو۔

1 پٹک کی چھپائی، کانڈ آدی میں جتنی رقم گلے گی، اسے دونوں برابر برابر لگاویں گے۔

2 پٹک کی دو ہزار پرتیاں چھپیں گی اور دونوں پر پرکاشک کے طور پر آپ کا (سرسوتی پریس کا) اور ہمارا ”ہندی گرنٹھ رتناکار کاریالیہ“ نام ایک ساتھ رہے گا۔

3 پٹک پر اس کی بچت کی ہوئی قیمت پر آپ کی 20 روپے سیکوا رائٹی ہو گی جو ہر جھپے مینے بکری میں سے آپ لے لیا کریں گے۔

4 پٹک کی بکری دونوں کے پاس سے ہو گی اور سپورن پٹکیں، آخری پٹک تک، دونوں کو ساجھے میں بچنی ہوں گی۔

5 ایک ایڈیشن سہ ماہی ہو جانے پر دوسرا ایڈیشن بھی اسی طرح انھیں شرطوں پر چھاپا جائے گا۔

6 دونوں اپنے گرامروں یا ہنگ سیکروں کو دلوں کی سہتی سے بچھت کیے ہوئے کیشن سے ادھک کیشن نہ دے سکیں گے۔

اس دن تو آپ نے سانجھے میں ہی چھپانے کی بات کہی تھی، پرتو اس سے پہلے جب میں آپ کے یہاں گیا تھا تب آپ کا ابھرائے میں نے یہ سمجھا تھا کہ آپ اپنی رائٹنگ رکھ کر ہمیں ہی چھپانے کو دینا چاہتے ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ہی اپنے پورے خرچ سے چھپانے دیں۔ ہاں، یہ چھپائی آپ کے ہی پریس میں جائے گی۔ اس میں میرا ایک ویشل آڈیش ہے اور وہ یہ کہ میں جو سستی منورجن گرنٹھ مالا نکالنا چاہتا ہوں، یہ سگرہ اس کا اگر گرنٹھ بنایا جائے اس ویشا میں یہ سانجھے داری ٹھیک نہ بیٹھے گی۔ اس میں بڑی کھینائیاں ہست ہوں گی۔

یدی آپ کیول مجھے ہی چھپانے دیں گے تو میں اتنا اور کر سکتا ہوں کہ آپ کی جو اس ہتک پر سپورن رائٹنگ ہوگی، اس کا چتور تھارتھ بیٹنگ ہی کاغذ اور چھپانے کے مولیہ کے ساتھ دے دوں گا۔ جس سے آپ کو بکری کے لیے ادھک پر نکلتا نہ کرنی پڑے۔

آشا ہے آپ میری اس پراپتھنا کو اوشیہ سوکار کر لیں گے۔ اس سے میری سستی گرنٹھ مالا کی اسکیم سکل ہونے میں بہت سہاوتا ملے گی۔ آپ کے اس سگرہ کے ساتھ ہی میں نے دو تین ہتکس چھپانے کا اور بھی پر بندھ کر لیا ہے۔ آخر کی پر نکلتا کروں گا۔ کیا آپ کا تاریخ 25 کو جانا بچھت ہو گیا ہے؟

بھودیہ، ماتھورام

اوشا دیوی مترا کا خط

اپریل، 1935

پوجیہ ور

ساذر پر نام!

آج بڑی خوشی ہو رہی ہے، کیونکہ بہت دنوں بعد آپ کی جنمی پڑھ رہا ہوں۔

میری کہانیوں کا آپ جتنا آدر کرتے ہیں، اس بات کو کہیں آپ سے زیادہ میں جانتی ہوں، اسی پہلی کہانی کے سنے سے، ماسک ہڑیکاؤں میں آج میری کہانیوں کی جو کچھ بھی مانگ ہے۔ وہ سب آپ ہی کے اُتار پانے و آدر کا پڑ نام ہے۔

”پرتم جھایا“ کہانی میں پراکرتی سے سنگیت کی اُختی اور چہ راگوں کے نام تھا ان کے روپ، رس و گانے کا سنے اور رتو کال کو دکھانے کا کچھ تھوڑا سا پریاس کیا گیا ہے۔ اِکشافی کہیدی پالھک اسے Appreciate کریں گے تو پیچھے و ستر کے ساتھ چھتیسوں راگنیوں کے نام، گانے کے سنے، روپ آدی کا ورن کر دیں گی۔ یہ چہ راگ میں نے ”بھرت“ مت کے لیے ہیں۔

سنگیت کا آرمہ ناد سے ہے۔ ناد سے سور، سور سے مھر سچک اِتیادی ہے، تو یہ سات سور سات جیوں سے لیے گئے تھے۔ مور کی کیا سے۔ ہذج، ورت سے۔ رشبہ، بھینس سے۔ گندھار، شرگال سے۔ مدھیم، کدھلا سے۔ پنچم، احو و میڈک سے۔ دھنوت، ہتھی و گدھے سے۔ نہاد۔ ان کے سنگھپ نام ’س، ’ر، ’گ، ’م، ’پ، ’دھ، ’نی، ہیں۔ انھیں سپت سوروں سے سرگرم بنا۔ کہانی میں پردھان سور ’س کو رانی (پراکرتی) نے مور کی کیا سے لیا۔ باقی کے چہ جیوں کے سوروں کو چہ سکھیوں نے لے لیا۔ رانی پراکرتی، راجہ پُروش اور چہ سکھیاں چہ رتوں ہیں۔ بھرت مت کے چہ راگ ہیں، ’بھیر وں، ’مالکوش، آدی، جو کہ کہانی میں ہیں۔ پرتیک راگ کے چہ چہ تھی، ’مُر، ’مُر و دھو، سکھا، سکھی، اِتیادی ہوتے ہیں، کینو یہ سب اس میں لکھا نہیں ہے۔ کینول چھتیس راگنیوں کی مالا رانی کے گلے میں ہے۔ چہ راگ چہ رتوں میں گائے جاتے ہیں۔ سکھیاں رتوں ہیں، جیسے بھیر و راگ گانے کا کال، شیت رتو، سنے پراہہ کال، روپ اور رس بھی لکھا ہی ہے۔ اسی طرح چہ راگوں کے روپ، رس، سنے، کال آدی کہانی میں ہیں۔

یدی آپ سمجھیں کہ اسے پالھک پہیلی کی درٹھی سے دیکھیں گے، تو جانے دیجیے، کنتو آج کل ہمارے ویش میں سنگیت چہ چا طرح اُختی کی اور بڑھی چلی جا رہی ہے، اسے آشا ہے کہ وہاں شیل پالھکوں کو اس کے سمجھنے میں اڑجن نہ ہوگی۔ مھر آپ جیسا سمجھیں، ویسا کیجیے۔

یدی آپ اُخت سمجھیں تو دوسرے پرتھمد میں اور ”چہ پرانی کے سوروں کو سکھیوں

نے اپنی اپنی ڈالیوں میں بھر لیا“ کے بعد یہ لکھ دیا جائے۔ ”اس طرح سات جیہوں کے سڑوں سے ہڈی، ریشہ، گندھار، مدھیم، پنجم، دھنوت، نضاد کی آٹھنی ہوئی اور ان سپت سڑوں سے سپک بنا۔ تیسرے پڑچمید میں جہاں سکسی نے کہا ہے ”نہیں، وہ سچہ تھا“، اور راجا نے کہا ”سچہ؟“، اس کے آگے سکسی نے کہا: ”ہاں سچہ“ اس استخان میں یدی ایسا لکھا جائے: ”آج رانی نے چھ راگوں کی سرشتی کر دی اور ان کے گانے کے کال چھ رتوں میں بروٹ کر دیے۔“ راجا کا کھور کہتا ہے: پھر وہ بھیا تک، گرڈن، رور، دیہ، بھکتی، آنند کی سی آندھی ایک ایک باراشی اور گیت ساہتی کے ساتھ ہی ساتھ نکل کیسے گئی؟ وہ سب کیا تھا؟“ ”وہ ہر راگوں کے روپ تھے، رت تھے پاگل، جو مورتی مان ہو کر آنکھوں کے سامنے آورا جے تھے۔“

دوسری کہانی پندرہ بیس دن میں سمجھوں گی۔

ونیا، ویشا جڑا

دیانرائن نگم کا خط

Daya Narain Nigam

Cawnpore,

April 9th, 1935

My dear Brother,

I received a letter from Bombay. I have been so much worried and preoccupied of late that I could not write to you earlier. At times I feel so worried and miserable that I have left no zest for life, but fortunately this mood passes off and I begin plodding as of old.

I hope you have now come-back from' Bombay. I saw your impressions regarding the Cinema Trade in some of the Urdu Magazines. I wish you could write a long article on the 'whole question for me. I promise to secure its circulation through out the country. I wish your views were widely known.

You had written to me about sending advance proofs of your stories in 'Hans'. I am sorry I have not received any story of yours in this way. I wish you could arrange for it now that you are at Benares.

It is ages, we have not met. My son, Brij Narain's marriage takes place with Dr. K.S. Nigam's daughter at Lucknow on April 29th and 30th. I wish you could also come and join the function for at least a couple of days. If you come direct to Cownpore on 28th or 29th, it will be all the better. We shall then proceed together to Lucknow. You may bring the elder boy, who will be free by that time from his examination. I do not suppose the younger boy's examination will be over by the end of April. Formal invitation will reach you in due course. I am writing this letter to you only by way of previous notice.

Hoping this find you and the family in the best of health and with kind regards,

Yours sincerely,
Daya Narain Nigam

اجیت کمار بوس کا خط

Ajit Kumar Bose
C/o S.K. Roy Esq.
Aliganj Bazar, Aliganj
Lucknow.

12.4.35

My dear Babuji,

You must have received one post card which I had posted from Rothin's place. Babuji, you know everthing of our family history. How I am struggling for bread since the expiry of my

father along with my poor widow mother and sister. My life's ambition, energy and whatever the high thoughts I had in my life, am loosing one after another. Of course, my marriage is settled totally against my desire and now, it is too late to change idea for the respect of my mother and brother-in-law. I have no confidence on my pottery business, as the reason is behind it is the General manager who had engaged me is retiring with in a short time. There is no vacancy for a permanent post there, as there are already three painters working permanently since a long time and there can no post be created according to budget. At any time my contract system may be broken. Now you can easily understand what will be my situation in near future. I would not have much cared if it would have been a permanent service. Moreover pottery business is sinking day by day for Japan. However whatever difficulties I have placed before you, I know very well that there is no body in this world to whom I shall consult and who will tell me the right way.

This is my best effort in my life which I am going to try and if I don't get a scope and a help in it, count me one of the street beggars. My aim was in my life to become a screen actor. I had never left to learn any art which will help me in the film industry side by side with my service life. I can't help to make a handsome face for it is not in any human's hand. However now I have left the idea. Still I hope, if I get a scope to learn, the technics of a Cameraman, I can stand at my heels in no time, as well as I can learn to produce the cartoon pictures as Prabhat and New Theatres have produced. In any way, if you can help me to keep in Ajanta's or any where you have got influence as an unpaid apprentice, I am ready to learn. I shall manage to

stand my expenses for six months after that I shall make out some other sources. My elder and younger brother both are earning something by which they can manage to maintain the family for sometime. If I leave this opportunity none I can get in future. If you request rather press Mr. Bhavnani; hope he will pity to help a young ambitious man. I must think that you are temping for your eldest son.

Nothing more I can write. Your reply will decide my rise or fall.

My pranam to you.

Yours,
ajit

کیدار ناتھ لاہور کا خط

آریہ سماج مندر
گوال منڈی
لاہور

21-4-1935

سکری جناب منشی صاحب
آداب و نیاز

نوازش نامہ ملا تھا، مگر جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیں گے۔ خیال تھا کہ سوم پرکاش سے مل کر کچھ فیصلہ کر لوں، تب جواب لکھوں، مگر یہ حضرت ابھی تک لاہور واپس نہیں آئے۔ اب معلوم ہوا کہ 15 اپریل کے بعد آئیں گے۔ پہلے نوچندی گئے، اب ٹرڈمٹل کاٹگری۔ کاٹگری کے جلے میں وراجمان ہیں۔ دوسرے چوتھے ان کی دکان پر ہوا تا ہوں۔ کمپنی کے ساتھ مقدمے بازی کی خبر پڑھ کر افسوس ہوا۔ دیوانی دعوے ذرا لمبے ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو زیادہ عرصے بھی ٹھہرنا پڑے تو کریں گے، مفت کی زیر باری۔ نزل پہلے سے اچھا ہے، لیکن طبیعت ابھی بالکل صاف نہیں ہوئی۔ میں نے مکان تبدیل کر لیا ہے،

پتہ نوٹ کر لیجیے گا، ہاں، خوب یاد آیا، مسٹر زیبا ڈیٹر 'ستارہ' کل اور پرسوں تشریف لائے تھے، کانسٹھ ہیں، اور نہایت سمجھدار نوجوان۔ ان کی زبردست خواہش ہے کہ آپ کا نام بطور Advisory Editor 'ستارہ' پر دیں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟ 'ستارہ' دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ مضامین کیسے ہیں۔ دادا کی کہانی جناب بہت اچھا لکھتے ہیں۔ جس قدر مضامین پڑھے، تقریباً سب کو ٹھوس اور بلند پایا۔ آپ کو کرنا دھرنا کچھ نہیں ہوگا، البتہ تو آپ کے نام کا فائدہ اٹھا سکیں گے۔ ممبئی تو آج کل کافی گرم ہوگا۔ یہاں اب موسم نے پلٹا کھایا ہے۔ دیوی جی اور بچے آپ کو ماما جی کو پرنام کہتے ہیں۔
آپ کا خادم، کیدار ناتھ

دیبا نرائن نگم کا خط

”زمانہ“، کانپور

25 اپریل، 1935

بھائی صاحب، حلیم!

اب تو آپ اندور سے آگئے ہوں گے۔ نوید ملا ہوگا۔ مکرر جواب بھیج رہا ہوں کہ وہ گم نہ ہو گیا ہو، بہر حال اس موقع پر موجودگی ضروری ہے۔ اس بہانہ سے ملاقات ہو جائے گی۔ بچوں کو بھی ساتھ لیتے آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ نہ آئیں۔

دیبا نرائن نگم

شاہد، سمسادک 'ساقی' کا خط

رسالہ 'ساقی'

دارالاشاعت، کھاری باولی دہلی

25.4.1935

کرمی و محترمی

حلیم!

'ساقی' کا افسانہ نمبر عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ آپ سے استدعا ہے کہ اس کے

لیے ایک افسانہ لکھ دیجیے۔ اردو رسالہ کی مالی حالت کا آپ کو اندازہ ہے ہی۔ آپ کے افسانے کا معاوضہ تو نہیں، البتہ بطور نذرانہ 'ساتی' کچھ مگر ان کر سکے گا۔
برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیے۔

فاکسار

شاہد

ناتھو رام پریمی کا خط

ہندی گرنٹھ رتناکار کاریالیہ

(پرکاشک اور بکریٹا)

ہیرا باغ، پوسٹ گرگاؤں، بمبئی

28-04-1935

مانیہ ور،

آپ کا پتر تاریخ 24 کو ملا۔ پہلے چٹا جی کا ارادہ لاہور، لہ آباد آدی ہوتے ہوئے اندور جانے کا تھا، پرنو پیچھے سے پڑتھیں کے دش انھیں یہ ارادہ بدلنا پڑا اور دے پہلے اندور ہو کر پھر لاہور گئے ہیں۔ ان کے ساتھ میں بھی اندور تک گیا تھا۔
اندور میں لوگ آپ کی بہت راہ دیکھتے رہیں، پر آپ نہیں آئے۔

یدی سنے بچے گا تو چٹا جی کا بنارس جانے کا بھی ارادہ ہے۔ چٹا جی 7 مئی تک بمبئی اوشیہ لوٹ کر آجائیں گے۔ جب آپ کو یہ پتر پہنچے گا اس سنے وہ دلی میں ہوں گے۔ ان کا پتہ۔

C/o. جھندر سکار، دریا منج، دلی۔

آپ کا آگیاں کاری، ہم چند

پنچ: 'مانسروڑ' کے حساب میں پتا جی نے جو روپیہ دینا منظور کیا تھا سو لکھیے۔ میں روپیہ بھیج دوں گا۔

جیندر کمار کا خط

5 مئی 1935

بابو جی،

پڑ ملا۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ آپ نے جنسی لکھی ہے اس سے ترنت ہی کہانی کی ضرورت ہوگی سو بھیج دی تھی۔ ڈر ہے وہ اگلے مہینے تک پرانی نہ ہو جائے کیونکہ بمبئی سے چھپنے والے سکرپٹ میں بھی اسے بھیجا ہے۔

’ہنس‘ کہانیوں کا ہی ہو اس میں کیا برا ہے بلکہ ایک Specialization کی دشا ہی بنے گی لیکن اتنی اچھی کہانیاں ملیں گی؟ اور تب جب کہ ’ہنس‘ کی حالت پیسہ دینے کی نہیں ہے؟ نہ ’ہنس‘ اسٹاف ہی اچھا رکھ سکتا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ فنی کی اسکیم کچھ بنے تو ’ہنس‘ چھوڑ کر آپ چھوڑے۔ چھوٹا ماز جنھنٹ سے ہوگا۔ کیونکہ تب بھی پڑ تو سپان کے لحاظ سے آپ کا ہی ہوگا۔ مجھ سے پوچھیں تو میرے من میں یہ بھی ہے کہ کہوں کہ ’ہنس‘ کا سپان مجھے دے دیں۔

الہ آباد جا ہی رہے ہیں تو جا کر دیکھیے۔ مجھے تو وہاں کا زیادہ بھروسہ نہیں ہوتا۔ بھارتی جی کو میں نہیں جانتا۔ اچھا ہی ہے کہ ان سے آپ کو سہايتا ملے۔ بمبئی سے پائے پیسے میں سے اتنا بھی بچا کہ ایک تجربہ کیا جائے تو کیا برا ہے۔ وہاں کہاں جئے کا ٹھیک کیا ہے۔

اس چچک سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اب بنو کی کیا حالت ہے ضرور لکھیے گا۔ کیا Acute Case ہے؟ یوں تو سات آٹھ روز میں دانے مرجھا آتے اور جھڑنے لگتے ہیں۔ کیا وہاں Epidemic ہو پڑا تھا کیا چچک کا؟

یہاں یوں سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ادھر آپ مدت سے نہیں آئے۔ کبھی دو روز کی چھٹی نکال سکیں گے کہ یہاں آئیں؟ گرمی خوب پڑنے لگی ہے۔ پہاڑ یاد آتا ہے لیکن جانا کہاں ہوتا ہے۔ اماں جی کو میرا پرنام۔

آپ کا

جیندر

رشید، علی گڑھ کا پتر

علی گڑھ

11-05-1935

برادران پریم چند صاحب،

آپ کا 26 کا کارڈ ملا۔ اچھا کیا آپ نے ہمیں کو خیر آباد کیا۔ میرا تو خیال ہے کہ آپ تاجروں سے نہما نہ سکے۔ مجھے اس کی خوشی ہے، کیونکہ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ابھی آپ میں ادب اور فن کا احترام باقی ہے۔ میں نے یہاں ”زمانہ“ کی تلاش کی، لیکن وہ پرچہ نہ ملا، جس میں آپ کا مضمون ہے۔ ایسے بعض اور ساتھی بھی ہیں، جن سے میں نے آپ کے خط کا تذکرہ کیا۔ وہ لوگ بھی مضمون دیکھنے کے آرزو مند ہیں۔ مجھے غم صاحب کو لکھنا ہے۔ دے بھیج دیں تو کارروائی شروع ہو۔ اسٹیل نمبر میں انشا اللہ اس پر تفصیلی طور پر بحث رہے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔ ہم سب سے آپ کو جو توقع ہے، وہ پوری کی جائے گی۔ خدا نہ کرے وہ دن آئے جب ہندو مسلمان نوکری اور نشستوں کے علاوہ شعر و ادب کو بھی میو سٹاپی اور ڈسٹرکٹ بورڈ قرار دیں گیں۔

آپ کا، رشید

رام پرساد کا خط

لاہوری گیٹ، لاہور،

13-05-1935

شری مان، جی نمستے!

نویدین ہے کہ بہت دیر سے دل میں خواہش تھی کہ آپ سے لکھوا کر کوئی کتاب شائع کی جائے۔ مگر آپ کو خط لکھنے کا پورا پورا پتہ معلوم نہ کر سکا۔ اب ایک مہرمان سے آپ کا اڈریس دریافت کر کے خط لکھ رہا ہوں۔ جب آپ کی سیوا میں خط پہنچ جائے، جواب سے مشکور فرما دیں، تاکہ مجھے تسلی تو ہو کہ خط آپ کو مل گیا۔

آج کل مارکیٹ میں بہت سی کتابیں مثلاً ”ہدایت نامہ خاوند“، ”کام شاستر“، ”پریم

شائستہ، ”بیوی“، ”سہاک رات“ یا اسی قسم کی دیگر کتابیں نکلیں ہیں۔ بہت اچھی فروخت ہوتی ہیں، حالانکہ مضمون کے لحاظ سے کوئی بھی مکمل نہیں۔ اب دوچار ہے کہ اگر آپ اسی مضمون پر ہمیں کم سے کم 300 یا 400 صفحے کی ایک کتاب لکھ دیں، تو بہت مہربانی ہوگی۔ کم سے کم جتنی اجرت آپ چاہیں لیں، مگر کتاب ہر لحاظ سے مکمل لکھ دیں، اور جس قدر روپیہ آپ چاہیں لکھیں، آپ کو بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیا جائے گا۔ کتاب اردو، ہندی، گروکھی تینوں زبانوں میں شائع کی جائے گی۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی بہت بڑھیا ہوگی۔ امید ہے، آپ ضرور ہی اس مضمون پر قلم اٹھائیں گے۔ اگر کوئی ناول یا کہانیوں کی کتاب تیار ہو تو وہ بھی لکھیں، امید ہے آپ جواب جلد دے کر مشکور فرمادیں گے۔

آپ کا شہمہ چٹک،

جے بی تھو کو تھ کا خط

Sacred Heart College
Shembaganur, Madura Dt.
13.5.35

To,
Mr. Premchand, Editor of 'Hans'
From
J.C. Thokoth, S.J.
S.H. College, Shembaganur,

My dear Premchand,

With delight I read the review of some of your works by Rw. Fr. P. Dent in the very first issue of the 'New Review'. Even after I was keen on reading the works of Mr. P. Chand, the beloved of the readers of Hindi (sorry to say that till now I could not get a single work of yours). Fortunately as a result of my enquiry I found a recent book with a criticism about Mr. P.

Chand. But to speak the truth I was a bit disappointed. For though I could find appreciations like 'वर्णन की अपूर्व शक्ति प्रेम चन्द जी को मिली है। इस कार्य में वे संसार के बड़े-बड़े उपन्यासकारों के समकक्ष हैं' Still I could not taste a little of your sweet style even from the pen of a Hindi critic like श्याम सुन्दरदास.

Then again when I was reading the article 'A National Language for India', in the April issue of the 'New Review' my eyes were attracted by a long footnote referring to 'Hans' and its verdict on the above mentioned subject 'राष्ट्र भाषा'. But I could not get a single issue of your 'Hans' and thus came into contact with your views and style. Perhaps you know that we in the south, who wish to become हिन्दी प्रेमी सज्जन महाशय by coming into close relationship with आधुनिक हिन्दी साहित्य और सुविज्ञ लेखक, have not much facility for the same. So if you can freely help us with your 'Hans' then we may know more of modern Hindi literature and tendency more. My companions and I in particular shall be grateful to you.

Lastly wishing you a brilliant future in your literary pursuits.

I remain,

Yours sincerely,

J.C. Thokoth, S.J.

ششائک کا خط

ہندی پرچار سبھا
نپو ہال، مانیکا ممبئی

15.5.1935

مانیہ پریم چند جی،
وہاں پہنچنے پر آپ کے بھی چٹھی نہیں لکھی۔

تمیلین میں بھی آپ نہیں آئے۔ K.M. فٹی جی آئے تھے۔ جس روپ میں اب
ساتھ پریشد کا پرستاد پاس ہوا ہے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فٹی جی
آج کل پٹنچنی رہتے ہیں۔ ان سے بھی پتر دیوار کیجیے۔

ہمارے لیے 'فن' کی ایک پرتی بھیجیے کی کرپا کریں۔ دیوی جی کو میرا پرنام!

آپ کا

سشانیک

سدرشن کا خط

36، پکیریرا روڈ (ساؤتھ)

بھوانی پور، کلکتہ

16 مئی 1935

بھائی جان،

نستے! کچھ دن ہوئے میں نے سنا تھا کہ آپ بمبئی چھوڑ کر بنارس چلے آئے ہیں۔
پر ماتا کرے یہ غلط ہو۔ بلاشبہ ہمارے نگارخانوں کی فضا اس قابل نہیں کہ وہاں کوئی
خوددار اور قابل آدمی زیادہ دیر رہ سکے۔ لیکن میں بھوانی صاحب کی نسبت زیادہ تعریف سنی
تھی۔ اس لیے یقین نہیں آتا کہ آپ کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا ہو۔ ادھر لٹریچر کا بھی برا
حال ہے۔

میں آج کل نیو فیئرس میں ہوں۔ اس کا مالک بے حد شریف واقع ہوا ہے۔ کام بھی
کم ہے۔ پیسہ بھی ملتا ہے۔ لیکن جومزہ گھر میں بیٹھ کر افسانے لکھنے میں قیادہ یہاں نہیں۔
پر وہاں پیسہ نہیں ہے۔ کیا کریں۔ اخراجات کسی بیمار بڑھے کی کمزوری کی طرح چلے بڑھتے
جاتے ہیں۔ مجبوراً۔

سز پریم چند کو نستے۔ سز سدرشن بیمار ہوگئی تھیں۔ پہاڑ پر بھیج دیا ہے۔ ہم کلکتے کی
گرمی میں جھلس رہے ہیں۔

سدرشن

ناٹھو رام پریمی کا خط

16-05-1935

مانیہ ورمنی جی،

لاہور سے لوٹے ہی تاریخ 4 کو میں نے آپ کی سیوا میں ایک پتر بھیجا تھا۔ اس کے اتر کی پرنکشا ابھی تک کی، پرنٹو اب دھیر یہ چھوٹ گیا اور یہ پتر لکھ رہا ہوں۔ معلوم نہیں، ایسا کیا کارن ہوا جو اتر نہیں دیا۔ یہ بھی چٹا ہوئی کہ کہیں آپ میرے پتر دیوہار سے اسٹنٹ تو نہیں ہو گئے ہیں۔ کاغذ کے بارے میں میں نے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ یہاں سے بھیجنے میں 7-8 پائی پرتی پتر خرچ پڑ جائے گا اور اس لیے یہاں سے بھیجنے میں کوئی لا بھ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بنارس کے کاغذ بیوپاری اچھا گلنر کاغذ بھی رکھتے ہوں گے یا آرڈر دینے پر فکرت سے منگا دیتے ہوں گے اور وہ وہاں بھی ہیں کے بھاؤ مل جاتا ہوگا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کاغذ اچھا لگے نہیں تو پھر وہی لگائیے جو ”کایا کلپ“ میں بالکل سفید لگایا گیا ہے۔ اب میں آپ کے پتر کی پرنکشا نہ کر کے اس پتر کے ساتھ پانچ سو (500) روپیوں کا چیک بھیج رہا ہوں۔ آشا ہے کہ روپیہ ملتے ہی آپ ”مانسروور کا کام شروع کرا دیں گے۔ ٹائپ تو آپ نیا لکوا دیں گے ہی۔

شری چندر رکار جی کے پتر سے معلوم ہوا کہ شاید آپ الہ آباد گئے ہیں اور وہاں کب تک رہیں گے یہ کچھ معلوم نہیں ہوا۔

آپ نے اردو کے 5-6 ہاسیہ رس لیکھکوں کی ایک ایک کہانی جن دینے کے لیے کہا تھا۔ جب آپ کو اوکاش ملے، یہ کام کر دیجیے۔ میں بابو رام چندر درما سے انوداد کرا لوں گا۔ اس سنے انھیں فرمت ہے۔ ان کے لیکھکوں سے آگیاں بھی آپ کو ہی دلائی ہوگی۔ آپ کے پتر کی پرنکشا کر رہا ہوں۔

بھودھیہ، ناٹھو رام

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi

'Girivilas'

Panchgani

16th May, 1935

My dear Premchand ji,

Please excuse my writing in English. It enables me to express myself better.

I am in due receipt of your letter. The Hindi Sammelan has appointed Girdhar Sharma, Harihar Sharma and myself as the conveners to organise the Inter-provincial Sahitya Parishad. I cannot do this work unless I have your whole hearted co-operation. I would, therefore, request you to editorially write about this in the coming issue of the 'Hans'.

My idea about 'Hans' is that we should start propaganda in its columns. I am also arranging with literary men in different provinces to give us every month a survey of the literary activities in their provinces and some excellent literary articles in their vernaculars. This would be published in the 'Hans' every month. This arrangement will take sometime. I will only be able to do it in the middle of June when I go to Bombay. If in the meantime you come to Bombay please make it a point to come over to Panchgani and spend a few days with us. I have also written to Gandhiji that you are willing to help us with Your 'Hans'.

The Sammelan has given us authority to co-opt men from other provinces and I am in correspondence with several leading literary men in different provinces, whether they would

cooperate with us in this object. I understand that you know Benarsidas Chaturvedi of Calcutta very well. Will you please let him know about this scheme and invite his co-operation. I will address a formal letter to different editors when I go to Bombay and I trust you will see that it is published in 'Hans' and other papers within the sphere of your influence.

With kind regards,

Yours Sincerely,

K.M. Munshi

ناتھو رام پریمی کا خط

17-05-1935

مانیہ درنشی جی، پرناماہ!

آپ کا تاریخ 12 کا کرپا پتر آج ملا۔ شاید دو تین دن لکھا پڑا رہا۔ آپ کو ایک پتر لکھ چکا ہوں اور اس کے ساتھ 500 روپیہ کا چیک بھی بھیج چکا ہوں۔ یدی اس نام سے چیک کا روپیہ نہ ملے تو اسے لوٹا دیجیے، میں تنکال ہی دوسرا چیک شری دھپت رائے جی کے نام کا بھیج دوں گا، پرنٹو میں سمجھتا ہوں اس نام سے بھی آپ کو مل جانا چاہیے، جب کہ آپ سویم موجود ہیں۔

”کرم بھوی“ والا کاغذ سفید نہیں ہے۔ اس سے اچھا تو ”کایا کپ“ کے ایک انش کا کاغذ سفید ہے۔ ”کرم بھوی“ کی لیکھا مجھے وہ ادھک پسند ہے، پھر آپ کی مرضی، جو ٹھیک سمجھیں وہ لگا لیں۔ اب ادھک ولیم نہ ہونا چاہیے۔

جینندر جی کی کہانیوں کا چھپانا میں نے یہیں شروع کر دیا ہے۔ ان کا جلدی چھپانے کا تقاضہ تھا۔ اب میں اسے سستی گرنٹھ مالا میں نہ نکالوں گا اور تھوڑی سکھیا میں چھپواؤں گا۔ ایک اور اُنپاس ڈیو کا میرے پاس پڑا ہے۔ اسے آپ کے یہاں چھپواؤں گا۔ اس کی بھاشا ٹھیک کرنی ہے۔ اس سے ہاتھ میں کئی کام پڑے ہیں، اس لیے اس کے ٹھیک کرنے میں دو مہینے لگ جائیں گے۔ تب تک ”مانسور“ سے آپ کو بھی ادکاش مل

جائے گا۔ جینندر جی کا آج ایک پتر اور آیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ آپ ہمارے جھوڑ کرالہ آباد رہنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ کب تک وہاں چلنے کا وچار ہے؟ میرے کل کے پتر کا اثر بھی دیجیے۔ یہاں سب کچھ ٹھل سا ہے۔ ہم چند پرنام کہتا ہے۔

اپنی سہ دھڑی جی سے میرا پرنام نویدن کر دیں۔

یدی دوسرا چیک بھیجنا آدھیک ہو تو کس نام سے ہو؟ شری دھیت رائے جی

بی۔ اے۔ اتنا ہی ہو؟

بھودیہ، ناتھو رام

لیڈر اینڈ بھارت لمیٹڈ الہ آباد کا خط

The Leader and the Bharat

Proprietors: Newspapers Ltd.,

Leader Buildings,

3-4, Leader Road, Allahabad

May 17, 1935

My dear Premchand ji,

I acknowledge receipt of your note of may 13, 1935. Mr. Bhuvaneshwar Prasad gave you a substantially correct gist of my conversation with him only, either he did not correctly follow my meaning or he was unable to explain to you correctly the 'scope' of my suggestion. So far as the publications are concerned, I am at all times willing to take them over on the same terms as in the case of the Bharti Bhandar, viz,

1. All the stock be placed in our charge.
2. We will render account of sales every six months.
3. We will be paid a commission of 35 percent which will include commission to be given by us to Book-sellers, as well as cost of advertising which will include issue of catalogues.
4. If necessary, we will be prepared to advance a sum to be

determined by mutual negotiation free of interest upon the stock of books placed with us in order to enable you to discharge your existing liabilities, assuming there are any.

These terms are the same as those which are in operation in case of the Bharti Bhandar as well

As regards our mode of dealing and punctuality of payment, you can refer to the experience of the Bharti Bhandar. Then there is the magazine, I personally view it as a promising proposition. I cannot however, tell what view my Board will take of this matter, but in any case it is, highly improbable that the Board will in any event agree to take over the press on any terms. We already have a fairly big plant for job printing work for it. This plant was rendered idle by the installation of rotary printing machinery and is now dependent only upon job printing work, the newspaper printing being done on the rotary press.

In all that I have said above, I am speaking only for myself and not for my Board.

I will be in Benares on Sunday and Monday. Rai Krishna Dass men know my house, but if you yourself want me to meet you, you may kindly fix up an engagement with Dr. Jagannath Prasad, M.B.B.S, who has his dispensary in Chowk in the neighbourhood of the Benares Bank Limited, in the same premises of which the ground floor is occupied by Messers. Jagannath Dass Balbhadra Dass,

With kind regards, I am,

Your sincerely

Premchand Esq
Saraswati press
Banares City

خواجه اظہر عباس، دلی کا خط

حالی پبلیشنگ ہاؤس،

کتاب گھر، دہلی

پوسٹ باکس 130

18 مئی، 1935

محترم جناب فشی پریم چند صاحب، تسلیم!

پیشتر اس کے کہ میں جناب کی خدمت میں اپنا مقصد عرض کروں، اپنا تعارف ضروری خیال کرتا ہوں۔ میرا نام اظہر عباس ہے۔ میں خواجه غلام السیدین صاحب پرہیل، ٹریننگ کالج، علی گڑھ کا بھائی ہوں۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب، پروفیسر جامعہ ملیہ میرے بہنوئی ہیں۔ اور جناب کے دوست سید اشفاق حسین صاحب بی۔ اے۔ میرے مربی اور دوست ہیں۔ مجھے جناب سے سید اشفاق حسین صاحب کے یہاں علی گڑھ میں نیاز حاصل ہوا تھا۔ عرض مطلب یہ ہے کہ حالی پبلیشنگ ہاؤس کا قیام ابھی چند روز سے دہلی میں شروع کیا ہے۔ بک ڈپو ایک ماہ کے عرصے میں قائم ہو جائے گی۔ مولانا حالی مرحوم میرے پرانا (یعنی میرے حقیقی نانا کے والد) ہوتے تھے۔ اس وجہ سے اس دارالاشاعت کا نام یہ رکھا گیا ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ ملک کے اعلیٰ اور سربرآوردہ اصحاب کے اشاعت قلم کو عمدہ قسم سے طبع کرایا جائے اور ان کو ایک خاص سائز میں چھاپ کر ملک کے سامنے پیش کیا جائے۔ کیا جناب اعلیٰ اس میں ہماری مدد فرمائیں گے؟ عرض یہ ہے کہ میں نے عابد صاحب سے سنا ہے کہ جناب کے پاس short stories جیسا کہ ”پریم بھیمیں“، ”بتیسی“، ”چالیسی“، ”بازار حسن“ وغیرہ شائع ہوئی ہے۔ وہ اگر جناب ان میں سے کچھ ہمیں عنایت کر دیں تو ہم ان کو طبع کرائیں اور اپنے دارالاشاعت کا نام روشن کریں۔ اگر جناب ان کو مرتب کر کے عنایت کر سکیں تو عین نوازش ہوگی۔ رہا کاروباری معاملے کا سوال تو میں اس کو جناب پر ہی چھوڑتا ہوں۔ جو کچھ جناب طے فرمائیں گے، ہمارے اس نئے کام کو مد نظر رکھ کر وہ ہمیں منظور ہوگا۔ اگر تقریباً 20x30/16 کے سائز کی تقریباً 150 صفحات کا مسالہ آپ عنایت کریں گے تو ہم ان کو عمدہ لکھائی اور چھپائی کے ساتھ اس کو شائع

کریں گے۔ میں جناب کے والانامہ کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔

فقط خاکسار

آپ کا خیر اندیش،

اعظم عباس

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi

'Girivilas'

Panchgani

18th May, 1935

My dear Premchandji,

I am sending herewith a draft of a letter which I propose to circulate to few leading literary men in all the provinces. It gives an idea of how 'Hans' is to be utilized.

Please let me know by wire, whether you approve of the idea. If you do I will immediately release the letters to those gentlemen.

Yours Sincerely,

K.M. Munshi

Dear Sir,

At the last Hindi Sammelan, which was held at Indore under the Presidentship of Mahatma Gandhi, I suggested that an effort might be made to bring together the leading representatives of different Indian languages through the medium of Hindi, so that in course of time an All India Inter-Provincial Sahitya Parishad may come into existence. The idea met the approval of Mahatmajji and also of the Sammelan,

which passed the following resolution :

"With a view to bring about a contact with literary men working through the provincial language in the country and with a view to obtain their co-operation in the evolution of the Hindi language this conference appoints a committee of the following gentlemen with power to co-opt members when necessary. Syt. Kanaialal Munshi (Bombay); Syt. Girdhar Sharma, (Jhalrapatan); Syt. Harihar Sharma (Hindi Prachar Sangh, Madras)."

Before the committee can co-opt members representing different Indian languages and start work it is necessary that the underlying idea should be discussed through the medium of the provincial languages. I have, therefore, to request you to discuss the necessity of this activity in your provincial language through any journal likely to sympathise with this work. I have every little doubt that most of the nationalist journals in our provincial languages will welcome this idea.

Syt. Premchandji, the wellknown novelist in Hindi, is in whole hearted agreement with this idea and has been good enough to offer the columns of his monthly journal 'Hansa' for doing the spade-work. It is proposed that a section of 'Hansa' should be reserved for each provincial language and that every month literary men representing each provincial language should send to me certain articles for being rendered into Hindi and published in the section. The articles should be as short as possible, written by the best available authority and of the following nature :

(1) An article dealing with some aspect of the modern literature in the language, for instance Fiction, Drama, History,

Essay.

(2) An article dealing with the literary out-put in the provincial language during the month.

(3) (a) Short summary of a novel or a drama, and (b) a poem or two published in the vernacular journal during that month.

(4) Short reviews of good works published in the language during the month.

I hope to be here for my holidays till the middle of June. When I return to Bombay, I hope to put up a kind of office which will translate these articles where necessary into Hindi, as luckily we have representatives of most of the provincial languages. These articles then will be translated into Hindi and submitted to Syt. Premchandji for publication in the 'Hans'. I hope from the August number 'Hans' will be to some extent a journal of inter-provincial literatures.

I have, therefore, to request you to get in touch with literary men likely to work out this idea in your language and let me know as early as you can (a) whether you would actively work for this idea and (b) undertake to send me the article every month.

Hoping to be excused for the trouble.

Yours Sincerely,

K.M. Munshi

P.S. : An early reply is requested as I propose to make an early report of it to Mahatmaji.

خواجہ اظہر عباس کا خط

حالی پبلشنگ ہاؤس،

کتاب گھر، دہلی

25 مئی 1935

مکرم بندہ، تسلیم!

والا نامہ آج ملا۔ جناب کی عنایت کا بہت بہت شکریہ۔ کہانیوں کا کل مسودہ لینے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے برادر مخدوم خواجہ غلام السیدین کو لکھ دیا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں براہ راست ہماری سفارش کریں جیسا کچھ آپ کے اور ان کے درمیان طے ہوگا، وہ منظور ہوگا۔ جناب اعلیٰ اگر یہ تحریر فرما دیں کہ کہانیوں کے نام کیا ہیں، کہاں کہاں چھپی ہیں۔ اور غیر مطبوعہ کہانیاں کس قسم کی ہیں، تو عین نوازش ہوگی۔ انشا اللہ حالی پبلی شنگ ہاؤس سے آپ کو وہ تلخ تجربہ جو پہلے ہو چکا ہے، وہ نہ ہوگا۔ ایمانداری اور دیانت کے ساتھ کام ہوگا۔

کاروباری نرخ کے متعلق بھی آپ اور سیدین صاحب حکم دیں گے وہ بہ سرو چشم منظور ہوں گے۔ نیز یہ بھی رائے دیجیے کہ 250 صفحے کے مجموعے کو 2 جلد میں شائع کرنا مناسب ہے یا ایک جلد میں؟ نیز جناب یہ بھی تحریر فرمائیں کہ آپ کی کتابیں کن کتب فروش سے (یا آپ سے براہ راست) سب سے معقول کمیشن پر مل سکتی ہے۔

خاکسار نیاز مند، اظہر عباس

ناتھو رام پریمی کا خط

26-05-1935

مانیہ در، پراناہ!

آپ کا تاریخ 23 کا کرپا پتر ملا۔ مجھے ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔ برسات شروع ہونے پر ہی کام شروع کرایے گا۔ مجھے یہ چتا تھی کہ کہیں میرے کارن آپ کو نہ رکنا پڑے۔

اردو کی کہانیاں بھی آپ سوودھا ہونے پر سگرہ کر دیجیے گا۔ انودا کرنے کے لیے کیا آپ کے پاس کوئی دوسرے بچن ہیں؟ نہیں تو ہابو رام چندر ورما کر دیں گے۔ انھیں اودکاش بھی ہے۔

نا ہے، آپ الہ آباد جا رہے ہیں۔ اس وٹے میں آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ چیک کا روپیہ مل گیا ہوگا۔ دوسرے نام سے بھیجنے کی ضرورت تو نہیں ہے؟ ”نہس“ کے پچھلے ایک میں پنڈت لکشی ناراین مشر کے دیاکھیان پر آپ نے جو نوٹ لکھا ہے وہ مجھے بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ وہاں سب ٹھہل ہے۔

بھودیہ، ناتھو رام

اظہر عباس کا خط

حالی پبلیشنگ ہاؤس،

کتاب گھر، دہلی

پوسٹ باکس 130

28 مئی، 1935

محترمی، تسلیم!

جناب کے حسب ارشاد برادر م خواجہ غلام السیدین کا سفارشی خط ملفوف کرتا ہوں، جو انھوں نے آپ کی خدمت میں روانہ کے لیے مجھے بھیجا ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آپ نقد روپیے کی ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے اس میں سہولیت اور آسانی ہوتی ہے، اور ہمارے کاروبار میں ایک الگ کھاتہ اس حساب کا رکھنا پڑتا ہے، جو ذرا وقت طلب ہے۔

جیسا کہ سیدین صاحب نے لکھا ہے، امید ہے کہ آپ اپنی سرپرستی ہمیں مستقل عنایت کریں تاکہ ہمارے کام کا نام ہو اور ہمیں ادبی خدمت کرنے کا موقع ملے۔ آپ کا ارشاد بالکل درست اور مناسب ہے کہ آپ ڈیرہ روپیے سے کم فی صفحہ نہیں لیتے۔ اس کا فیصلہ خود جناب ہی پر چھوڑتا ہوں۔ صرف اتنی عرض کرنے کی جرأت کروں گا

کہ ابھی ہمارا کام نیا ہے۔ اور آپ ہی حضرات کے بدولت اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی امید پر جاری کیا گیا ہے۔ جیسا آپ فرمائیں گے، ویسا ہی منظور ہوگا۔

جناب کس قدر جلد ممکن ہو اس کا سودا میرے پاس روانہ کر دیں۔ نظر ثانی تو آپ خود ہی کر کے بھیجیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کا حکم ہوگا۔ تو کسی اور کو دکھایا جائے گا۔ اگرچہ اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہاں کاتبوں کو دکھا کر صفحوں کا اندازہ کر لیا جائے گا۔ اور کل روپیہ اندازاً آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا جائے گا۔ جب کتابت ختم ہو جائے گی تو بقیہ روپیہ، جو ہماری طرف نکلے گا، آپ کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔ یہ قاعدہ اگر سینٹ کا کاغذ جناب کی خدمت میں مسودہ آنے پر ارسال کروں گا، تاکہ باقاعدہ قانونی چارہ جوئی ہو جائے۔

نیز اگر آپ یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس پر مقدمہ کس سے لکھوایا جائے؟ اگر سید اشفاق حسین صاحب سے درخواست کی جائے تو کیسا ہے، اور جناب اس کے لیے سفارشی خط لکھ دیں گے یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ جو نام جناب مناسب خیال کریں، ان سے اس کے متعلق خط و کتابت کی جائے۔

امید ہے کہ جناب کار لائقہ سے یاد فرماتے رہیں گے۔

فقط خاکسار

آپ کا خیر اندیش،

اظہر عباس، منیجر

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi

'Girivilas'

Panchgani

28th May, 1935.

My dear Premchandji,

Your telegram and the letter to hand on my return to Panchgani from Bombay. I had been there to see Mahatmajji

about this idea. I discussed with him the scheme of starting our activities through 'Hans'. He likes the scheme, but has asked me to get the following informations from you about 'Hans', so that there may not be any misunderstanding in the future :

(1) Who is at present the owner of the magazine?

(2) How many subscribers it has?

(3) Is it run at a profit or loss?

(4) If it is running at a loss how much money will be required to make it up.

(5) Would you have objections to delete any advertisements if it is considered objectionable by Mahatmaji? (He has been good enough to agree not to insist on the removal of all advertisements.)

(6) What arrangements should be made between us so that the editorial work may be co-ordinated? As things are for collecting articles and getting them translated, I will have to set up an office in Bombay.

(7) Whether any arrangement is possible by which the public may know that the Magazine has become the organ of a particular movement?

(8) Whether it would be possible to make certain changes in the cover etc., and if so what additional expense it would require?

(9) Would you continue to act as an editor alone or you will like to have some one else association?

I hope you will forgive me for making these enquiries, but I must know the nature and extent of our commitments. We must settle these matters definitely so that it may be possible to continue the arrangement for some length of time. Mahatmaji is

as anxious as ourselves to see that the movement takes definite shape at an early date.

After I receive a reply from you, I shall submit a report to Mahatmaji. I will be going to Bombay by about the 15th June. In the meantime I am in correspondence with leading literary men in different provinces and will let you know the result as soon as I am in a position to give it.

With regards,

Yours Sincerely,

K.M. Munshi

I have made a slight change in the circular, as pending the final approval of Mahatmaji, it won't be proper to let the letter stand it was.

رام پرساد کا خط

لاہوری گیٹ، لاہور

29-05-1935

شری مان جی، نمستے!

کرپا پتر ملا، شکریہ۔ میں مانتا ہوں کہ اس کساد بازاری کے زمانے میں، جب کہ مارکیٹ کا بہت برا حال ہے، اس قدر اجرت بہت زیادہ ہے۔ امید ہے، مارکیٹ کا حال آپ سے چھپا ہوا نہیں ہوگا۔ فروخت کا بازار دن بہ دن گر رہا ہے۔ تاہم بھی پبلیشر کے لیے نئی کتاب شائع کرنا ضروری ہے۔ جب تک کوئی نئی کتاب شائع نہ کی جائے، پرانی کتاب کو بھی کوئی نہیں پوچھتا، اس لیے کچھ نہ کچھ ضرور شائع کرنا پڑتا ہے۔ لاہور ساج کے سالانہ اتسو پر آپ کی یہ کتاب چھپ جائے، جو کہ ماہ نومبر میں ہونے والا ہے، تو بہت اچھا ہوگا۔ امید ہے آپ بہت جلد تیار کریں گے۔ اجرت کے متعلق سب حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ ایک روپے فی صفحہ اردو اور ایک روپے فی صفحہ ہندی، اس سے زیادہ حالات اجازت نہیں دیتے۔ تین سو صفحے کتاب پر چھ سو روپیہ حق تصنیف بہت زیادہ بار

(بوجھ) ہے۔ اس واسطے ہم دونوں زبانوں میں چھ سو روپیہ ادا کریں گے۔ امید ہے، آپ اے منظور فرمادیں گے۔ آپ جیسے لائق اور نام ور مصنفوں کو اجرت کے متعلق کم و بیش کے لیے کہنا مناسب نہیں، مگر آج کل ایسی کتابوں کے قدرداں بہت کم رہ گئے ہیں۔ امید ہے ہر دو زبانوں یعنی اردو اور ہندی کے لیے آپ فی صفحہ ایک روپیہ منظور فرمادیں گے۔ کتاب کے متعلق یوں تو آپ کا نام ہی کافی ہے، پھر بھی کتاب اس قدر دلچسپ ہو کہ ہاتھوں ہاتھ پبلک اس کا سواگت کریں۔ کتاب کے لیے کوئی عمدہ سا نام بھی تجویز کریں۔ آپ مسودہ تیار کر کے مجھے جس وقت بھی اطلاع دیں گے، اسی وقت نصف رقم پیشگی پارسل کر دی جاوے گی، تسلی رکھیں۔ کہانیاں شائع کرنے کا ابھی وچار نہیں ہے۔ کتاب کا حجم تین سو صفحے سے کم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ امید ہے آپ کتاب لکھنی شروع کر دیں گے۔ آپ کو کبھی بھی ناراضگی کا موقع نہ دیا جاوے گا۔ اس کے بعد تین چار ناول ہندی میں آپ کے لکھے ہوئے شائع کروں گا۔

جواب کا منتظر،

نیاز مند،

رام پرساد

آپ کے اشاک میں کون کون سی کتابیں ہیں؟ جس قدر کتابیں آپ نے شائع کی ہیں، ان کے نام اور کیشن لکھیں تو کہیں تھوڑی سی سیل کے لیے منگوائی جائیں۔

کالی داس کپور کا خط

Kalidas Kapur

M. A., LT.

Head Master

Kalicharan High School,

Lucknow

5.6.1935

My dear Premchand ji,

I heard sometime ago that you had returned from Bombay and the other day friends told me at Allahabad that you were shifting your Press to that town.

Have you finally decided to shift to Allahabad or is there a chance of your considering the claims of Lucknow? Recently a few friends including myself, have developed a scheme of starting a Press with a daily paper. If possible our scheme will mature immediately if you decide to participate with your Press. You ought to know that from all points of view there will be a greater field for the Press at Lucknow than at Allahabad.

We shall develop detailed negotiations on hearing from you.

I am
Yours Sincerely,
Kalidas Kapur

چندریکا پرساد جگاسو کا خط

ہندو سماج سدھار کار یا لہ،
سعادت منج روڈ، لکھنؤ

07-06-1935

محبوبہ مہوڑے،

بہت دنوں سے آپ کا کوئی پتر نہیں ملا، پر آپ کا ساچار سنے سنے پر دوسروں دوارا
ملا رہا۔ میں نے گت ورش لکھنؤ سے ایک ہندی دینک نکالنے کے سببندھ میں ایک پتر
آپ کو دیا تھا، پرنٹو انیک کارنوں سے اس ادیوگ میں سھلنا نہیں ہوئی تھی۔ پرنٹو میں رنتر
پرین میں لگا رہا، اور اب سدھی کے کچھ لکھن دکھائی دیتے ہیں۔ وہ سب کچھ پتر میں
لکھنے کی آدھینکا نہیں۔ آپ کے پاس شری یوکت کالی داس جی کا پتر آیا ہوگا، یا آج کل
میں آدے۔ آپ یڈی، جیسا گیات ہوا ہے، اپنا پریس اب تک پریاگ لے نہ گئے ہوں،
تو اس وچار کو استھلک کر کے کپور صاحب کا پتر پا کر سویم دو تین دن کے لیے لکھنؤ
پدھارے۔ اکیلے آجئے، اور آکر میرے وچار میں کپور صاحب کے پاس ہی کالی چرن ہائی
اسکول، ٹائلر منج روڈ میں ٹھہریے۔

اپنے پدھارنے کی سوچنا ایک کارڈ دوارا مجھے بھی دے دیجیے، تاکہ پتا بلائے ہی میں ٹھیک نئے پر ہسٹسٹ رہوں۔ کچھ ہاتھی آپ کو کپور صاحب کے پتر سے گیات ہو جائے گی، شیش کا گیان اور ان کے سمبندھ میں اپنا نیچے آپ یہاں پدھار کر کریں گے۔ یوگ اچھا ہے۔

آپ کو ووت ہو کہ امن آباد سے میں نے اپنی دکان اٹھالی ہے، اور اب سعادت سنج میں، گھر ہی پر رہتا ہوں۔

آپ کا، چندریکا پرساد دھگاسو

دیوان بنسی لال دھر کا خط

سنت کاریالہ، پریاگ،

08-06-1935

بزرگوارم، حلیم، بہ صد تعظیم!

مودبانہ احساس ہے کہ رسالہ ”مگول گری پروت“ بہ زبان اردو، ماہ جولائی، 1935 زیر ایڈیٹری مہارشی شیوورت لال جی، لہ آباد سے شائع ہوا کرے گا۔ نصف حصہ وہ خود کیا کریں گے، نصف حصہ کا بار میرے اوپر ہے، تاکہ اس عام مذاق میں مضامین داخل ہو سکے اور رسالہ مقبول عام ہو یہ میرا اپنا خیال ہے، اس کے لیے انھوں نے اجازت بھی دے دی ہے۔ مسلمانوں کے مضامین ایک بھی داخل نہ ہوں گے۔ آپ جیسے بزرگ وار رکن کے ہوتے ہوئے میرا یقین ہے کہ میں ضرور کامیاب ہوں گا اور آپ کو میرے اس کام میں ہمدردی بھی ہوگی۔ لہذا میری یہ استدعا ہے کہ ایک مضمون، جو آپ مناسب خیال فرمائیں، اس رسالہ میں دے کر امداد فرمائیں۔ میں اپنی خادمانہ خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔ اس نمبر کے لیے کم از کم ایک قصہ، اگر ممکن ہو تو ”دھولا پروت“ پر تحریر ہو۔ آپ مناسب سمجھیں ضرور بھیج کر مشکور فرمائیں اور آمینہ کے لیے جیسا آپ مناسب سمجھیں، مطلع فرمائیں۔

خادمِ احرار،

دیوان بنسی لال دھر

رازق الخیری کا خط

صحت

کوچا چیلان، دلی

13 جون، 1935

مکرمی، تسلیم!

ڈرامہ ملا۔ میں کئی ماہ پہلے اگر پرچہ مرتب نہ کر لیا کروں تو دقت پر شائع ہونا بہت مشکل ہے۔ دوسرے مضمون کا کئی روز انتظار کیا۔ آخر وہی افسانہ چھپنے بھیج دیا۔ اب سالگرہ نمبر کی چھپائی خاتمے کے قریب ہے۔ آپ فرمائیں تو چھپے ہوئے فرے علی گڑھ بھیج دوں۔ یہ ڈرامہ آئندہ شائع ہو جائے گا۔ عنایت کا دلی شکریہ۔

خیر طلب، رازق الخیری

رام رکھ سنگھ سہگل (مدیر 'چاند') کا خط

The Chand Press Limited,
28, Edmonstone Road,
Chandralok, Allahabad
13th June. 1935

My dear Mr. Premchand,

Thank for your letter of no date with the manuscript of one act drama entitled 'Grih Niti'. The drama has been passed on to the editor for necessary action. Your remuneration of the previous story will be sent soon. Kindly excuse for the delay.

I hope you are O.K. With best regards.

Sincerely yours,

R. Saigal

General Manager

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi

111, Esplanade Road, Fort,
Bombay

15th July, 1935

My dear Premchandji,

You must have received the dummy sent by me. Will the Saraswati Press print the 'Hansa' in that size? Please send me the exact size of the cover page immediately so as to enable me to get a block prepared accordingly.

Yours

K.M. Munshi

P.S. : The Co. will be registered in a few days. No definite reply from Gandhiji yet.

آر. سنگھ کا پتر

The Ideal Films, Limited
22, Abbott Road,
Lucknow
Our Reference F-I/1041

Phone 159
Telegram-Pictures
18th June, 1935

Mr. Prem Chand,
Saraswati Press, Benares.

Dear Premchandji,

Please excuse me for breaking my silence after a very long time, this is due to the fact that everything was in its making, hence I could not give you the details of the working of my

Film Company. I am very desirous of meeting you as I want to discuss with so many things. Will you please find some time to come over to Lucknow at your earliest. An immediate visit will greatly oblige me. You are requested to let me know the details of your arrival so that I may be on the Station. I would suggest the 22nd of this month.

Yours Sincerely,
R. Singh

نروتم پرساد ناگر کا خط

جون، 1935

شرودھ پریم چند جی،

’ٹھیک‘ میں آپ کا لیکھ ”قلم اور ساہچہ“ پڑھا۔ اس چیز کو لے کر ”رنگ بھومی“ میں ابھی خاصی Controversy چل چکی ہے۔ ”رنگ بھومی“ کے دے ہر آپ کو بھیجے بھی گئے تھے۔ پتا نہیں آپ نے انہیں دیکھا کہ نہیں۔ استو۔

آپ نے سینما کے سبندھ میں جو کچھ لکھا ہے، وہ ٹھیک ہے، ساہچہ کو جو استھان دیا گیا ہے، اس سے بھی کسی کا مت بھید نہیں ہو سکتا۔ نیچے ہی سینما تاڑی (؟) اور ساہچہ دودھ (؟) ہے؛ پر اس چیز کو Generalise کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ سینما کے لیے بھی اور ساہچہ کے لیے بھی، ساہچہ بھی اس تاڑی پن سے اچھوتا نہیں ہے۔ سینما کو مات کرنے والے اداہرن بھی اس میں مل جائیں گے۔ ایک نہیں، انیک؛ اور ایسے دیکھیوں کے، جنہیں کے ساہچک سنار نے Recognise کیا ہے اور تو اور، پانھیہ کورس تک میں جن کی ہنکلیں ہیں۔ اپنے سرقرن میں مہاتما گاندھی کے واکیہ اڈھرت کرنے ہوں گے کیا، جو کہ انھوں نے اندور ساہچہ تسلیں کے سہا پتی کی حیثیت سے کہے ہیں؟ لیکن پرچکھے رکم پر نام۔ یہی بات سینما کے ساتھ ہے۔ سینما کے ساتھ تو ایک اور گڑبڑ ہے، وہ یہ کہ وہ بدنام ہے۔ آپ کے ہی شبدوں میں بھیک منگے سادھو، دیشیاؤں سے اچھے نہ ہوتے ہوئے بھی شرودھا کے پاتر ہیں۔ شرودھا کے پاتر ہیں، اس لیے Tolerable ہیں یا اتنے وردھ کے پاتر نہیں

ہیں، جتنا کہ ویشائیں۔ اسی ترک فیلی کو لے کر آپ سدھ کرتے ہیں کہ سنیا تازی ہے، اور دودھ دودھ۔ آپ نے ان دونوں کے درمیان ایک well marked & well defined line of difference کھینچ دی ہے۔

میرا آپ سے یہ سیدھا سادہ مت یہید ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دوچار دھارا ہی غلط ہے، جو اس طرح کی ترک فیلی کو لے کر چلتی ہے۔ کبھی زمانہ تھا، جب اس ترک فیلی کا زور تھا، سراہنا تھی؛ پر اب نہیں ہے۔ اس چیز کو اب اکھاڑ پھینکا ہی ہوگا۔

ایک جگہ آپ کہتے ہیں کہ ساہیہ کا کام جتنا کہ پیچھے چلنا نہیں، اس کا پتہ پروردگار بنا ہے۔ آگے چل کر آپ سادھو اور ویشاؤں کی مثال دیتے ہیں۔ سادھو ویشاؤں سے اچھے نہ ہوتے ہوئے بھی جتنا کی شردھا کے پاتر ہیں۔ یہاں آپ جتنا کی اس شردھا کو اپنے سر قہن میں آگے کیوں رکھتے ہیں؟

آپ نے جو ساہیہ کے اُدیش رکنا ہے، انہیں پورا کرنے میں سنیا ساہیہ سے کہیں آگے جانے کی جھمکا رکھتا ہے۔ Utility کے دروہ ٹون سے سنیا ساہیہ سے کہیں ادھک گمراہیہ ہے؛ لیکن یہ سب ہوتے ہوئے بھی سنیا کی اُبیوہٹا ٹماتروں کے ہاتھوں میں پڑ کر ذرا اُبیوہٹا میں پڑ رہی ہے۔ اس میں دوش ”سنیا“ کا نہیں، ان کا ہے جن کے ہاتھ میں اس کی ہاگ ڈور ہے۔ ان سے بھی ادھک ان کا ہے، جو اس چیز کو برداشت کرتے ہیں۔ برداشت کرنا بھی برا نہیں ہوتا، یہی اس کے ساتھ مجبوری کی شرط نہیں لگی ہوتی۔

گلے میں بے مال پڑنے والی بات بھی بڑے مرے کی ہے۔ ”جتنے ہی سلاہکوں نے نشانے لگائے؛ پر شاید ہی کوئی مچھلی ویدھ پایا ہو۔ بے مال گلے میں کیسے پڑتی؟“ بہت خوب! جس چیز کے لیے سلاہکوں نے سنیا پر نشانے لگائے، وہ چیز کیا انہیں نہیں ملی، اپواد کو چھوڑ کر؟ آپ یا کوئی سلاہک یہ بتانے کی کرا پا کریں گے کہ سنیا میں پرویش کرنے والے سلاہکوں میں سے ایسا کون سا ہے، جس کے سنیا پرویش کا مکھیہ اُدیش سنیا کو اپنے رنگ میں رنگنا رہا ہو؟ کیا کسی بھی سلاہک نے Sincerely اس اور کچھ کام کیا ہے؟ پھر بے مال گلے میں کیسے پڑتی؟ مانا کے سلاہک سنار میں بے مال اور سمرات کی اپادیاں کئے سیر ملتی ہیں؛ لیکن سبھی جگہ تو ان چیزوں کا یہی بھاؤ نہیں ہے۔ پہلے سنیا

جگت کو کچھ دیجیے، یا یوں ہی ہے مال گلے میں پڑ جائے؟ یا پھر سلاہک ہونا ہی گلے میں
نے مال پڑنے کی Qualification ہے۔

آپ بہت ہی رہ چکے ہیں۔ سنیا جگت کی آپ نے جھانگی بھی لی ہے۔ آپ کو یہ
بتانے کی آدھیگا نہیں کہ ہمارے سلاہک بھی، اپنی فلموں میں زبردست زہمی کا سادیش کرنے
میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ یا کہیں کہ آگے ہی بڑھ گئے۔ اوروں کو چھوڑ دیجیے، دے
سلاہک بھی، جو کہ ایک طرح سے کہنی کے سروے سروا ہیں، اپنے قلم میں دوسو لڑکیوں کا
نام رکھنے سے بعض نہ آئے، جو کہ بعد تھے کہ تالاب سے پانی بھرنے والے سین میں
ہیروئن انڈرویو نہ پہنے رہی ہو آئے، اس سے جمیٹر کھانی کرے اور اس کا گڑا جھین کر اس
پر ڈال دے۔ بدن پر انڈرویو نہیں، دستر بیکے، بدن میں چپکے اور نکلنا کا پردرشن ہو۔ یہ
سوچہ انھیں سلاہکوں میں سے ایک کی ہے، جن کے کہ آپ نے نام گنا میں ہیں۔
..... لیکن ایسی Black sheep majority میں، سلاہک کیا، اور سنیا کیا سبھی جگہ مل جائیں
گی۔

آپ نے اپنے لیکھ میں ہولی، کجری اور بارہ ماسے کی پٹنوں کا ذکر کیا ہے۔ ان
چیزوں کو سلاہچہ نہیں کہا جاتا ہے یا سلاہک انھیں Recognise نہیں کرتے، یہ ٹھیک ہے؛
لیکن ان کا استو ہے اور جس پر ریٹا یا امگ کو لے کر انیہ کلاؤں کا سرجن ہوتا ہے، انھیں کو
لے کر یہ ہولی، کجری اور بارہ ماسے آئیں ہیں؛ لیکن آپ کا انھیں اپنے سے الگ رکھنا
بھی سو بھاوک ہے (Utility کے دیکتی گرت دوشی کون سے)۔ اسی طرح کیا آپ نے یہ
جاننے کا کٹ کیا ہے کہ سنیا جگت میں Classes & Masses دونوں کی اور سے کون کون
سی کہنیوں، کون کون سے ڈائریکٹروں کی گنا میں شاننا رام، دیوکی بوس اور چندو لال شاہ
کے نام سائی دیں گے جب پھر آپ کا یا کسی بھی دیکتی کا، جو بھی قلم یا کہنی سائے
آجائے، اسی سے سنیا پر ایک slashing فتویٰ دینا کہاں تک سنگت ہے، یہ آپ ہی
سوچیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی آدمی کسی لائبریری میں جاتا ہے۔ جس پٹنک پر ہاتھ
پڑتا ہے، اسے اٹھا لیتا ہے۔ اور پھر اسی کے آدھار پر فتویٰ دے دیتا ہے کہ ہندی میں کچھ
نہیں ہے۔ برا کوڑا بھرا ہے۔ کیا آپ اس چیز کو ٹھیک سمجھتے ہیں؟
اب دو ایک شہد آپ کے مادک یا متوالاواد پر بھی۔ پہلی بات تو یہ کہ کیول

Utilitarian Ends کی درستی سے لکھا گیا ساچہ ہی ساچہ ہے، ایسا کہنا ٹھیک نہیں۔ ایسی رچنا کرنے کے لیے سلیجک سے ادھک Propagandist ہونے کی ضرورت ہے۔ اتنا ہی نہیں کرنا، ان Ends کو پورا کرنے کے لیے انیہ سادھن موجود ہیں، جو ساچہ سے کہیں ادھک پر بھادشالی ہیں۔ تب پھر ساچہ کے استھان پر ان سادھنوں کو Preference کیوں نہ دیا جائے؟ اسے بھی چھوڑیے۔ Utilitarian Ends کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔ انھیں اپنانا چاہیے ہی؛ لیکن کیا کج کج میں Sex appeal اتنا برا ”ہوا“ ہے جتنا کہ اسے بنا دیا گیا ہے۔ کیا Sex appeal سے اپنے آپ کو، اپنی رچناؤں کو، پاک رکھا جاسکتا ہے؟ پاک رکھنا کیا سو بھادوک اور بجم ہوگا؟ اپواد کے لیے گنجائش چھوڑ کر میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا کہ آپ کسی بھی ایسی رچنا کا نام بتائیں، جس میں Sex appeal نہ ہو؟ Sex appeal بری نہیں ہے۔ وہ تو ہونی ہی چاہیے۔ لوہا تو ہمیں اس منوروتی سے لینی ہے، جو Sex appeal اور Sex Perversion میں کوئی بھید بھاد نہیں سمجھتی۔

اب سنیما سدھار کی سسیا پر بھی۔ یہ سمجھنا کہ جن کے ہاتھ میں سنیما کی ہاگ ڈور ہے، وہ Initiative لیں، بھاری بھول ہوگی۔ یہ کام پریس اور پلیٹ فارم کا ہے؛ اس سے بھی بڑھ کر ان لوہوؤں کا ہے جو سنیما میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ چونکہ میں پریس سے سندھت ہوں اور فی الحال ایک سنیما پتہ کا کا بھی سپانڈن کر رہا ہوں، اس لیے میں نے اس دشامی قدم اٹھانے کا پریجن کیا۔

لیکھکوں تھا انیہ سلاخوں کو Approach کیا۔ کچھ نے کہا سنیما سدھار کی ذمہ داری لیکھکوں پر نہیں ہے۔ (اپنے لیکھ پر دیے گئے ”لیکھک“ کے سپادک کا نوٹ ہی دیکھیے)۔ کچھ نے اسے اسمخو سا بتا کر چھوڑ دیا۔ سنیما سدھار کی آدھیکتا تو سب محسوس کرتے ہیں، سنیما کا وردھ بھی جی کھول کر کرتے ہیں؛ پر کربا تک سہوگ کا نام سنتے ہی الگ ہو جاتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ سنیما بدنام ہے۔ اور یہ چیز ہمارے روم روم میں دھنی ہوئی ہے کہ ”بد اچھا بدنام برا“۔ کیا یہ وڈبنا نہیں ہے؟ اس چیز کو دور کرنے میں کیا آپ ہماری سہایت نہ کریں گے؟

یہ سب ہوتے ہوئے اس سنیما سدھار کے کام کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ لوہوؤں کے سنیما گروپ کی یوجنا کے لیے زمین تیار ہو چکی ہے، وسرت یوجنا بھی فیکھر

ہی پر کھٹ کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ضرورت ہوگی ایک ہیکش سنیما ہڑکی۔ جب تک نہیں لگا، تب تک کافی دور تک، ”رنگ بھوی“ ہمارا ساتھ دے سکتی ہے۔ میرا یہ نچت مت ہے اور میں سکڑو کہہ سکتا ہوں اس لحاظ سے ”رنگ بھوی“ بھارتیہ سنیما ہڑوں میں سب سے آگے ہے۔ میں آپ سے اُردوہ کروں گا کہ آپ ”رنگ بھوی“ کی آلوچٹائیں ضرور پڑھا کریں۔ پڑھنے پر آپ کو بھی میرے جیسا مت اُتھر کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگے گی، اس کا مجھے یُورن نیچے ہے۔

آشا ہے کہ آپ بھی سنیما گردپ کو اپنا آدھیک سہیگ دے کر کرتا تھ کریں گے۔

آپ کا،

نروتم پرساد ناگر،

سہادک ”رنگ بھوی“

(’نس‘ جون، 1935)

رام پرساد کا خط

انسائیڈ لاہوری گیٹ، لاہور

جون، 1935

شری مان جی، نمستے!

کریا پتر ملا۔ خیر، آپ اپنے فیصلے پر پھر غور کریں، کیونکہ ایک تو کساد بازاری، دوسرے اتنی اجرت بہت زیادہ ہے۔ دوسرے بک سیلر کے ساتھ آپ کا فیصلہ ایک روپیہ میں ہوا تھا، جس کا میں نے پہلے خط میں حوالہ دیا تھا۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے کچھ دیا ہے یا نہیں۔ اب بھی آپ ہم سے وہی ریٹ منظور فرما دیں۔ ایک آدھ کتاب شائع کر کے تو فائدہ نہ ہوگا۔ لگاتار آپ سے پانچ چھ کتب لکھائی جاوے گی، اور شائع کی جاوے گی، جس سے آپ کو کافی فائدہ ہوگا، مگر پختہ فیصلہ پہلے ہو جانا بہتر ہے، تاکہ بار بار کا جھگڑا نہ رہے۔ ایک روپیہ اردو کے لیے اور ہندی کے لیے ڈیڑھ روپیہ لگائیں، یہ کسی بھی حالت میں کم نہیں ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ کی قلم سے لکھا ہوا ایک ایک شہد نایاب ہے۔ اس کی کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے آپ کو بار بار لکھتے ہوئے

بھی خیال ہوتا ہے کہ اجرت یہ لے لو یا وہ لے تو۔ خیر، آپ نے ایک اولین حساب بتلایا ہے کہ مجھے اتنا روپیہ مل جائے گا۔ جناب اعلیٰ، ہمارا بھی تو خیال رکھا جاتا کہ پبلیشر کو کتنا فائدہ ہوگا۔

750	300 صفحہ، 19 کاپی، اجرت آپ کے حساب سے ڈھائی روپیہ فی صفحہ
380	کاغذ 19 کاپی کے لیے فی ریم 10 روپیہ 38 ریم
240	
500	چھپوائی ہندی
30	ایڈورٹائزمنٹ، ریویو وغیرہ کے لیے 4 آنے فی کاپی
200	دفتری، بلاک، ڈیزائن ٹائٹل چھپوائی، کاغذ کا خرچہ وغیرہ
240	دو ہزار روپیہ کا دو سال کا بیاج اگر کتاب دو سال میں بک جائے
2340	ٹوٹل

خیال فرمادیں ایک کاپی ایک روپیہ تین آنے میں پڑی۔ اس کے علاوہ دو روپیہ قیمت پر 33 فیصد، (11 آنے فی کاپی) کمیشن تاجرانہ سے کیا کم ہوگا؟ اب آپ وچار کریں کہ پبلیشر کو کیا فائدہ ہوا؟ حالانکہ ہندی میں چھپی ہوئی کتابوں پر ہندی پبشنگ ایجنسی، کلکتہ والے 40% کمیشن سو روپے کی کتاب خریدنے پر دیتے ہیں۔ اس واسطے آپ برائے مہربانی منظور فرمادیں جس سے جلد کام شروع ہو۔ دوبارہ غور فرمائیں۔

جواب کا منتظر۔

رام پرساد

رام پرساد کا خط

لاہور

جون، 1935

شری مان جی، فیسے!

پتر آپ کا ملا۔ میں نے تو یہ بتلایا تھا کہ لاہور کے ایک دکاندار کے ساتھ آپ کا

”نجات“ نامی کتاب کے لیے ایک روپیہ فی صفحہ اجرت دائمی کاپی رامید کا مکرر ہوا تھا۔ یہ مجھے پتہ نہیں، اس نے آپ کو کچھ دیا یا نہیں۔ اگر اس نے نہیں دیا تو آپ قانونی چارہ جوئی کر کے ایک دن میں وصول کر سکتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی کتاب ”ہیوا“ بھی اس کے پاس تھی۔ شاید اس نے آپ سے خرید کی ہوگی یا کمیشن سیل پر فروخت کے لیے منگوائی ہوگی۔ اس کا بھی کچھ نہ دیا ہو تو آپ کی غفلت ہے۔ قانون کا دروازہ کھلا ہے۔ آپ اس سے وصول کر سکتے ہیں۔ بنارس میں ہی دعویٰ کر دیں اور ڈگری لے کر لاہور ہمارے پاس چلے آئیں۔ فوراً سے پیشتر وصول ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ خط کا جواب ہی نہیں دیتا تو یہ اس کا کینہ پن ہے۔ اپنی محنت کے دام آپ پورے وصول کریں۔ سیدھی طرح خط و کتابت سے وہ دے گا نہیں۔ آپ یہ طریقہ کریں، دس روپیہ خرچ ہوگا ضرور، مگر آئندہ کے لیے کسی دوسرے بک سیلر کے لیے یہ ہمت نہ ہوگی کہ آپ سے ایسا کرے۔ درگزر نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے ارادوں سے مجھے مطلع کریں۔ اگر آپ پہلے نوٹس دے دیں تو بہت اچھا ہے۔ امید ہے، نوٹس آتے ہی شاید فیصلہ ہو جائے۔ اس کو پرائیویٹ خیال فرماویں۔

نیا زمند، رام پرساد

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi

111, Esplanade Road, Fort,

Bombay

22nd June, 1935

My dear Premchandji.

Your letter to hand. I could not write to you earlier because of my inability to come to any decision. I have written to Gandhiji and I am expecting a reply in a day or two, when I will definitely write to you.

I also heard that you are thinking of stopping 'Hans'. Is there any truth in it?

The idea is that we must have a magazine solely devoted to this idea of an All India literature. If you place the whole magazine at the disposal of this idea, my concrete suggestions are these :

- (1) 'Hans' should be made into a hundred page magazine.
- (2) It should be solely devoted to this idea.
- (3) You should associate with yourself some appointed by the committee as a co-editor. Perhaps it may be me.
- (4) You should own and manage the magazine as now. I will at my cost maintain here an office for collecting articles from different places and for sending them to you. Our Hindi here will have to be retouched by some one from there.
- (5) The subscription should be raised from Rs. 3-80 to Rs. 5/-.
- (6) At the end of one year I will meet the deficit not exceeding one thousand rupees. If there is any profit you keep it to yourself.
- (7) At the end of the year we shall revise the terms.

Yours Sincerely,
K.M. Munshi

نروتم پرساد ناگر کا خط

”چتر پٹ“ میگزین
بازار بیتارام، دہلی

02-07-1935

شرذمہ پریم چند جی، سادہ دندے!
”نہس“ میں آپ نے میرا پرتیو اور اپنا اثر چھاپنے کی کرباکی ہے۔ اس کے لیے

کرتیے ہوں۔ چونکہ میں اپنی پہلی جولائی سے ”رنگ بھوئی“ سے ”پھر ہٹ“ میں آ گیا ہوں، اتہ آپ کا لکھ، اپنا پرتوا، آپ کا اڑتھا اپنا پرتھڑ ”پھر ہٹ“ کے اسی ایک میں دے رہا ہوں۔ آپ کی دھار دھارا اور سدھانت جن رینوں پر پختے ہیں، وہیں پر میں بھی پہنچتا ہوں، لیکن اصلی کام تو وہاں پر پہنچنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ آپ کے کھانوسار یدی چلا جائے تو ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ آپ کلک کلک مانتے ہیں، اس کے برتی آپ کے ہر دیہ میں گھرنا ہے، اور جس کے ماتے پر یہ دھنہ ہے کبھی اس سے بری نہیں ہو سکتا؛ تب کوئی کرے ہی کیا؟ کرے بھی تو اسے ”غیبت“ سمجھے، اڑتے ہوئے سے روپ میں..... ”کلک“ کے ہتی یدی کبھی اتنا سہانو بھوتی ہن attitude اختیار کر لیں، تو ”سندھار“ جسے کہتے ہیں، اسے اس سنار سے ودا ہونا پڑے۔ جو بھی ہو، اس چیز پر وسرت روپ اسے ”پھر ہٹ“ میں لکھ رہا ہوں۔ آشا ہے کہ آپ اس پر سہانو بھوتی پروک دھار کرنے کی کرپا کریں گے۔

ایک بات اور! ”پھر ہٹ“ کا پچھلا انگ آپ کو مل گیا ہوگا۔ اس میں میرا ایک لکھ ہے ”سنتا اور چنندر جی“۔ کرپا لکھیے کے آپ اسے پڑھ کر سنتا اور چنندر جی کے بارے میں کچھ جان جاتے ہیں کہ نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ میں بہت swift لکھتا ہوں، details پر دھیان نہیں دیتا۔ مہکتے average reader میرے ساتھ دوڑنے میں کچھ پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس لیے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔

ہر ورتا اوشیہ دیں۔ شیش کرپا۔

آپ کا،
نروتم پرساد ناگر

عشرت رہمانی دلی کا خط

Prop. &

I.A..K

Ishrat Rahmani

Ref. No. 786

Editor The Nairang

an Urdu Monthly of Art &

Literature for Cultured Tast

Dated 13.8.35

مکرم!

تسلیم اور نیاز مزاج گرامی،

اس کے عرض کرنے کی ضرورت غالبین نہیں کہ اردو رسالوں کا اور ان کا، جن میں زمانے کی رفتار کے مطابق رتبویاس (آشا، نراشا، اونچ، بچ) نہ سا سکتا ہو، آج کل زندہ رہنا کس قدر دشوار ہے۔ اب صرف عرض کرنا یہ ہے کہ اپنے رسالے کا ایک خاص نمبر 'افسانہ ایڈیشن' اس ترتیب سے شائع کر رہا ہوں کہ دنیا بھر کی تمام زبانوں کے افسانے اس میں شامل ہوں اور خدا کا فضل ہے کہ نمبر کی ترتیب میں بہت کچھ کامیابی نصیب ہو رہی ہے۔ غیر ملکی مصنفوں (لیکھکوں) کے تازہ افسانے بھی حاصل کر لیے ہیں۔ اس کے خاص تراجم (انواد) شائع کر رہا ہوں۔ اردو افسوں میں اور بھل قصبہ علامہ رشید الخیری، خواجہ حسن نظامی اور منشی پریم چند کے شائع کر کے اس ایڈیشن کو اعلیٰ ترین (سرڈر) بنانے کا آرزومند ہوں۔ اول الذکر ہر صاحب سے حاصل کر چکا ہوں۔ اب آپ کی التماس ہے کہ قدیم نیاز مندی کا لحاظ فرما کر جس طرح بھی ممکن ہو ایک کہانی اولیں فرمت میں مرحمت فرما دیجیے۔ اب کامیابی کا انحصار آپ کی توجہ پر ہے، اور آپ کی توجہ کا خضر ہوں، واپس نہ کیجیے۔

نیاز مندر

عشرت رحمانی

راج موہن لال، کمپوزیٹر کا خط

سرسوتی پریس، بنارس

26-08-1935

شری مان سپادک جی، سادر پرنام!

سوچے غویدین ہے کہ ابھی تک ہماری جون ماس کی تنخواہ نہیں ملی۔ اس کا کارن یہ ہے کہ شری مان نیجر صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے ایک وگیاپن ہندی گرتھ رتا کر کاربالہ کا دیا تھا، جو کہ جون ماس میں چھپنے والا تھا۔ کٹھو میں وٹھواس پوروک کہہ رہا ہوں، انھوں نے مجھے وگیاپن نہیں دیا۔ مگر ان کے کہنے پر تھا اپنا افسر سمجھ کر بے ارتھ جھڑا بڑھنے کے خیال

سے سویکار کر لیا کہ شاید آپ دیے ہوں گے۔ اس پر شری مان جی نے 5 روپیہ جرمانہ کر دیا ہے، جس سے ابھی تک حساب رکا ہے۔ اگر مان لیجیے کہ ہماری بھول ہے تو بھی آفس کا خیال کر کے آپ لوگوں کو شاکرنا چاہیے۔ بھول مٹھی سے اکثر ہو جاتی ہے۔ یہی ایک معمولی بھول پر شانہ کیا جائے گا، تو ہم غریبوں کا کس طرح سے نزواہ ہوگا۔ منجر صاحب سے ہم نے شاکر کرنے کے لیے پراعتنا کیا ہے؛ کتنو اس سے دلچسپی رہا۔ اس لیے آپ سے وٹے کر رہا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کے مالک اور پوشک ہیں۔ اس پر اوشیہ ہی اُچت وچار کریں گے۔ ایک دھڑھٹا میں آپ سے بھی کر رہا ہوں کہ اکتوبر ماس کی تنخواہ نہ ملنے سے ہم نے چھوٹے بھائی کی فیس جمع کرنے کے لیے، چتا کے انجانے میں ایک جن سے لون لے کر کام چلا لیا تھا، جس کا کہ آج تک سود دے رہا ہوں؛ کتنو پریس کی استعفیٰ دیکھ کر مانگ نہ سکا، کیونکہ یہ آنکھوں دیکھ رہا ہوں کہ ادھر استعفیٰ خراب ہے۔ یہ دیکھ کر خود ہی مانگنے میں سکوچ ہوتا ہے۔ آشا ہے آپ اس پر پورن روپ سے وچار کر فائن معاف کرنے کی اُچت کر پا کریں گے۔

پراعتنا،

راج موہن لال

(پتر پر پریم چند جی کا نوٹ لکھا ہے۔ ان کا فائن شاکر دیجیے۔ دھن پت رائے)

پرواسی لال ورما کا خط

کاشی

15-02-1936

پریم بھائی صاحب،

آپ نے پنچایت کے لیے سویکار کیا تھا۔ میں سب ٹھیک کر چکا ہوں۔ اب آپ اپنی اور کے بچوں کو ٹھیک کر کے سے دیجیے کہ کس دن آپ کو سوودھا ہوگی۔ استھان پریس ہی رہے گا، یا بچوں کی اکشائوسار۔ اُتر اسی سے دینے کی کر پا کیجیے۔

پرواسی لال

ماکھن لال چتر ویدی کا خط

دی کرم دیر، کھنڈوا،

تقریباً مئی، 1936

میرے دلش کے چمک میں ”بہت کچھ“

پر نام!

کریا پتر ملا۔ اگامی 13 جون تک کانگریس کے ممبروں کی فہرست پوری ہوئی ہے۔ میں مارا مارا یہاں وہاں گھوم کر پونہ سٹیج کر رہا تھا، آپ کے کریا پتر کا اتر کہاں سے دے پاتا؟ کریا آپ ”نہس“ کی وہ سکھیا بھیجوا دیں، جس میں آپ نے انٹر پرائیڈ ساہیہ سنگھ پر کچھ لکھا ہے۔ وہ سکھیا میرے پریس سے غائب ہے۔ اپریل کی سکھیا ہے شاید۔ آپ کی کہانیوں اور لکھاؤں کے چاہک بھلے آدمیوں نے، میرے پاس آپ کی کڑیاں نہ رہنے دیں۔ پھر ”نہس“ دے کیوں چھوڑنے چلے! آدمیوں پر ناراض ہو کر رہ گیا۔ ہاں، یدی ”اردو، ہندی اور ہندوستانی“ جندھ پر سے ہی لکھتا ہے، تو ضرور ایک نوٹ لکھ دوں۔

میں آپ کا فوٹو ابھی تک نہ بھیج سکا، جھما کریں۔ جلدی ہی بھیجاؤں گا۔ ”اردو، ہندی اور ہندوستانی“ چھوٹے روپ میں چھپی اس کی ہزار پرتیاں تمہیل میں چھوٹے رام نے بنوائیں، اس آشا سے کہ آپ آجاویں گے۔ اس کی ایک پرتی اس پتر کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ کیسے تو، دوسری بار چھپوا کر آپ کے پاس بھیج دوں۔ آپ کے آنے کی پریکشا میں پُتک بٹ گئی۔ مجھ سے بنا ہی پوجھے۔

آپ کا اپنا، ماکھن لال

اعظم کریوی کا خط

اسلام آباد، کونڈ، بلوچستان

21 ماکتوبر

محی و مطلق، تسلیم!

مجھے حال میں آپ کے کئی ناولوں (ہندی) کو پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کل ”کایا کلپ“

قسم کی۔ فضول تعریف کرنا میرا شیوہ نہیں ہے لیکن ”کایا کلب“ پڑھ کر میرے دل پر جو اثر ہوا اس کا اظہار نہ کرنا بھی قلم ہے۔ یوں تو ”چکر دھر“، ”منشی جی“ اور ”منورما“ غرض کہ ناول کے تمام افراد کا نقشہ آپ نے نہایت خوبی سے کھینچا ہے لیکن سب سے زیادہ جس کی سیرت نے میرے دل پر اثر کیا ہے وہ ”لوگنی“ ہے۔ آپ نے اس کا اتنا انچرل کیریکٹر دکھایا ہے کہ مستغنی از داد ہے۔

وطن کی طرف آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر میرے حسب منشا لکھنؤ کا تبادلہ ہو گیا تو شرف نیاز حاصل کروں گا۔

عقیدت کیش
اعظم کرپوی

کنہیا لال منشی کا خط

پر یہ بھائی پریم چند جی!

آپ تو اندور نہیں آئے۔ لیکن بھائی جیتندر پرساد آدی نے مل کے ہماری یوجنا کو آگے بڑھائی۔ اس کا پرنام ایک پرستار سے آیا جس سے آنتر پرانیہ پریشد بلانے میں شکتا ہوگی۔ اب سوال رہا ماسک پتر کا۔ جیتندر کمار نے کہا تھا کہ آپ ’نہس‘ کو اس کام میں دے دیں گے۔ یہی آپ ’نہس‘ کو اس پرورتی کا کھ پتر بنا سکتے ہوں تو ہمارا کام بہت ہی سرل ہو جائے گا۔ آپ مجھے ٹھنکر لکھیے گا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ گاندھی جی بھی اس بابت میں بڑے پرسن ہیں اور اچھا سہکار دے دیں گے، ایسی مجھے آشنا ہے۔ آپ کا اثر کی راہ دیکھتا ہوا۔

میں دو دن میں شیخ مکی جارہا ہوں۔ وہاں پتر بھیجے گا۔

(مول پتر ہندی میں ہی ہے۔ اسے جیوں کا تیوں دیا جارہا ہے)

بھودیے
کنہیا لال منشی

انوداک منڈل کی آوشیتا

ہندی میں دیک پتروں کا ٹولیہ دو پیسے سے ادھک نہیں ہے۔ جب انگریزی پتر 16-20 پڑھوں کے چار پیسے میں ملتے ہیں تو ہندی کے آٹھ پڑھوں کے پتر کے لیے دو پیسے سے زیادہ مہتا کیوں خرچ کرنے لگی۔

بکری کا دام تو ہے دو پیسے لیکن کھینیاں کتنی ہیں؟ 'روڑ' ایسوی ایڈز 'فری پریس' سبھی خبر پہنچانے والی سسٹمائیں تار دارا خبریں بھیجتی ہیں۔ انگریزی پتر تار پاتے ہی اس کو دیکھ بھال کر کچھ ورام چدہ گھٹا بڑھا کر یا ضرورت کے مطابق تار کو کاٹ چھانٹ کر کمپوز کرنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ ہندی پتروں میں ان تاروں کا ہندی میں ترجمہ ہونا چاہیے۔ اس کے لیے 4 سے 6-8 تک انوداک رکھے جاتے ہیں۔ تار ملا ہے دس بجے یا گیارہ بجے رات کو۔ اسے ایک بجتے بجتے کمپوزنگ میں چلا جانا چاہیے۔ نہیں تو وہ چھپ نہ سکے گا۔ اسی گھنٹے دو گھنٹے میں انوداک کو تیزی کے ساتھ اپنا کام کرنا پڑتا ہے۔ خبر چھوٹی سی ہوئی تو کوئی بات نہیں۔ لیکن کہیں وہ دائسرائے یا مہاتما گاندھی کی اسٹیج ہوئی یا اسبلی یا کونسل کے بیٹھک کی رپورٹ ہوئی تو ایک دو، تین، چار کالموں کی خبر ہو سکتی ہے۔ اور ایک گھنٹے کے اندر اس کا انوداد ہونا پرمادھیک ہے، نہیں تو وہ خبر رہ جائے گی۔ ایسی ہڑبڑی میں انوداد کیسا ہوگا اس کا انومان کیا جاسکتا ہے۔ واکہ کے واکہ اور پیرے کے پیرے چھوڑ دینے پڑتے ہیں اور بھاشا اتنی الجھی ہوئی، اتنی بے سر پیر کی ہو جاتی ہے کہ بہودھا اس کا مطلب سمجھنے کے لیے انومان سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہ کھینیاں سبھی بھاشا پتروں کے سامنے ہے۔ ایک تو ہندی پتر دو پیسے میں کہیں، دوسرے انودادوں کا دین دے۔ تو وہ کیوں نہ گھٹائے میں چلے اور کیوں نہ اس کا جیون سنکٹ مے ہو۔ دردنا کے کارن پتروں کو سوپرگیہ انوداک بھی نہیں ملتے۔ جب چالیس روپے سے لے کر پچاس، ساٹھ، ستر، اتنی روپے تک انودادوں کا دین ہوگا تو پھر ایسے آدمی کہاں سے آئیں گے جو سنڈر انوداد کر سکیں۔ انوداد کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ایک ایک شہد کے لیے گھنٹوں دماغ ٹٹلنا پڑتا ہے اور دماغ سے کام نہ چلنے پر کوش کے ورق الٹا پڑتے ہیں۔ میرا دھار ہے کہ سویم کوئی لکھ لکھنا آسان ہے، انوداد کرنا کھن ہے اور یہ کام ہم قھوڑے دین کے کر چار یوں سے لینے پر مجبور ہیں۔

کھو آج کل کوئی ساچار پتر کیوں خبروں ہی کے بل پر سہل نہیں ہو سکتا۔ اس میں جتنا اور بھی چیزیں چاہتی ہے، جس سے اس کا دھار پھیلے، اس کی جانکاری بڑھے، اس کے بھاؤں کا پرشکار ہو، وہ سنسار کے دھار پرواہ میں مل سکے۔ ایسے لیکھ دو پیسے کے پتر میں کہاں سے آویں۔ ان کی ساری فحش خبروں کے انواد کرنے میں ہی خرچ ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ عام شکایت سننے میں آتی ہے کہ ہندی پتروں میں کچھ ہوتا نہیں۔ ہندی پتر وہی پڑھتا ہے جو انگریزی نہیں جانتا، اور آج کل جو کچھ پڑھا لکھا ہے وہ کچھ انگریزی بھی جانتا ہے۔ ایسے ہندی جاننے والے جو انگریزی بالکل نہ جانتے ہوں ادھک نہیں ہیں۔ اور جو سہیہ ہیں وہ تو انگریزی اوشے ہی جانتے ہیں۔ جتنا کو ہندی پتروں سے پریم ہے اوشے، مگر جب اسے اس میں سنتوش جبک مسالہ نہیں ملتا تو وہ دوش ہو کر انگریزی پتر پڑھتی ہے۔ انگریزی ویاپک بھاشا ہے۔ اس کے دوارا آپ سنسار کی سیر کر سکتے ہیں۔ روس، جرمنی، فرانس آدی دیشوں کے دھارک اور دودان کیا کہتے ہیں یہ جاننے کے لیے آپ کو انگریزی پتر پڑھنا انوار یہ ہے۔ اگر ہم ان لیکھوں کو ہندی پتروں میں دے سکیں تو ان پتروں کی اچھوگتا، منورجکتا اور ویاپکتا بہت بڑھ جائے۔ مگر ایسے لیکھوں کا انواد کرنا ہندی پتروں کے سامر تھ سے باہر ہے۔ خبروں کا ٹیڑھا سیدھا انواد کر دینے سے بھی کام چل جاتا ہے، لیکن ایک کنوڈکیشن ایڈریس کا انواد تو سوچ سمجھ کر ہی کرنا پڑے گا۔ اسی لیے ہمیں ایک انوادک منڈل کی آویختا ہے۔ اس منڈل کا یہ کام ہو کہ وہ جھگی پتروں سے دھار پورن گیان دروھک لیکھوں کا انواد کر کے ہندی پتروں کو دے۔ یہ ضروری نہیں کہ منڈل کے سبھی کام کرنے والے اپنا پورا سے دے سکیں۔ اپنے مکھیہ کام کے ساتھ وہ منڈل میں کچھ سہیگ دے سکتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے آدمیوں کی ضرورت تو ہوگی ہی جو اپنا پورا سے دے سکیں۔ اگر منڈل کو ایسے آدمیوں کی سہایتا مل سکے جو فرنج، جرمن اور انگریزی آدی جانتے ہوں تو کیا کہنا۔ منڈل سنسار بھر کے مکھیہ پتر منگائے، یہ نیچے کرے کہ کون کون سے پتر، کون کون سے لیکھ سویکار کرتے ہیں۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ منڈل پتروں سے ماسک چندا ملے کر لے اور روز روز کی انواد ساگری پتروں کے پاس بھیج دیں۔ پتر اپنی سویدھا، ادکاش، اور روچی کے انوسار جو انواد چاہے پرکاشت کرے۔ اس طرح کی ساگری دینے سے ہندی پتروں کی کھیت بڑھ سکتی ہے اور سنھو ہے کہ وہ بھی اپنا مولیہ

ایک آنا کر سکیں۔ تبھی وہ انگریزی پتروں کا سامنا کر سکتے ہیں اور تبھی ان کا آدر ہوگا۔
ارجن

کنہیا لال منشی کا خط

پر یہ بھائی پریم چند جی،
آپ تو اندور نہیں آئے۔ لیکن بھائی جینندر پرساد آدی نے مل کر ہماری یوجنا کو آگے
بڑھائی۔ اس کا پرنام ایک پرستار سے آیا جس سے آنتر پرائیہ پریشد بلانے میں شگفتا
ہوگی۔ اب سوال رہا ماسک پتر کا۔ جینندرکار نے کہا تھا کہ آپ 'ہنس' کو اس کام میں دے
دیں گے۔ یہی آپ 'ہنس' کو اس پرورتنی کا مکھ پتر بنا سکتے ہوں تو ہمارا کام بہت ہی سرل
ہو جائے گا۔ آپ مجھے شکھر لکھے گا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ گاندھی جی
بھی اس بابت میں بڑے پرسن ہیں اور اچھا سہکار دے دیں گے، ایسی مجھے آشا ہے۔ آپ
کا اثر کی راہ دیکھتا ہوا۔

بھودیہ
کنہیا لال منشی

میں دو دن میں بیچ گئی جا رہا ہوں۔ وہاں پتر بھیجے گا۔

انٹرویوز

(1)

بنام بنارسى داس چتر ویدی کے سوالات

(پنڈت بنارسى داس چتر ویدی نے 11 مئی 1930 کو کلکتہ سے پتر لکھتے ہوئے پریم چند کو سات سوال بھیجے تھے، جن کا جواب پریم چند نے 3 جون 1930 کو لکھے خط میں دیا تھا۔)

چتر ویدی: آپ نے گلپ لکنا کب پرانہ کیا؟

پریم چند: میں نے 1907 میں گلپ لکنا شروع کیا۔ سب سے پہلے 1907 میں میرا 'سوز و غم' جو پانچ کہانیوں کا مجموعہ ہے، زمانہ پریس سے نکلا تھا۔ پر اسے ہیر پور کے کلکٹر نے مجھ سے لے کر جلوا ڈالا تھا۔ ان کے خیال میں وہ دورہ آئینہ تھا۔ حالانکہ تب سے اس کا انوداد کئی سگر ہوں اور پتریکاؤں میں نکل چکا ہے۔

چتر ویدی: اپنی کون کون سی گلپ آپ کو سرورق مکتی ہے؟

پریم چند: اس پرسن کا جواب دینا کٹھن ہے۔ 200 سے اوپر لگوں میں کہاں تک ہوں۔ لیکن سرتی سے کام لے کر لکھتا ہوں۔ (1) بڑے گھر کی بیٹی، (2) رائی سارندھا، (3) نمک کا داروغہ، (4) سوت، (5) آجھوٹ، (6) پرائیجٹ، (7) کامنا خرد، (8) مندر اور مسجد، (9) گھاس والی، (10) مہاتیرتھ، (11) ستیا گرہ، (12) لالچھنی، (13) ستی، (14) لیلہ، (15) منتر۔ 'منزل مقصود' نامک اردو کہانی بہت سندر ہے۔ کتنے ہی مسلمان متروں نے اس کی پرھنسا کی ہے۔ پر ابھی تک اس کا انوداد نہیں ہو سکا۔ انوداد میں بھاشا ساریہ غائب ہو جائے گا۔

چتر ویدی: آپ کی لکھن شیلی پر دیسی یا بدیسی کن کن گلپ لکھوں کی رچنا کا برہماؤ پڑا ہے؟

پریم چند: میرے اوپر کسی ویش لیکھ کی شیلی کا برہماؤ نہیں پڑا۔ بہت کچھ پنڈت رتن ناتھ لکھنوی اور کچھ ڈاکٹر رویندر ناتھ ٹھاکر کا اثر پڑا ہے۔

چرویدی: آپ کو اپنے گرتھوں سے، رچناؤں سے کیا ماسک آے ہو جاتی ہے؟

پریم چند: آئے کی کچھ نہ پوچھیے۔ پہلے کی سب کتابوں کا ادھکار پرکاشوں کو دے دیا۔ پریم جھبکی، سیواسدن، سنپت سروج، پریم آشرم، سگرام، آدی کے لیے ایک مشق تین ہزار روپے ہندی پتک انجینی نے دیا، 'لوندھی' کے لیے شاید اب تک دو سو روپے ملے ہیں۔ 'رنگ بھوی' کے لیے 1800 روپیہ دلارے صل نے دیے۔ اور سگرھوں کے لیے 100، 200 روپے مل گئے۔ کایا کلپ، آزاد کشا، پریم تیرتھ، پریم پرتھا، پرتکیا، میں نے خود چھاپا۔ پر ابھی تک مشکل سے 600 روپے وصول ہوئے ہیں اور پرتیاں پڑی ہوئی ہیں۔ پھٹکر آمدنی لکھوں سے شاید 25 روپے ماہوار ہو جاتی ہو۔ مگر اب اتنی بھی نہیں ہوتی۔ میں اب 'فنس' اور 'ماہوری' کے سوا کہیں لکھتا ہی نہیں۔ کبھی کبھی 'وشال بھارت' اور 'سرسوتی' میں لکھتا ہوں بس اردو انوادوں سے بھی اب تک شاید 2 ہزار سے ادھک نہ ملا ہوگا۔ 800 روپے میں رنگ بھوی اور پریم آشرم دونوں کا انواد کرادیا تھا۔ کوئی چھاپنے والا ہی نہیں ملتا تھا۔

چرویدی: ہندی میں گلپ ساہتیہ کی ورتمان پڑھتی کے وشے میں آپ کے کیا دھار ہیں؟

پریم چند: ہندی میں گلپ ساہتیہ ابھی اتھت پرارتمک دشا میں ہے۔ کہانی لکھنے والوں میں سندرشن، کوٹک، جینندرکار، آگر، پرساد، راجیشوری جی نظر آتے ہیں۔ مجھے جیہڑ اور آگر میں مولکتا اور ہاتھیہ کے چہہ ملتے ہیں۔ پرساد جی کی کہانیاں بھادھک ہوتی ہیں۔ Realistic نہیں۔ راجیشوری اچھا لکھتے ہیں مگر بہت کم۔ سدرشن جی کی رچنا میں سندر ہوتی ہیں۔ پر گہرائی نہیں ہوتی۔ اور کوٹک جی اکثر باتوں کو بے ضرورت بڑھا دیتے ہیں۔ کسی نے ابھی تک سانج کے کسی ویش اٹک کا ویش روپ سے ادھتین نہیں کیا۔ آگر نے کیا مگر بہک گئے۔ میں نے کرٹک سانج کو لیا۔ مگر ابھی کتنے ہی ایسے سانج پڑے ہیں۔ جن پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ سادھوں کے سانج کو کسی نے اپرش تک نہیں کیا۔ ہمارے یہاں کلپنا کی پردھانتا ہے۔ انوٹھوتی کی نہیں۔ بات یہ ہے کہ ابھی تک ساہتیہ کو ہم دوسائے کے رُپ میں نہیں گرہن کر سکے۔ میرا جیون تو آرٹھک ورشی سے اسمل ہے اور رہے گا۔ 'فنس' نکال کر میں نے کتابوں کی بچت کا بھی دارا نارا کر دیا۔ یوں شاید اس سال چار پانچ سول جاتے۔ پر اب آشا نہیں۔

چڑھیدی: آپ کی رچتاؤں کا انواد کن کن بھاشاؤں میں ہوا ہے؟

پریم چند: میری رچتاؤں کا انواد مراٹھی، گجراتی، اردو، تامل، بھاشاؤں میں ہوا ہے۔ سب کا نہیں۔ سب سے زیادہ اردو میں، اس کے بعد مراٹھی میں۔ تامل اور تیلگو کے کئی سببوں نے مجھ سے آگیاں مانگی جو میں نے دے دی۔ انواد ہوا یا نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ جاپانی میں تین چار کہانیوں کا انواد ہوا ہے۔ جس کے مہاشے سکروال نے مجھے ابھی کئی دن ہوئے 50 روپے بھیجے ہیں۔ میں ان کا ابھاری ہوں۔ دو تین کہانیوں کا انگریزی میں انواد ہوا ہے۔ بس۔

چڑھیدی: آپ کی آکا نکھائیں کیا ہے؟

پریم چند: میری آکا نکھائیں کچھ نہیں ہیں۔ اس لئے تو سب سے بڑی آکا نکھا یہی ہے کہ ہم سوراجیہ سگرام میں وجنی ہوں۔ دھن یا نیش کی لالسا مجھے نہیں رہی۔ کھانے بھر کول ہی جاتا ہے۔ موٹر اور بنگلے کی مجھے ہوس نہیں۔ ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ دو چار اُچے کوٹی کی پُتلیں لکھوں پر اس کا آڈیش بھی سوراجیہ وجے ہی ہے۔ مجھے اپنے دونوں لڑکوں کے وشے میں کوئی بڑی لالسا نہیں ہے۔ یہی چاہتا ہوں کہ وہ ایماندار، سچے اور یکے ارادے کے ہوں۔ ولاس، دھنی، خوشامدی ستان سے مجھے گھرنا ہے۔ میں شانتی سے بیٹھنا بھی نہیں چاہتا۔ ساہتیہ اور سودیش کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتا ہوں۔ ہاں روٹی دال اور تولہ بھر سکی اور معمولی کپڑے میسر ہوتے رہیں۔

(2)

چتر پٹ گجراتی پتريکا کا انٹرویو

پریم چند نے 'سیوا سدن' اپنی اس پر قلم بنانے کا اوجھار ممبئی کی مہاکشمی سینے نون کمپنی کو 750 روپے لے کر پر دان کیا۔ 5 فروری 1934 کو شریستی لیلادتی نشی کی استعفیٰ میں 'سیوا سدن' عرف 'بازار حسن' قلم کا مہورت ہوا۔ پریم چند اس ادھر پر استعفیٰ تھے۔ انھوں نے کاریہ کرم کے آرمہ میں جو بھانسن دیا، وہ قلم کے شروع میں جوڑ دیا گیا۔ اس ادھر پر گجراتی پتريکا 'چتر پٹ' کے سپادک نے چتر پنوں کے سمبندھ میں پریم چند سے جو بات چیت کی اس کا ہندی انواد پریم چند کے پتا تک پتر 'جاگرن' کے 16 فروری 1934 کے ایک میں پرکاشت ہوا۔ یہی انٹرویو یہاں پر سعت کیا گیا ہے۔

پرن: چتر پٹ کلا کے وشے میں آپ کے کیا دچار ہیں؟

اتر: اس وشے میں میں کوئی ویشیش ابھياس نہیں رکھتا، کتو میرا ویکتی گت دچار تو یہ ہے کہ چتر پٹ کلا میں کلا کا تو ابھی نام بھی نہیں دکھلائی پڑ رہا ہے۔ کلا پورن اتھوا کلا کی جھنڈا دوارا جتنا کو منگدھ کر دینے والے بے جوڑ چتر پٹ ہی بنا کرتے ہیں۔ کلا تو دور رہی، کتو چتر پنوں میں ساہتیہ کی چھایا بھی تو نہیں دکھلائی پڑتی۔ ساہتیہ درشتی سے سر دیر یہ کہے جا سکیں، ایسے چتر پٹ کہیں کوئی بناتا ہے؟ اور اس کی اتھوا ٹروٹی کا کارن یہ ہے کہ ساہتیہ کاروں کو آج کے قلم اتپادکوں پر دشواس ہی نہیں ہے۔ کارن یہ ہے کہ کتھانک چاہے جتنا سندھ ہو، سمھاسن میں چاہے جتنا ساہتیہ کا پٹ ہو، کتو یدی پاتر اور ایکٹنگ اتھوا انیک تریوں سے یکت ابھیان کریں، تو اس کتھانک کا سمپورن ستیہ نشت ہو جائے گا۔ ڈائرکٹر چاہے گیان کے بھنڈار ہوں، کلا کے اوتار ہوں، تنھا ساہتیہ کے پریم گیاتا ہوں، کتو وہ مول کتھانک میں اپنی کلا کا ساویش کریں گے، تو کتھانک بھی بھادنا اور اس کا ستیہ اوشیہ ہی نشت ہو جائے گا۔ ایکٹروں اور ڈائرکٹروں کی اس پرکار کی گڑبڑ سے ہی قلم اتپادکوں کو اتم کتھانک نہیں ملے، اور اس کا کارن جو میں نے کہا، یہی ہے۔ یدی ساہتیہ کاروں کو یہ وسواس نہ ہو کہ ان کی کرتیوں کے ساتھ نیائے کیا جائے گا، تو ساہتیہ کار کبھی بھی اپنی کرتیاں انھیں نہ دیں گے، اور جب تک اتم

کھانگوں کا اہواز رہے گا۔ جب تک چڑپوں میں کلا آتھوا ساہیہ کا پٹ نہیں ہو سکا، یہ اسپٹ ہے۔ میں تو ایسی استعفیٰ دیکنا چاہتا ہوں کہ یہ کلا سوکھٹ ملھیں کے ہاتھ میں آ جائے۔ سوکھٹ ملھیں کے اتریکٹ کلا آتھوا ساہیہ کی آشار کھٹی نو رکھتا ہے۔

پرن: ہمارے چڑپوں میں اس سے پاشچاتیہ چڑپوں کا اندھا لوکرن ہو رہا ہے۔ اُتہ یہ لوکرن پرورت لا بھکاری ہے یا ہانی کارک؟

اُتر: یدی بھاؤ اچھا ہو، تو لوکرن کچھ ہانی کارک نہیں ہے، کتو لوکرن کے پیچے روپے کمانے کا پتہ نہ ہونا چاہیے۔ امریکن چڑپوں میں ہمارے سانج کے یوگیہ بہت کچھ لوکرن کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ سانج سدھار کے دھار سے یہ لوکرن ہو، تہجی چڑپٹ کی خوبی ہے۔ لوکرن ورتی کے ساتھ پتہ اور بھاؤ دونوں اونچی ہونی چاہیے۔

پرن: ہمارے چڑپوں میں کون اور کتنے چڑپٹ اچھے ہیں، یہ آپ کہہ سکیں گے؟

اُتر: میں بہت ہی نمن کوئی کے چڑپٹ دیکھ رہا ہوں۔ چڑپٹ دیکھنے کا مجھے شوق نہیں، اس لیے نہیں، کتو کبھی کبھی کوئی چڑپٹ دیکھنے لائق بھی آتے ہیں۔ چنڈی داس، پورن بھٹ، خدا کی شان، جیسے چڑپٹ میں نے دیکھے ہیں، اور وہ مجھے بہت پسند آئے ہیں۔ پورن بھٹ کے لیے بہت سی سرس لوک، کتھائیں سننے میں آتی ہیں، کتو اس چڑپٹ نے مجھے کچھ ادھیک آکرشت نہیں کیا، ہاں اس میں کہا ہے، یہ تو مجھے سویکار کرنا ہی چاہیے۔

پرن: سیوا سدن کے وٹے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ آپ کے اس سو پرشدھ کتھائیک کی بھاؤ کے انورپ چڑپٹ، یہ کھنی اتار سکے گی؟ مس زبیدہ اور ماں مودک آپ کے کتھائیک کے انوکول ہیں؟

اُتر: یہ نہیں کہا جاسکا! زبیدہ سو پرشدھ ابھی تھری ہیں۔ یدی وہ اپنی بھومیکا کا ابھیاس کریں، تو سمجھو ہے، سکسیں ہو جائیں۔ مودک بھی کچھ کر جائے، ایسا خلکت لڑکا ہے۔ پھر جو بھی ہو جائے، وہی ٹھیک!

(3)

’چترپٹ‘ ہندی پتربیکا کا انٹرویو

یہ انٹرویو ’چترپٹ‘ کے سپادک تھا پر شدہ ہندی لہجہ رشیہ چرن جین نے لیا تھا، جو پتربیکا کے 13 اپریل، 1934 کے ایک میں پرکاشت ہوا تھا۔

پریم چند

پریم چند ایک ڈچر پرورش ہیں۔ ان بنگالیوں کے لہجہ کو ایک بار ان سے ملنے کا موقع ملا، اس لیے اس ملن میں کوئی آرمیک لوبنا نہیں تھی۔ ستیلن کے دوسرے دن ان سے جینٹ ہوئی۔ اسٹج پر سجاہتی کے آسن کے مین کنارے پر ان کی بینک تھی۔ چاروں دن ان کے لے وی جگہ ریزو رہی۔ نہ انگل بھی ادھر نہ انچ بھی ادھر۔ دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہم نے چھوٹے ہی پوچھا، ”سیداسدن کی کوئی خبر ملی؟“

کہنے لگے، ”کیسی خبر؟“

ہم نے کہا، ”ارے بابا، وہاں شوٹنگ ساہتی پر آہنچی ہے۔ ڈسٹری بیوٹر لوگ خریدنے کا مول تول کر رہے ہیں۔ آپ کیا ابھی بالکل اندھیر میں ہیں؟“

بولے، ”خدا کی باتیں خدا ہی جانے! ہمارے پاس تو کوئی چٹھی تک نہیں آئی۔“

اگلے دن پریم چند ہمارے یہاں آہار کرنے والے تھے۔ نمٹرن سندھیا کا تھا، مگر صبح کے وقت شری دلارے لال اور آچار یہ چتر سین جی کے ساتھ ہم انھیں کھیت کر فوٹو گرافر کے یہاں لے گئے۔ جب تک فوٹو گرافر کے یہاں پہنچے نہ گئے، ہم نے انھیں پتہ نہ چلنے دیا کہ کہاں لے جا رہے ہیں۔ جب ٹھکانے پر پہنچے تو کہنے لگے، ”فضول پیسہ برباد کرنے سے کیا لایہ؟“

ہم نے سلام جھک کر عرض کی، ”واللہ! اچھی قدر دانی کی۔“

فوٹو اسٹوڈیو سے نکل کر طے ہوا، شام کی جگہ بھوجن کا پروگرام ابھی رکھا جائے۔ راستے

میں ہم نے ہجر چھا پھیری، ”نانو بھائی وکیل کیسے آدی ہیں؟“

اثر ملا، ”بجھدار ڈائریکٹر ہیں۔“

پوچھا، ”زبیدہ کے دفے میں کیا امپریشن ہے؟“

کہنے لگے، ”زبیدہ ایک خوبصورت لڑکی ہے۔“

ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا، ”لڑکی؟“

کہنے لگے، ”ابھی لڑکی ہی تو ہے۔“

ہم نے پُنه: پرشن کیا، ”مودک کیسے پسند آئے؟“

جواب دیا، ”مودک ایک بھاوک بچہ ہے، اور اچھی ایکٹنگ کرتا ہے۔“

اس دن ہری اودھ جی کے پاس بیٹھے ہوئے پریم چند جی کچھ ایسی باتیں کہہ گئے، جو زیادہ کلٹ کی تھیں، جو زیادہ نئی تھی، اور جن میں بڑا رس ملا۔ اس دن اس مہان اوپنیاسک کے مکت جیون کے ایک ایسے برہمچید پر پرکاش پڑا، جس میں ہمیں پریم چند کی مہانتا کا ایک نیا پہلو دکھائی دیا۔ سے آنے پر دنیا بھی ان کی اس مہانتا سے اپرچت نہ رہ سکے گی۔ ایسا ہمارا دسواش ہے۔

(سوجیہ: چرچٹ 13 اپریل، 1934 میں پرکاشت لیکھ سے)

(4)

اندرونا تھ مدان کے سوالات

اندرونا تھ مدان نے اپنے ودھاتھی جیون کی سماپتی کے بعد پریم چند کو سنہ 1934 میں دو بار کچھ پرشن بھیجے تھے، جن کا انھوں نے 7 ستمبر 1934، تھا 26 دسمبر 1934 کو اثر دیا تھا۔ پریم چند کا پہلا اثر ہندی میں تھا دوسرا انگریزی میں ایلہدہ ہوتا ہے۔ یہاں یہ دونوں پتر انڈیو پرست ہے:

مدان: آپ اپنے بچپن کی اسمرتیوں کو کس روپ میں پرست کرتے ہیں؟

پریم چند: میرے اپنے گھر کے بارے میں بچپن کے تاثرات معمولی نوعیت کے ہیں۔ نہ زیادہ خوشگوار، نہ زیادہ دل شکن۔ آٹھ سال کا تھا کہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس سے پہلے کے واقعات کی یاد دھندلی سی ہے۔ یعنی اپنی والدہ کو جو دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھیں، دیکھتا رہتا۔ وہ ایک اچھی ماں کی طرح مجھ سے محبت بھی بہت کرتی تھیں اور ضرورت پڑنے پر سختی بھی برتی تھیں۔

مدان: آپ اپنے پراسمک لیکھن کار کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے کب اور کیسے لکھنا شروع کیا اور اردو سے ہندی میں کس پرکار آئے۔

پریم چند: میں نے اردو ہفتہ وار اخبارات میں لکھنا شروع کیا جو اس وقت ماہوار شائع ہوا کرتے تھے۔ مضمون نویسی کا مجھے شوق تھا۔ میں نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ میں مصنف بنوں گا۔ میں سرکاری ملازم تھا اور فرصت کے وقت کچھ نہ کچھ لکھ لیتا تھا۔ ناول پڑھنے کا مجھے ایسا خبط تھا کہ طبیعت نہ بھرتی تھی۔ بغیر سوچے سمجھے اور انتخاب کے جو بھی ناول ہاتھ لگ جاتا اُسے پڑھ ڈالتا۔ میرا پہلا مضمون 1901 میں چھپا اور پہلی کتاب 1903 میں۔ اپنے ذوق کی سیری کے علاوہ مضمون نویسی سے اور کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ شروع شروع میں میں حالات حاضرہ پر تبصرہ کیا کرتا تھا۔ پھر ماضی اور حال کی سرکردہ ہستیوں اور ان کی کامیابی سے حوصلہ پاکر اس سلسلے کو جاری رکھا۔ 1914 میں میرے افسانوں کا دوسروں نے ترجمہ کیا اور وہ ہندی

رسالوں میں شائع ہوئے۔ تب میں ہندی کے رسالہ سروسنی میں لکھنے لگا۔ پھر میرا ناول 'سیوا' مدن شروع ہوا اور میں نے ملازمت چھوڑ کر اپنی زندگی کا آزاد ادبی دور شروع کیا۔

مدن: کیا آپ کے جیون میں کوئی پریم ہوا؟

پریم چند: نہیں، مجھے کسی سے عشق نہیں رہا۔ زندگی اس قدر مصروف اور روٹی کمانے کا دھندا اس قدر سخت تھا کہ رومانسوں کے لیے گنجائش ہی نہ تھی۔ کچھ معمولی واقعات عمومی نوعیت کے ضرور پیش آئے مگر انہیں معاشقے نہیں کہا جاسکتا۔

مدن: استری کے سبندھ میں آپ کا آدرش کیا رہا ہے؟

پریم چند: میری نظر میں عورت کا آدرش ایثار، خدمت اور پاکدامنی کا عکاس ہونا چاہیے۔ ایثار ہو مسلسل، خدمت بلا شکوہ اور پاکدامنی سیزر کی بیوی کے ہم پلہ، جس پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکتا ہو۔

مدن: اپنے دمپتیہ جیون کے رومانس تھانے کچھ تھیں کے بارے میں کچھ بتائیں؟

پریم چند: میری شادی شدہ زندگی رومان سے قطعی بے بہرہ تھی۔ اس میں کوئی قابل ذکر بات نہیں۔ میری پہلی بیوی 1904 میں انتقال کر گئی۔ بچاری بد قسمت اور معمولی شکل و صورت کی عورت تھی۔ گوکہ اس سے مطمئن نہ تھا تاہم رواجی شوہروں کی طرح اس سے بٹا کر رہا۔ اس کی وفات کے بعد میں نے ایک بال و دھوا سے شادی کر لی، اور اس کے ساتھ کافی خوشی کی زندگی گزر رہی ہے۔ اس نے کچھ ادبی ذوق بھی پیدا کر لیا ہے۔ اور کبھی کبھی کہانیاں لکھ لیتی ہے۔ وہ غرر، دلیر، مخلص اور سمجھوتہ نہ کرنے والی عورت ہے۔ اس سے غلطی ہو جانے کا امکان رہتا ہے اور وہ جذبات سے مغلوب ہو کر کام کرتی ہے۔ تحریک عدم تعاون میں شریک ہو کر جیل بھی ہو آئی ہے۔ میں اس سے خوش ہوں اور اس سے ایسی کوئی چیز حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا جسے دینے کی وہ اہل نہ ہو۔ اُسے آپ جھکنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

مدن: زندگی آپ کے لیے کیا وہی ہے۔ کیا آرتھک درشتی سے آپ سٹفٹھ رہے ہیں؟

پریم چند: زندگی میرے لیے مسلسل کام ہی رہی ہے۔ جب میں سرکاری ملازم تھا اس وقت بھی تمام وقت ادبی مشاغل میں گزارتا تھا۔ مجھے کام کرنے سے خوشی ہوتی ہے۔ مالی

مشکلات سے دوچار ہونے پر افسردگی کے اوقات بھی آتے ہیں۔ مگر میں اپنے مقدر سے مطمئن رہا ہوں۔ اور جتنا کچھ پارہا ہوں اس سے کہیں کم کا مستحق ہوں۔ مالی لحاظ سے میں ہمیشہ ناکام رہا ہوں، کاروبار مجھے آتا نہیں اور ضروریات بنی رہتی ہیں۔ میں کبھی جرنلٹ نہیں رہا۔ لیکن حالات نے مجھے جرنلٹ بننے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ میں نے ادب میں جو کچھ قہوڑا بہت کمایا وہ سب اخبار نویسوں میں کھو دیا۔

مدان : آپ اپنی رچناؤں کے کتھا تک کیسے بچتے ہیں؟

پریم چند : افسانوی کردار کے محاسن کے اظہار کے لیے میں ہمیشہ افسانوں کے پلاٹ سوچتا ہوں۔ یہ ایک پیچیدہ طریقہ ہے۔ مجھے ایسا کرنے کی تحریک بعض اوقات کسی آدمی یا کسی حادثے یا خواب سے ہوتی ہے۔ لیکن میرے افسانے کی بنا ہمیشہ نفسیاتی ہوتی ہے۔ میں دوستوں کی تجاویز خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہوں۔

مدان : آپ کے پاتروں کا سرور کیا ہے؟

پریم چند : میرے اکثر کردار حقیقی زندگی سے لیے گئے ہیں گویا ان کی اصلیت پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ جب تک کردار کی بنیاد حقیقت پر مبنی نہ ہو، وہ غیر حقیقی، غیر یقینی اور قابل اعتبار ہوتا ہے۔

مدان : آپ کی کام کرنے کی پڑھتی کیا ہے؟ کیا آپ نے ہر ممکن کام کرتے ہیں؟

پریم چند : رومین رولان کی طرح باقاعدگی سے کام کرنے میں یقین رکھتا ہوں۔

مدان : کیا گودان کے نام سے آپ کا نیا اپنیاس پر کاشت ہونے والا ہے؟

(10) ہاں میرا ناول 'گودان' جلد ہی پریس میں جا رہا ہے۔ کوئی 600 صفحوں کا ہوگا۔

(2)

اندر ناتھ مدان کے سوالات

مدان : آپ اپنی تصانیف میں کسے سب سے بہتر سمجھتے ہیں؟

پریم چند: 'رنگ بھومی' میرے خیال میں میری تمام تصانیف میں سے بہترین ہے۔

مدان: آپ کے سبھی ناولوں میں آئیڈیل کردار کون ہے؟

پریم چند: میرے ہر ایک ناول میں ایک معیاری کیریئر ہوتا ہے۔ جس میں انسانی صفات بھی ہوتی ہیں اور کمزوریاں بھی۔ مگر ان کا معیاری ہونا ضروری ہے۔ 'پریم آشرم' میں گیان شکر اور رنگ بھومی میں 'سوردا' ہے۔ اسی طرح کایا کلپ میں چکر دھر اور کرم بھومی میں امر کانت ہے۔

مدان: آپ کے مختصر افسانوں کی کل تعداد کتنی ہے۔ کیا کوئی کہانی غیر مطبوعہ ہے؟

پریم چند: میرے مختصر افسانوں کی کل تعداد لگ بھگ 250 ہے۔ غیر مطبوعہ کہانی میرے پاس کوئی نہیں۔

مدان: آپ کی تخلیق پر کن غیر ملکی تخلیق کاروں کے اثرات ہیں؟

پریم چند: بیشک ٹالسٹائی، ڈکٹر ہیوگو اور رومن رولاں کا مجھ پر اثر پڑا ہے۔ مختصر افسانوں میں شروع میں ڈاکٹر راہندر ناتھ ٹیگور سے روشنی حاصل کی ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنا اسٹائل بنالیا ہے۔

مدان: کیا آپ نے کبھی ڈرامے کی طرف سنجیدگی سے غور کیا ہے؟

پریم چند: میں نے کبھی سنجیدگی سے ڈرامہ کی طرف رجوع نہیں کیا۔ میں نے ایک دو پلاٹ سوچے ہیں۔ جن سے ڈرامے کے سلسلے میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اگر ڈرامے کو اسٹیج پر نہ دکھایا جائے تو یہ اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے۔ ہندستان میں اسٹیج کے مناسب انتظامات نہیں۔ خصوصاً ہندی اور اردو ڈراموں کے لیے جو برائے نام اسٹیج ہے وہ پارسیوں کا ضعیف اور بے جان سا ہے۔ جس سے مجھے سخت نفرت ہے۔ نہ ہی مجھے ڈرامے کے ٹیکنیک اور اسٹیج کے فنر سے کبھی تعلق پڑا ہے۔ میرے ڈرامے محض پڑھنے کے لیے تھے۔ میں ناولوں تک ہی کیوں محدود ہوں۔ جہاں میں کرداروں کو ڈرامے کے مقابلے میں زیادہ نمایاں کر سکتا ہوں۔ اسی لیے میں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ناول کو ترجیح دی ہے۔ پھر بھی میں ایک دو ڈرامے لکھنے کی امید رکھتا ہوں۔ جہاں تک مالی لحاظ سے کامیابی کا سوال ہے یہ اردو اور ہندی میں

بہت کیا ہی ہے۔ آپ شہرت پا سکتے ہیں مگر مالی اعتبار سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ہمارے لوگوں کو کتنا میں خریدنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ سستی اور کم عقلی اور ذہنی غفلت کی دلیل ہے۔

مدان: سنیما کے بارے میں آپ کے کیا تجربات ہیں؟ کیا کوئی معنف سنیما کے میدان میں اپنے لیے جگہ بنا سکتا ہے؟

پریم چند: ایک ادیب کے لیے سنیما مناسب جگہ نہیں۔ میں اس لائن میں اس لیے آیا تھا کہ شاید مالی اعتبار سے کچھ مطمئن ہو سکوں مگر اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ میری خام خیالی تھی۔ اس لیے میں پھر ادبی خدمت میں لگ رہا ہوں۔ دراصل میں نے ادبی کام کو کبھی بھی بند نہیں کیا۔ اور اسے ہی میں اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہوں۔ سنیما شاید وکالت کی طرح ہی میرے لیے محض تفریح کا سامان ہو سکتی ہے۔

مدان: تحریک آزادی کے دوران کیا آپ کو کبھی جیل جانے کا اتفاق ہوا۔

پریم چند: میں کبھی جیل نہیں گیا۔ میں بائبل انسان نہیں ہوں۔ میری تحریروں سے کئی دفعہ حکومت ناراض ہوئی اور میری ایک دو کتابیں قابل ضبطی بھی قرار دی گئیں۔

مدان: کیا آپ انقلاب کے ذریعے سماجی تبدیلیاں بر لانے میں یقین رکھتے ہیں۔

پریم چند: میں ساماچک سدھار پر یقین رکھتا ہوں۔ ہمارا مقصد رائے عامہ کو بیدار کرنا ہونا چاہیے۔ انقلاب سنجیدہ طریقوں کے ناکامی کی دلیل ہوتا ہے۔ میرے نقطہ نظر سے معیاری سوسائٹی وہ ہے جہاں ہر ایک کو یکساں مواقع میسر ہیں۔ ہم اس منزل پر کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔ صرف سدھار اور ارتقا کے؟ لوگوں کا کردار ہی اس سلسلے میں فیصلہ کن ہوتا ہے۔ کوئی ساماچک سدھار کامیاب نہیں ہو سکتا اگر ہم انفرادی طور پر ترقی نہ کریں۔ ہمارے انقلاب کا انجام کیا ہوگا کوئی پتہ طور پر نہیں کہہ سکتا۔ اس کا نتیجہ بہترین قسم کی ڈکٹیٹر شپ ہو سکتا ہے۔ جس میں انفرادی آزادی بالکل ختم ہو جائے۔ میں اصلاح چاہتا ہوں۔ جا ہی نہیں۔ اگر مجھے کسی طرح یہ پہلے ہی پتہ لگ جائے کہ جا ہی کا نتیجہ ہمارے لیے اچھا ہوگا تو میں جا ہی کی بھی مخالفت نہ کروں گا۔

مدان: طلاق کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ اس بات سے متفق ہیں کہ طلاق..... بھی مسائل کا حل ہے۔

پریم چند: فرہا اور مردور پیشہ لوگوں میں طلاق کا رواج عام ہے۔ اس مسئلہ نے ان نام نہاد اونچی ذاتوں اور طبقوں میں خوف ناک صورت اختیار کی ہے۔ شادی دراصل سمجھوتے اور سپردگی کا ہی دوسرا نام ہے۔ اگر جوڑا خوش رہتا چاہے تو اسے ایک دوسرے کی بات ماننا ہی ہوگی۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی حالت میں خوش نہیں ہو سکتے۔ یورپ اور امریکا میں آزادانہ میل جول اور اظہار محبت کے باوجود طلاقوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جوڑے میں سے ایک کا چاہے وہ مرد ہو یا عورت جھکنا ضروری ہے۔ میں یہ نہیں مانتا کہ تمام قصور مردوں کا ہی ہے۔ ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں عورتیں بہت عجیب شکایات کی بنا پر جھگڑے پیدا کر دیتی ہیں۔ جب ہمیں یہ یقین ہے کہ طلاق ہماری شادی سے متعلقہ تکلیفوں کا علاج نہیں تو سوسائٹی کے سرا سے کیوں مڑھا جائے۔ بعض حالتوں میں طلاق لازمی ہو سکتا ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ کوئی مرد یا عورت نباہ نہیں کر سکتا۔ غریب بیوی کے لیے بغیر کسی انتظام کے طلاق، بیمار افرادیت کا مطالبہ ہے جس سوسائٹی کا انحصار برابری پر ہو اس میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

مدان: کیا آگ کو مانوق القوتوں کے وجود پر یقین ہے؟

پریم چند: اس سے پہلے میں ایک خدائے برتر کی ہستی پر اعتقاد رکھتا تھا۔ یہ اعتقاد غور و فکر کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ محض روایتی تھا۔ اب یہ اعتقاد چمکنا چور ہو رہا ہے۔ بے شک اس تمام عالم کے پیچھے کوئی ہاتھ ہے۔ مگر میرے خیال میں انسانی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ اسے کھیں، مجرموں اور چوٹیوں کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم نے خود کو جو اہمیت دی ہے۔ اس کی کوئی وجہ جواز نہیں۔

میرے خیال میں اس وقت اتنا ہی کافی ہوگا۔ کیوں کہ میں انگریزی کا عالم نہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے خیالات کے اظہار میں ناکام رہا ہوں۔ مگر میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(5)

شری. را. ٹلیکر کا انٹرویو

پریم چند جن دنوں ممبئی میں تھے، ان کا ایک مراٹھی یودا لیکچر شری. ٹلیکر سے پرہیچ ہوا۔ ٹلیکر کو انھوں نے گھر پر آمترت کیا اور اس پر کار ٹلیکر پریم چند کے مہمنٹھ یودا متر بن گئے۔ اب ٹلیکر نے یہ لہیت سبھا کہ ہندی لیکچر پریم چند کو مراٹھی پانھوں سے پرہیت کرایا جائے۔ اس کے لیے انھوں نے دمبر 1934 □ میں انٹرویو لیا، جو مراٹھی پاکھک پتریکا 'پرہیتما' کے 4 جنوری تھا 1 فروری 1934 کے انکوں میں پرکاشت ہوا۔

پھڑ کے یا کھاڈیکر کا جو استمان مراٹھی ساہتیہ میں ہے، دنی پریم چند جی کا ہندی اور اردو ساہتیہ میں ہے۔ پھڑ کے جی کا انپاس کہتے ہی من پڑھنے کے لیے اتادلا ہو جاتا ہے۔ کھاڈیکر جی کا کھا سگرہ ہو یا انپاس، پڑھنے کے لیے دینے والے بک سیر کے پاس بھی ان کی پستکیں لہلہہ نہیں ہوتی ہیں اور اُس پر بھی مانگ لگی رہتی ہے۔ منشی پریم چند جی کے انپاس ساہتیہ کی بھی یہی استھتی ہے، لیکن اتنے سے پھڑ کے کھاڈیکر کے اور بھی کُن منشی جی میں ہوں گے ہی، ایسی دھارنا نہیں بنانی چاہیے۔ ٹلنا ٹمک درشی سے ساہتیہ میں ان کا کون سا استمان ہے، اس کی کلپنا لانے کے لیے پھڑ کے کھاڈیکر کا نام لینا پڑا۔ ہاں، ایک درشی سے ان تینوں لیکھوں میں سامنا دکھائی دیتی ہے، یہ ماننا ہی پڑے گا۔ پھڑ کے پروفیسر ہیں، کھاڈیکر ادھیاپن کرتے ہیں، اُسی طرح منشی جی بھی ٹکشا جھیر میں ہی پہلے ٹکھک اور بعد میں زکھک کے پد پر کار یہ کرتے تھے۔ اس سے نہیں ہے، ارقھات ورتمان بھوت کال کا یہ انتر ان کی آہو دکھلانے کے کافی ہے، لیکن اس کے بارے میں بعد میں وچار کریں گے۔ منشی جی کو 'پرہیتما' پتریکا میں پرسٹ کیا گیا، صرف اس لیے کہ ان کی پچکان مراٹھی پانھوں کو ہونی چاہیے۔ انیہ پردیشوں کے پرسڈ لیکھوں کا (ان کی رچناؤں سہت) پرہیچ کرا دینا ایک بڑا آڈھیہ ہے اس لیے پریم چند جی کا سا کھاڈیکر لیا۔ اس سا کھاڈیکر سے جو جانکاری ملی، وہ آگے دی جارہی ہے۔

سا کھاڈیکر کے سنے منشی جی کرسی پر بیٹھ کر کچھ لکھ رہے تھے۔ ٹیل پر پڑے ہوئے اردو

لیپی میں لکھے ہوئے کاغذوں کو دیکھ کر پہلے مجھے اچھر یہ ہوا، کیونکہ وہ صرف ہندی لکھک ہی ہیں، اتنی ہی بہت لوگوں کے سامان میری بھی جانکاری تھی، لیکن انھوں نے جانکاری دی، اس سے وہ اُترن گئی۔ پہلے تو نشی جی کو لگا کہ اس آدمی کو صرف معمولی جانکاری ہی چاہیے ہوگی، اس لیے انھوں نے اپنے لیکھن کے سبندھ میں، کن کن ماسک پڑیکاؤں میں کون کون سی رچنائیں پرکاشت ہوئی، اس کی سوچی دی۔ پر میں نے کہا، ”نشی جی، معاف کیجیے! مجھے آپ کا پڑے نہیں چاہیے، بلکہ آپ کے لیکھن کے بارے میں جانکاری چاہیے۔“

پریم چند: ”اب آپ جو چاہیں پرشن کریں، میں اُتر دوں گا۔ یہ سودیدھا جنگ رہے گا نہ؟“

میں، ”ہاں، بالکل ٹھیک رہے گا۔“

اتنا ہونے پر، مجھے لیکھن چتر جاننے کی آسکتا کیوں تھی، یہ میں نے انھیں بتلایا۔ سرد سادھارن پائٹھوں میں ’پرتیہا‘ کا پرسار نہ ہو کر کیول سوکھت لیکھک، رسیک نیکا کار کوئی ویکتوں میں ہے، جو لیکھک کی منوبھاؤناؤں کا وھلیشن چاہتے ہیں۔ پریم چند جی کو یہ بات اچھی لگی۔ ”اچھا“ کہہ کر انھوں نے اپنے کاغذ پتر دور رکھ دیے اور پرشنوں کے اُتر دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

نشی جی کی پرسدھ سارے ہندستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ اتے انھوں نے لیکھن کے شروعات کیسے کی، اس بارے میں پرشن پوچھنا اُچت تھا۔ میری شنکاؤں کا سادھان کرتے ہوئے انھوں نے اُتر دیے۔ میں نے بھی انیک اترنگ پرشن کیے۔ ان سے جانکاری ملی کہ بُرانے سنے میں ارتھات انیسویں شتابدی کے انتم ورشوں میں وہ ایک اردو پتر میں لکھنے لگے۔ بنارس سے ’آوازۂ خلق‘ نام کی ایک پتریکا نکلتی تھی۔ اس میں ان کی رچنائیں سب سے پہلے پرکاشت ہوئیں، لیکن اتنے سے ان کی قلم کی بھوک نہیں مٹی، اس لیے کانپور سے نکلنے والے اردو پتر ’زمانہ‘ میں انھوں نے تنکالین نیتاؤں کی چھوٹی چھوٹی جیونیاں لکھیں۔ ان جیونیوں میں راناؤے، تنک، لاجپت رائے، بنرجی، گوکھلے جیسے دلش بھکتوں کی ادھکتا تھی۔

پرشن، ”مگر اس لیکھن کے کارن کچھ آپ کو آج کی پرشدھی نہیں ملی ہے۔ اپنیاس لکھنے کے لیے آپ نے پارامھ کیسے کیا؟ اس کی پررنا آپ کو کیسے اور کب ملی؟“

”اتر،“ ہاں، بچپن میں میں نے دیوکی نندن کھتری کے گرنٹھ پڑھے تھے۔ اس کے اہرکت پنڈت رتن ناتھ دھر کی بھی پستکوں کا ادھین کیا۔ ایسا کہہ سکتے ہیں کہ مجھے ان سے پریرتا ملی۔ ان دونوں لیکھوں کا پر بھاؤ میرے من پر اوجھک ہوا۔“

ان لیکھوں کی ہم مہاراشٹریوں کو کہاں سے جانکاری ہوتی؟ ہم نے ان کے نام تک سنے نہیں تھے۔ پھر دے کون تھے، انھوں نے کون سے گرنٹھ لکھے آدی، کیسے معلوم ہوتا؟ پریم چند جی کے بولنے کے پردہ کو سچ میں ہی روک کر میں نے ان سے اپنی بات کو اور اوجھک اچھٹ کرنے کی پرارتھنا کی۔

پریم چند بولے، ”پنڈت رتن ناتھ دھر کو اردو اپنیاس کی پریرتا کہنا چاہیے۔‘فسانہ آزاد‘ نام کے 1200 پرشھ کے مہارگنٹھ کی انھوں نے رچنا کی، جس کے چار کھنڈ ہیں۔ اس گرنٹھ کا ویسٹ ہاویہ ونود میں نہت ہے۔ دیوکی نندن کھتری کا نام لیتے ہی ان کے لیکھن کے 27 کھنڈ ’ویسٹ‘ ڈکشنری کے سان میری آنکھوں کو دکھنے لگتے ہیں۔ کتنا پر چند کاریہ انھوں نے کیا! دیکھیے، ’طلم ہوشربا‘، ’بوستان خیال‘ آدی کتابیں انھوں نے اردو میں انوادی کی۔ یہ اتحت لوک پر یہ تو ہیں ہی، ساتھ ہی آٹھر یہ، کوتو بل کو بھی اتھین کرنے والی ہیں۔“

پرشن، ”لیکن، نشی جی! اس اپنیاس یا لیکھن کا وشے کیا ہے؟ ادھر کے لوگوں کے ہندی و اردو بھاشا کے وسے میں اگیان کو دیکھتے ہوئے کرپیا آپ ہسے نہیں۔“

پریم چند نے اتر دیا، ”پنڈت رتن ناتھ دھر کو بچپن میں لکھنؤ و الہ آباد آدی کے نوابوں کے اتھ پور میں رہنے کا موقع ملا۔ اس کارن سے وہاں کی اگیات لیکن رومانچک باتیں باہر آئیں۔ اس سے اس پرکار کے ساہتیہ کو ہی اوجھک مہتو ملا۔ نواب رہتے کیسے ہیں، زمینداروں کا ویکتی کت جیون کیسا ہوتا ہے، آدی باتوں کے بارے میں عام لوگوں میں بالکل اگیان تھا۔ اس کے اتیرکت زمینداروں و نوابوں کے آرٹک ورچسو کے کارن لوگوں میں ان کے بارے میں جاننے کا کوتو بل بھی اوجھک تھا۔ اس لیے رتن ناتھ کے لیکھن کو سروقتا چاہا و سراہا گیا اور دیوکی نندن کے 27 کھنڈن سے عجب جادو ہوا ہے۔ اس فاری گرنٹھ کی آپ کو کچھ تو جانکاری ہیں کیا؟“

فاری گرنٹھ کے نام ہی ہم مراٹھی پائٹھوں کو کچھ معلوم ہوئے، تو مکھیٹہ پروفیسر مادھورام

ہٹ وردھن کی کرپا سے۔ انیہ بھاشاؤں کے سہت کی طرف ہمارا دھیان ہے ہی کہاں؟ انیہ پرانتوں کا ساتیہ بھی ہمارے پرچے میں نہیں ہے۔ اتہ میں نے کہا، ”عرعین نائش، یا ’عجب صین محال‘ کی طرح کا ہی دیوکی نندن جی کا انوواد ہوگا؟“

نشئی نے اتر دیا، ”ارے، نہیں نہیں۔ ’عرعین نائش‘ تو ’طلسم ہوشربا‘ کے آگے کچھ بھی نہیں۔ اس کی عجب پرکار کی کلپنا بھی آپ نہیں کر سکتے۔“

اس کا مطلب دیوکی نندن و رتن ناتھ دھر جیسے مردھنیہ اردو لیکھکوں کے نام بھی ہمارے پرچے میں نہیں تھے۔ آگے اس ارمیان کے لیے میں نے پریم چند جی سے جھما لگی تھا ان سے پوچھا کہ ان کو کیا کسی انیہ لیکھک نے بھی پر بھات کیا ہے؟

انھوں نے عبدالحلیم شرر آدی اپنیاس کاروں کے نام بتائے۔ وہ اردو کے اتیہاسک اپنیاسکار ہیں۔ انھوں نے قریب قریب چھوٹے بڑے سب ملا کرتیں اپنیاس لکھے ہوں گے۔ مسلمان ہونے کے کارن تھا پردیش میں اسلامی و اتادورن ہونے کے کارن اسلامی اتیہاس کی بھی کھائیں ان کے اپنیاس میں آئی ہیں۔ ایسے تین لیکھکوں سے پریرا نگرہن کرنے کے بعد نشئی جی اپنیاس کار بننے لگے۔ یہ سترہ ہے کہ ساچار پتروں میں لکھنے کا کاریہ تو انھوں نے 1899 سے آرمھ کیا، لیکن ان کا پرہتم اپنیاس پرکاشت ہونے میں تین برس کا سے لگا۔ ان کا ’کھنا‘ نام کا پرہتم اپنیاس 1902 میں پرکاشت ہوا اور وہ اردو بھاشا میں تھا۔

’کھنا‘ میں گرامینوں کا جیون ہونے کے ساتھ کاٹلی پنھانوں کا کتنا آنکھ کسانوں پر تھا، یہ حترت کیا گیا ہے۔ اس کے تین سال کے انترال کے بعد ’پریم‘ نامک ہندی و اردو اپنیاس پرکاشت ہوا۔ یہ لگ بھگ 250 پرشٹوں کا اپنیاس ہے۔ تین و دھواؤں کی دھیکھا کے حتر کے ساتھ ہنروادہ کی دکالت ہونے کے کارن پرکاشتک بھی بڑی کھنائی میں رہا۔ اس پرکار کی دھارمک مانیتاؤں کے خلاف پُنتکسین پیچنے کے کارن پرکاشتک کے وُردھ بہت بڑا آکردش پیدا ہوا۔ تب اس پاپ کے زورادھ اس نے اپنے پاس کی ’پریم‘ کی ساری پرتیاں جلا ڈالیں۔ اسی کارن لوگوں میں یہ اپنیاس ادھک پر سارت ہوا۔ ’پریم‘ کے اپرانت ’وردان‘ جیسے راشٹر بھکت ٹیکٹ اپنیاس کا جنم ہوا۔ ’وردان‘ اپنیاس آبو میں ’پریم‘ سے پانچ درس چھوٹا یعنی اس کا پرکاشن 1912 میں ہوا۔ اس سے کے راجیک و اتادورن کو دھیان میں رکھا جائے، تو ’وردان‘ میں

آئے۔ راشٹر بھگتی کے دو بھین کے اوچھ کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کے ہوا پریمیا کا دوشے اتنے۔
 تک ہی سمیت نہ تھا۔ دواہ سمبندھی چرچا ہندستان کے پرتیک پرانیہ سانج میں انگریزوں کے
 پرارمھ ہوئی۔ اسی طرح سنیک پرائٹ میں بھی ہوئی اور اس کا پرتیمب پریم چند جی کے
 اپنیاسوں میں دیکھنے کو ملا۔ ’وردان‘ میں دیواہک جیون سمبندھی چرچا ہی بہت ہے۔

اس کے پشچات منشی جی نے اپنی کلپنا شکتی کو تھوڑا درام دیا۔ مہلیدہ شروع ہونے تک
 انھوں نے کوئی اپنیاس نہیں لکھا اور چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھتے رہے۔ اس کا کارن جاننا آدھیک
 تھا، اس لیے میرا پرشن سن کر وہ بولے۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ ان سات سالوں میں میرا سواستھ ٹھیک نہیں تھا۔ اس کارن
 ٹھیک کا کام چھوڑ کر میں نے نیرکھک کا کام مانگا۔ پھر مجھے سد یو باہر گھومنا پڑا۔ پھر اپنیاس
 کے لیے آدھیک اکاگرتا و شانتی مجھے کہاں سے ملتی؟ کارن یہ ہوا کہ رویندر ناتھ ٹیگور کی بہت
 سی ہندی میں انوات کہانیاں میں نے پڑھیں۔ ٹکٹ، راجرشی آدی کا پریتام میرے من پر
 پر بھاد کاری ہوا اور میں نے ویسی ہی چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھنے کا نچے کیا۔“

ان کے راجچیک، ساجک دھارک وچار کیسے ہیں اور دے کیسے کیسے بنے، اس دے
 میں انھیں کے شبدوں میں جانکاری یہاں پر کاشت ہے۔

منشی پریم چند جی کے وچار جاننے کے لیے ان سے کچھ پرشن پوچھے اور انھوں نے ان
 کا آثر دیے۔ میں نے سرور پتھم پوچھا کہ پرچلت سانج دوستا کے دوشے میں انھیں کیا لگتا ہے؟
 سانج سدھار کے لیے ان کی کیا سنتی ہے؟ اتنا ہی نہیں، انھوں نے سووں ہنر دواہ کیا ہے۔
 دبیز کی پڑھتی انھیں پسند نہیں تھی، پرنو ویش مہتو کا دوشے دواہ وچید ہی تھا۔ ہندو سانج میں
 دواہ وچید ہونا چاہیے یا نہیں، ایسا پوچھنے پر وہ بولے، ”ابھی تک اس دوشے پر میرا کوئی نچیت
 وچار نہیں ہے، پر مجھے لگتا ہے کہ دواہ وچید کی پرہپائی سے سانج کا نقصان ہی آدھک ہوگا۔
 اس سے تھوڑے سے فائدے ہیں۔ نہیں ہے، ایسی بات نہیں ہے، پرنو مجھے ایسا لگتا ہے کہ
 سب ملا کر ہانی کا ہی آدھک سمجھا دیا ہے۔“

پرشن: ”پھر دواہ وچید کا پرشن آپ نے کسی اپنیاس میں استھت نہیں کا ہوگا؟“

آثر: ”نہیں، اس پرشن کو میں نے اسپرشن نہیں کیا۔“

پرن: ”اچھا، تو پھر آپ کی آدرش سرشتی میں ہمیں کیا دکھائی پڑے گا؟ سنیکٹ پرانت کا پرن آپ نے اپنے اپنیاس کے کٹھانکوں میں لیا ہوگا۔ زمیں دار اور اس کے کان پر یواروں کا سمبندھ آپ کی سرشتی میں کیسے ہوگا؟“

اُتر: ”آپ جس پرکار سے کہہ رہے ہیں، اس کے لیے انوسار میری سرشتی میں زمیندار رہے گا ہی نہیں۔ دھیرے دھیرے اس کا ہرقے پر یورتن کر کے کسان کے پسا ساری زمین کا ادھیکار آجائے گا۔ ایسا سانج لڑمت ہونا چاہیے، یہ میرا دھبہ اپنیاسوں میں سنے سنے پر ویکٹ ہوا ہے۔ مہاتما جی جس پرکار سے کہتے ہیں، اس پرکار چھینج آف ہارٹ پر میرا زور ہے۔ یہ میرا مت ہے کہ زبردستی سے کسی بھی پرکار کا پر یورتن لانے کے بجائے پریم سے ہی یہ پر یورتن ہونا چاہیے۔ اس لیے زمیندار سویہ ہی زمین پر سے اپنا ادھیکار چھوڑ دیں، تو پھر جھگڑا رہا کہاں ہے؟“

چھینج آف ہارٹ، پریم کا سندیش آدی شبد سن کر میں نے نشی جی سے پوچھا، ”آپ تو گاندھی کچھ بھاشا بولے لگے۔ گاندھی ہے کے سبھی سدھانت آپ کو مانے ہیں کیا؟“

اس پر انھوں نے ٹکارا تک اُتر دیا اور کر بندی آندولن کس پرکار بھس ہو گیا، اس کا ورن ایک اپنیاس میں کیے جانے کی سوچنا دی، پرنو اتنا ستیہ ہے کہ ’چھینج آف ہارٹ‘، گاندھی جی کی سیکھ انھیں مانے ہے۔ آگے وہ ٹویم بولے، ”میں کیونسٹ ہوں، مگر میرا کیونزم بالکل بھن پرکار کا ہے۔“

پرن، ”کیونزم“ کہنے پر اس شبد کا ارتھ ایک ہی ہے۔ گاندھی جی کا کیونزم، انگلینڈ کا کیونزم، رشمن کیونزم۔ اس ایسے پرکار بالکل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ پریم کا سندیش پھیلانے والے آپ زمینداروں کو بدلنے کی آشا رکھتے ہیں، ایسی استھتی میں آپ کو کیونسٹ کیسے کہا جائے؟“

اُتر، ”کیوں بھلا میرا کیونزم اس پرکار کا ہے؟ ہمارے سانج میں زمیندار، ساہوکار، یہ کسان کا سوشن کرنے والا سانج بالکل رہے گا ہی نہیں۔“

اس پرکار کے وشے پر ادھک چرچا کرنا اچھا نہیں، اس لیے ان کی سرشتی میں کون کون پانی رہیں گے، اس وشے میں جگیا سا پرکٹ کی۔ وکیلوں کو پریم چند کے سنسار میں رہنے کے

لے جگہ نہیں، برہمن بھی انہیں زد و بھوک لگتے ہیں۔ سنیکٹ پرانت میں پریم چند ایک برہمن دروہی لکھک ہیں، اس پرکار انیک سائنٹی لکھک انہیں پہچانتے ہیں۔ وکیل، برہمن، زمیندار، ساہوکار۔ ان سب کے مچھتا ڈاکٹر کا نام اسی سندربھ میں آیا۔

نشی جی بولے، ”پرنٹ ڈاکٹر سانج میں آدھیک ہے۔“

اس پر میں نے پوچھا، کیا آپ بھین سے چھچھ میں بنار رہتے ہیں؟ ایسے ایک ورش نہیں بیٹے ہوں گے، جب آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک رہی ہوگی؟“

اس پرشن کا اثر سوکاراٹھک روپ میں ہی آیا۔ میں ذرا ہنسا، تب نشی جی نے پوچھا، ”کیوں، ہنس کیوں پڑے؟“

”نہیں؟“ میں نے کہا، ”اس لیے آپ کی شرشتی میں ڈاکٹروں کی آدھیکتا لگتی ہے۔“ اس پر بڑی زور کی ہنسی ہوئی۔

پہلے کا سوتر لے کر پونہ بات چیت آرمھ ہوئی۔ میں نے کہا، ”مھر آپ نے اپنے اپنیاسوں میں وکیلوں اور برہمنوں کی خبر لی ہی ہوگی۔ مگر ڈاکٹروں پر آپ نے نیکا نچنی نہیں کی ہوگی۔“

پریم چند بولے، ”دیا کچھ نہیں۔ مگر ادھیکائش میں آپ جو کہتے ہیں، وہ سبہ ہے۔ وکیل اور برہمن، ان کی میں نے اچھی خبر لی ہے، مگر کچھ پرستوں میں ڈاکٹروں کے دھن لو بھ پر بھی میں نے کنا کچھ کیا ہے، پر بہت ہی کم۔ وکیلوں اور برہمنوں کے ویک چتر میں نے بہت نکالے ہیں۔“

پرشن، ”اچھا، اب آپ کے اپنیاسوں کے کسانوں کے ورش کس پرکار ہیں؟ ان کے چتر آپ نے کس پرکار کے نکالے ہیں؟“

اُتر: ”ایک ویش کاردن میں نے کسانوں کے دوش نہیں دکھائے۔ ان کے درگونوں کا چترن میں نے جان بوجھ کر ٹال دیا ہے۔“

پرشن، ”معاف کیجیے گا، نشی جی، اس پرکار کی ملاقاتوں میں بہت سارے ویکٹیک وچار آجاتے ہیں، پر انہیں ٹالنا افسوس نہیں ہوتا۔ آپ کے اس اُتر سے کیا میں سمجھوں کہ آپ کا

بچپن اور یووا دھتھا کا بہت سائے کسان کے گھر میں چتا ہے۔ آپ بھی خود کیا کسان ہی تھے؟“

تھوڑا ہنس کر نشی جی بولے، ”میرا بچپن گاؤں میں ہی چتا اور 1907 سے 1914 کے ساتھ درشوں میں میں گاؤں گھومتا رہا، اس لیے مجھے کسانوں کے پرتی آتمینا انوبھو ہوتی ہے۔ ان کے سکھ ڈکھ میں میں سم رس ہو سکتا ہوں، اس کا بھی یہی کران ہے۔“

اس پر سے بات چیت بڑھی۔ نشی جی نے اپنا جنم استھان بنارس کے نزدیک سارناتھ کے پاس لکھی گاؤں بتلایا۔ سبت 1937، عیسوی سن 1880 میں ان کا جنم ہوا تھا۔ 1904 میں وہ میٹرک ہوئے۔ اس کے بعد گھنگھا وبھاگ میں نوکری کرتے کرتے، 1916 میں کالج کی پڑھائی پر ارمھ کی، پھر 3-4 درشوں میں وہ بی۔اے۔ (الہ آباد) ہوئے اور اسبھگ کے پہلے دور میں انھوں نے گھنگھا وبھاگ کی سرکاری نوکری چھوڑ دی۔ تب سے وہ لکھن اسبھولی ہیں۔ فی الحال ممبئی میں ان کے کتھانکوں پر قلمیں تیار ہونے کے کارن انھیں وہاں رہنا پڑتا ہے۔ ’سیواسدن‘ اپنیاس پر قلم بن چکی ہے، ’مل مزدور‘ چالو ہے۔

اس پر کار کافی سسے تک ہنسی اور گتھوں کے بچ یہ ملاقات چلتی رہی۔ مراٹھی اور ہندی سابتہ میں وئیہ ہونا چاہیے۔ آپ اور ہم سسے سسے پر ملتے رہیں، ایسا ہر دے سے انھیں کہہ کر میں جانے کے لیے نکلا۔ پریم چند جی نے بھی ”پونہ اوشیہ آئیے“ تھا ’مراٹھی واڑنے کے وشے میں مجھے بہت ساری باتیں پوچھنی ہیں‘ کہہ کر اپنی سوکیرتی پردان کی۔ انھوں نے اپنے سپادن میں پرکاشت ہونے والے ’ہنس‘ بلنک کے گٹھ پر شٹھ پر مراٹھی لیکھک شری کولھکر کا پرکاشت چتر دکھاتے ہوئے مجھ سے بار بار ملنے کے لیے آگرہ کیا۔

حرف آخر

کلیات پریم چند کی پچوبیس جلدوں میں پریم چند کی سبھی تصانیف (اردو، ہندی) پیش ہیں۔ کلیات پریم چند کی پیش کش میں نے دسمبر 1942 میں پریم چند کے بڑے لڑکے شری پت رائے کے سامنے رکھی تھی۔ اسی کئی سال تک یہ کام نہیں ہو سکا۔ کئی ناشرین سے گفتگو ہوئی مگر کوئی تیار نہیں ہوا۔ چار سال قبل قومی کونسل کے ڈائریکٹر حمید اللہ بھٹ کو اس کام سے دلچسپی پیدا ہوئی اور انھوں نے شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اب یہ کام پورا ہوا ہے۔

پریم چند کی تصانیف اور ان کے بنیادی ماخذ کے بارے میں کچھ تفصیل ضروری ہے۔ ان کی صحافتی اور ادبی زندگی کے ابتدائی دور کی داستان سو سال پرانی ہو گئی۔ جن رسائل میں ان کی تصانیف شائع ہوئی تھیں ان میں سے آج ایک بھی شائع نہیں ہوتی۔ جہاں تک ان کے ناول اور افسانوں کا تعلق ہے یہ کہنا واجب ہو گا کہ پریم چند کی حیات میں ایک یا دو کتابوں کے علاوہ ان کی کسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔ اگر ہوا بھی تو اس کی اطلاع انھیں نہیں مل سکی۔ ان کتابوں کے اکثر ناشر لاہور کے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ان سے تعلقات ممکن نہیں تھا یا وہ لوگ وہاں ہیں بھی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پریم چند تصانیف کے لاہوری ایڈیشن آسانی سے دستیاب نہیں ہوئے۔

دوسری بات ہند پاک میں ذاتی کتب خانوں کی روایت بھی نہیں رہی۔ پبلک لائبریری کے رکھ رکھاؤ کا بھی تسلی بخش انتظام نہیں ہے۔ تین چار لائبریریوں کو چھوڑ کر (خدا بخش اور نیشنل لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رام پور، مولانا آزاد لائبریریاں بھوپال، ادارہ ادبیات حیدرآباد) پبلک لائبریریوں کا ملک میں قحط ہے اور جو لائبریری ہیں ان میں عام طور پر کتابوں کی حالت خستہ ہے۔ رسائل کی جو جلدیں ملتی ہیں ان میں کچھ شمارے غائب ہیں۔ تحقیقی کام میں کتنی دشواریاں پیش آتی ہیں آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

- 1۔ ڈاکٹر شیم سنگھ ششی کی کتاب ”پریم چند کے مدن گوپال“ (ہندی)، (ص 57) دھارپراکش، لاہور۔ 2001ء، اس قسم کی یہ شاید پہلی کتاب ہے۔

مغربی ممالک میں ادیبوں کی کتنی عزت ہوتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے کتابوں کے پہلے ایڈیشن کو بڑی محبت اور محنت سے محفوظ کیا جاتا ہے۔ مسودوں کی قیمت تو بیش بہا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے یہاں عموماً پہلا ایڈیشن ملتا ہی نہیں اور اگر ملتا ہے تو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اور مسودوں کی کیفیت یہ ہے کہ مسودوں کو پریس والے ردی کے طور پر پھینک دیتے ہیں۔

دلی یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ 1920 کے بعد وجود میں آئیں۔ ہارڈنگ لائبریری (اب لالہ ہریال لائبریری) پرانی لائبریری ہے، مگر اس میں قدیم رسالے کو محفوظ رکھنے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اور دلی میں 1947 تک ناشرین کا قحط تھا۔ 1930 سے پہلے پریم چند کی کوئی کتاب دلی سے شائع نہیں ہوئی۔ ان کی ابتدائی دور کی تصانیف بنارس، کانپور، لکھنؤ اور لاہور سے شائع ہوئیں۔ ان تصانیف کی کوئی خاص اہمیت بھی نہیں ہے۔ پریم چند کی اہم کتابیں (بازار حسن، چوگان ہستی، گوشہ عافیت، پردہ مجاز، غبن، پریم بیتی، پریم چالیسی، نرملہ) لاہور سے شائع ہوئیں۔ جس میں گیلانی الیکٹرک پریس، الاجت رائے اینڈ سنس اور دارالاشاعت اہم ہیں۔ پریم چند کی وفات کے کچھ عرصہ قبل اور بعد میں مکتبہ جامعہ، دہلی اور عصمت بک ڈپو، دہلی سے ان کی کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ مکتبہ جامعہ نے میدان عمل، گوندان اور بیوہ اور عصمت بک ڈپو نے دودھ کی قیمت شائع کیں۔ پریم چند کی حیات میں ان کتابوں کا دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔

آزادی کے بعد لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور چھوڑ کر دلی آئے اور یہاں سے اشاعت کا کام شروع کیا۔ پردہ مجاز اور غبن کی اشاعت یہیں سے ہوئی۔ بازار حسن، گوشہ عافیت، چوگان ہستی اور افسانوں کے مجموعے پریم بھجی، پریم بیتی اور پریم چالیسی کو دلی کے ادارہ فروغ اردو نے شائع کیا۔

پریم چند کی تصانیف کے بارے میں ہم سوچ سکتے ہیں کہ ان کی عبارت، زبان یا متن میں کوئی تبدیلی کیوں اور کیسے کرے گا۔ یہ تو ہوئی ان کی 1920 کے بعد کی تصانیف کی بات، جہاں تک ابتدائی تصانیف کا سوال ہے وہ تو ویسے بھی بحث مباحثہ کا موضوع رہی ہیں۔

خود پریم چند نے اپنے دوست امتیاز علی تاج کو 29.01.1921 کو لکھا تھا کہ ”ہم خرماء و ہم ثواب“ اور ”کھٹنا“ ان کی غالباً 1900 کی تصانیف تھیں۔ چھ سال بعد دیانندن گم کو مطلع

کیا کہ میری ادبی زندگی 1901 میں شروع ہوئی تھی اور 1902 میں ہندی ناول ”پریمیا“ شائع ہوا۔ فروری 1932 کے ”نس“ میں لکھا کہ میرا پہلا ناول 1900 میں لکھا گیا اور یہ 1902 میں شائع ہوا۔ تین سال بعد اندر ناتھ مان کو لکھا کہ میری پہلی کتاب 1902 میں شائع ہوئی۔ یہ بیانات خود پریم چند کے ہیں۔ اب ان کے ہم عصر احباب کے بیان دیکھیے۔ دیانان گم نے لکھا ہے کہ پریم چند کا پہلا ناول ”ہم خرما و ہم ثواب“ 1907 میں شائع ہوا۔ بابو جگیشور ناتھ در نے لکھا کہ پریم چند کا پہلا اردو ناول ”پر تپ چندر“ تھا اور ہندی ناول ”پریمیا“۔ پیارے لال شاکر میرٹھی نے لکھا ہے کہ پریم چند کا پہلا اردو ناول ”ہم خرما و ہم ثواب“ اور ہندی میں ”پریمیا“ تھا جو 1905 میں شائع ہوا اور دوسرا ناول تھا ”کشتا“ جو 1908 میں شائع ہوا۔ 1936 میں حسام الدین غوری نے اپنے مقالے میں لکھا کہ پہلا ناول ”اسرار محبت“ تھا جو بنارس کے ”آواز خلق“ میں شائع ہوا تھا۔ نہ تو پریم چند نے اور نہ ان کے کسی دوست نے اس ناول کا ذکر کیا اور نہ کہیں حوالہ دیا۔ اس کا حوالہ صرف حسام الدین غوری کی ”پریم لوگ“ (1937) میں ملا، پتہ نہیں میں نے غوری کے بیان کو اتنا اہم کیوں قرار دیا۔ اس سلسلے میں میں خود بنارس جا کر اس رسالے کے دفتر کو مشکل سے تلاش کیا اور کچھ پرانی فائلیں بھی دیکھیں۔ مجھے ”اسرار محبت“ کی کوئی قسط نہیں ملی۔ احتیاط کے طور پر میں اس رسالے کے دو چار شمارے لیتا آیا تاکہ بعد میں کوئی جانکاری مل سکے۔ میری کتاب ”پریم چند“ جو 1943 میں شائع ہوئی، اس میں اسے ہی پریم چند کی پہلی تصنیف قرار دیا۔ اگلے سال اندر ناتھ مان نے میری ہی فہرست کو قبول کیا اور دوسرے محققوں نے بھی اس کتاب کو حوالہ دیا۔ حالانکہ بیس سال بعد معلوم ہوا کہ ناول اسرار محبت نہیں اسرار معابد تھا۔ 1959 میں امرت رائے میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور اس سلسلے میں گفتگو ہوئی۔ انھوں نے کہا ”آواز خلق“ نام کا کوئی اخبار بنارس سے نہیں نکلا، تب میں نے انھیں اخبار کا ایک شمارہ دیا۔ اسے لے کر وہ بنارس گئے اور ”آواز خلق“ کی فائلیں دیکھیں تو انھیں ”اسرار معابد“ کی چار قسطیں مل گئیں مگر چھپنے کی ایک نہ مل سکی۔ اس نامکمل ناول کو انھوں نے 1962 میں منٹا چرن میں ”دیوستان رہیہ“ کے عنوان سے شائع کر دیا۔ زبان وہی رہنے دی، صرف عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ کی جگہ ہندی کے الفاظ استعمال کیے۔

جب کلیات پریم چند پہلی جلد کی تیاری شروع ہوئی تو یہ سوچ کر کہ جو متن امرت رائے

نے حاصل کر ہندی میں پیش کیا اس کی نقل ان کے پاس ہوگی، میں نے امرت رائے کے فرزند الوک رائے کو خط لکھا مگر وہ بے سود۔ میں نے اس کے اردو متن کو تلاش کرنے کے لیے رحیل صدیقی کو ”آوازِ خلق“ کے دفتر بتارس بھیجا۔ ان کے مطابق ”آوازِ خلق“ کے دفتر کا اب کوئی پتہ نہیں اور اس ناول کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اگر ”آوازِ خلق“ کے شمارے ملتے بھی تو ان کی حالت بوسیدہ ہوتی۔ تب ”منگلا چرن“ کے متن کو ہی استعمال کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ کلیات پریم چند جلد اول میں ”اسرارِ معابد“ کا متن دیا ہے جو ”منگلا چرن“ میں ہے۔ آئندہ کبھی اگر ”اسرارِ معابد“ کا اصل متن دستیاب ہوتا ہے تو اگلے ایڈیشن میں اس کی مدد لی جائے گی۔

پریم چند کے دوسرے ناول کے بارے میں میں نے اپنی 1943 کی کتاب پریم چند میں لکھا تھا کہ یہ شاید پرناپ چندر کے عنوان سے شروع کی گئی تھی مگر شائع نہیں ہوئی۔ ممکن ہے کہ دس سال بعد اس مواد کو پریم چند نے جلوۂ ایثار میں ملا لیا ہو۔ ریم چند کا یہ معمول تھا کہ اگر کچھ لکھا ہوا مواد کام نہیں آیا تو اسے ایک طرف رکھ چھوڑا اور آگے چل کر اس کو استعمال کیا۔ جلوۂ ایثار 1912 میں شائع ہوا۔ آٹھ سال بعد جب اس کا ہندی ایڈیشن وردان کے عنوان سے تیار کر رہے تھے تو کئی ابواب چھوڑ دیے۔ فقروں میں بھی تبدیلیاں کی گئیں۔ آگے چل کر بھی ایک پرانے ناول کو بدل کر بیوہ لکھا۔ اور اس کے ہندی ایڈیشن کو کاٹ چھانٹ کر پرتیکا کے عنوان سے شائع کیا۔ میدانِ عمل کے مسودہ میں ایک اور ناول کا مسودہ موجود ہے جو کبھی نہیں لکھا گیا۔ اس کے آٹھ ابواب کی تفصیل دی ہے، نواں خالی ہے، پرناپ چندر شائع نہیں ہوا۔

میں نے لکھا تھا کہ پریم چند کا اگلا ناول ”سکنا“ تھا۔ میری کتاب کی اشاعت کے ایک سال بعد شیورانی دیوی نے ”پریم چند گھر میں“ میں بھی لکھا کہ پریم چند کا پہلا ناول ”سکنا“ تھا۔ یہ صحیح ہے کیوں کہ ”اسرارِ معابد“ صرف ”آوازِ خلق“ میں شائع ہوا۔ کتاب کی شکل میں (کلیات میں اشاعت سے قبل) کبھی شائع نہیں ہوا۔

پریم چند کی ”رنگ بھوی“ (چوگانِ ہستی) کے ناشر دلارے لال بھارگو نے ایک محقق کو بتلایا کہ پریم چند کا پہلا ناول شیاما تھا۔ یہ پریم چند کی پہلی بیوی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ شیاما بد صورت تھی۔ کھاتے پیتے گھر سے آئی تھی۔ اسے گہوؤں کا شوق بھی تھا۔ انھیں کے نام پر پریم

چند نے پہلا ناول لکھا۔ اسے اشاعت کے لیے اودھ اخبار کو بھیجا گیا۔ یہ منکھور نہیں ہوا۔ دوسرے رسالوں سے بھی واپس آیا۔ تب پریم چند نے اسے ایک طرف رکھ چھوڑا۔ اس ناول کی تقسیم خواتین کا زیورات کے لیے جنون تھا۔ کچھ سال بعد پریم چند نے اسی ناول کو ”کھنا“ کے عنوان سے بنارس کے میڈیکل ہال پریس سے شائع کرایا۔ دلارے لال بھارگو کے مطابق 1925 میں اس ناول کی ایک کاپی بھی حاصل کی گئی۔ بعد سے ہندی ترجمہ بھی ہوا پھر پریم چند اور بھارگو نے فیصلہ کیا اس شکل میں اس کی اشاعت مناسب نہیں ہوگی۔ اسی کی تقسیم کو لے کر ایک اور ناول لکھنا چاہیے۔ یہ ناول نمین تھا۔ اس کی بنیادی تقسیم ”کھنا“ کی تقسیم تھی۔ بعنوان ”خواتین کا زیورات کے لیے جنون۔“

”کھنا“ کا حوالہ سرکاری گزٹ میں بھی ملتا ہے۔ لندن کے برٹش میوزیم لائبریری کے Index میں اس کا ذکر ملتا ہے مگر یہ ناول دستیاب نہیں ہو سکا۔ امرت رائے نے ڈاکٹر قمر رئیس کو لکھا تھا ”کھنا“ کے نام کا کوئی ناول کبھی نہیں شائع ہوا۔ اس کا ”نمین“ سے کوئی تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ امرت رائے اپنی کتاب قلم کا سپاہی میں ایک بار بھی اس ناول کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ بعد کے ایک مضمون میں انھوں نے لکھا کہ انھیں بتلایا گیا ہے کہ ”کھنا“ نام کا ناول شاید لکھا گیا تھا۔ مگر اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ کس نے بتلایا (شیورانی دیوی نے یا دلارے لال بھارگو نے)۔ پچاس سال قبل یہ سوال اٹھایا گیا تھا اس نام کا ناول تھا بھی یا نہیں۔ میں نے اپنی لٹریچر بائیوگرافی (1964) میں زمانہ میں شائع اس ناول پر تبصرے کا متن دیا۔ پریم چند کے ایک شاگرد جناردن پرساد جھا دوج نے پریم چند کی حیات میں ایک کتاب پریم چند کی اپنیاس کلا کے نام سے لکھی تھی۔ میرے پاس دوسرا ایڈیشن ہے (1941)۔ اس میں لکھا ہے کہ جب پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا تو اس کی کاپی دوج نے پریم چند کو نذر کی تھی۔ ظاہر ہے دوج نے اس کے متن کی کوئی اصلاح نہیں کی۔ ورنہ دوسرے ایڈیشن میں کچھ تبدیلی ہوتی۔ بقول جناردھن پرساد جھا پریم چند نے انھیں بتایا کہ ”کھنا“ کی تقسیم کو لے کر انھوں نے ”نمین“ کی تخلیق کی تھی۔ اس کا ذکر میری کتاب میں ہے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی ہے۔

پریم چند کے والد عجائب لال نے چھوٹے بھائی ادت نرائن کو اپنے بی ڈاک جھکے میں نوکری دلوائی تھی۔ انھوں نے سرکاری روپے نمین کیا۔ سزا ہوئی، قید بھی ہوئی، بھائیوں نے

روپے اکٹھا کر کے سرکاری خزانے میں جمع کرا کے ادت نرائن کو رہا کرایا۔ مگر شرم کے مارے وہ گھر سے غائب ہو گئے اور کبھی اپنی شکل نہیں دکھائی۔ ان کا لڑکا بھی آوارہ ہو گیا اور گھر سے بھاگ گیا۔ ان دنوں بنارس کے لوگ کلکتہ ہی جاتے تھے۔ یہی ممکن ہے کہ وہ کلکتہ ہی چلے گئے ہوں۔

سرکاری رقم کا ضمن غیر معمولی بات ہے۔ ادت نرائن کے سلسلہ میں ایسا لگتا ہے کہ زیورات کے لیے ضمن کیے تھے۔ خواتین کے دل میں زیورات کے لیے جنون ہی ”سکھنا“ کا موضوع ہے۔ بیس سال بعد جب پریم چند نے ”ضمن“ کی تخلیق کی تو زیورات کے لیے جنون ہی اس کی تقسیم تھی۔ کردار بھی گھر سے بھاگ کر کلکتہ گیا۔ اشاعت کے بعد بیس سالوں میں ملک بھی کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ انقلابی تحریکوں کا زور پکڑ رہا تھا۔ پریم چند نے ان سب کو لپیٹ میں لے لیا۔ یہ سب باتیں ”ضمن“ کا موضوع ہیں۔ ”ضمن“ ناول سروسوتی پریس سے شائع ہوا اس کا اردو ترجمہ پریم چند نے خود کیا، اسے لاچت رائے اینڈ سنس لاہور نے شائع کیا۔ ”ضمن“ کا ”سکھنا“ سے کیا تعلق تھا اس کا ذکر کسی محقق نے نہیں کیا ہے۔

”سکھنا“ کے بعد پریم چند کا دوسرا ناول ’ہم خرما وہم ثواب‘ تھا۔ اس کے دو ایڈیشن نکلے اور اس کے پرانے ایڈیشن دستیاب نہیں ہیں۔¹ میں نے خدا بخش لاہوری، پٹنہ کو لکھا۔ جواب میں انھوں نے مطلع کیا کہ کاپی بہت پرانی ہے اور اس کی زیراکس ممکن نہیں ہے۔ ایک کاپی رضا لاہوری، رام پور سے ریل صدیقی لائے، کلیات کی جلد میں بھی متن استعمال کیا گیا ہے۔

پریم چند کا اگلا ناول ’جلوہ ایثار‘ تھا۔ اس کے پہلے ایڈیشن کی کاپی تو دستیاب نہیں ہو سکی مگر ایک ایڈیشن لاہور کے کتاب منزل نے شائع کیا تھا۔ اس پر سن اشاعت نہیں دیا گیا۔ یہ شاید پریم چند کی حیات میں شائع ہوا تھا۔ اسی کے متن کو شامل کیا گیا ہے۔

کلیات کی پہلی جلد میں مذکورہ بالا ناول ثواب رائے کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ ثواب رائے کی طرح پریم چند بھی دھپت رائے کا قلمی نام تھا۔ اس نام سے شائع ہونے والا پہلا ناول ”بازار حسن“ تھا۔ اس کو لاہور کے دارالاشاعت نے شائع کیا۔ پہلے ایڈیشن کی کاپی تو

1۔ ایک کاپی میرے پاس تھی اور اس کاپی سے تیار کی گئی۔ مانیکرولم 1961 میں نیشنل لاہوری میں موجود ہے مگر میری کاپی ایک صاحب لے گئے انھوں نے واپس نہیں کی۔

دستیاب نہیں ہو سکی۔ آزادی کے بعد دلی کے ایک ناشر حالی پبلشنگ ہاؤس نے اسے شائع کیا۔ اس پر سن اشاعت نہیں دیا گیا مگر ایڈیشن سن پچاس سے قبل کا ہے۔ اسی کے متن کو کلیات کی جلد نمبر 2 میں شامل کیا گیا ہے۔

”بازار حسن“ کے بعد پریم چند کا اگلا ناول ”گوشہ عافیت“ تھا مگر یہ چوگان ہستی کے بعد شائع ہوا۔ ”گوشہ عافیت“ کو بھی ”بازار حسن“ کے ناشر دارالاشاعت، لاہور نے شائع کیا۔ آزادی کے بعد اسے دلی کے ناشر ادارہ فروغ اردو نے شائع کیا۔ اس میں سن اشاعت تو نہیں دیا گیا مگر نسخہ پچاس سال سے زیادہ پرانا ہے۔

”چوگان ہستی“ جس کی تخلیق ”گوشہ عافیت“ کے بعد ہوئی تھی، اردو میں لکھا گیا تھا۔ مگر اس کی اشاعت پہلے ہندی میں ”رنگ بھوئی“ کے عنوان سے ہوئی۔ ناول بہت مقبول ہوا۔ پریم چند کا خیال تھا کہ یہ ان کا سب سے بہترین ناول ہے، کیوں کہ ترجمہ کرتے وقت پریم چند نے بہت سی تبدیلیاں کردی ہیں اور کچھ نئے باب بھی جوڑ دیے ہیں۔ اس لیے اردو میں ترجمہ کروانا پڑا اور ترجمہ سحر محکا می نے کیا۔ گوشہ عافیت کی اشاعت ادارہ فروغ اردو دہلی نے کی۔ سن اشاعت درج نہیں ہے مگر جو نسخہ استعمال کیا گیا ہے وہ پچاس سال سے زیادہ قدیم ہے۔ ”چوگان ہستی“ کو ادبی مرکز نے دو حصوں میں شائع کیا۔ دونوں متن کو کلیات جلد 3 اور 4 میں شامل کیا گیا ہے۔

”چوگان ہستی“ کے بعد ”پردہ مجاز“ شائع ہوا پھر ”غبن“ نکلا دونوں ناول لاجپت اینڈ سنس لاہور نے شائع کیے۔ آزادی کے بعد اسی ناشر نے دلی سے شائع کیا۔ دلی ایڈیشن شامل کیا گیا ہے۔

پریم چند کا اگلا ناول ”نرملہ“ تھا۔ یہ پہلے ہندی ماہنامہ ”چاند“ میں شائع ہوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ لاہور کے گیلانی پریس نے شائع کیا۔ آزادی کے بعد اسے دلی سے پنجاب پیپرز نے شائع کیا۔ اسی کے متن کو غبن کے ساتھ کلیات جلد 6 میں شائع کیا گیا ہے۔

اگلے دو ناول ”میدان عمل“ اور ”گنودان“ دلی سے مکتبہ جامعہ کے اہتمام میں شائع ہوئے۔ میدان عمل تو پریم چند کی وفات کے کچھ ہی دن قبل شائع ہوا۔ ”گنودان“ وفات کے تین سال بعد شائع ہوا۔ ”کرم بھوئی“ سے اردو میں ”میدان عمل“ کا ترجمہ خود پریم چند کیا۔ اس کا چوتھا ایڈیشن 1960 میں نکلا۔ اس کا آٹھواں ایڈیشن کلیات کی جلد 7 میں شائع کیا گیا۔

”گنودان“ کا ترجمہ سر سہگانی نے کیا۔ ”گنودان“ کو جلد 8 میں شائع کیا گیا ہے۔ پریم چند کا آخری ناول ”منگل سوت“ ہے۔ اسے انھوں نے بستر مرگ پر قلم بند کیا تھا۔ پہلے ناول ”اسرار معابد“ کی طرح یہ ناول بھی نامکمل ہے۔ پریم چند کے بڑے بیٹے شری پت رائے کے مطابق یہ ناول پریم چند کا سوانحی ناول ہے۔ اس کا اہم کردار ایک ادیب ہے۔ اس کے دو بیٹے ہیں اور ایک بیٹی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ چار ابواب کے ساتھ پلاٹ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پانچوں باب میں صرف سب کردار اکٹھے ہونے تھے۔ یہ ناول کے پلاٹ کا اہم حصہ نہیں ہے۔ اس لیے ”منگل سوت“ کا جو متن دستیاب ہے اسے مکمل سمجھا جائے۔¹ حالانکہ شری پت رائے نے اس ناول کو شائع نہیں کیا۔ اس ناول کا ذکر رسائل میں ہوتا رہتا تھا اور میں نے اپنی کتاب پریم چند (1943) میں اس کا ذکر کیا تھا۔ گو تب یہ ناول شائع نہیں ہوا تھا۔ اس کی اشاعت تو پانچ سال بعد امرت رائے کے ہنس پرکاشن سے ہوئی۔ ہندستان میں ابھی تک اس کا اردو ترجمہ نہیں شائع ہوا مگر پاکستان میں ڈاکٹر حسن منظر نے اس کا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو کراچی سے شائع کرایا ہے۔ کلیات کی آٹھویں جلد میں ہنس پرکاشن کے ہندی متن کو صرف رسم خط بدل کر اردو میں شائع کیا گیا ہے۔

پریم چند کے ناولوں کے بارے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ پریم چند خاکہ انگریزی میں لکھتے تھے۔ ”چوگان ہستی“ (ریگ بھوی) کا خاکہ انگریزی میں لکھا گیا۔ ”کایا کلپ“ (پردہ حجاز) ”میدان عمل“، ”گنودان“ کے خاکے بھی انگریزی میں لکھے گئے۔ ”زملہ“

1۔ اس ناول کے بارے میں مجھے مزید جانکاری ایک مضمون سے ملی، جسے الہ آباد یونیورسٹی کے ہندی میگزین شمارہ 35 (8-1979) میں شائع کیا گیا۔ اس کے مدیر تھے ڈاکٹر سوبین اوسھی اور مضمون ڈاکٹر منوہر گوپال بھارگو کا تھا۔ ڈاکٹر بھارگو کو لکھنؤ کے ناشر دلارے لال بھارگو نے بتلایا تھا کہ پریم چند کے فردری 1932 میں شائع سوانحی ”جیون ساز“ کی اشاعت کے بعد انھوں نے پریم چند کو اپنا سوانحی ناول لکھنے کی پیش کی۔ پانچ ابواب کا خاکہ تیار کیا گیا پھر پریم چند مصروف ہو گئے۔ کبھی بیمار، کبھی مہمی۔ 1936 میں بستر مرگ پر انھوں نے اس پر کام شروع کیا۔ چار ابواب تیار ہو گئے۔ آخری باب کو انھوں نے کسی دوست کو کاغذ کے پرزوں پر لکھوایا۔ ڈاکٹر بھارگو نے لکھا ہے کہ انھوں نے ان کاغذ کے پرزوں کو دلارے لال بھارگو کے پاس خود دیکھا ہے۔ پھر کیا ہوا کچھ پتہ نہیں چلا۔ دلارے لال بھارگو تو اس دنیا میں نہیں رہے۔

اور ”فمن“ کے خاکے انگریزی میں نہیں ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ”فمن“ تو ان کے ابتدائی ناول ”سکھنا“ کی قسیم پر لکھا گیا تھا اور ”نرطا“ چاند میں مسلسل قسط وار شائع ہوا تھا۔ کچھ ناولوں کے خاکے پیش کیے جاتے ہیں۔

چوگان ہستی کا خاکہ

- I. Prabhu Sewak turns a staunch nationalist. Extremely bold and seperate, revolutionary tendenocies.
- II. Vinay and Sofia living quietly in a cottage in hilly village. Vinay is chivalrous and full of love. He is devoted to Sofia. As he has again to be united. She does not consent, once or twice when he approaches her. She snubs him. She says she will not have him unless given by the Rani and Kuar. (All of as sudd----) Then they read in newspapers the changing attitude of Kuar Sahib. The moment is at stake. Nobody to take care. (Vinay) Sofia then comes out with the intention of preserving the moment and if possible to win over the Rani.
- III. She comes directly to Rani. A Scene. Rani obdurate, turns his face. She pleading- At last Rani has brought accord. Vinay is (glad.....) beyond himself with joy to receive her letter of welcome, written by the Rani.
- IV. Mr. John Sewak has succeeded in acquiring the land. The struggle.
- V. Tahir Ally comes out of his jail and is broken hearted to see the plight of his family. (He goes to Mahir Ali-.....) Mahir does not come even to see him. He falls ill and dies of grief.
- VI. Ghisu, Mithua and Vidayadhar all turn bad characters. They one night try to violate Radhia. She raises an alarm. Surdas at once arrives on the spot and takes hold of two of them. Mithua makes his escape. (.....) Surdas's true evidence. Bajrangi glad to hear the judgement, but Jagdhar is enraged and vows revenge. Indradatta now takes the field. (Surdas does not continue).
- VII. Prabhu Sewak and John Sewak United. The scheme is abolished. The mill is running. P.Das goes away again to Europe. While

J.Sewak is grinding his wheel with desperate and pitiable patience.

VIII. Nayak Ram dreams a drama that Vinay has jumped and he jumps after him. He broke his knee part, takes much time to restore. Then he comes to his home. Sees, everything in ruins.

IX. The struggle begins. In the meantime marriage between Sofia and Vinay is also settled. Dates are fixed. Vinay now seeks excuses to keep away from the struggle for fear of imprisonment and death. Sophia is glad to have him by her side (but she). She tells him to remain with Surdas. She does not quite like Vinay's cowardice. All volunteers are ready to join in the struggle but Vinay's cold heartedness. On the last day there.... in a stir, some violence is feared. Police and Military came in the town and spot. The next day she herself goes the scene. Vinay accompanies her. They watch the scene. People are flocking, brick-bats are thrown. Vinay tries to conduct Sophia safely home. Firing is ordered. She goes Surdas falling on the ground. He is overcome by emotion and runs towards her. Vinay is ashamed. He comes forward to pacify the mob but is hooted. In this agony, at his unpopularity, at his weakness, at his moral frustration he is overcome by a sudden grief and remorse. He stabs himself to death.

Police and military succeeded in driving away the mob.

X. Sophia leads Surdas to Hospital and attends upon him. Daily thousands come to have a look of Surdas. Bajrangi and others come. Rani also comes and showers him with flowers. (Six). Ten days pass. Surdas is happy and smiling. He never complains. Then Sophia all of a sudden comes to know of Vinay's self-sacrifice. She is much unnerved. She tries to respect at her whole life. When Surdas passes away the whole town accompanied. Raja are the only defaulters. Surdas returns to Rani and is warmly received. Rani drops a tear (but never loses heart) and weary of life, hating this life-losing her son, losing her daughter, losing her husband, Rani becomes mad. Her brain is turned. She leaves home and is never heard of Sophia.....

Chakradhar remains poor.

Manorama is an ideal house wife and love. She makes Chakradhar happy in whatever she gets, always happy and cheerful. Chakradhar's character very high. He devotes himself to service and uplift of his brethren. Rani pays money for Chakradhar.

Ahalya dies in the end. The Raja forsakes his Raj and draws a deed of which he makes Chakradhar a seceratry.

Ahalya secretly in love with Chakaradhar, but never utters a single sentence. Chakradhar too is ardent lover of Rani but neyer vent to his feelings.

In the end it turns out that Manorma was daughter of Thakur Hari Sewak from Loungi. They had cast her away and entrusted her to the care of a man and had been paying monthly for it.

23rd Chapter- Chakradhar proposes marriage his partner.

Arrival at Agra. Jashodha Nandan's house is broken into and he is murdered. (Manorama.....) Ahalya spirited away. (Chakradhar gets the news and hurries to Agra. He interviews Khwaja Sahib.....) for a week- no trace. Then Khwaja Sahib takes upon himself to search her out. At last he finds her and keeps her in

24th Chapter- Chakradhar gets the news and proceeds to Agra. Khwaja Sahib hands Ahalya over to him. Ahalya ready to kill herself, but Chakradhar marries her then and there.

25th Chapter- Their married life, want and poverty. She is a good house-wife and manages to live with comforts in whatever she gets. A son is born to her.

26th Chapter- Manorama agony, she invites her and she is recognised by the Raja.

27th Chapter- Ahalya's choice and Chakradhar's parting with her.

28th Chapter- Manorama sister to Ahalya. Ahalya pines and is about death. Raja is murdered.

29th Chapter- Chakradhar now comes and lives with Ahalya.

Gradually his interest is awakened in the state affairs. Manorama is jealous. Chakradhar begins to cut her expenditure. Manorama grudges this.

30th Chapter- Manorama is furious. She conspires to murder, Chakradhar at the hour repents and commit suicide.

31st Chapter- The whole state is opposed to Chakradhar only to his fairness and freedom from bias. Hindu-Mohd. quarrels grow- Guru Sewak heads a Hindu riots, Chakradhar leaves the state in disgust and works silently for the cause of untly with unflaging zeal and stubborn hope.

32nd Chapter- Rani Deva Priya is widowed and remains widow 20 years. Then she is approached by a young prince. She is brought back to Jagadish Nagar.

Ideas

Trials and troubles mould the human character, they make heroes of men. Power and authority is the curse of humanity. Even the highest fall a victim to power and lose their character. Chakradhar rose morally while struggling for existence. His fall began when he came in power.

Rani is rejuvenated. She forgets her previous birth, who she was, how she got rejuvenation. Raj Kumar begins to decline from the same day. Rani afraid to approach him. Struggle. In the end Rani loses her balance. Passion overcomes her. She approaches Raj Kumar. A love scene. The next day Raj Kumar, seized by a fatal sickness, dies. Rani again sinks into self-gratification. She builds her Rangshala. She again leads a life of flippancy.

Raj Kumar takes his birth in Kuar Vishal Singh's house from Ahalya. When the boy grows into a lad, he starts a tour through India. He reaches Telkari, sees the Rani, memories begin to revive. Rani making approaches.

Bibhuda is yagyanarain- crafty, parsimonious, selfish, but serviceful, tactful.

Vishal Singh is Bechan- Lal-simple, honest, wanting in moral

courage.

Kalyan Singh is Chandrika Prasad- sneaking in the presence of superiors, cannot manage household, suspicious.

Chakradhar is D. Prasad- very shy, learned, principled.

The new Rani's father is Nana- perfectly selfish, dishonest, unscrupulous, drunkard, hopes to build his fortune with his daughter.

Chakradhar's father- flatterer, kind generous, mild, simple-hearted.

The Pandit (Vibhuda Prasad) and his wife both turn Hindu Sangathankars.

Bibhuda is a Persian-readman. Knows very little Sanskrit. His dialouge must be of an educated mussalman.

Chakradhar always seeks God in man.

Chakradhar comes out from jail a nobler and purer. All the extreme bestiality of human nature dawns upon him and his sense of duty is awakened. These as it was never before.

The story should be put in Lucknow. Necessary changes should be made.

The Raja has three wives. He inherits the gaddi. He falls in mad love with Ahilya. Ahalya knows him (She knows how dull and pitiable his life is. She is also fond of riches. She marries him for money. But the Raja and sincere and overpowering tendencies gains her heart. The mutual love arises. The Raja is so immeresed in love that all considerations are vanished from his heart, wealth even son. He no longer pines for a son.

She is faithful to the Raja. Whatever she does, Raja approves. The Rani to come to live with her, although at first they hated her and thought she was coming to exploit the Raja.

اگلے ناول کرم بھومی (میدان عمل) کا خاکہ بھی انگریزی میں ہے۔ یہ پیش ہے :

1. Amarkant awakened. The whole outlook is transformed. His past life reviewed- His up at once.
2. While working scene Amar finds Sakina and Munni both there and a scene of humiliation oand shame comes upon him. He falls at their feet and begs forgiveness.....

- (i) Scene be fine- the municipal resolution passed (Presioners set free.....)
- (ii) Governer's Visit of inquiry- His decision.
- (iii) Amarkant awakened. The whole outlook transformed. While working Scene- orders for relase arrive just them. Jubilation.
- (iv) All proceed to Hardwar. Naina and Rein and all the others come from Benares to welcome.

Sukhada forms her ministry. Amar co-operates whole heartedly. No ill will. They work together, talk together, form plans together, but their privateselves are apart with one another. Mani devotes herself to the personal comforts of Amar.

گودان کا خاکہ

1. Hori has two brothers Shobha and Hira. Bhola has two sons Kamta and Jangi and one daughter Jhunia, who is a widow. Hori has one son Gobar and two daughters Sona and Rupa. His wife is Jhinki.
2. Shobha is widow. Hira hardworing but rash and short temper.
3. Hori purchases the cow. The whole village comes to have a look. Shobha* is indifferent but Hira grows jealous. He poisons the cow. Hori seen it but cannot report him to the police.
4. The whole village goes to the Zamindar to clebrate Dasahara festival. Hori sells his store of barely. He could not hide his face. He wants to increase his territory. Zamindar must be impressed. The party goes to Zamindar. There is a drama. A show. The Zamindar is humane and generuos. He tells his story. He is also a member of Distt. Board. There are officers to feast and please, endowments to pay. The tenants come satisfied. Jhunia also comes to the show. Gobar proposes. He is not married and marriage means money. Jhunia surrenders herself.
5. Jhunia gets a (son.....) daughter, Panchayat. Gobar goes away to Calcutta. Panchayat extorts heavy punishment. For redemption (the.....) Hori has to start on pilgrimage. His hereditary property is

- mortgaged. He is unable to pay the interest. Gobar does not return. Then Sona is to be married. There is no money, no property. He is a day labourer now. The girls also go to work with him. The whole mentality is changed.
6. The property is to be redeemed. The girl is married. The property comes into possession. Then a quarrel with Hori's brothers for Mahua. Hori is beaten. He fights a suit against brothers. The brothers are jailed. Hori enjoys the scene, but in the end takes care of his family.
 7. Bhola's sons separate. Jhunias is dead. His only child. Bhola begins to rear the child. He has surrendered his share to his sons and become a Sadhu. The Zamindar takes care of the daughter.
 8. Zamindar's eldest son is a vakil and a member of council, and also a municipal servant and a nationalist leader. He should be exposed for his hypocrisy, the younger son is a poet and an author with some impulse. He marries Jhunias's daughter. His family out casts him. He is a social worker and is honoured by the tenants.
 9. Hori's younger daughter is sold off. The crops have not failed but they brought only enough for rent. There were cattle to feed, his own mouth to feed. What could he do? He was weak. Jhinki was labouring hard to pull on. Then the old man sells off the girl, without knowledge of his wife. He manufactures a Tale to hide his shame.
 10. Gobar returns a sobar man. 'Tell something of his sojourn abroad. Jhunias has been forgotten, but when he has made good deal by doubtful means, his spiritual awakening takes place. He hurries. His father is on death bed, but he would not receive him back. Gobar is reunited to Jhunias.
 11. Bhola has brought a widow his wife much younger. He comes to live with Hori. A hut is built for him. He has taken to thieving as he can get no work. Jangi is attracted to this woman and secretly the meet. Then one day the woman gives him up and goes to Jangi shamelessly for years. At last one day the wife scolds him for er and

beats him with a broom. This finishes Bhola.

12. Hori drags on a weary and wretched existence. Gobar helps him indirectly through his mother who faithfully serves the husband. At last his time comes and he expires. Gobar gives him a gaudan.

Introduce- agricultural exhibitions, uplift, literary movement, sugar mills, co-operation.

’منگل سوتر‘ کا خاکہ انگریزی میں دستیاب نہیں ہے مگر بقول ڈاکٹر کل کشور گونکا امرت رائے نے انہیں بتلایا تھا کہ انگریزی خاکہ ان کے پاس تھا مگر یہ ضائع ہو گیا۔ ’چوگان ہستی‘، ’پردہ مجاز‘، ’مسیدان عمل‘ اور ’گنودان‘ کے جو خاکے پیش کیے گئے ہیں ان کی بنا پر وہ پہلے سودے ہیں جو دستیاب ہیں۔ انہیں کے مختلف حصوں میں خاکوں کے جز ہیں، کہیں کہیں ان اشخاص کے نام بھی دیے گئے ہیں جن کی بنا پر کرداروں کی تخلیق کی گئی۔ پریم چند کے کاغذات میں ایک اور ناول کا خاکہ بھی ملا ہے جس کے آٹھ ابواب کی تفصیل دی گئی ہے۔ نواں خالی ہے۔ خاکہ پیش ہے :

"Two aspects- an unhappy married life due to different in outlook and mentality. There is enthusiasm, sacrifice, devotion, but also a longing, a burning for love, the heart is not awakened, there is no spiritual awakening, wife's sacrifices create love, spiritual awakening also comes; then whole outlook changed; the whole atmosphere is purified. A young punished for transportation in a political murder trial. His betrothed and father, both are transformed; when he returns, he find them ready to welcome him; all fear vanished.

The details should be worked out-- 160 passage- first chapter--- the trial and punishment; price. 12....

Second, the betrothed girl was present at the court; her fiancess farewell letter.

Third, the father subscribed secretly to the fund of the political party and is ready to help in every way.

Fourth, the secret is divulged by one of the party; the police threaten the father, but he is adamant; his daughter in l encourages him.

Fifth, the daughter-in-law attends a political meeting and is vociferously cheered; she is elected president of the Congress Committee;

Sixth, Lahore Congress; she attends and delivers a speech at Lahore; the resolution for independence; she supports it in an excellent speech;

Seventh, the ratification; her efforts to form a lady workers union successful;

Eight, picketing by the lady and arrest.

کچھ محققین نے اپنی تصانیف میں پریم چند کے مسودوں کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ناولوں کے مسودے موجود ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ ضروری باتوں کا ذکر واجب ہوگا۔ ہمارے یہاں یہ روایت رہی ہے کہ مسودہ آیا، دیکھا، ضرورت ہوئی تو ترمیم کی اور کاتب کو دے دیا۔ کاتب نے کتابت کی، پروف دیکھا گیا اور چھپائی کے لیے بھیج دیا پھر مسودہ ردی کی نوکری میں۔ یہ حشر تو اس آخری ناول کا ہے جو شائع کیا گیا۔ ہندی کے ناشرین کا حال بھی مختلف نہیں ہے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ جس مسودے سے ناول شائع ہوئے ان کے اور بجنل کہیں محفوظ ہوں۔ مسودے تو کیا لوگوں کے پرائیویٹ خطوط تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ صرف بنارس کا رام رتن پتنگ بھون ہے۔ گلی نندن ساہو، ٹھہرا بازار، چوک، بنارس، جن کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس 'چوگان ہستی'، 'گوشہ عافیت'، 'کایا کلپ' اور 'کرم بھوی' کے مسودے محفوظ ہیں۔

'بازار حسن' کے بعد اردو میں شائع ہونے والا پہلا ناول 'چوگان ہستی' ہے۔ یہ پریم چند کا اردو میں لکھا گیا آخری ناول ہے۔ جہاں اردو میں ناشرین کا قحط تھا وہاں ہندی میں پریم چند کی کتابوں کی مانگ تھی۔ اس لیے پریم چند نے اسے ہندی میں لکھا اور یہ 'رنگ بھوی' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ ناول بہت مقبول ہوا۔ تب پریم چند نے اس کا ترجمہ اردو میں کر دیا۔ 'چوگان ہستی' کے اردو کے پہلے ایڈیشن میں پریم چند نے لکھا کہ "اگرچہ 'رنگ بھوی' پہلے اردو میں لکھا گیا تھا، مگر اس کا اردو ایڈیشن ہندی ایڈیشن سے شائع ہونے کے تیسرے سال بعد شائع ہو رہا ہے۔ ہندی ایڈیشن تیار کرتے وقت اردو مسودے میں ترمیم و اضافہ ہوا اور کئی ابواب ہندی میں اور بڑھائے گئے تھے کہ انھیں اردو میں شامل کرنا ضروری تھا۔ اس لیے سارا مسودہ ہندی مسودے کے مطابق کر کے دوبارہ لکھنا پڑا۔ میں اپنے کرم فرما اقبال خشی سحر بھگامی کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اس بار کو اپنے ذمے لیا اور کتاب اس صورت میں تیار

ہوئی جو آج آپ کے سامنے حاضر ہے۔ اگر انہوں نے دست عنایت نہ بڑھایا ہوتا تو شاید ابھی تک اس کتاب کو بہت عرصے تک میری فرصت کا انتظار کرنا پڑتا۔“

رام رتن پرتک بھون میں رکھے 'چوگان ہستی' کا مسودہ شاید سرہنگامی کے ہاتھ کا ہوگا۔ پریم چند نے صرف نظر ثانی کی ہوگی۔ پہلے صفحہ پر "اوم" لفظ لکھا ہے۔ بایں حاشیے میں لکھا ہے Commenced on 1-10-22 اختتام پر لکھا ہے اپریل 1924۔ "چوگان ہستی" کا مسودہ نیلی سیاہی میں ہے۔ آخری کئی صفحات کالی سیاہی میں ہیں۔ جون جولائی 1925 کی تاریخیں بھی ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے 116 Pages ہندی مسودہ 12-8-24 Completed ایک اور جگہ لکھا ہے۔

اسی مسودے کے آخر میں 'شطرنج کے کھلاڑی' کا مسودہ بھی ہے جب سرہنگامی اردو مسودہ تیار کر رہے تھے پریم چند اپنے اگلے ناول کا یا کلب میں مصروف تھے۔ اس لیے پریم آشرم کا ترجمہ بھی سرہنگامی سے کروایا اور اسے دارالاشاعت لاہور سے گوشہ عافیت کے عنوان سے شائع کرایا۔

گوشہ عافیت کے کچھ حصے رام رتن بھون میں ہیں۔ 15 ویں باب کے چار صفحے اور انیسویں باب کے آخری صفحے سے لے کر 38 ویں باب کے صفحے یہاں ہیں۔ ناول کی لکھاوت نیلی سیاہی میں ہے۔ 34 ویں باب کے آخر میں کالی سیاہی میں، 25-5-8 تاریخ لکھی ہے اور 38 ویں باب کے اختتام پر 25-10-24 تاریخ لکھی ہے۔

افسانوی مجموعے

پریم چند کو جتنی شہرت ناول سے ملی اس سے کہیں زیادہ شہرت افسانوں سے ملی۔ اردو میں افسانہ نگاری کا ابتدائی دور تھا اور پریم چند افسانے کے بانی ٹھہرے۔ بقول پریم چند "ان کا پہلا افسانہ 'دنیا کا سب سے انمول رتن' تھا" اور یہ 1907 میں شائع ہوا۔ تب سے لے کر تیس سالوں میں پریم چند نے اردو اور ہندی میں تین سو افسانے لکھے جو ان کے قلمی نام نواب رائے، و۔ر (دھپت رائے) افسانہ کہن اور پریم چند کے نام سے شائع ہوئے۔ افسانہ کی تخلیق کتنی مشکل یا آسان ہے اس ایک خط سے ظاہر ہوتی ہے جو پریم چند نے دیانرائن کو 1917 میں لکھا تھا "ایک وقت میں ایک ہی کام ہو سکتا ہے یا تو ناول لکھوں یا کہانیاں۔ ناول

میں ایک ہی پلاٹ کافی ہے اور اس کا لکھنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا ہر ماہ دو تین کہانیاں، کیونکہ دماغ ایک ساتھ دو مختلف کام نہیں سنبھال سکتا۔“ پریم چند کے افسانوں کے پہلے مجموعے ”سوز و دھن“ میں پانچ قصے تھے۔ انگریز کلکٹر نے انھیں باغی قرار دیا اور ان کی جلدیں ضبط کر لیں۔ یہ مجموعہ نواب رائے کے قلمی نام سے شائع ہوا تھا۔ اب نیا نام پریم چند رکھا۔ بیس سال بعد ’سوز و دھن‘ کے افسانوں کو ’سیر درویش‘ کے ساتھ ملا کر گیلانی الیکٹرک پریس لاہور نے شائع کیا۔ اسی نسخہ سے کلیات کی نویں جلد میں انھیں پیش کیا گیا ہے۔

پریم چند کا اگلا مجموعہ ’پریم بچپی‘ تھا جو زمانہ پریس کانپور سے دو حصوں میں شائع ہوا۔ ان میں جو افسانے شامل تھے وہ زمانہ، ککشاں اور تہذیب نسواں میں شائع ہوئے تھے۔ پریم چند کا تیسرا افسانوی مجموعہ ’پریم بیتی‘ تھا۔ اس کا پہلا حصہ زمانہ پریس کانپور سے اور دوسرا حصہ امتیاز علی تاج کے دارالاشاعت لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں زمانہ، ککشاں، تہذیب نسواں کے افسانوں کے علاوہ صبح امید، ادیب میں شائع شدہ افسانے بھی شامل ہیں۔ ’پریم بچپی‘ اور ’پریم بیتی‘ کے پہلے ایڈیشن کی کاپیاں اب آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ آزادی کے بعد ادارہ فروغ اردو نے انھیں شائع کیا۔ (حالانکہ ’پریم بیتی‘ کے دو حصوں میں بتیس کے بجائے صرف اکتیس افسانے ہیں) ایک افسانہ چھوٹ گیا ہے۔ کلیات میں ادارہ فروغ اردو کی شائع کی ہوئی کتابوں کی مدد لی گئی ہے۔

پریم چند کے افسانے اردو میں مقبول تھے مگر کتابی صورت میں ان کی بکری تسلی بخش نہیں تھی حالانکہ جب یہی افسانے ہندی میں شائع ہوئے تو دھوم مچ گئی اور ہڑا دھڑ بکنے لگے۔ یہ غیر معمولی شہرت اتنی زبردست تھی کہ جہاں ان کے ناول ’بازار حسن‘ کے لیے کوئی ناشر تیار نہیں تھا۔ وہاں اسے ہندی میں (سیواسدن) اتنی شہرت ملی کہ ’بازار حسن‘ کی اشاعت کے لیے تحریک کا کام کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندی میں پریم چند کے افسانوی مجموعے کی اتنی مانج تھی کہ لوگوں کی بھوک مٹتی ہی نہیں تھی۔ جہاں ’پریم بیتی‘ کی اشاعت کے بعد آٹھ سال تک اردو میں ایک مجموعہ بھی شائع نہیں ہوا۔ وہاں اس عرصہ میں ہندی میں تیرہ مجموعے شائع ہوئے۔ (نوندھی، پریم پورنا، پریم بچپی، نمک کا داروغہ، لال فیتہ، ٹالٹائے کی کہانیاں، پریم پرسون، بینک کا دیوالہ، پریم دواوشی، پریم پرمتا، پریم پرمود، شانتی، اگنی سادھی وغیرہ)۔

1928 میں پریم چند نے اپنے خرچ پر نگار پریس لکھنؤ سے ’خاک پروانہ‘ کی اشاعت کی

کی۔ اس مجموعے میں چودہ افسانے تھے۔ کچھ سال بعد گیلانی پریس لاہور نے بھی 'خاک پروانہ' کی اشاعت کی۔ اس میں دو افسانے (تحریر اور ملاحظہ کی) جوڑ دیے گئے۔ آزادی کے بعد اس کی اشاعت امرتسر سے ہوئی جس میں گیلانی پریس سے اجازت کا ذکر ہے۔ 'خاک پروانہ' کا پہلا ایڈیشن جنیس مل گیا۔ 1928 میں لاہوت رائے اینڈ سنز لاہور نے چودہ افسانوں کے مجموعے 'خواب خیال' کو شائع کیا۔ اگلے سال انڈین پریس الز آباد نے 'فردوس خیال' کے عنوان سے بارہ افسانوں کا مجموعہ شائع کیا۔ اسی سال گیلانی پریس لاہور نے چالیس افسانوں کو 'پریم چالیسی' کی دو جلدوں میں شائع کیا مگر 1941 میں سید مبارک علی شاہ نے راقم الحروف کو بتلایا تھا کہ 'پریم چالیسی' کی فروخت تسلی بخش نہیں تھی اور انھوں نے شری پت رائے کو لکھا تھا کہ وہ لاگت ادا کر کے کتابیں اٹھوا لیں۔ 'پریم چالیسی' کے پہلے ایڈیشن کی کاپیاں آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ مگر دونوں حصوں کو فروغ اردو دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ تین پہلے ایڈیشن پر ہے مگر ان پر سن اشاعت نہیں دیا گیا ہے۔

1933 میں لاہور کے ایک ناشر کتاب منزل کشمیری بازار نے پریم چند کے گیارہ افسانوں کو "میرے بہترین افسانے" کے عنوان سے شائع کیا۔ اس پر سن اشاعت تو نہیں دیا گیا ہے۔ مگر اس کے ناشر صفحہ پر لکھا تھا "منشی پریم چند مصنف گوشہ عافیت، جلوہ ایثار، بازار حسن وغیرہ) انھیں گیارہ افسانوں کو ایک دوسرے ناشر راجپال اینڈ سنس لاہور نے بھی شائع کیا۔ ناشر صفحہ پر لکھا تھا منشی پریم چند مصنف 'میدان عمل'، 'مگنودان' وغیرہ) سن اشاعت کسی پر بھی نہیں دیا گیا۔ ظاہر ہے کتاب منزل کا ایڈیشن راج پال کے ایڈیشن کے بعد کا ہے۔ لاہور کے ہی ایک ناشر نرائن دت سہگل نے 1934 میں 'آخری تھنہ' کے عنوان سے تیرہ افسانوں کا ایک مجموعہ شائع کیا۔ پریم چند کے وفات سے ایک سال قبل دہلی کے حالی پبلی کیشنز ہاؤس کتاب گھر نے پندرہ افسانوں کا مجموعہ 'زاراۃ' شائع کیا۔ وفات سے قبل پریم چند نے دو مجموعوں کی اشاعت کی منظوری دی تھی جو ان کے وفات کے بعد نکلے۔ پہلا تھا 'دودھ کی قیمت' (مصمت بک ڈپو، دہلی) 'دوسرا واردات' (مکتبہ جامعہ)۔ 'واردات' کا دسواں ایڈیشن 1960 میں شائع ہوا۔ پریم چند کی وفات کے بعد ان کے لاہور کے ناشروں نے شائع شدہ مجموعوں سے افسانے لے کر مختلف ناموں سے کچھ مجموعے شائع کیے جیسے 'جنیل'، 'وفا کی دیوی' وغیرہ۔

مذکورہ بالا پانچ اہم مجموعوں کے ایڈیشن دستیاب ہیں مگر سن اشاعت کسی پر بھی نہیں ہے۔ شری پت رائے نے سولہ اپراپیہ کہانیوں کا مجموعہ سرسوتی پریس سے شائع کیا۔ یہ کہانیاں گویا کے اپراپیہ ساہتیہ میں بھی شامل ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی سولہ کہانیاں اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔ ہندی میں پریم چند کی حیات میں مان سرور کی دو جلدیں سرسوتی پریس نے شائع کی تھیں۔ بعد میں شری پت رائے نے چھ اور مجموعے اسی نام سے شائع کیے۔ منشی جی کے دوسرے فرزند امرت رائے نے پرانے رسائل سے لے کر دو جلدیں گپت دھن کے نام سے ہنس پرکاشن سے شائع کیں (1962)۔

جہاں اردو میں پریم چند کے افسانوی مجموعے پندرہ ہیں وہاں ہندی میں تیس سے زیادہ ہیں۔ اردو کے مجموعے 'سوز وطن'، 'پریم بھگینی'، 'پریم بیتی'، 'پریم چالیسی'، 'خاک پروانہ'، 'خواب و خیال'، 'فردوس خیال'، 'زادراہ'، 'دودھ کی قیمت' اور 'واردات' میں افسانوں کی تعداد 192 ہے۔ اس کے علاوہ کچھ افسانے دوسرے مجموعوں میں ہیں جیسے سجان بھگت، پنساری کا کنواں اور معرہ وغیرہ، مگر ہندی میں افسانوں کی تعداد تین سو ہو جاتی ہے۔ ان میں نالشائے کی کہانیاں، جنگل کی کہانیاں، کتے کی کہانیاں شامل نہیں ہیں۔ کچھ سوانحی مضمون ہیں جن میں ان کے بچپن کی یادیں، اسکول کے تجربات، شادی، پہلی تخلیق، جیون سار، بیوی کے نظر میں شوہر جیسے مضامین ہیں جنہیں افسانوں میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ان تین سو افسانوں میں وہ افسانے بھی شامل ہیں جو نواب رائے افسانہ کہن یا در۔ کے نام سے شائع ہوئے۔ آٹھ دس افسانے ایسے ہیں جو بنگلہ یا انگریزی کے ترجمے ہیں ان پر وہ عام طور پر در۔ لکھتے تھے۔ ویسے پریم چند نے اپنی ادبی زندگی کی ابتدا رویندر ناتھ ٹیگور کی کہانیوں کے ترجموں سے کی تھی۔ جب کوئی افسانہ ان کو اچھا لگتا تو اس کا ترجمہ کرتے۔ خوف رسوائی، اپنے فن کا استاد، دھوکے کی نئی بنگلہ زبان سے، روسی زبان سے، انگریزی زبان سے ترجمہ قیدی۔ دو افسانے برات اور تاگی کی جان شیورانی دیوی کے نام سے شائع ہوئے۔ ان کا اردو ترجمہ پریم چند نے واردات میں شائع کیا۔ کلیات میں یہ سب افسانے دیے گئے ہیں۔ داراشکوہ کا دربار اور بھرت کوہم نے سوانحی خاکہ کے طور پر متفرقات میں شامل کیا ہے۔ محققین پریم چند یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کچھ قصے ابھی بھی تلاش کے بعد مل سکتے ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات پریم چند افسانے لکھ کر بھول جاتے تھے۔ افسانہ رسائل کو بھیج دیا، شائع ہوا، کاپی آگئی اور معاوضہ مل گیا۔ دوست احباب

نے تعریف کی اور رسائل غائب ہو گئے۔ اگلے مجموعے کے لیے افسانے تلاش کیے جاتے، جو مل جاتے انھیں شائع کر دیتے باقی جو نہ ملتے انھیں بھول جاتے۔ جون 1910 میں ایک افسانہ شکار شائع ہوا تھا۔ اسے پریم بھگینی میں شائع نہیں کیا گیا اور نہ ہی پریم بھگینی میں۔ بیس سال بعد اسے لاہور کے رسالے چندن میں شائع کرایا اور اسے آخری تحفہ میں شامل کیا۔

قوی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے جب کلیات پریم چند شائع کرنے کے بارے میں یہ فیصلہ لیا کہ اس میں اردو کے علاوہ ہندی کی تمام تحریروں کو بھی شامل کیا جائے۔ قدیم رسائل کی ورق گردانی کرنا اور پریم چند کے خطوط کو مطالعہ ضروری تھا۔ کیونکہ ان خطوط میں بعض افسانوں کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ کوئی نصف صدی پہلے میں نے پریم چند کے اردو ہندی افسانوں کی فہرست تیار کی تھی یہ فہرست مکمل نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد بھی پریم چند کے افسانے تلاش کیے گئے۔ کچھ امرت رائے، کچھ شری پت رائے اور کچھ مکمل کشور گونیکا نے۔ امرت رائے نے 56 افسانے گیت دھن کی دو جلدوں میں، شری پت رائے نے 16 کہانیاں اور گونیکا نے 16 کہانیاں پریم چند کا اپراپیہ ساہتیہ میں شائع کیے۔ امرت رائے نے قلم کا سپاہی میں 224 کہانیوں کی فہرست دی ہے۔ ڈاکٹر جعفر رضا اور فیلیش زیدی نے فہرست بنائی ہیں۔ یہ فہرستیں مددگار تو ہے مگر ان میں کچھ خامیاں بھی رہ گئی ہیں۔ ممکن ہے کلیات میں بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں۔ اگلے ایڈیشن میں درست کیا جائے گا۔

پریم چند اپنے مضامین تو بہت سے رسائل میں شائع کراتے تھے، مثلاً اردوے معلیٰ علی گڑھ، آزاد (لاہور) مگر افسانے زیادہ تر زمانہ، آزاد، ادیب، کبکشاں، تہذیب نسواں، پھول، ہزار داستان، ذخیرہ، صبح امید، رہنمائے تعلیم، ہمایوں، عصمت، شاہ کار وغیرہ اور ہندی میں پرتاپ، سرسوتی، مادھوری، پرہما، چاند، وصال بھارت، سوادھینا، ہنس اور جاگرن میں شائع کراتے تھے۔ زمانہ کے علاوہ باقی رسائل کی عمر بہت کم ہے کبکشاں چار سال، صبح امید چھ سال، ان رسائل کی فائلیں آج آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ زمانہ کی فائلیں کچھ لائبریریوں میں ہیں مگر کچھ شمارے غائب ہیں۔ خدا بخش لائبریری، عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری اور ادارہ ادبیات حیدرآباد، رضا لائبریری رام پور سے کچھ افسانے (بچ ذات کی لڑکی، مہر پدر، حسن ظن، روئے حیات، دونوں طرف سے، موت اور زندگی) ملے۔ اردو میں تقریباً دو سو افسانوں کا مطالعہ کر کے یہ پتہ لگانا کہ کون سا افسانہ کس نام سے ہندی میں شائع ہوا یہ کام آسان نہیں

ہے۔ بعض اوقات پریم چند خود مجموعہ شائع کرتے وقت عنوان بدل دیتے تھے۔ دوا اور دارو کہ بدل کر کپتان اور شامت اعمال کو خاک پر دانہ کر دیا۔ موت اور زندگی کو امرت، حسن و شباب کو نکش، کچھ کرداروں کے نام بھی بدل دیتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک کہانی جج اکبر ہے اس کے کرداروں کے نام ہیں صابر حسین عباسی، شاکرہ وغیرہ جب اسی افسانے کو ہندی میں بیجا تو مہاتیرہ نام دیا اور کردار روڈنی، کیلاش سکھا وغیرہ تھے۔

پریم چند کے افسانوں کی مقبولیت دیکھ کر لوگ ان کا اردو سے ہندی میں ترجمہ کر لیتے تھے اور کبھی کبھی پریم چند کو معلوم بھی نہیں ہو پاتا تھا۔ دیانرائن گم کو لکھتے ہیں (اکتوبر 25) ”زمانہ کے لیے ایک مضمون لکھا تھا اس کا ہندی ترجمہ کلکتہ کے ایک رسالے میں نکلا تھا۔ میں نے مضمون صاف کیا مگر ہندی میں نکلنے کے تیسرے دن اس کا ترجمہ لاہور کے پرتاپ میں نظر آیا حالانکہ لاہوری ترجمہ بالکل بھدا ہے مگر قصہ تو وہی ہے۔“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں ”میرے قصوں سے آج کل بہت چور ہو رہے ہیں۔ ممکن ہے آپ کو زیادہ نظر آتے ہوں مجھے (فلاں) دیکھنے کا موقع ملا..... حضرت نے میری عبارت کے پورے پورے ہیڈ گراف نقل کر لیے ہیں۔ جنوری، فروری، مارچ تینوں تحریروں میں یہی حال ہے۔“ پریم چند کے مترجم بھی اگر متن میں تبدیلی کر دیتے تھے تو وہ بہت زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ان کے افسانوں کے متن کے بارے میں کوئی نظریہ اپنانا شاید ممکن نہ ہوگا۔

کچھ ناشر مجموعہ شائع کرنے کی پیکش کرتے اور اگر پریم چند رضامند ہو جاتے تو ناشر اپنی طرف سے افسانوں کی فہرست پیش کرتے اور جو متن دستیاب ہوتا وہی اشاعت کے لیے لے لیتے۔ ایک مثال پیش ہے۔ پریم چند کا ایک افسانہ غور زمانہ 1923 میں شائع ہوا۔ اس کا ہندی ترجمہ کھما ہے۔

(اردو متن) مسلمانوں کو اسپین پر حکومت کرتے کئی صدیاں گزر چکی تھیں، کلیساؤں کی جگہ مسجدیں بنتی جاتی تھیں، گھنٹوں کی خوش آئند مگر بے جان صداؤں کی موزن کی کرخت روحانی صداکس سنائی دیتی تھیں۔ غرناطہ اور الحمرا کی کج رفتاری پر ہنسنے والے محلات بن چکے تھے۔ جن کے کھنڈر اب تک تماشائیوں کو اپنی شان ماضی کی جھلک دکھاتے تھے۔

(ہندی متن) مسلمانوں کو اسپین دیش پر راجہ کرتے کئی شاہدیاں بیت چکی تھیں۔

کلیساؤں کی جگہ مسجدیں بنتی جاتی تھیں، گھنٹوں کی جگہ اذان کی آوازیں سنائی دیتی تھیں..... وغیرہ وغیرہ۔

اسی ہندی متن کو لے کر کئی مترجم نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ غلو کی اشاعت کے تین سال بعد گیلانی پریس نے زمانہ کے متن کو 'پریم چالیسی' میں شائع کیا۔ مگر 'فردوس خیال' میں ہندی کے کیے ہوئے ترجمے کو شامل کیا ہے اور عنوان دیا معانی۔ یعنی غلو کا پہلے ہندی ترجمہ ہوا۔ چھما اور چھما کو اردو میں معانی کر دیا گیا۔ اسی طرح کی مثال کئی دوسرے ترجموں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

کچھ افسانے ہیں جو پہلی بار اردو میں شائع ہوئے تھے مگر اس رسائل کے جس شمارے میں شائع ہوئے تھے وہ ہمیں نہیں ملے۔ ہمیں امید تھی کہ جن افسانوں کے اردو متن سے ہندی میں ترجمہ 'کپٹ دھن' یا 'پریم چند' کا اپراپیہ ساہتیہ' میں نہیں کیا گیا وہ شاید ہم امرت رائے اور کل کشور گونگا سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ کوشش کی گئی تھی مگر ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔ مستقبل میں کچھ افسانوں کا جیسے لاہور کے تہذیب نسواں میں شائع ہوا 'سانپ کی معشوقہ'، 'دو خجال' لکھنؤ کے صبح امید میں چھپے بعد از مرگ' لاہور کے نیرنگ خیال میں 'وطن کی قیمت' ہمدرد میں شائع 'داروئے تلخ' کی دو قسطیں کہکشاں میں شائع 'الٹک عداست' اور آزاد میں شائع 'دیر و حرم' ریاست میں شائع 'قربابت' وغیرہ کا اور بجنل اردو متن دستیاب ہو جائے تو اسے کلیات کی ضمیمہ کے طور پر اگلی جلد میں شائع کیا جائے گا۔

افسانوں کے مسودے

کچھ سال قبل پروفیسر آلوک رائے نے راقم الحروف سے دریافت کیا تھا کہ کیا ممکن ہے کہ پریم چند کے افسانوں کے اور بجنل متن کہیں دستیاب ہوں۔ میں نے انہیں بتایا کہ شائع ہونے کے بعد افسانے کے مسودے کو ردی میں پھینک دیا جاتا تھا اور کچھ رسائل کی عمر ہی بالکل کم تھی۔ صرف سروسوتی پریس اور زمانہ کے علاوہ کوئی کاغذوں کو سنبھال کر نہیں رکھتا تھا۔ گم کے وفات کے بعد یہ بات ختم ہو گئی۔ سروسوتی کے کچھ کاغذات شاید ناگری پرچاری سجا میں رکھے ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے صرف رام رتن پتک بھون میں چار افسانوں کے متن رکھے ہیں۔ ایک ہے پریم چند کا آخری افسانہ 'کشمیری سیب'۔ دوسرا ہے 'رہسیہ' جو شاید پریس

کاپی ہے۔ تیسرا ہے 'شترنج کے کھلاڑی'، 'چوگان ہستی' کے کچھ صفحات کے ساتھ اور چوتھا ہے 'ذابل کا قیدی'۔ اس کا خاکہ انگریزی میں ہے اور اس کا پہلا متن بھی۔ مگر یہ افسانہ 'مان سرور' اور 'زادراہ' میں شائع افسانوں سے مختلف ہے۔

رام رتن بھون پتک میں رکے افسانے کا خاکہ یوں ہے:

Sethji in ai village-bridge construction. He kills a young boy and set the bridge pillar erected. He is caught and sentenced for life. He returns after fourteen years and moves towards his home. He finds the same boy as his son. He is awestruck. His whole fortune has been ruined. His wife and child are living in obscurity and misery. Seth goes in quest of parents of the boy.... they are no where to be found. He comes his own house has been occupied by the..... He is building a bridge. His son is caught and killed in bridge construction. This turns him a wise man. He bows before the Lord with a true heart. He turns a new lease of life. All desires vanish. He is not more a heretic.

اس خاکہ کو پریم چند نے کاٹ دیا۔ پھر دوسرا خاکہ لکھا جو ذیل میں ہے:

Sethji returns in high spirits. A big construction has been given to him. He departs to his work the same day. The pillar refuse to rise. A sacrifice is necessary. A young boy is caught secretly and sacrificed. The Seth is caught and sentenced for. He returns to find his house in possession of others. After a long search he goes to the same bridge. It is being constructed. Wife recognises him and she now has a son. The Seth is awestruck. for it is the same boy whom he had sacrificed. What a change in the fortune. He now lives with his wife but is afraid of the son. One day he finds his own son sacrificed in the construction. His wife already dead. His only source of life dried.

جب کہانی لکھی گئی تو اس پر کوئی عنوان نہیں لکھا گیا۔ کہانی کا مسودہ دستیاب ہے۔

دیے بھی پریم چند اپنے قصوں میں کافی ترمیم و اضافے کرتے تھے۔ ان سب مشکلات کے باوجود اردو ہندی قصوں کو ملا کر تین سو افسانوں کو کلیات کی چھ جلدوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ناولوں اور افسانوں کے جن مسودوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے انھیں شیورانی دیوی نے رام رتن پتک بھون کو دیا تھا۔ یہ آخری مسودے نہیں تھے۔ کچھ کے ڈرافٹ یا ان کے کچھ صفحات

وہ ہیں جنہیں رد کر دیا تھا۔ اس بات کی تائید ایک ڈرامے کے کچھ صفحات سے ہوتی ہے جو رام رتن پتک بھون میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ڈراما

پریم چند کو سیاست میں کافی دلچسپی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں تھے۔ خواجہ حسن نظامی نے کرشن بیتی لکھی۔ پریم چند نے حضرت حسنؑ کی شہادت سے متاثر ہو کر کر بلا لکھا۔ یہ پہلے ہندی میں ’کر بل کتھا‘ کے عنوان سے شائع ہوا ماہوری نومبر 1923 کے شمارے میں پریم چند نے ’کر بلا‘ مضمون بھی لکھا۔ اس کے ہندو کرداروں کو لے کر بحث و مباحثہ کا سلسلہ چلا۔ پریم چند نے جنوری 1925 کے شمارے میں جواب دیا۔ پھر انھوں نے اس خط کے ایک جز کو خود ترجمہ کیا اور کچھ اور جز نیز حیدر قریشی سے کروایا۔ کوئی تاثر اس ڈرامہ کو شائع کرنے کو تیار نہیں ہوا تب اسے زمانہ کو بھیجا۔ مدیر دیانرائن نجم نے دوسروں سے مشورہ لیا۔ اس بارے میں کلیات جلد 15 اور 16 میں تفصیل دی جا چکی ہے۔ بعد میں یہ ڈرامہ زمانہ میں شائع ہوا۔ اس کے ایک ایکٹ میں یزید کی فوج فرات کے کنارے ہے۔ اس ندی سے دو میل دور امام حسینؑ کا لشکر ہے۔ سعید نے فرات ندی کے پانی کو روکنے کا حکم دیا تھا۔ اس واقعہ کو لے کر شاید ایک باب لکھا جانا تھا۔ مگر یہ باب نہیں لکھا گیا۔ یا اسے کاٹ دیا گیا۔ اس لیے چوتھے سین کا ایک حصہ غائب ہے۔ ایک باب نکال دیا گیا۔ اس ڈرامے کو بعد میں پریم چند نے گیلانی پریس کو اشاعت کے لیے دیا۔ گیلانی صاحب نے راقم الحروف کو 1941 میں بتلایا تھا کہ انھوں نے مسودے کے متن میں کچھ ترمیم کر کے پریم چند کو واپس بھیجا۔ تب پریم چند بستر مرگ پر تھے۔ ان کی وفات کے بعد اسے لاہور رائے اینڈ سنز نے شائع کیا۔ اس ڈرامے کے کچھ صفحات رام زائن پتک بھون میں رکھے ہیں۔ کچھ صفحات لکھ کر کاٹ دیے گئے ہیں۔ یہاں پہلے ایکٹ کے صفحہ 62 سے دوسرے ایکٹ کے 111 صفحے تک کا مسودہ موجود ہے۔ بہت سارے صفحوں کو لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے۔ جیسے چھٹے سین کو کاٹ دیا گیا ہے، پھر دوسرا ایکٹ شروع ہوتا ہے۔ شائع شدہ ایڈیشن کا چھٹا اور ساتواں باب بعد میں لکھا گیا۔

خطوط

میری کتاب پریم چند کے خطوط، امرت رائے اور میری کتاب چھٹی پتہ کی دو جلدیں اور کل کشور گوینکا کے اپراپیہ ساہتیہ میں شائع خطوط کو ملا کر کلیات کی جلد 17 میں پریم چند کے تقریباً سات سو خطوط شائع کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر گوینکا کی کتاب اپراپیہ ساہتیہ میں وہ خطوط بھی ہیں جنہیں دوسرے ادیبوں نے پریم چند کو لکھے تھے۔ جیسے بناری داس چرویدی، اور جن کے جواب پریم چند نے دیے تھے۔ حواشی کے لیے ان چاروں خطوط کو تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ ان خطوط کے لیے میں ڈاکٹر گوینکا کا مشکور ہوں۔

کلیات کی 17 ویں جلد میں پیش کیے گئے پریم چند کے خطوط کی کتنی اہمیت ہے اس کا جائزہ لینا آسان کام نہیں ہے۔ پریم چند کے چھوٹے بیٹے امرت رائے نے مجھے پچاس سال قبل لکھا تھا کہ (خطوط کو اکٹھا کرنے کے بارے میں) آپ نے جو کام کیا ہے میں اس کی تمنا لیے بیٹھا ہوں۔ پریم چند کے ہم عصر اور مشہور ادیب سدرشن نے بھی راقم الحروف کو لکھا کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ ثواب کا کام ہے۔ ابھی تک ہندی میں پتر ساہتیہ ہے ہی نہیں۔ آپ ہندی کے ادیبوں کو نئی راہ دکھلا رہے ہیں۔ نصف صدی گزرنے کے بعد میں آج دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان خطوط کے ذریعے سے مجھے پریم چند کی سوانح لکھنے کی تحریک ہوئی اور اپنے خطوط کی بنا پر میں پریم چند کی authentic لٹریچر بائیوگرافی اور پریم چند قلم کا مزدور لکھ سکا۔ میری کتابیں اور امرت رائے کی کتاب قلم کا سپاہی ہیں جن خطوط کے اقتباسات دیے گئے ہیں ان میں سے 90 فی صدی ان خطوط میں سے ہیں۔ امرت رائے نے قلم کے سپاہی کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اگر ان کی رسائی ان خطوط تک نہ ہوتی تو ان کی کتاب ادھوری ہوتی۔

پریم چند سوانح عربوں اور خطوط کو لے کر پریم چند پر جتنی کتابوں اور ریسرچ کام ہوئے ہیں اتنا کام دوسرے کسی ادیب پر نہیں ہوا۔ ان خطوط کے بارے میں کلیات جلد 17 میں مفصل بحث موجود ہے۔ اس کام کی شروعات ان خطوط سے ہوئی جو پریم چند نے دیانائن قلم کو لکھے تھے۔ ان خطوط کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے۔ جب قلم صاحب زمانہ کا پریم چند نمبر شائع کرنے لگے تو انھوں نے اپنے مضمون میں خطوط کے حوالے دیے۔ ساٹھ سال قبل یہ خط

مجھے مل گئے۔ باقی خطوط کے لیے مجھے گم کے پاس پھر جانا تھا مگر ان کا انتقال ہو گیا۔ میں نے ان کے لڑکے شری پت زائن سے ملاقات کی مگر انھیں خطوط کا علم نہیں تھا۔ میں نے امرت رائے کو صورت حال سے مطلع کیا اور وہ گم کے گھرے ہوئے مکان کے طبقے سے خطوط کے بڈل کو تلاش کر کے لائے۔ اسی طرح دلی میں جیندکار کی فائل سے میں نے پچاس خطوط کی نقل کی تھی۔ لاہور کے امتیاز علی تاج نے خطوط نقل کرنے کی اجازت دی۔ کچھ سال بعد محشم سہانی نے کچھ خطوط کو آج کل (ہندی) میں شائع کرایا۔ بعد میں نقوش میں بھی یہی خطوط شائع ہوئے۔

دیازائن گم، تاج اور جیندکار کو لکھے خطوط اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کے علاوہ پریم چند کے بھائی مہتاب کے نام خطوط بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مہتاب رائے کو لکھے پریم چند کے خطوط ادبی موضوع پر تو نہیں ہیں مگر انھوں نے پریم چند کے ساتھ سرسوتی پریس میں شرکت تھی۔ ان کے خط و کتابت سے پریم چند کی اقتصادی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔ میں مہتاب رائے سے تین بار ملا۔ ایک بار تو وہ مجھے اپنی سائیکل پر بٹھا کر لمبی بھی لے گئے۔ انھوں نے مجھے مطلع کیا کہ میری ملاقات سے قبل کچھ اور لوگ بھی ان سے پریم چند کے خطوط لے گئے تھے جن کے پتے ان کے پاس نہیں تھے۔ جو خطوط ان کے پاس بچ رہے تھے وہ انھیں دینے کو اس لیے تیار نہیں تھے کیونکہ ان خطوط میں بھی اس چوٹی سے گر گئے جس پر انھوں نے بٹھا رکھا تھا۔ ان خطوط کو وہ عوام کے سامنے نہیں رکھنا چاہیں گے۔ بہت منت سماجت کے بعد آٹھ دس خطوط انھوں نے مجھے دیے۔ کئی سال بعد انھوں نے دس بارہ خطوط کو امرت رائے کے حوالہ کیا۔ اب یہ دلی کے نہرو لائبریری میں ہے۔ انھیں بھی ہندی میں شامل نہیں کیا گیا۔ کلیات کی جلد 17 میں شامل ہیں۔

ان سب خطوط کے علاوہ بنارس داس چرویدی کو لکھے خط بھی شامل ہیں جن کے اور بنگل اب نیشنل آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔ کرم بھوی کے گجراتی مترجم شری جوشی نے انگریزی میں لکھا ایک بیش قیمت خط دیا جو شامل ہے۔ صفائی کیو رام سکر وال جن کا تعلق چاندنی چوک کے ہارڈنگ بم کیس سے تھا اور جو نوکیو میں جلاوطن رہ چکے تھے۔ انھوں نے پریم چند کی کچھ کہانیوں کا ترجمہ جاپانی اخباروں میں شائع کروایا تھا۔ کچھ پریم چند کے خط انھوں نے مجھے دکھائے جن کے ترجمہ کلیات میں شامل کیے گئے ہیں۔ کچھ اور خطوط بے فکر پر سادہ شیورانی

دیوی، نرالا، شیوپرجن سہائے کے ذریعے مختلف کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان سب خطوط کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ پریم چند کے خطوط کو اکٹھا کرنے کا کام ساٹھ سال سے برابر چل رہا ہے۔ اس سلسلے میں میری خط و کتابت شائع ہو چکی ہے۔^۱

اسی کے باوجود کے۔ ایم۔ فشی، دلارے لال بھارگو اور ست رام سے خطوط لینے میں ناکام رہا۔ کے۔ ایم۔ فشی لاہور آئے تھے، میں ان سے ملا کر ناکام رہا۔ دلارے لال بھارگو نے وعدہ تو کیا مگر نہ خطوط دیے اور نہ دکھائے۔ ان خطوط کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ پریم چند کی وفات کے بعد رنگ بھوی کے کاپی رائٹ کو لے کر مدافعتی کارروائی بھی ہوئی تھی اور دلارے لال بھارگو کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

ایک صاحب مست رام تھے۔ ان سے تعلقات کی بات شیورانی دیوی نے کی تھی۔ ان کے پاس دس بارہ خط تھے جنہیں اخبار کی کسی فائل میں رکھ چھوڑا گیا تھا۔ وہ جوگی ہو گئے تھے۔ میں تین بار لکھنؤ گیا مگر ملاقات نہیں ہو سکی۔ آج پتہ نہیں وہ اس دنیا میں ہیں بھی یا نہیں۔

رام رتن پریٹک بھون میں پریم چند کے صرف دو خطوط دکھائی دیے۔ ایک خط جینندر کار کے نام ہے۔ یہی ایک خط جو پریم چند نے جینندر کار کو انگریزی میں لکھا۔ اس کا ترجمہ کلیات میں شامل کیا جا چکا ہے۔ دوسرا خط بناری داس چرویدی کے نام ہے جس کے ساتھ ممکن ہے سرشی کا آرمسہ برنارڈ شا کی کتاب کے ایک حصہ کا ہندی میں ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ ”کروایا گیا ہے۔“ یہ ترجمہ کسی دوسرے شخص کا کیا ہوا لگتا ہے۔ شاید مترجم کی کاپی پریم چند کے ہاتھ کی ہے۔ پریم چند نے وشال بھارت کے ایڈیٹر کو لکھا۔ اُسے شائع کریں۔ اگر مترجم کا نام دینا ہو تو۔ ردے دیں مگر معاوضہ مناسب ہونا چاہیے۔

کلیات کی ایک جلد میں (18) آزاد کٹھا پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بتلانا ضروری ہے کہ قومی اردو کونسل نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہندی کی بھی سبھی تصانیف شامل ہوں اور اسے اردو رسم خط میں لکھا جائے تو آزاد کٹھا کو بھی شامل کرنا چاہیے پریم چند پر رتن ناتھ سرشار کے فسانہ آزاد کا بڑا اثر تھا۔

آلیور کرام ویل جو پریم چند کا اولین مضامین تھا اور دو سال بعد شائع ہوا اور سودیشی تحریک جو آوازہ خلق شائع ہوئے تھے۔ ان کا متن اردو میں دستیاب نہیں ہے۔ مگر امرت

۱۔ دیکھیں ڈاکٹر شام سنگھ ششی کی کتاب ”پریم چند کے دن کو پال“، دہلی پبلکیشنز آف آہاد۔

رائے نے دودھ پر سنگ کی پہلی جلد میں اس کا ترجمہ شائع کیا تھا۔ اسی متن کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

فرانس کے مشہور مصنف اناٹول فرانس کی تعریف تھامس کا ترجمہ پریم چند نے ہندی میں کیا تھا اس سلسلے میں ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ: پریم چند نے دسمبر 1921 میں ہام حورہ میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ”پیراہن مصر جاتی کے دھرم نحو“ بعد میں الہ آباد کے مرید میں پرانی عمارتوں کے عنوان سے شائع ہوا۔ تھامس کا ہندی ترجمہ انکار کے عنوان سے شائع ہوا۔ اسے کولکتہ کے بڑا بازار کمار سبھا کے سیکریٹری رادھا کرشن نے شائع کیا۔ اس کتاب پر تبصرہ سرسوتی ستمبر 1923 میں شائع ہوا۔

یادگار

ساتھ سال قبل جب میں نے پریم چند کی سوانح پر کام شروع کیا تھا تو مجھے احساس ہوا تھا کہ پریم چند کے متعلق رہائش، کتابیں اور روزمرہ کی دوسری اشیا کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ میں نے شری ہت رائے سے پیش کش بھی کی تھی۔ ان کی اپنی لائبریری کی کتابیں ان کا سامان بھی۔ ان کے مکان کے ایک کونے میں محفوظ کیا جائے تو اچھا ہوگا۔ مگر ناکام رہا۔ جس مکان میں پریم چند کی پیدائش ہوئی تھی وہ مکان میں نے دیکھا تھا اور اس کا فوٹو بھی لیا ہے۔ پریم چند کے صد سالہ کے موقع پر اس مکان کو مسمار کر کے وہاں پریم چند کی مورتی لگا دی گئی ہے۔ یہ کام ناگری پرچاری سبھا نے انجام دیا۔ اس مکان کے نزدیک ہی وہ مکان تھا جسے پریم چند نے تعمیر کرایا تھا لیکن وہ مکان بھی آج مسمار ہو چکا ہے۔

ناول اور افسانوں کے مسودے کے علاوہ کچھ ضروری دستاویز ہیں جو شیورانی دیوی نے رام پتنگ بھون کو دیے ہیں۔ اسی میں پریم چند کا میٹرک اور ایف اے (1916) بی اے کے شوقیت بھی رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ جب پریم چند کو ہم پور میں سب ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول بنایا گیا تو اس کا خط جو W.J. Bacon انسپکٹر آف اسکول الہ آباد ڈویژن نے لکھا تھا وہ بھی موجود ہے۔ اس پر تاریخ 16 جون 1909 ہے۔ اس خط کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ شیورانی دیوی نے ”پریم چند گھر میں“ میں لکھا ہے کہ ان کی دوسری شادی ہونے کے بعد ان کی ترقی ہوئی۔ اس ترقی کی تاریخ دتی ہے، جو ان کی سروس بک میں لکھی ہے۔ سروس بک

میں نے گودکچھڑ میں دیکھی تھی۔ رام رتن پنک بھون نے مجھے بتایا کہ ایک زمانے میں پریم چند کی جنم پتھی بھی وہاں موجود تھی جسے شیروانی دیوی نے انھیں دیا تھا لیکن یہ کسی نمائش میں گئی تھی اور واپس نہیں آئی۔ اس میں پریم چند کی تاریخ پیدائش 31 جولائی 1880 ہے (جبکہ سروں بک میں تاریخ 10 ماکت 1881 ہے)۔

اس کے علاوہ رام رتن پنک بھون میں پریم چند کی ٹوپی، کوٹ، شیروانی، بوسیدہ جوتے بھی رکھے ہیں۔¹

رام رتن پنک بھون میں چار صفحات سنوری آف مین کاٹڈ کے اردو ترجمہ کے بھی رکھے ہیں۔ یہ پریم چند کے ہاتھ سے لکھے تو نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں لاہور میں ایک بار سنا تھا کہ اس کتاب کا پنجاب یونیورسٹی کے لیے اردو ترجمہ کرنے کے لیے امتیاز علی تاج اور بکھاری کے صلاح سے پریم چند کو پیش کش کی جانی تھی۔ اس سلسلے میں آگے کیا ہوا اس کا علم ہمیں نہیں مل سکا۔ رام رتن میں یہ صفحات صرف معرہ بن گئے ہیں۔

متفرقات

پریم چند چھتیس سال صحافت سے جڑے رہے، قارئین کو ان کے کچھ ناولوں اور افسانوں کی نقل تو دستیاب ہے مگر ان کے مضامین کے بارے میں علم نہیں ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے کچھ مضامین ایک کتاب میں شائع کر لیا۔ کئی سال بعد امرت رائے نے زمانہ اور دوسرے رسائل سے اردو کے 28 اور مضامین دودھ پرسنگ کے پہلے حصے میں شائع کیے۔ دودھ پرسنگ کے دوسرے اور تیسرے حصے میں انھوں نے پریم چند کے ہندی تبصرے، ایڈیٹوریل، دیباچے، مضامین وغیرہ شائع کیے ہیں۔

دودھ پرسنگ کی پہلی جلد میں اردو مضامین ہندی میں پیش کیے گئے تھے ان کے اردو متن کی تلاش کی گئی۔ مختلف لائبریریوں سے مضامین اکٹھے کیے گئے۔ دو مضامین آلیور کرام ویل اور سودیشی تحریک (جو آوارہ غلطی میں شائع کیے گئے تھے) کا اردو متن حاصل نہیں ہوا۔ انھیں ہندی سے لیا گیا ہے۔ دودھ پرسنگ (حصہ اول) کے 28 مضامین کے علاوہ 42

1۔ رام رتن پنک بھون کے مُراری لال کھیرا نے راقم الحروف کو بتلایا تھا کہ ایک روی لویب لینن گرلا یونیورسٹی کے ڈکٹر ہاں اس اشیا کا فوٹو ہی نہیں ان کی لہائی چوڑائی وغیرہ بھی ناپ کر لکھ کر لے گئے تھے۔

مضامین اور تلاش کر کے متفرقات کی بیسویں اور اکیسویں جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ ان میں کچھ مضامین وہ ہیں جنہیں امرت رائے اور گوڑکا حاصل نہیں کر سکے اور جن کی فہرست انہوں نے اپنی تصانیف میں دی ہے۔ رسالہ ادیب، الذی آباد سے بھی کچھ مضامین لیے گئے ہیں۔ کچھ مضامین خدا بخش لاہوری نے مہیا کیے۔ بالکالوں کے درشن میں پریم چند کے سوانحی خاکے شامل تھے۔ اس کا نسخہ ہمیں مایک ٹالا نے دیا۔ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں (1928) کچھ خاکے نہیں تھے اور دوسرے ایڈیشن (1932) میں پریم چند مسلم مشاہیروں کے پانچ خاکے اور شامل کیے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن دستیاب نہیں ہوا۔ ناشر کے پاس بھی نہیں۔ ایک خاکہ مایک ٹالا صاحب نے دیا اور دو خدا بخش لاہوری پٹنہ نے مہیا کیے۔ میں ان کا ممنون ہوں۔ 'عمورت' کی فطرت اور 'بہارستان' کے دیباچے مجھے گوڑکا کی کتاب سے ملے۔ ان سب مضامین کو تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہے۔ کچھ مضامین کی تلاش ناکام رہی، امید کرتا ہوں کہ اہل علم تلاش کر لیں گے تو انہیں مستقبل میں شائع کیا جائے گا۔ آخر میں عرض کرنا چاہوں گا کہ مشکلات کے باوجود کلیات پریم چند کی 24 جلدیں شائع ہو گئی ہیں۔ میری کوشش تھی کہ پریم چند کا مستند متن شائع کیا جائے۔ کچھ چیزیں نہیں مل سکیں۔ مثال کے طور پر اسرار معابد کو امرت رائے نے ہندی میں شائع کیا تھا۔ میں نے سوچا یہ مسودہ اور ان کہانیوں کا جن کا ترجمہ گپت دھن میں پیش کیا تھا۔ ان کا اردو متن کا ترجمہ امرت رائے کے گھر پر موجود ہونا چاہیے۔ راجیل صدیقی کو اس تلاش پر لگایا مگر ناکامی ہوئی۔ ممکن ہے مستقبل میں کچھ افسانے، مضامین اگر ملتے ہیں تو اگلے ایڈیشن میں اس کا مستند متن پیش کیا جائے۔

کتابیات

تصانیف پریم چند (اردو)

ناول

1903	اکتوبر	آوازہ فلق، بنارس	اسرار معابد
1907		غشی نول کشور، لکھنؤ	ہم خرماد، ہم ثواب
1912		انڈین پریس، الہ آباد	جلوہ ایثار
1918		دارالاشاعت، لاہور	بازار حسن
1928		دارالاشاعت، لاہور	گوشہ عافیت
1927		لاہیت رائے اینڈ سنز، لاہور	چوگان ہستی
1923		لاہیت رائے اینڈ سنز، لاہور	پردہ مجاز
1929		گیلانی پریس، لاہور	نرملہ
1932		مکتبہ جامعہ لپیٹڈ، نئی دہلی	بیوہ
1932		لاہیت رائے اینڈ سنز، لاہور	غبن
1934		مکتبہ جامعہ، نئی دہلی	میدان عمل
1939		مکتبہ جامعہ، نئی دہلی	مگنودان

افسانوی مجموعے

1908	زمانہ پریس، کانپور	سوز وطن
1915	زمانہ پریس، کانپور	پریم پچھلی (حصہ اول)
1918	زمانہ پریس، کانپور	پریم پچھلی (حصہ دوم)
1920	زمانہ پریس، کانپور	پریم بیتی (حصہ اول)

1920	دارالاشاعت، لاہور	پریم جیسی (حصہ دوم)
1930	گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور	پریم چالیسی
1928	نگار پریس، لکھنؤ	خاک پروانہ
1928	لاچپت رائے اینڈ سنز، لاہور	خواب و خیال
1929	انڈین پریس، الہ آباد	فردوس خیال
1936	حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی	زادراہ
1937	عصمت بک ڈپو، دہلی	دودھ کی قیمت
1937	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی	واردات
1934	نرائن دت سہگل، لاہور	آخری تحفہ
1934	کتاب پریس، لاہور	میرے بہترین افسانے
1935	مکتبہ چند، لاہور	نجات
1939	دارالاشاعت، لاہور	دیہات کے افسانے
1929	رام نرائن لال، الہ آباد	باکمالوں کے درشن
		ڈرامے
1932	لاچپت رائے اینڈ سنز، لاہور	کر بلا
1933	عصمت بک ڈپو	روحانی شادی
1929	لاچپت رائے اینڈ سنز، لاہور	رام چچا
1930	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	انصاف (گالسوروی کے ڈرامہ کو ترجمہ)
		خطوط
1968	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی	پریم چند کے خطوط (مدن گوپال)
		مضامین
1960	قمر رئیس، علی گڑھ	مضامین پریم چند

فہرست مضامین

حصہ اول: پریم چند کے سوانحی خاکے

پریم چند کے خود نوشت حالات	
فشی پریم چند کی کہانی، ان کی زبانی	
پریم چند اور سسر پریم چند	شریجی شیورانی دیوی
فشی پریم چند کی یاد	فشی پیارے لال شاکر میرشی
فشی پریم چند، ایک ہم سبق کی نگاہ میں	ہابو لال بی اے ایل بی
فشی پریم چند مرحوم، ایک شاگرد کی نگاہ میں	فشی منظور الحق کلیم
فشی پریم چند مرحوم، ایک رفیق کار کی نگاہ میں	مرزا عسکری بی اے
آء! فشی پریم چند	مرزا فدا علی مختار لکھنؤی
پریم چند کے چند اوصاف	مولوی محمد یحییٰ حجابی اے، ایل ایل بی
پریم چند ایک انسان اور مصنف کی حیثیت سے	پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری ایم اے
فشی پریم چند مرحوم	فشی جکیہور ناتھ دراجیاب بریلوی، بی اے
	ایل ایل بی
پریم چند کی قومی خدمت	مولوی ابو عمر زکریا بھاگلپوری ایڈیٹر مومن گزٹ
پریم چند کی ادبی خدمات	حضرت جگر بریلوی بی اے
پریم چند اور ہندوستانی زبان	پرنسپل رام پرشاد کھوسلا ایم اے
فشی پریم چند مصور جذبات	شیو کمار دیوی دختر حضرت جگر بریلوی
فشی پریم چند کی مصوری	مسٹر سلم جعفر
پریم چند کی یاد	پنڈت بناری داس چتریدی ایڈیٹر وصال بھارت
فشی پریم چند اور فلم کہنیاں	مسٹر ضیاء الدین احمد مدنی بی اے
فشی پریم چند کے مترضین	فشی راج بہادر لکھوڑہ ایم اے، ایل ایل بی
پریم چند کی باتیں	ایڈیٹر زمانہ
سسر پریم چند	ایڈیٹر زمانہ

پریم چند کی بعض تصانیف کے حالات
ایڈیٹر زمانہ
پریم چند کے خیالات
ایڈیٹر زمانہ
زمانہ اور پریم چند
ایڈیٹر زمانہ

حصہ دوم: پریم چند کی افسانہ نگاری

پریم چند کی افسانہ نگاری
خود نوشت حالات فشی پریم چند
پریم چند افسانہ نگار کی حیثیت سے
مولانا عبدالمجید دریا آبادی، اے۔ ایڈیٹر صدق
پریم چند کے آرٹ پر ایک سرسری نظر
مسٹر ایچ ایل گاندھی بی۔ اے۔
پریم چند اور دیہات
مسٹر اوچندر ناتھ اشک بی۔ اے۔ ایل۔ بی۔
مل مزدور فلم کیسے بنی
شری جی لٹ کمار
پریم چند کی زندگی اور تصانیف پر ایک نظر
سید علی جواد زید پوری
پریم چند کے ناول
مسٹر طالب الد آباد ایم۔ اے۔
پریم چند کا اپدیش
سید مقبول حسین بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ احمد پوری
میدان عمل (تحقید)
مسٹر مالک رام ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
گنودان (تحقید)
مسٹر مالک رام ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

حصہ سوم: اردو شاعروں کا خراج تحسین

افسانہ گوے بزم ادب
حضرت راز چاند پوری
یاد کمال
حضرت محشر لکھنوی
اردو ہندی کے عظیم پر
حضرت سیما اکبر آباد
پریم چند کی یاد میں
حضرت سرودش
پریم چند اور ان کا رتبہ
حضرت فرحت کاپوری بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
آہ! فشی پریم چند
فشی جگتا تھ پرشاد آزاد بی۔ اے۔
بساط ماتم
عبد السلام اختر ہوشیار پوری
نوحہ وفات پریم چند
فشی گدیش سہائے سکینہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
آہ فشی پریم چند
مہاشہ جنینی سرشار خیر پوری
خراج عقیدت
رائے زادہ کلیفور دیال صوفی، ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

حضرت احسان بن دانش کاندھلوی
فشی اقبال ورماسر ہنگامی
پروفیسر حامد حسن قادری ایم اے۔

بادشاہ اور ادیب
قطعہ تاریخ وفات پریم چند
تواریخ انتقال ناگہانی
فشی پریم چند کی تصانیف

فہرست اقتباسات

اقتباس خط حضرت افسر میرٹھی
ڈاکٹر سچد انند سنہا وائس چانسلر پنڈہ یونیورسٹی
سر سجت سرت پنڈہ چنوپادھیائے آند راؤ جوشی
رائے بہادر شیم سندراس کی رائیں
پنڈت بناری داس چتر ویدی ایڈیٹر وشال بھارت
(خود ان کی نگاہ میں)
مولانا عبدالحق بی اے، ایڈیٹر ”اردو“
از فلسطان۔ (ااہور)

پریم چند اور علامہ یوسف علی
فرشتہ خصلت پریم چند
پریم چند کی خصوصیت
پریم چند بہ حیثیت مصنف
پریم چند کی تمنائیں
پریم چند کے بہترین افسانے
پریم چند کا آرٹ
پریم چند کا فلمی چہرہ
اقوال و اقتباسات پریم چند

ہندی تصانیف

ناول

1907	انڈین پریس، الہ آباد	پریم
1920	گرنٹھ بھنڈار، ممبئی	وردان
1918	ہندی پبلیک ایجنسی، کلکتہ	سیواسدن
1922	ہندی پبلیک ایجنسی، کلکتہ	پریم آشرم
1925	گنگا پبلیک مالا، لکھنؤ	رنگ بھوی
1926	سرسوتی پریس، بنارس	کایا کلب
1927	چاند پریس، الہ آباد	نرلا

1929	سرسوتی پریس، بنارس	پرتگیا
1931	سرسوتی پریس، بنارس	شمن
1933	سرسوتی پریس، بنارس	کرم بھوی
1936	سرسوتی پریس، بنارس	گودان
1948	ہنس پرکاشن، الہ آباد	منگل سوتر

افسانے، ڈرامے اور مضامین کے مجموعے

1917	ہندی پستک ایجنسی، گورکھپور	سپت سروج
1918	ہندی گرنتھ رتناکر، ممبئی	نوندی
1918	ہندی پستک ایجنسی، گورکھپور	پریم پورینا
1921	ہندی پستک ایجنسی، گورکھپور	بڑے گھر کی بیٹی
1923	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	پریم پچیس
1923	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	مالٹائے کی کہانیاں
1924	گنگا پستک مالا، لکھنؤ	پریم پرسون
1926	گنگا پستک مالا، لکھنؤ	پریم دواوشی
1926	بھارگو پستک مالا، بنارس	پریم پرتگیا
1926	چاند پریس، الہ آباد	پریم پرسود
1927	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	شانتی
1928	نول کشور پریس، لکھنؤ	اگنی سادھی
1929	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	پریم پتھی
1929	سرسوتی پریس، بنارس	پریم تیرتھ
1929	سرسوتی پریس، بنارس	پانچ بھول
1930	گنگا پستک مالا، لکھنؤ	پریم پنچمی
1930	سرسوتی پریس، بنارس	سپت سن
1930	بیٹارام سکسیریا، کلکتہ	سمریاترا

1932	موتی لال، ہرین روڈ، کلکتہ	مک مجھ
1932	سروتی پریس، بنارس	پرینا
1933	دوشاہیہ مگزٹھ مالا، لاہور	سروریشٹھ کہانیاں
1934	ہندی پبلیک ایجنسی، کلکتہ	شیخ پڑسون
1935	گوپال پبلیشنگ بائک پور، پٹنہ	لوجیون
1936	سروتی پریس، بنارس	کفن
1936	سروتی پریس، بنارس	مانسور، جلد اول
1936	سروتی پریس، بنارس	مانسور، جلد دوم
1938	سروتی پریس، بنارس	مانسور، جلد سوم
1939	سروتی پریس، بنارس	مانسور، جلد چہارم
1946	سروتی پریس، بنارس	مانسور، جلد پنجم
1946	سروتی پریس، بنارس	مانسور، جلد ششم
1946	سروتی پریس، بنارس	مانسور، جلد ہفتم
1947	سروتی پریس، بنارس	مانسور، جلد ہشتم
	ہنس پراکاشن، الہ آباد	مانسور، آٹھ جلدیں
1962	ہنس پراکاشن، الہ آباد	گپت دھن، دو جلدیں
1962	سروتی پریس، بنارس	اپراپیہ سولہ کہانیاں
1924	گنگا پبلیک مالا، لکھنؤ	کرٹیل کتھا
1933	ہندی پبلیک ایجنسی، کلکتہ	سنگرام
1933	سروتی پریس، بنارس	پریم کی دیدی
1925	سروتی پریس، بنارس	آزاد کتھا
1940	سروتی پریس، بنارس	قلم تیاگ اور تلوار
1936	سروتی پریس، بنارس	سنے کی کہانی
1938	سروتی پریس، بنارس	جنگل کی کہانیاں
1918	پبلیک ایجنسی، گورکھپور	شیخ سہری

1926	سرسوتی پریس، بنارس	سکھ داس
1938	سرسوتی پریس، بنارس	درگاداس
1929-30	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	گارسوری کے ڈرامے
	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	چاندی کی ڈیبا
	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	ہڑتال
	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	نیائے
1923	کلکتہ پبلیک بھنڈار، کلکتہ	اہنکار (اناتول فرانس کا ناول)
1931	الہ آباد لاجز پریس، الہ آباد	پتا کے پتر پتری کے نام
1938	ہنس پرکاشن، الہ آباد	سرشی کا آرمسہ
1954	ہنس پرکاشن، الہ آباد	ساتھیہ کا اُدیشہ
	سرسوتی پریس، بنارس	کچھ دھار
1962	مدن گوپال، امرت رائے	چمشی پتری (حصہ اول)
1962	امرت رائے، مدن گوپال	چمشی پتری (حصہ دوم)
	ہنس پرکاشن، الہ آباد	دودھ پر سنگ
1945	سرسوتی پریس، بنارس	شیورانی دیوی 'پریم چند گھر میں'
1988	کمل کشور گونکا، دلی	پریم چند کا اپراپیہ ساتھیہ (دو جلدیں)
1981	کمل کشور گونکا، دلی	پریم چند و شوکوش (دو جلدیں)

ہنس پریم چند اسمرتی ایک مئی 1937 سمپادک بابو راؤ وشنو پراڈکر

- 1- میں لکھی۔ شری مٹی شیورانی دیوی۔
- 2- پریم چند۔ میں نے کیا جانا اور کیا پایا۔
- 3- گمن گراہکتا۔ شری اودھ اُپادھیائے۔
- 4- پریم چند جی کی کلا اور ان کا منہ۔ شری ایلا چند جوشی۔
- 5- پریم چند کی یاد۔ شری رام نریش ترپاشی۔

- 6- مہمان سلویدہ کار کی اسمرتی میں۔ شری چندر گپت وودیا لکار۔
- 7- وید کا ونیہ۔ شری پرکاش ایس۔ اے۔ اے۔
- 8- کوی کا آنترن شری متی تلپنی
- 9- شرودھا نگی۔ سیٹھ جٹا لال جی بواج
- 10- پریم چند کی دین۔ شری ہری بھاء اُپادھیائے
- 11- شری پریم چند کی انترہ ورشی۔ شری ادئے شکر بھٹی۔
- 12- پریم چند جی۔ شری اے۔ چندر حسن ایم۔ اے۔
- 13- ہندی ساہتیہ میں پریم چند کا استھان۔ شری دھیریندر ورما۔
- 14- پریم چند اور دیہات۔ شری اُپنیدر ناتھ اشک۔
- 15- پریم چند: ہندی کی سروسر شٹھ رچنائکم پریمھا۔ شری رام ناتھ سُمن۔
- 16- پریم چند زندہ باد۔ شری رام در بچھ بنی پوری۔
- 17- میرا بھی کچھ کھویا۔ ڈاکٹر دھنی رام پریم۔
- 18- سورگیہ پریم چند جی۔ شری بھگوان داس ہالنا۔
- 19- سورگیہ آتما کی اسمرتی میں۔ شری نیواسا چاریہ۔
- 20- دکن بھارت میں پریم چند۔ برجن چند شرما۔ ہندی پرچارک مدراس۔
- 21- پریم چند جیسا میں نے پایا۔ شری جتا دھن رائے۔
- 22- کیول تین خط۔ بھدنت آنند کوشلیان۔
- 23- پریم چند۔ شری بھجہ چارج جین۔
- 24- شری پریم چند جی کی یاد میں۔ (مہیش پرساد مولوی عالم فاضل)
- 25- پریم چند (گوری شکر مشر وچندر)
- 26- ششی پریم چند مرحوم (محمد عاقل جامعہ ملیہ)
- 27- ششی پریم چند میری نگاہ میں۔ (اشفاق حسین)
- 28- پریم چند جی کی کچھ اسمرتیاں (احمد علی۔۔۔)
- 29- پریم چند جی۔ مخیہ اور لیکھک کے روپ میں (پروفیسر سندھیہ ایم۔ اے)
- 30- پریم چند بھارتیہ کرشکوں کا کلٹھ سور (پیرنجن سین)

- 31- شن اسریتاں (سدرشن)
 32- نوین بھاؤ دھارا کے پرورتک (درگا پرساد پاٹھیہ۔۔۔)
 33- پریم اسریتی (بندے علی فاطمی)
 34- سنسرن (منورٹل سندھی)
 35- پرنام (پریہ دیودی)
 36- پریم چند جی کی سرودتم کہانیاں (آمند راؤ جوتی)
 37- پریم چند جی کا کلا کے پرتی درشتی کوئز (دیوی فکٹر واجپنی)
 38- پریم چند جی کو ہم نے دیکھا۔ (وجیتا تھ کیڈیا)
 39- پریم چند جی (سدگورو شرن اوتھی ایم۔ اے)
 40- پریم چند کی کہانی کلا (پرکاش چند گپت)
 41- پریم چند کا رچنا رسیہ (جگن ناتھ پرساد شرما ایم۔ اے)
 42- سنوتوش جیون کا سب سے بڑا دھن (کیشری کشور شرن)
 43- مانو ہر دے کے کوی (دریشور سنگھ)
 44- کرشک جودھو پریم چند (گرون)
 45- ہندی ساہتیہ کے ابھی مان پریم چند (نسویا پرساد پاٹھک)
 46- شری پریم چند جی (شریستی اوشا دیوی مترا)
 47- پریم چند جی کی کرتی شری پراذکر
 سپاؤکیہ نویدن

1937	ہنس (پریم چند سرتی ایک)
1972	اوشارانی پریم چند اور ان کے اپنیاس دلی ٹانوی ماخذ
	احتشام احمد ندوی، گوندان کا تنقیدی مطالعہ فیصل الحسنین
1962	امرت رائے، قلم کا سپاہی الہ آباد
1959	پریم چند سرتی الہ آباد

1962	الہ آباد	چٹھی پتری
1946	دلی	اندو تاتھ مدان پریم چند ایک دوپہن
1971	الہ آباد	گودان اور مولیا نکلن
1949		پریم چند ہندی کلا کار
		پریم چند جنتن اور کلا
1967	الہ آباد	پریم چند پر مہا
1994	بھوپال	آفاق احمد، پریم چند سنا سی
1973	دلی	بھرت سنگھ پریم چند کے ناری پاتر
1942		پریم نارائن ٹنڈن پریم چند : ان کی کلا اور ان کی کرتیہ کلا
1941	آگرہ	پریم چند اور گرام سسما
1972		پدم سنگھ مکیش پریم چند اور ان کی ساتھیہ سادھنا دلی
		پر ملا گپتا پریم چند اور ان کے نالوں کی تکنیک
1952	کانپور	ترلوکی نرائن دیکشت، پریم چند
1941		رام بلاس شرما، پریم چند آلوچنا تمک پر پیچے بنارس
		بھاشا اور سماج،
1952	دلی	پریم چند اور ان کا یگ
	لکھنؤ	روی شکر شکل راشٹر بھاشا کی سسما
1961	پٹنہ	رام دین گپت، پریم چند اور گاندھی واد
1998	الہ آباد	رام رتن بھٹناگر، پریم چند
1951	الہ آباد	کلا کار پریم چند
1973	دلی	راج پال شرما، گودان پتر مولیا نکلن
1961	بھوپال	راجیشور گورو، پریم چند ایک ازمین
1970	دلی	رکشا پوری، پریم چند ساتھیہ میں ویکتی اور سماج
1967	دلی	رام کرشن مشر گودان
1970	دلی	سکھا

- 1969 جعفر رضا، پریم چند کہانی کا رہنما الہ آباد
- 1983 اردو ہندی کتھا کار الہ آباد
- 1935 جتارون پرساد جھاووج، پریم چند کی انپاس کلا۔ مچھرا
- 1955 جتیندر ناتھ پانٹک، کتھا کار پریم چند بنارس
- 1967 جتیندر کار، پریم چند ایک کرتی ویکتو دلی
- 1937 حسام الدین غوری، پریم سوگ حیدرآباد
- 1965 سریش چند، انپاس کا پریم چند دلی
- حسینہ، پریم چند اور ان کی کہانی کلا آگرہ
- 1972 سمدر، پریم چند ساتھیہ میں گرامیہ جیون دلی
- حسینہ، پریم چند اور ان کی کہانی کلا آگرہ
- 1967 سریندر ناتھ تواری، پریم چند اور شرود چند کے انپاس دلی
- 1972 سروج پرساد، پریم چند کے انپاس الہ آباد
- سریندر آنند، پریم چند کہانی کار
- 1975 شمیم عہت، پریم چند کے نالوں میں نسوانی کردار، لکھنؤ
- 1948 شری پتی شرما، کہانی کار پریم چند کاشی
- 1972 شری نواسا چاریہ، پریم چند اور ان کے انپاس لکھنؤ
- 1945 شورانی دیوی، پریم چند گھر میں بنارس
- 1972 شیلہ گپتا، پریم چند اور ان کا ساتھیہ الہ آباد
- 1978 شیلیش زیدی، پریم چند کی انپاس یا ترا علی گڑھ
- 1973 کل کشور گولکا، پریم چند کے انپاس کا ہلپ ودھان دلی
- 1988 گولکا، پریم چند کا اپنا پیہ ساتھیہ دلی
- 1981 گولکا، پریم چند دشوگوش دلی
- 1970 کل کوشاری وجے دان دسمند، پریم چند کے پاتر دلی
- 1970 کرشن چندر پاٹھ، پریم چند کے ہون داس کے ودھاپ تھو اکثر پرکاشن دلی
- 1958 کوپال رائے، گودان ادھین کی سسائیں پٹنہ

1968	دلی	گنگا پر ساد دلی، پریم چند
1965	دلی	گیتا لال، پریم چند کے ناری پاتر
1960	دلی	قمر رئیس، مضامین پریم چند
		لکشمی نرائن لال، ہندی کہانی کے ہلپ ودھان کا دکاس
1946		محمد اکبر الدین صدیقی، پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری حیدر آباد
1966	مکتبہ جامعہ نئی دہلی	مدن گوپال، قلم کا مزدور
1968	مکتبہ جامعہ نئی دہلی	پریم چند کے خطوط
1962	ہنس پرکاشن	چٹھی پتری (دو جلد)
2003	دلی	پریم چند کی آپ بیتی
1985	دہلی	ماک ملال، پریم چند اور تصانیف پریم چند نئی دہلی
1988	دہلی	ماک ملال، پریم چند کچھ نئے نکات
1993	دہلی	ماک ملال، پریم چند حیات نو
2003	دہلی	زمانہ کا پریم چند یادگار نمبر
1951	الہ آباد	کتھا کار پریم چند
1961		من متھ ناتھ گپت، پریم چند ویسٹو ساتھیہ کار الہ آباد
	بنارس	مہندر بھٹناگر، ایتھاس کار پریم چند
1966	دہلی	نریندر کوہلی، پریم چند کے ساتھیہ سدھانت نئی دہلی
1952	الہ آباد	نند دلا رے باجپائی، ساہتک وجن
1968	پٹنہ	ٹلن ولوجن شرما، ہندی ایتھاس
1961	الہ آباد	دشنہر ناتھ، پریم چند
1962		ہنس راج رہبر، پریم چند جیون کلا اور کروتو
1952	کانپور	ہر سر دپ ماتھور، ایتھاس اور ہلپ
1958	بنارس	ہمانشو شرما، پریم چند پڑوں میں
		یکہ دت شرما، ہندی کے ایتھاس کار
		کانپور کے ماہوار رسالہ زمانہ کا پریم چند یادگار نمبر اور بنارس کے ہندی رسالہ ہنس کا

پریم چند سرتی ایک میں کئی ہم عصر ادیبوں اور دانشوروں نے اپنے Impressions شائع کیے تھے۔ ان کی اہمیت کے مد نظر ادب رائے نے اپنی کتاب پریم چند سرتی گروٹو نے پریم چند اور گورو کی اور ڈاکٹر کل کشور گونکا نے پریم چند کے سن سمرن میں ان کے کئی مضامین کو شامل کیا ہے۔

اردو رسائل جن سے مدد لی گئی

ادیب الہ آباد	آئینہ الہ آباد
النائر لکھنؤ	آزاد، لاہور
آزاد کانپور	اردو ادب معلیٰ علی گڑھ
بندے ماترم، لاہور	پیغام حق
پھول، لاہور	حمدن، لاہور
تہذیب نسواں لاہور	چاند، لاہور
رہنمائے تعلیم لاہور	جامعہ نئی دلی
ریاست نئی دلی	شباب اردو
شاہکار لاہور	صبح امید لکھنؤ
عصمت نئی دلی	فروغ اردو
فکر نظر	فلستان
فنکار	کلیم، نئی دلی
کھکشاں، لاہور	مخزن، لاہور
محارف، لاہور	نوبہار، لاہور
نقوش، لاہور	نقاد
نگارستان	نیرنگ خیال، لاہور
وکیل نوبہار	وطن
ہزار داستان، لاہور	بہادر، دلی
ہمد	ہمایوں، لاہور
بندے ماترم، لاہور	نکبت، الہ آباد
فروغ اردو، لکھنؤ	چندرن، لاہور

بہارستان، لاہور
اردو، اورنگ آباد

انجمن، لکھنؤ

ہندی رسائل

آج، بنارس	بھارت، الہ آباد
بھارت متر، کلکتہ	پرہیا، کانپور
پرہیا، کانپور	شری شاردا
سواہینا	سالوچک
سداھا	سودیش، گورکھپور
سرسوتی، الہ آباد	ماہوری، لکھنؤ
دینا، پٹنہ	دشواتر، کلکتہ
جاگرن، بنارس	مریادا، کاشی
دشال بھارت، کلکتہ	نس، بنارس

ثانوی مآخذ (ہندی)

- اردو- ساہتیہ کا آلوچنا تک ایتھاس: پروفیسر احتشام حسین، الہ آباد، 1966
اردو- ساہتیہ کا ایتھاس: برج رتن داس: کاشی، س. 2007 دی.
کھنکھ کے تھو: ڈاکٹر دیوراج آپادھیائے، پٹنہ، 1957
کھڑی بولی کا آندولن: شتی کلٹھ مشر، کاشی س. 2013 دی.
کھڑی بولی کا لوک ساہتیہ: برج رتن داس، بنارس. 1968 دی.
گانگہی واد اور مارکس واد: شری کرشن دت پالی دال، پٹنہ، 1958
گرامین ہندی: ڈاکٹر دھیرندر ورما، الہ آباد، 1955
دکھی ہندی: ڈاکٹر ہارام سکسینا، الہ آباد، 1952
نئی ہندی- ساہتیہ- ایک بھومیکا: پروفیسر پرکاش چند گپت، بنارس، 1946
پریم چند: پورہ ہندی اپنیاس: ڈاکٹر کیلاش پرکاش، دہلی، پ.س. 1962
پریم چند اسمرتی: امرت رائے، الہ آباد، 1956
بھاشا اور سماج: ڈاکٹر رام والاں شرما، نئی دہلی، 1961 دی.

راشٹریہ بھاشا کی سسٹیا: چنٹ روی شکر فکسل، لکھنؤ، س. 2002 وی.
 راشٹریہ بھاشا پر وچار: چنٹ چندر ملی پاٹھے، کاشی، س. 2002 وی.
 راشٹر بھاشا ہندی، سسٹیا نیں اور سادھان: ڈاکٹر وونیدر شرما، دہلی 1965
 ہندی ادبھاؤ وکاس اور روپ: ڈاکٹر ہر دیو بہاری، الہ آباد، پ. سی. 1965
 ہندی-ساہتیہ: ڈاکٹر ہزاری پرساد دویڈی، دہلی، 1964
 ہندی-ساہتیہ کا اُتیاس: اچاریہ رام چندر فکسل، وارانسی، س. 2018 وی.
 ہندی ساہتیہ کی بھومیکا: ڈاکٹر ہزاری پرساد دویڈی، ممبئی، 1950
 ہندی اُتیاس: ڈاکٹر شیونرائن شری واسو ج، ورائی، پ. سی. س. 2016 وی.
 ہندی اُتیاس: ڈاکٹر رام درش مشر، دہلی، پ. سی. 1968
 ہندی اُتیاس-ادبھاؤ وکاس: ڈاکٹر سریندر سنہا، دہلی، پ. سی. 1965
 ہندی اُتیاس ساہتیہ: برج رتن داس، بنارس، پ. سی. 2013 وی.
 ہندی کہانی، ادبھاؤ اور وکاس: ڈاکٹر سریش چہیا، دہلی، 1967
 ہندی کہانیوں کی رچنا-وومی کا وکاس: ڈاکٹر بھگمی نرائن لال الہ آباد، 1953
 ہندی کہانی کی رچنا-پد کر یا: ڈاکٹر پرمانند شر یواسٹو، کانپور، 1965
 ہندی-ساہتیہ کے اتی برس: ڈاکٹر شیودان سنگھ چوہان، دہلی، 1961
 ہندی ساہتیہ گوش، بھاگ 1 اور 2: (س.) ڈاکٹر دھیرندر ورما، ورائی، سنوت، 2015
 ہندی ساہتیہ-بیسویں شتادی: اچاریہ نند دلارے واجپئی، الہ آباد، 1959
 ہندی کے اُتیاس کارن ڈاکٹر یکیہ دت شرما، دہلی، اکتوبر، 1951
 ہندی بھاشا-آندولن: بھگمی نند، الہ آباد، س. 1885
 ہندی، اُتیاس کا ادبھاؤ اور وکا: ڈاکٹر پرتاپ نارائن ٹنڈن، لکھنؤ، 1960

ثانوی مآخذ (انگریزی میں)

Communalism and the Writing of India History : Dr. R. Thaper,
 Dr. H. Mukhia & Dr. B. Chandra, New Delhi, 1969.
 Discovery of India : Jawahar Lal Nehru, Calcutta, 1945.
 Hindi Prachar Movement : M.P. Desai, Ahmedabad, 1957.
 (The) History of the Congress : Dr. B. Pattabhi Sitaramayya,
 Bombay, 1946.

History of the Freedom Movement in India, Vol. II : Dr. Tara Chand, New Delhi, 1961.

(A) History of Urdu Literature, Mohd. Sadiq, London.

Indian Divided : Dr. Rajendra Prasad, Bombay, 1947.

(The) Indian Nationalism and Hindu Reform : Charles H. Heimsmath, Princeton 1964

Indo-Aryan & Hindi : Dr. Sunit Kumar Chatterji, Firma K.L. Mukhopadhyaya, Calcutta, II Ed., 1960

Linguistic Affairs of India : Ram Gopal, Bombay, 1966.

Linguistic Survey of India, Vol. I, Part I, New Delhi 1977.

Language Conflict and National Development : Jyotirindra Das Gupta, 1970.

Lokamanya Tilak : A Biography : Ram Gopal, Bombay, 1956.

Mahatma Gandhi, The Last Phase, Vol. I & II, Pyare Lal, February, 1958.

Modern Islam in India : Wilfred Cantwell, Lahore, 1963.

National Language for India : Z.A. Ahmad, Allahabad, 1941.

Renascent India : H.E.C. Zacharias, London, 1983.

Social Background of the Indian Nationalism : A.R. Desai, Bombay, 1959.

Survey of India History : K.M. Panikar, Bombay, 1962.

Thoughts on National Language : M.K. Gandhi, Ahmadabad, 1957.

Unity of India : Jawahar Lal Nehru, London, 1941.

ثانوی مآخذ (انگریزی)

Alok Rai Nirmala (Tr.) O.V.P., New Delhi, 2001

Amrit Rai Premchand

Inder Nath Madan Premchand, Lahore, 1946

- Gurdial Malik, Short Stories of Premchand, Nalanda, Bombay, 1946
- Gupta, P.C., A Handful of Wheat (Tr.) by Premchand, P.P.H. New Delhi, Premchand, Sahitya Akademi, New Delhi, 1968
- Govind Narain Sharma, Premchand, Twayne Publishers, Boston, U.S.A, 1978
- Jai Ratan and P. Lal, Godan, Jaico, Bombay, 1956
- Lal, P. and Nopani Short Stories of Premchand Vikas, New Delhi, 1980
- Madan Gopal Premchand, Bookabode, Lahore, 1944
- Premchand A Literary , 1964
- The Shroud and other stories, Sagar, Delhi, 1972
- The Best of Premchand, Cosmo Publishers, New Delhi, 1998
- Madan Gupta Secret of Culture, Jaico, Bombay, 1959
- Narvane, V.S., Premchand Life and Work, Vikas, New Delhi, 1980
- Roadarmal, The Gift of a cow, George Allen and Unwin, London, 1968
- Rubin, David, The World of Premchand
- Siegfrid, Schiultz, Premchand : A Western Appraisal, I.C.C.R., New Delhi, 1891.

